

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ

اکرمُ التفاسیر

وَاعْلَمُوْٓا

مولانا
محمد اکرم اعوان

10



وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ

اکرم التفاسیر

وَاعْلَمُوْٓا

مولانا
محمد اکرم اعوان

10

اکرم التفاسیر

مولانا محمد اکرم اعوان

پارہ .... دہم
بار اوّل .... مئی 2013ء
تعداد .... ایک ہزار
قیمت .... 500 روپے

ناشر عبدالقدیر اعوان
ناظم نشر و اشاعت ادارہ نقشبندیہ اویسیہ
دار العرفان منارہ، ضلع چکوال

نے انتخاب جدید پریس لاہور سے طبع کروایا

اویسیہ کتب خانہ، اویسیہ سوسائٹی
کالج روڈ، ٹاؤن شپ لاہور

بے شمار لوگوں کی اصلاح کا سبب بننے والی حضرت مولانا اکرم اعوان مدظلہ العالی کی سمجھنے میں انتہائی آسان، فرقہ پرستی سے پاک اور موجودہ زمانہ کے مطابق لکھی ہوئی قرآن اردو تفسیر وٹس ایپ پر فری حاصل کریں۔

یادرکھیں گناہ جہالت کا پھل ہوتا ہے اور یہ بڑی شرم اور بدبختی کی بات ہے اگر ہم ساری زندگی میں اتنا بھی نہ جان سکیں کہ قرآن میں لکھا کیا ہے۔ لیکن اب آپ کے پاس آسان طریقہ موجود ہے۔ قرآن کی تفسیر ہر وقت آپ کی جیب میں ہو گی اور آپ کو جب بھی دن میں فارغ وقت جہاں بھی حاصل ہو آپ کچھ صفحے روزانہ پڑھتے رہیں اس طرح کچھ ہی وقت میں آپ پورے قرآن کی تفسیر سمجھ سکتے ہیں جس سے آپ کے ہزاروں عقائد و اعمال کی اصلاح ہو کر شریعت کے مطابق ہو جائیں گے اور آپ کی دنیا اور آخرت دونوں جہاں بہترین ہو جائیں گے۔ ہر پارہ کی علیحدہ علیحدہ تفسیر موجود ہے۔



www.QuranTafseer.net

0092 323 520 5255

اپنے وٹس ایپ سے اوپر دیئے گے نمبر پر میسج کریں کہ آپ کو لکھی ہوئی تفسیر چاہیے۔ جبکہ ویب سائیٹ سے بھی آپ یہی تفسیر آڈیو، وڈیو اور تحریر کردہ حاصل کر سکتے ہیں۔

اپنے دوستوں رشتہ داروں سے یہ پوسٹ شئیر کر کے ڈھیروں ثواب حاصل کریں

از دل خیزد بر دل ریزد

اکثر احباب سوچتے ہوں گے اسرار التنزیل کے ہوتے ہوئے اکرم التفاسیر کے لکھنے کی کیا ضرورت تھی؟ تو اس بارے میں عرض کردوں کہ نہ تو خود شنائی کی پہلے کوئی تمنا تھی، نہ اب ہے اور نہ ان شاء اللہ آئندہ ہوگی۔ نہ ہی یہ خیال دل میں آیا کہ مجھے کوئی بڑا عالم یا مفتی یا مفسر قرآن کہے، نہ ان چھوٹی چھوٹی باتوں پر کبھی اپنا وقت قربان کیا۔ ہاں، یہ خواہش ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم اور استاذ المکرم حضرت مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ صاحب کی خصوصی توجہ سے جو علوم و معارف عطا فرمائے انہیں اللہ تعالیٰ کی مخلوق تک پہنچاؤں اور اپنا فریضہ ادا کروں۔

ایک اور بات جو میں کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو اپنے وقت نزول سے تا حال اور آئندہ تا قیامت بلکہ اس سے بھی آگے حساب و کتاب' جنت و دوزخ کی بات کرتا ہے اور تمام انسانیت کو رہنمائی اور ہدایت فراہم کرتا آیا ہے اور ان شاء اللہ کرتا رہے گا۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں' قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے۔ اب اس کے بعد نہ کوئی نبی آئے گا اور نہ رسول اور نہ ہی کوئی کتاب یا صحیفہ اس لئے کہ تمام مخلوق کے مسائل کا حل اس میں موجود ہے۔ ہر زمانے کے لوگ اپنے اپنے حالات کے مطابق استفادہ کرتے آئے ہیں' آئندہ بھی کرتے رہیں گے اور یہ خصوصیت

صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے کلام ہی کی ہوسکتی ہے۔ پہلے وقتوں میں آج کی طرح نقل و حمل و رسل و رسائل کے مواقع اتنے نہیں تھے۔ اس لئے ایک سے دوسری جگہ علوم و ایجادات پہنچنے میں سالہا سال لگ جاتے تھے۔

زمانہ حال کی جدید ایجادات اور خصوصاً الیکٹرانک ایجادات نے تو پوری دنیا کو ایک گھر کی صورت میں یکجا کر دیا یعنی Global Valley اور سالوں کی مسافت سمٹ کر سیکنڈ کے ہزارویں حصہ تک آ گئی ہے۔ اس لئے زمانے اور وقت کی رفتار بھی اتنی ہی تیزی سے تبدیل ہو رہی ہے۔ آنے والے وقتوں میں کیا کیا تبدیلیاں رونما ہوں گی، ان کو دیکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی پر ایمان لانے والوں میں بڑی تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے۔ خصوصاً جدید علوم کے ماہرین اور سائنسدانوں کی کثیر تعداد اسلام کی حقانیت کا اعتراف کرتے ہوئے دائرہ اسلام میں داخل ہو رہی ہے اور یورپ میں تو بہت ہی اضافہ دیکھنے میں آیا ہے۔

بات کہاں سے کہاں تک چلی گئی! بات تو ہو رہی تھی اسرار التنزیل کے ہوتے ہوئے اکرم التفاسیر کے منظر عام پر آنے کی۔ لہٰذا اسرار التنزیل کی اپنی ایک افادیت ہے۔ یہ 1971ء کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی معیت میں اپنے گھر کی حاضری کا شرف بخشا جس میں ساتھیوں کی کثیر تعداد بھی مقام ملتزم پر حاضر تھی۔ جس دربار سے کوئی خالی ہاتھ نہیں لوٹا' عطا و کرم کی اس بارش میں اہل بصیرت نے دیکھا کہ فہم قرآن کا پیغام قلب پر وجدان کی صورت میں نازل ہوا۔ اسی پیغام کو اہل دل کی امانت سمجھتے ہوئے سپردِ قلم کر دیا کہ شاید اپنے اہل تک پہنچ جائے۔

اسرار التنزیل کا انداز عام فہم اور اجمالی ہے جبکہ اکرم التفاسیر میں حالات حاضرہ کے مطابق ذرا بحث کو وسیع کیا گیا ہے۔ یہ بات اہل علم پر عیاں ہے اور پڑھنے والوں کے لئے رشد و ہدایت کا موجب بنے گی۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے' نجات اخروی کا سبب

بنائے اور رضائے الٰہی نصیب فرمائے (آمین)

تیرے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزول کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحب کشاف

مولانا محمد اکرم اعوان
شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ
دارالعرفان منارہ ضلع چکوال

امیر المکرم بحیثیت مفکر قرآن

یہ اعجازِ قرآن ہے کہ بدلتے ہوئے حالات و واقعات اور علوم میں ارتقاء کے باعث مفسیرین کرام قرآنی علوم کی وہ جہتیں بھی آشکار کر رہے ہیں جو پہلے مفسرین کی نگاہوں سے اوجھل رہیں۔ اگر یہ قرآن و حدیث کی معین کردہ حدود کے اندر اور اللہ کے دین اور شریعت کے مزاج سے ہم آہنگ ہیں تو یہ بھی آقائے نامدار ﷺ کے علوم کا ہی پرتو ہے جو بطور علم لدنی ان علمائے ربانی کو عطا ہوئے۔ امیر المکرم کے خطابات سے ماخوذ اکرم التفاسیر بھی فی زمانہ حالات و واقعات اور علوم جدیدہ کا احاطہ کرتے ہوئے علم لدنی کی ایسی روشن مثال ہے جس میں نہ صرف علوم مصطفوی ﷺ کی ضیاء نظر آتی ہے بلکہ برکات نبوی ﷺ قلوب کو تحریک بخشتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں۔

قرآن کے مضامین میں اس قدر وسعت اور تنوع ہے کہ ان کی کسی فہرست کو حتمی قرار دینا ممکن ہی نہیں لیکن قرآن حکیم کا ہر مضمون ایک نظریہ اور فکر کی بات کرتا ہے۔ امیر المکرم سے یہ سوال کیا گیا کہ کیا وجہ ہے کہ قران میں کثرت سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا تذکرہ نظر آتا ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ موسیٰ اور فرعون ہر زمانہ' ہر دور اور ہر معاشرے کے دو مرکزی کردار بھی ہیں جن کے مابین حق و باطل کا معرکہ مسلسل بپا ہے اور قرآن میں جا بجا

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے حوالے سے حق و باطل کے اسی معرکے کا تذکرہ ہے۔ حق و باطل کا یہی معرکہ قرآن کا مرکزی مضمون ہے۔ گرانقدر علمی مباحث قرآن کی معروف تفاسیر کی زینت تو نظر آتے ہیں لیکن قرآن کے اس مرکزی مضمون یا بالفاظ دیگر ''فکر قرآنی'' پر بہت کم بات کی گئی۔

دشمنان اسلام آج کھل کر قرآن کی مخالفت پر تل گئے اور اس کے پیغام کو دبانے کے لئے اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آئے ہیں، لیکن کیا وہ قرآن کے عائلی قوانین سے خائف ہیں، قانون وراثت سے پریشان ہیں، جنت و دوزخ یا ثواب و عذاب سے گھبرا رہے ہیں؟ نہیں، ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ کفار کا تو ان پر ایمان ہی نہیں۔ آج ساری کی ساری طاغوتی قوتیں اس قرآنی فکر سے لرزہ براندام ہیں جو دائمی غلبہ حق کی نوید دیتی ہے اور امیر المکرم اسی قرانی فکر کے نقیب ہیں۔ اکرم التفاسیر میں آپ نے اسی فکر قرآنی کو اجاگر کیا ہے، جو اس تفسیر کا طرہ امتیاز ہے۔

امیر المکرم کفار کے لئے اللہ تعالیٰ کے اٹل قانون قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ کی روشنی میں طاغوتی قوتوں کو آگاہ کرتے ہیں کہ تمہارے لئے دائمی شکست کا فیصلہ فرما دیا گیا ہے اور ذلت ورسوائی تمہارا مقدر ہے۔ غلبۂ حق کو روکنا اب تمہارے بس کی بات نہیں۔ اپنے خطابات میں آپ بکھری ہوئی ملت کو دعوت دیتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ آؤ پھر کسی یکتائی سے عہد غلامی کرلو۔ تمہاری ذمہ داری کوئی ایک معاشرہ، قوم یا ملک نہیں بلکہ پوری انسانیت ہے۔ قرآن نے انقلاب دشمن سازشوں سے آگاہ کرتے ہوئے یہود کی طویل فرد جرم بیان کی ہے جس میں انبیاء علیہم السلام سمیت اہل حق کے قتل کے جرائم بھی ہیں۔ امیر المکرم نے قرآنی فرمودات کی روشنی میں عالمی حالات کا تجزیہ کرتے ہوئے عصر حاضر میں یہود کے سازشی کردار کو اس طرح بے نقاب کیا ہے کہ صیہونیت صرف عالم اسلام ہی کی نہیں بلکہ پوری

انسانیت کی دشمن نظر آتی ہے۔

یہ دور اسی فکر قرآنی کی پہچان کا دور ہے اور امیر المکرم نے بھر پور انداز میں اسے اجاگر کیا ہے۔ کفر اپنے لئے اس خطرے کو اس حد تک پہچان چکا ہے کہ عملی اقدام پر اتر آیا ہے لیکن حضرت امیر المکرم قرآن کی روشنی میں حالات و واقعات کا تجزیہ کرتے ہوئے غزوۃ الہند کی نوید دے رہے ہیں۔ آپ سورۃ آل عمران کی آیت نمبر 12 کے ضمن میں فرماتے ہیں:

''کفار کے لئے یہ آیہ کریمہ قیامت تک کے لئے نوید شکست ہے اور میں بڑی بے باکی سے کہتا ہوں، پورے یقین، پورے ایمان سے منبر رسول ﷺ پر بیٹھ کر کہہ رہا ہوں کہ دنیا کی کافر سپر طاقتیں پھر شکست سے دوچار ہوں گی اور ان شاء اللہ پھر غلبۂ اسلام ہوگا۔''

چونکہ تفسیر کا انداز بیانیہ ہے، تو امیر المکرم کے زوردار انداز بیان میں فکر قرآنی جب قاری تک پہنچتی ہے تو اس کے دل میں ایک تحریک بپا کر دیتی ہے، یہاں تک کہ اسے آنے والے انقلاب کی چاپ سنائی دینے لگتی ہے۔

امیر المکرم نے فکر قرآنی کی بات کرتے ہوئے امت میں ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت پھیلائی گئی اس غلط فہمی کو بھی دور کرنے کی کوشش کی ہے کہ حالات کو بدلنے کے لئے کسی امام مہدی کا انتظار کیا جائے۔ یہ موہوم امید افیون سے کم نہیں جس نے امت کو سلا دیا کہ اب کفر سے نبٹنا ہمارے بس کی بات نہیں اور یہ کام امام مہدی ہی کریں گے۔ حضرت کے خطبات بے عملی کی اس کیفیت سے بیداری کا پیغام ہیں کہ اُمت پہ ابھی بے بسی کا دور نہیں آیا۔ ہر فرد ملت کے مقدر کا ستارہ ہے اور ہر فرد کو امام مہدی کا کردار ادا کرنا ہوگا۔ امیر المکرم امام مہدی کی آمد کی بجائے غلبۂ حق کو بہت قریب دیکھ رہے ہیں۔ یہی قرآنی فکر ہے جو ہر عہد میں حق و باطل کے معرکے کو مہمیز کرتی ہے، جو ہر دور میں خون مسلم کو گرم اور امت مسلمہ کو متحرک رکھتی ہے۔ امیر المکرم نے اکرم التفاسیر میں یہ فکر اس قدر نمایاں طور پر پیش کی ہے کہ وہ مفسر قرآن

سے آگے مفکر قران نظر آتے ہیں اور یاد رہے! ہر انقلاب کے پیچھے کوئی مفکر ہوتا ہے۔

چھ جلدوں پر محیط تفسیر ''اسرار التنزیل'' کے حوالے سے امیر المکرم کی پہچان بطور مفسر قرآن تو مسلمہ ہے لیکن اب ''اکرم التفاسیر'' کی صورت آپ نے جس طرح قرآنی فکر کو اجاگر کیا ہے' آپ کا تعارف بطور ''مفکر قرآن'' حاوی نظر آتا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مفکر قرآن امیر المکرم کو صحت اور عمر دراز عطا فرمائے کہ یہ بیانیہ تفسیر نہ صرف مکمل ہو بلکہ آپ انقلاب بپا ہوتا ہوا بھی دیکھیں۔

حسب سابق احباب سلسلہ عالیہ جناب ذکاء اللہ جان' سید انور علی شاہ اور عاصم نذیر نے تدوین وتالیف میں معاونت کی' اللہ تعالیٰ سب کی مساعی جمیلہ کو شرف قبولیت بخشے۔ آمین

ابوالاحمدین

ابوالاحمدین

فہرست مندرجات

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى حَبِيْبِهٖ

مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَللّٰهُمَّ سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۳۲﴾

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا

عَلٰى حَبِيْبِكَ مَنْ زَانَتْ بِهِ الْعُصُرُوْا

پارہ 10 وَاعْلَمُوْٓا

سورۃ الانفال رکوع 5 آیات 41 تا 44

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى
وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا
عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ
قَدِيْرٌ ۝41 اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى وَالرَّكْبُ
اَسْفَلَ مِنْكُمْ ۭ وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيْعٰدِ ۙ وَلٰكِنْ لِّيَقْضِيَ
اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ڏ لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْۢ
بَيِّنَةٍ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝42 اِذْ يُرِيْكَهُمُ اللّٰهُ فِيْ مَنَامِكَ قَلِيْلًا ۭ وَلَوْ
اَرٰىكَهُمْ كَثِيْرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ ۭ اِنَّهٗ
عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝43 وَاِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَيْتُمْ فِيْٓ اَعْيُنِكُمْ
قَلِيْلًا وَّيُقَلِّلُكُمْ فِيْٓ اَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۭ وَاِلَى اللّٰهِ
تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝44

اور جان لو کہ جو چیز بطورِ غنیمت تم کو حاصل ہو تو اس کا پانچواں حصہ اللہ کا ہے اور (اس کے) پیغمبر کا ہے اور قرابت داروں کے لیے اور یتیموں کے لیے اور مسکینوں کے لیے اور مسافروں کے لیے ہے اگر تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو اور جو کچھ ہم نے اپنے بندے پر (حق و باطل میں) فرق کرنے کے دن نازل فرمایا جس دن کہ دونوں جماعتیں (مومن اور کفار) مقابل ہوئی تھیں اور اللہ ہر چیز پر قادر ہیں ﴿۴۱﴾ جب تم (میدان کے) ادھر والے کنارے پر تھے اور وہ لوگ (کفار، میدان کے) ادھر والے کنارے پر تھے اور قافلے والے تم سے نیچے تھے اگر تم کوئی بات طے کرتے تو وقت مقررہ پر ضرور آگے پیچھے ہو جاتا ولیکن جو کام اللہ کو کرنا منظور تھا اس کو کر ہی ڈالے تاکہ جسے برباد ہونا ہے وہ واضح دلیل کے بعد برباد ہو اور جسے زندہ رہنا ہے (ہدایت پانا ہے) وہ بھی واضح دلیل سے (ہدایت پائے) اور بے شک اللہ خوب سننے والے اور جاننے والے ہیں ﴿۴۲﴾ جب اللہ نے آپ کے خواب میں آپ کو وہ لوگ کم دکھلائے اور اگر اللہ آپ کو وہ زیادہ دکھا دیتے تو تم ہمت ہار دیتے اور کام میں باہم جھگڑنے لگتے۔ ولیکن اللہ نے (اس سے) تم کو بچا لیا یقیناً وہ دلوں کی بات جانتے ہیں ﴿۴۳﴾ اور اس وقت جب تم مقابل ہوئے تو ان (کافروں) کو تمہاری نظر میں تھوڑا کر کے دکھاتے تھے اور تمہیں ان کی نظروں میں تھوڑا کر کے دکھاتے تھے تاکہ اللہ کو جو کام کرنا منظور تھا اس کو کر ڈالیں اور تمام کام اللہ کی طرف رجوع کیے جاتے ہیں ﴿۴۴﴾

تفسیر و معارف

فرمایا: مال غنیمت کے احکام ہم نے اپنے بندے محمد رسول اللہ ﷺ پر یوم فرقان نازل فرمائے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے تمام امتوں میں جہاد تو فرض رہا لیکن مال غنیمت کا استعمال حلال نہ تھا۔ جب کفار کو شکست ہوتی اور شکست خوردہ لشکر اپنا جو مال و اسباب اسلحہ، گھوڑے وغیرہ میدان میں چھوڑ جاتے تو وہ مال غنیمت فاتح فوج کے حصے میں آ جاتا لیکن اس مال کا کھانا کسی مذہب میں حلال نہیں تھا بلکہ اس سب کو

میدان میں ایک جگہ جمع کر دیتے، آسمان سے آگ آتی اور اسے جلا دیتی یہ اس مال کی قبولیت اور اس جہاد کی قبولیت کی بھی دلیل ہوتی تھی۔ اگر آسمان سے آگ نہ آتی تو پھر یہ سمجھا جاتا کہ یہ مال منحوس ہے اور اس جہاد میں کوئی کمی رہ گئی تھی یا تو خلوص نہیں تھا یا کوئی عمل حکم الٰہی کے مطابق نہیں ہوا لہٰذا ایسے مال کو کوئی ہاتھ نہیں لگاتا تھا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر مال غنیمت حلال کیا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر حلال کر دیا گیا چونکہ زکوٰۃ لوگوں کے مال کا میل کچیل ہے جو مال کی پاکیزگی اور صفائی کے لیے دی جاتی ہے لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خاندان کو زکوٰۃ لینے سے منع کر دیا گیا لیکن مال غنیمت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حلال قرار دے دیا گیا کہ یہ ایسا پاک مال ہے جو براہ راست اللہ کی طرف سے بطور انعام عطا ہوتا ہے۔

مال غنیمت کی تقسیم اور مصارف:

فرمایا: وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ جو کچھ بھی اور جتنا بھی مال غنیمت تمہیں حاصل ہو اس کا پانچواں حصہ اللہ کا ہے اور اس کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔

عہد نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام میں جتنا بھی مال غنیمت حاصل ہوتا اس کے چار حصے مجاہدین پر تقسیم ہو جاتے اور پانچواں حصہ بیت المال میں جاتا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تصرف میں ہوتا تھا کہ یہ مال اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کا ہے۔ یہ تھی اس کی تقسیم۔ اس سے آگے اس کے مصارف بیان ہوئے یعنی اس مال کے صرف کرنے کے مقام کیا ہیں تو فرمایا وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ حضور ﷺ کے قرابت داروں کے لیے، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے لیکن یہ ضروری نہیں کہ ان مصارف میں برابر تقسیم ہوگا بلکہ فرمایا یہ مال حضور اکرم ﷺ کی ملکیت ہے، جس کو جتنا دینا ضروری سمجھیں اس کو اسی قدر عطا فرما دیں۔

مال کی تقسیم کے مصارف ارشاد فرما دیئے لیکن اس کی تقسیم کا اختیار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا کہ جتنا چاہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خرچ کے لیے رکھ لیں، اپنے قرابت داروں کو عطا فرمائیں، یتیموں کو مساکین اور مسافروں کو عطا فرمائیں اور اسے اس انداز سے ارشاد فرمایا اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ اگر تم اللہ پر یقین رکھتے ہو، اللہ پر ایمان رکھتے ہو تو پھر یہ تقسیم اللہ کی ہے لہٰذا کسی کو اس پر اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔

یوم الفرقان:

اور یہ حکم اللہ تعالیٰ نے حق و باطل میں فرق کرنے کے دن اپنے بندے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر

نازل فرمایا۔ حضور اکرم ﷺ کی بعثت کے بعد معرکہ ، بدر کو اللہ تعالیٰ نے یوم الفرقان کہا ہے یعنی معرکہ بدر نے حق و باطل میں، مومن و کافر میں، سچ اور جھوٹ میں تفریق پیدا کر دی، امتیاز پیدا کر دیا۔ یہ تاریخ انسانی کا ایک عجیب معرکہ ہے۔ اس کی تاریخ یہ ہے کہ اہل مکہ نے پورے مکہ میں چندہ کیا اور ایک تجارتی قافلہ تیار کیا۔ اس سرمایہ کاری کا مقصد یہ تھا کہ جو کچھ یہ قافلہ کما کر لائے گا اس سے جنگی تیاریاں کر کے مسلمانوں کے خلاف جنگ کی جائے گی اور مدینہ منورہ کے رہنے والوں کو نیست و نابود کر دیا جائے گا۔ جب یہ قافلہ اپنا تجارتی مال و اسباب بیچ کر تجارت کر کے واپس ہو رہا تھا تو مسلمانوں کو اس کی اطلاع ہوگئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قافلے کا راستہ روکنے کا ارادہ فرمایا اور خود بنفس نفیس تشریف لے گئے۔ ادھر مکہ والوں کو بھی اطلاع ہوگئی کہ مسلمان قافلے کا راستہ روکیں گے چنانچہ سرداران مکہ اکٹھے ہوئے ایک ہزار کا لشکر جرار تیار کیا جس میں مکہ کے بڑے بڑے سردار، نامور لوگ، مانے ہوئے لڑاکا نوجوان، اسلحہ سے لیس، وافر راشن، عمدہ اونٹ اور گھوڑے لے کر وہ قافلے کو بچانے کے لیے نکل پڑے اور ایک عجیب منظر بن گیا کہ مسلمان میدان بدر میں پہنچے تو بدر سے تین میل نیچے سمندر کی طرف سے مشرکین کا قافلہ ساحل سمندر کے ساتھ نکل رہا تھا اور بدر کے میدان کے دوسرے کنارے پر مشرکین مکہ کا لشکر پہنچ چکا تھا۔ چونکہ قافلہ ایک طرف سے ہو کر گزر رہا تھا وہ تو بچ کر نکل گیا۔ جب قافلہ بچ نکلا تو مسلمانوں کی تیاری تو کسی لشکر سے لڑنے کی نہیں تھی اور لڑنے کی کوئی ضرورت بھی نہ رہی تھی۔ اس کے علاوہ مشرکین کا مقصد بھی قافلے کو بچانا تھا۔ ان کا مقصد بھی پورا ہو گیا، قافلہ بچ کر نکل گیا، انہیں بھی اب لڑائی کی ضرورت نہیں تھی۔ انہیں واپس چلا جانا چاہیے تھا لیکن اللہ کو منظور تھا کہ حق و باطل کا فیصلہ ہو جائے چنانچہ مسلمان اور کافر ٹکرا گئے۔

دنیا کی تاریخ کا یہی وہ عظیم دن ہے جب اللہ نے مظلوموں کو ان کا حق دلوانے کے لیے ظالموں کے سامنے کھڑا کر دیا اور حق کو فتح یاب کر کے ہمیشہ کے لیے طے کر دیا کہ حق کے ساتھ اللہ کی مدد ہے اور مغلوب ہونا باطل کا مقدر ہے۔ اس دن کو قرآن حکیم نے یوم فرقان کہا ہے یعنی حق و باطل میں فرق کرنے کا دن سو فرمایا: وَمَآ اَنۡزَلۡنَا عَلٰى عَبۡدِنَا يَوۡمَ الۡفُرۡقَانِ يَوۡمَ الۡتَقَى الۡجَمۡعٰنِ ؕ جو ہم نے اپنے بندے پر حق و باطل میں فرق کرنے کے دن نازل فرمایا جس دن کہ دونوں جماعتیں مومن اور کفار مقابل ہوئیں تو ہر ایک جماعت نے قدرت باری کا اندازہ کر لیا وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ﴿۴۱﴾ کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اس نے اسباب سے مالا مال بڑے بڑے متکبر، مغرور اور بڑے جنگی ماہرین کے لشکر کو شکست فاش دی اور نسبتاً کمزور افرادی قوت، کم راشن اور کم اسلحہ والے لشکر اسلام کو فتح ہوئی۔

اہل مکہ نہ صرف مشرک و بت پرست تھے بلکہ ان کا نظام بھی ظالمانہ تھا۔ غریبوں کو زبردستی غلام بنالیا جاتا، پکڑ کر بیچ دیا جاتا اور انسان فروخت در فروخت ہوتے رہتے۔ غلام کی زندگی کا کلی اختیار مالک کے پاس ہوتا تھا جو چاہے تو اسے قتل بھی کر سکتا تھا، جتنا چاہے اس پر بوجھ ڈالتا، غذا ناقص اور بچی کھچی دی جاتی، پھٹا پرانا لباس دیا جاتا وہ بھی آدھا دیا جاتا تھا تا کہ شناخت رہے کہ یہ غلام ہے۔ ایک ظالمانہ ماحول اور ناانصافی کی دنیا تھی جس کے خلاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آواز اٹھائی اور اپنے خدام کو صف آراء کروا کر میدان جنگ میں مقابلہ کیا جس کے نتیجے میں حق کو فتح ہوئی اور لوگوں کو اپنے حقوق ملنا شروع ہوئے۔ یوم بدر مظلوموں سے ظلم کو اکھاڑ پھینکنے کا دن تھا۔ تاریخی اعتبار سے ہزاروں سالوں، کئی صدیوں کے بعد ایسا دن اس بوڑھے آسمان نے دیکھا ورنہ غریبوں کو پستے، ظلم سہتے، مار کھاتے، بکتے اور فروخت ہوتے صدیاں گزر گئی تھیں۔ اللہ کریم فرماتے ہیں، اللہ ہر چیز پر قادر ہے، جب وہ چاہتا ہے اسباب بھی پیدا کر دیتا ہے اور ان اسباب سے نتائج بھی پیدا کر دیتا ہے۔

اللہ کریم کی منصوبہ بندی:

جو کام اللہ تعالیٰ کو کرنا منظور ہوتا ہے اس کی تکمیل ہو کر رہتی ہے۔ فرمایا، اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى وَالرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ ؕ جس دن، جس وقت تم میدان کے قریبی سرے پر تھے اور دوسرے سرے پر مشرکین مکہ تھے اور قافلہ ڈھائی تین میل نیچے کی طرف سمندر کے کنارے کنارے گزر رہا تھا وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيْعٰدِ ۙ اگر تم کوئی بات طے کرتے تو وقت مقرر پر ضرور آگے پیچھے ہو جاتے۔ اگر یہ فیصلہ انسانی ہوتا لوگوں کی آراء پر ہوتا تو شاید قافلہ پہلے نکل جاتا، مکہ والے بعد میں پہنچتے۔ قافلے والے اور طرف نکل جاتے اور مسلمان کہیں اور پہنچ جاتے یعنی آگے پیچھے ہو سکتے تھے۔ وقت کا اس طرح متعین ہونا کہ مکہ والے بھی پہنچیں، قافلہ بھی وہیں سے گزر رہا ہو اور مسلمان بھی وہیں پہنچ جائیں یہ اللہ کریم کی اپنی منصوبہ بندی تھی۔ اگر لوگوں کی رائے پر ہوتا تو اس میں اختلاف ہو جاتا۔

ایک اصول:

اختلاف رائے ہونا انسانی معاشرے کی ایک حقیقت ہے۔ اسلام میں رائے دینا منع نہیں ہے رائے ٹھونسنا منع ہے۔ اختلاف رائے یہ ہے کہ ہر شخص اپنی رائے دیتا ہے، مشورہ اپنی صوابدید پر دیتا ہے، تمام آراء کا ایک دوسرے سے مطابقت کرنا ضروری نہیں لہٰذا امیر سب کی رائے سن کر فیصلہ خود کرتا ہے۔ حتمی فیصلہ امیر کا ہوتا ہے۔ یہاں تک تو اختلاف رائے ہے لیکن اگر کوئی اپنی رائے پر اڑ جائے، اصرار کرے کہ اس کی رائے پر ہی عمل

کیا جائے تو یہاں سے اختلاف رائے ختم ہو کر مخالفت شروع ہو جاتی ہے، پھر یہ اختلاف رائے نہیں ہوتا مخالفت ہوتی ہے جو جماعتوں، حکومتوں اور قوموں کے لیے تباہی کا سبب بنتی ہے جب ہر کوئی اپنی رائے دوسرے پر مسلط کرنے کی کوشش کرے تو امور سلامتی سے طے نہیں پاتے۔ فرمایا: اگر یہاں بھی ایسا ہوتا تو معاملہ وقت پر آگے پیچھے ہو جاتا۔ لوگ آپس میں جھگڑ رہے ہوتے اور وقت نکل جاتا، اہل مکہ کہیں اور پہنچتے اور مسلمان کہیں اور لیکن وَلٰكِنْ لِّيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۙ اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ ایسا اس لیے ہوا کہ اللہ اپنے کام کو جو وہ کرنا چاہتا ہے اسے پورا فرمائے لہٰذا مسلمانوں میں کوئی اختلاف رائے بھی نہ ہوا۔ ایسا منظر بنا کہ اہل مکہ بھی موقع پر پہنچ گئے، قافلہ بھی بچ کر نکل گیا، پیچھے دو جماعتیں رہ گئیں، تین سو تیرہ مسلمان جن کے پاس آٹھ زرہیں، چھ تلواریں، آٹھ دس گھوڑے اور دن بھر کا راشن پانچ، پانچ کھجوریں۔ دوسری طرف کفار کا لشکر جو ایک ہزار لوگوں پر مشتمل تھا جن میں مکہ کے بڑے بڑے سردار اور تجربہ کار جنگجو تھے۔ فرمایا: ''لیکن جب اللہ کو کوئی کام منظور ہو تو وہ ہو جاتا ہے۔'' اللہ کریم اس کے اسباب بھی پیدا فرما دیتے ہیں۔ اہل مکہ کو بھی تحریک ہوئی تو وہ ایسے وقت پر نکلے، سفر طے کیا اور وقت مقرر پر بدر پہنچ گئے، قافلے والوں کو بھی خبر ہو گئی انہوں نے مال و اسباب اونٹوں پر لادا اور راتوں رات نکلنے کی کوشش کی۔ وہ بچ کر نکل بھی گئے۔ مسلمان بھی اس وقت ہی میدان بدر میں پہنچ گئے۔ اس لیے کہ اللہ کریم چاہتے تھے کہ لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ ؕ جسے ہلاک ہونا ہے وہ واضح دلیل پر ہلاک ہو اسے پتہ چلے کہ وہ ظلم کر رہا ہے وہ ناحق پر ہے اور جسے زندگی نصیب ہو اس کے پاس بھی حق کی واضح دلیل ہو۔

حیات و موت:

ہم اس دنیاوی زندگی کے خاتمے کو موت سمجھتے ہیں کہ جس کی سانس رک گئی، دل کی دھڑکن بند ہو گئی وہ مر گیا۔ قرآن حکیم ایمان کے چلے جانے کو حقیقی موت قرار دیتا ہے۔ جسے ہم عرفاً موت کہتے ہیں یہ زندگی کا خاتمہ نہیں بلکہ نئی زندگی کی ابتداء ہے۔ دنیا کی عارضی زندگی کا خاتمہ ہے اور آخرت کی ابدی زندگی کا آغاز ہے تو مرنے والا ختم نہیں ہو جاتا بلکہ ایک حالت سے دوسری حالت میں منتقل ہو جاتا ہے لیکن جس کا دل ایمان سے خالی ہو جائے وہ مر گیا، وہ تباہ ہو گیا، ہمیشہ کے لیے جہنم کا ایندھن بن گیا۔ قرآن کی اصطلاح میں ہلاکت سے مراد ایمان سے محرومی ہے اور حیات سے مراد ایمان ہے۔ یہاں ارشاد ہو رہا ہے کہ جسے ایمان سے محروم ہونا ہے وہ بھی یہ دیکھ لے کہ ایمان اور حق کا بغیر اسباب دنیا کے فاتح ہونا ان کے حق پر ہونے کی اور تائید باری کی دلیل ہے۔ یہ واضح ہے کہ اللہ کی مدد حق کے ساتھ ہے۔ اور کافروں کا باوجود اسباب کے ہلاک ہو جانا، شکست کھا جانا، تباہ ہو جانا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ اللہ کی مدد سے محروم ہیں۔ اب جسے ایمان سے محروم ہونا ہے اس کے سامنے بھی حق واضح ہو

گیا لہذا اب وہ جانتے بوجھتے ہلاکت میں جا رہا ہے تو پھر جائے ، یہ اس کا اپنا فیصلہ ہے۔ اور جسے اللہ نے نور ایمان بخشا ہے اس کے پاس بھی یہ دلیل آگئی کہ اسے اللہ کی تائید حاصل ہوئی تو فتح نصیب ہوئی اور حق قائم ہوا اور ہر ایک کو اس کے حقوق ملے۔

تائید باری:

جب بھی مقابلہ ہوتا ہے خواہ دو افراد کے درمیان ہو، اقوام کے یا افواج کے جب بھی وہ میدان میں اترتے ہیں تو ایک ہارتا ہے ایک جیتتا ہے۔ اسلام اس ہار جیت کو فتح وشکست نہیں کہتا۔ اسلام کے نزدیک فتح یہ ہے کہ حق غالب آجائے، عدل وانصاف اور امن غالب آئے، ایسی فتح جس کے نتیجے میں ہر ایک کو حقوق ملیں، ہر ایک کو انصاف ملے، ہر ایک کے ساتھ عدل کیا جائے یہ وہ فتح ہے، وہ کامیابی ہے جس کے ساتھ تائید باری ہے اور شکست یہ ہے کہ باطل کو شکست ہو، ناانصافی اور زیادتی کو شکست ہو۔ تو فرمایا حق اور سچائی اس طرح واضح ہو جائے کہ لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ جس نے پھر بھی کفر پر ہی مرنا ہے تو اسے شکوہ نہ ہو کہ مجھے تو کسی نے کوئی دلیل ہی نہ دی، کسی نے مجھے قائل کرنے کی کوشش ہی نہ کی وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ اور جسے حق قبول کرنا ہے اس کے پاس واضح دلیل آجائے کہ تائید باری کس کے ساتھ ہے اور وہ اس کا دامن تھام سکے۔ اسلام جسے حق کی دلیل قرار دیتا ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ حسنہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ساری انسانیت کے لیے مبعوث ہوئے اور قیامت تک کے انسانوں کے لیے مبعوث ہوئے۔ پیغام الٰہی ساری دنیا کے لیے لائے گورے، کالے ہر طرح کے لوگوں کے لیے آئے، شمال جنوب، مشرق ومغرب جہاں تک انسانیت پھیلی ہے وہاں تک کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں جب اسلامی ریاست قائم فرمائی تو قرب وجوار کے حکمرانوں کو اپنے نامہ ہائے گرامی قاصدوں کے ذریعے روانہ فرمائے اور دعوت اسلام دی۔ اس کے باوجود کہ دنیا دور دور تک پھیلی ہوئی تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حیات مبارکہ میں کسی دوسری سرزمین پر قدم رنجہ نہیں فرمایا۔ روئے زمین پر خوش قسمت ترین ٹکڑا صرف عرب کی سرزمین ہے جس نے قدوم مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے بوسے لیے۔ مکہ مکرمہ، طائف تبوک، قبائل عرب یا مدینہ منورہ تک کی زمین کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مبارک قدموں سے نوازا۔ یہ سب تو جزیرہ نمائے عرب کے اندر اندر تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوتے ہیں پوری روئے زمین کے لیے تو وصال نبوی علیہ الصلوۃ والسلام کے بعد یہ ذمہ داری خلفائے راشدین پر آپڑی۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین وہ عظیم المرتبت ہستیاں ہیں جنہیں مکہ و مدینہ میں، سفر و حضر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عالی کی حاضری نصیب رہی۔ کل تیئس برس عہد نبوت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان نبوت کے بعد تیرہ برس حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں مقیم رہے، دس برس آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں جلوہ افروز رہے یوں تیئس برس میں دین مکمل ہوگیا۔ پورا قرآن حکیم نازل ہوگیا، لوگوں کو پڑھا اور سکھا دیا گیا، ہزاروں کی تعداد میں لوگ حافظ بن گئے، سینوں میں قرآن محفوظ ہوگیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن حکیم کو ترتیب سے لکھوا دیا۔ جب کوئی آیت نازل ہوتی آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے کہ اسے فلاں سورت میں فلاں آیت سے پہلے یا فلاں کے بعد لکھو۔ قرآن حکیم کی جو ترتیب آج ہمارے پاس ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ترتیب دی ہوئی ہے۔ ان خوش نصیبوں کو جنہیں شرف صحابیت نصیب ہوا احکام دین سکھا دیے گئے۔ دس برس وہ لوگ مدینہ منورہ میں اس پر عمل پیرا رہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مشاہدہ فرماتے اور ان کے اعمال کی تصدیق فرماتے رہے کہ اس حکم پر عمل کرنے کا یہی طریقہ ہے اور اس پر ایسے ہی عمل ہوگا۔ جب دین مکمل ہوگیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے پردہ فرما گئے۔

جزیرہ نمائے عرب سے باہر روئے زمین پر اسلام کا پیغام پھیلانے کی ذمہ داری خلفاء راشدین کو تفویض ہوئی۔ تاریخ اٹھا کر دیکھ لیں وصال نبوی کے ٹھیک تیئس برس کے اندر اندر شمال سے جنوب اور مشرق سے مغرب تک روئے زمین کے معلوم حصوں تک اسلام کا پیغام پہنچ چکا تھا۔ ایک ایسی سلطنت وجود میں آ چکی تھی جو شمال سے سائبریا اور جنوب میں افریقہ تک پھیل چکی تھی۔ مغرب میں ہسپانیہ مشرق میں چین تک پہنچ گئی تھی۔ خلفائے راشدین نے اس وسیع سلطنت میں اسلام اس طرح نافذ فرمایا کہ مورخین لکھتے ہیں کہ کسی بوڑھے کی آہ، کسی عورت کی چیخ یا کسی بچے کے آنسو دکھائی نہیں دیتے کہ فاتح لشکر نے کہیں زیادتی کی ہو بلکہ غلاموں کو آزادی ملی، مظلوموں کو انصاف ملا اور جہاں تک لشکر اسلام گیا وہاں تک کی آبادی کو خواہ وہ مسلم تھے یا غیر مسلم عدل اور انصاف میسر ہوتا گیا۔ یہ دلیل ہے کہ تائید باری خلفاء راشدین کے ساتھ تھی۔ صحابہ کرامؓ حق کی واضح دلیل ہیں۔ قیامت تک کے لیے طے ہو چکا کہ جسے حق قبول کرنا ہے اس کے پاس واضح دلیل ہے کہ تائید باری کس کے ساتھ ہے تاکہ وہ اس کے دامن سے وابستہ ہو سکے۔

وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۴۲﴾ اور یقیناً اللہ سننے والے بھی ہیں اور جاننے والے بھی۔ جو بات بھی کسی کے منہ سے نکلتی ہے، جہاں کسی کے لب ہلتے ہیں، جہاں کہیں سرگوشی ہوتی ہے، اللہ کریم سن رہے ہیں اور جو باتیں لوگ چھپا لیتے ہیں زبان تک نہیں لاتے اللہ اسے بھی جانتے ہیں۔ سننے سے مراد ہے زبان پر آنے والی بات کو سننا

اور جاننے سے مراد بھیدوں کا جاننا۔ فرمایا یقیناً اللہ اسے سنتے ہیں جو لوگ ظاہر کرتے ہیں اور جو کچھ دلوں میں چھپا لیتے ہیں اسے بھی جانتے ہیں۔

اِذْ یُرِیْکَهُمُ اللّٰهُ فِیْ مَنَامِكَ قَلِیْلًا ؕ وَلَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِیْرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِی الْاَمْرِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ ؕ اِنَّهٗ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۴۳﴾ اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم جب آپ کو اللہ نے خواب میں کفار کی تعداد بہت قلیل دکھلائی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب مبارک میں دیکھا کہ کفار کی تعداد بہت کم ہے۔ جس کی تعبیر آپ ﷺ نے یہ فرمائی کہ ان شاء اللہ کفار کو شکست ہوگی۔ وَلَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِیْرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِی الْاَمْرِ اگر اللہ کریم آپ کو ان کی تعداد زیادہ دکھاتے تو اس معاملے میں باہمی تنازعہ کھڑا ہو جاتا۔ کوئی کہتا جہاد ہونا چاہیے، کوئی کہتا اس سے بچنا چاہیے وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ ؕ اللہ کریم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے بچا لیا۔

اللہ کا بہت بڑا احسان

یہ اللہ کا بہت بڑا احسان ہے کہ کسی کو اللہ کی نافرمانی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی سے بچنے کی توفیق دے دے، بچنے کے اسباب پیدا کرے۔ دنیاداروں کی سوچ کی انتہا یہ ہے کہ کسی کے پاس دولت جمع ہو، اقتدار ہو تو کہتے ہیں اس پر اللہ کا بڑا کرم ہے خواہ وہ شخص کافر ہو جائے، بے دین اور بدکار ہو جائے۔ یہاں قرآن حکیم کی آیت یہ بتا رہی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع اور اطاعت میں اختلاف سے بچنا اللہ کا کرم ہے۔ اللہ کی مہربانی تو یہ ہے کہ کسی کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی نصیب ہو جائے تو وہ سب سے زیادہ امیر ہے، سب سے زیادہ خوش بخت ہے، بڑا خوش قسمت اور بختاور ہے۔ یہی فرمایا کہ اللہ نے مسلمانوں کو اس سے بچا لیا۔ اِنَّهٗ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۴۳﴾ اس لیے کہ اللہ دلوں میں چھپے بھیدوں کو جانتا ہے، ان سے واقف ہے۔ وہ جانتا ہے کہ بشری کمزوریاں کیا ہیں۔ انسان کھرا اور مخلص بھی ہو تو پھر بھی انسان ہی ہے، کہیں مشکل دیکھے گا تو ڈر جائے گا، اپنے سے زیادہ طاقتور سے بچنے کی کوشش کرے گا لیکن اللہ کریم بندے کے باطن میں موجود خلوص کو دیکھتا ہے لہٰذا سب سے بڑا خوش نصیب وہی ہے جسے اللہ گناہ سے، اپنی نافرمانی سے اور اپنے حبیب ﷺ کی نافرمانی سے بچا لے۔

اللہ دلوں کے بھید جانتا ہے اس لیے اس سے ایسی کیفیت پیدا کر دی کہ اپنے نبی ﷺ کو خواب میں کافروں کی تعداد بہت تھوڑی دکھائی جس کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تعبیر فرمائی کہ کفار شکست کھائیں گے حتی کہ

میدان بدر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جگہ جگہ نشان لگا کر بتا دیا تھا کہ فلاں کافر یہاں قتل ہوگا، اس جگہ گرے گا فلاں اس مقام پر قتل ہوگا اور وہاں گرے گا اور جب معرکہ ختم ہوا تو جہاں جہاں، جس جس کی نشاندہی حضور ﷺ نے کی تھی بعینہ انہی جگہوں پر کفار کے نامور لوگ قتل ہوئے پڑے تھے۔

وَاِذۡ یُرِیۡکُمُوۡهُمۡ اِذِ الۡتَقَیۡتُمۡ فِیۡۤ اَعۡیُنِکُمۡ قَلِیۡلًا جب مسلمانوں کے لشکر کا کافروں سے مقابلہ ہوا تو انہیں کافروں کی تعداد کم نظر آتی تھی۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے ایک ساتھی سے کہا کہ مشرکین مکہ کا یہ لشکر نوے لوگوں پر مشتمل ہوگا تو انہوں نے جواب دیا غالباً سو افراد پر مشتمل ہے۔ حالانکہ وہ ایک ہزار کا لشکر جرار تھا۔ وَّیُقَلِّلُکُمۡ فِیۡۤ اَعۡیُنِهِمۡ اور کفار کو مسلمانوں کی تعداد بہت تھوڑی نظر آتی تھی ابوجہل نے دیکھ کر کہا کہ یہ لوگ جو ہمارے مقابلے پر آئے ہیں یہ اتنے ہوں گے جتنے ایک اونٹ سے پیٹ بھر لیتے ہیں۔ عربوں کے نزدیک یہ ایک معیار تھا کہ اگر ایک اونٹ ذبح کیا جائے تو سو آدمی پیٹ بھر کر کھانا کھا لیتے ہیں۔ یوں اللہ کریم نے کافروں کو مسلمانوں کی تعداد کم دکھائی۔ کفار مسلمانوں کو کم دیکھ کر آگے بڑھے کہ یہ تو مٹھی بھر ہیں ہم انہیں مسل دیں گے اور مسلمان بڑی دلیری سے بڑھے کہ یہ تو ہم سے تعداد میں بہت کم ہیں۔ فرمایا: ایسا کیوں ہوا؟ لِیَقۡضِیَ اللّٰهُ اَمۡرًا کَانَ مَفۡعُوۡلًا ؕ تاکہ اللہ جو کام کرنا چاہتا ہے اسے کر ڈالے، اسے انجام تک پہنچا دے۔

اللہ کریم چاہتے تھے کہ روئے زمین پر کفر کی جو بڑی سے بڑی طاقت ہے وہ اسے پوری قوت سے، شان و شوکت سے میدان میں لے آئے۔ مسلمانوں کے پاس طاقت کم ہے، وسائل کم ہیں لیکن جو ہیں ان کو میدان میں لے آئے اور اپنی تائید سے کفر کا غرور توڑ دے۔ کافروں کو شکست دے، اسلام کو غلبہ دے تاکہ حق واضح ہو جائے اللہ نے یہ سارے اسباب اس لیے پیدا فرمائے کہ اللہ کریم جو چاہتے ہیں اسے کر ڈالیں۔

اہمیت اسباب:

دنیا عالم اسباب ہے۔ اسباب اختیار کرنا ضروری ہے، ترک سبب کی اجازت نہیں لیکن اسباب اپنی ذات میں موثر نہیں ہوتے۔ اسباب میں تاثیر بھی اللہ تعالیٰ خود پیدا فرماتے ہیں۔ اگر اللہ چاہیں تو چیزوں کی تاثیر بدل جاتی ہے۔ مولانا رومی نے کہا ہے۔

چوں قضاء آید حکیم ابلا شود
روغن بادام خشکی می دہد

روغن بادام سراسر تر ہوتا ہے لیکن اللہ کسی کو شفا نہ دینا چاہے تو وہ بھی خشکی پیدا کرنے کا سبب بن جاتا

ہے۔ لہٰذا یہ طے ہے کہ جو اللہ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے جب اللہ چاہے اسباب کی تاثیر بدل جاتی ہے۔ اسباب اختیار کرنے میں اول یہ ہے کہ کوئی ایسا سبب اختیار نہ کیا جائے جو شرعاً جائز نہیں اور جو شرعاً جائز ہیں انہیں ضرور اختیار کیا جائے لیکن بھروسہ اللہ پر ہو اور دعا یہ ہو کہ اللہ کریم جو میرے بس میں تھا میں نے وہ اسباب جمع کر لیے ہیں اب کامیابی دینا تیرے دست قدرت میں ہے، میری مدد فرما، مجھے کامیاب فرما۔

تائید باری وکامیابی:

اللہ کریم نے تیرہ برس صحابہ کرامؓ کو اتنا پختہ کار بنا دیا کہ وہ دنیا کا ہر ستم سہتے رہے لیکن ہاتھ سے دامان رسالت نہ جانے دیا۔ آج جب ہم بات کرتے ہیں تو ہمارا انداز یہ ہوتا ہے کہ ہم سمجھتے ہیں کہ ہم پر وہی کرم ہونا چاہئے جو صحابہ کبارؓ پر تھا۔ ہمیں اپنی مسلمانی کا معیار دیکھنا چاہیے۔ ہمیں معمولی زکام بھی ہو جائے تو سب سے پہلے ہم سے اللہ کی عبادت چھوٹتی ہے۔ نہ کھانا پینا چھٹتا ہے نہ کاروبار اور صحابہؓ وہ لوگ تھے جن سے زندگی کا دامن چھوٹ گیا، اطاعت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نہ چھوٹی۔ جنہوں نے جانیں دے دیں لیکن اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے احکام پر عمل پیرا رہے فرمایا، وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿﴾ یاد رکھو تمام کام اللہ ہی کی طرف رجوع کیے جاتے ہیں۔ کوئی کام ایسا نہیں جو از خود ہو جائے یا اللہ کی پسند کے خلاف ہو جائے۔ ہوتا وہی ہے جو اللہ کریم چاہتے ہیں۔ یہ یاد رہے کہ جو شخص اپنی پسند سے جس راستے کو اپنا لے اور اس پر چلتا رہے تو ایک دن اس کا سفر ختم ہو جاتا ہے وہ اپنی منزل پر پہنچ جاتا ہے لیکن ہر کوئی اسی منزل پر پہنچتا ہے جس راستے پر وہ چل رہا ہے اگر کوئی نافرمانی کے راستے پر چل رہا ہے تو دنیاوی ناکامی بھی اس کے حصے میں آئے گی اور آخرت کی ناکامی بھی اور اگر کوئی اطاعت الٰہی اور اتباع رسالت کے راستے پر گامزن ہے تو وہ دنیا میں بھی کامیاب ہوگا اور آخرت کی کامیابی بھی اس کے حصے میں آئے گی۔ یہ اللہ کریم کا بنایا ہوا نظام ہے اور اس کا نظام اتنا مضبوط ہے کہ کوئی کسی حیلے حوالے سے اسے تبدیل نہیں کر سکتا۔ ہر کام اسی کی بارگاہ کی طرف رجوع کرتا ہے۔

اللہ کریم نے واضح طور پر فرما دیا کہ میری تائید ان لوگوں کے ساتھ ہے جو عقیدے میں، عمل میں میرے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اتباع کرتے ہیں اور جو میرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرتے ہیں وہ میری تائید سے محروم ہیں گویا وہ زندگی سے بے بہرہ ہیں، انہیں زندگی سے آشنائی نہیں ملی۔ حیات نام ہے اتباع رسالت کا اور موت نام ہے اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے محرومی کا۔

سورۃ الانفال رکوع 6 آیات 45 تا 48

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ
تُفْلِحُوْنَ ﴿٤٥﴾ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ
رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿٤٦﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا
مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَاۗءَ النَّاسِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا
يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿٤٧﴾ وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ
الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّىْ جَارٌ لَّكُمْ ۚ فَلَمَّا تَرَاۗءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰي
عَقِبَيْهِ وَقَالَ اِنِّىْ بَرِيْۗءٌ مِّنْكُمْ اِنِّىْٓ اَرٰي مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّىْٓ اَخَافُ اللّٰهَ ۭ وَاللّٰهُ
شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿٤٨﴾

اے ایمان والو! جب (کفار کی) کسی جماعت سے تمہارا مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کا ذکر کثرت سے (بہت زیادہ) کرو تا کہ تم کامیاب رہو ﴿۴۵﴾ اور اللہ اور اس کے پیغمبر کی فرمانبرداری کرو اور آپس میں جھگڑا نہ کرو ورنہ کم ہمت ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور صبر سے کام لو بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہیں ﴿۴۶﴾ اور ان لوگوں کے مشابہ مت ہونا جو اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے اور لوگوں کو دکھاوے کے لیے نکلے اور لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکتے تھے اور جو اعمال یہ کرتے ہیں اللہ ان کا احاطہ کیے ہوئے ہیں ﴿۴۷﴾ اور جب شیطان نے ان (کفار) کو ان کے اعمال خوشنما کر کے دکھائے اور کہا کہ آج کے دن لوگوں میں سے کوئی تم پر غالب نہ آئے گا اور میں یقیناً تمہارے ساتھ ہوں پھر جب دونوں

فوجیں ایک دوسرے کے مقابل ہوئیں تو الٹے پاؤں بھاگا اور کہا بے شک میرا تم
سے کوئی تعلق نہیں بے شک میں ایسی چیزیں دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھ سکتے بے
شک میں تو اللہ سے ڈرتا ہوں اور اللہ سخت سزا دینے والے ہیں ﴿۴۸﴾

تفسیر و معارف

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۴۵﴾

اس آیہ کریمہ میں اللہ کریم کا ان بندوں کو خطاب ہے جو اللہ پر، اس کی واحدنیت پر، اللہ کے رسول ﷺ پر اور اللہ کی کتاب پر ایمان لائے ہیں۔ ارشاد فرمایا، اے ایمان والو! جب تمہارا مقابلہ کفار کی کسی جماعت سے ہو تو جم کر لڑو، ڈٹ کر مقابلہ کرو وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرتے رہو لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۴۵﴾ تا کہ تم کامیاب رہو۔

انسانی تاریخ کے بارے کہا گیا ہے کہ انسانی تاریخ صرف جنگوں کی تاریخ ہے۔ انسانی تاریخ کا جو باب بھی کھلے گا وہاں اقوام کی مختلف اقوام سے اور ممالک کی دوسرے ممالک سے جنگیں ہی ہوں گی۔ جنگ کیوں ہوتی ہے؟ اس کے مختلف اسباب ہیں جن میں سے بڑا سبب دوسروں کو تابع کرنے، غلام بنانے اور ان کے وسائل پر قبضہ کرنے کے لیے اور ان سے اپنی خدمت لینے کے لیے کی جاتی ہے۔ ہر جنگ مسلط کرنے والا فریق کوئی نہ کوئی بہانہ تراش کر جنگ کرتا ہے۔ فاتح قوم پھر یہ چاہتی ہے کہ مفتوح قوم کے وسائل پر قبضہ کرے، ان کا مال و دولت لوٹ لے، ان کی قوت ختم کر دے، ان کی کمر توڑ دے، وہ پھر اس کے سامنے سر اٹھانے کے قابل نہ رہیں۔

اسلام کا فلسفہ جہاد:

اسلام نے جنگ کو جہاد میں تبدیل کر کے سارا نقشہ ہی بدل دیا۔ اسلام میں جہاد فرض ہے۔ جہاد جہد سے مشتق ہے، یعنی محنت اور کوشش۔ وہ محنت جو برائی کو روکنے اور نیکی کو پھیلانے میں کی جائے۔ جہاں لوگوں کے حقوق غصب ہو رہے ہیں، ظلم و ستم ہو رہا ہے، اللہ کی اطاعت سے روکا جا رہا ہے تو اس ظلم کو روکنے کے لیے اگر جنگ بھی کرنا پڑے تو وہ جنگ نہیں ہوگی وہ جہاد ہوگا اور جہاد صرف ظلم کے خلاف ہوتا ہے، افراد کے خلاف نہیں۔ اگر افراد ظلم سے باز آ جائیں تو انہیں زبردستی مسلمان بھی نہیں بنایا جاتا بلکہ انہیں مذہب رکھنے کی بھی آزادی ہے۔ مال غنیمت بھی صرف ان لوگوں سے لیا جاتا ہے جو مسلمانوں کے خلاف میدان جنگ میں اترتے ہیں، جو جنگ

میں شراکت کرتے ہیں۔ جو لوگ مسلمانوں کے مقابلے میں نہیں اترتے انہیں نہیں چھیڑا جاتا۔ اس کے علاوہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین میں واضح کیا گیا ہے کہ فصلیں تباہ نہ کی جائیں، پھل دار درختوں کو خراب نہ کیا جائے، کسی بھی قوم کے معبد کو نہ چھیڑا جائے خواہ وہ بت پرست ہوں آتش پرست ہوں، یہود و نصاریٰ ہوں۔ نہ ان لوگوں کو چھیڑا جائے جو عبادت گاہ میں رہتے ہیں، عبادت کرتے ہیں۔ نہ کسی بوڑھے، کسی بچے اور نہ کسی خاتون کو چھیڑا جائے، ان پر تلوار نہ اٹھائی جائے ہاں جو لوگ میدان میں آتے ہیں ان کا مقابلہ کیا جائے۔ ایسا مقابلہ ہو تو پھر فرمایا فَاثْبُتُوْا پھر جم کر لڑو، ڈٹ کر مقابلہ کرو، لشکر اسلامی کے پاس میدان سے بھاگنے کا کوئی تصور نہیں۔ لشکر اسلامی تو ہر حال میں کامیاب ہوتا ہے۔ اگر کوئی میدان میں کام آ گیا تو وہ شہید ہو کر اپنی منزل پا گیا اور جو فاتح ٹھہرا وہ بھی اپنی منزل پا گیا یہاں حکم دیا جا رہا ہے کہ میدان جنگ میں جب لاشوں پر لاشے گر رہے ہوں تو ثابت قدم رہو اور ڈٹ کر مقابلہ کرو۔

ثابت قدم رہنے کا نسخہ:

ثابت قوم رہنے کا نسخہ تجویز فرماتے ہوئے ارشاد ہوا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا اللہ کریم کا ذکر کثرت سے کرتے رہو کہ مقابلہ کرنے کی قوت ذکر الٰہی دے گا۔

ذکر کے درجے:

ذکر کے کئی درجے ہیں۔ ایک ہے ذکر عملی یعنی جو عملی اقدامات اللہ کے حکم کے مطابق کیے جائیں وہ ذکر عملی ہے مثلاً میدان جنگ کی تیاری، اسلحے کی فراہمی، سواری کا انتظام، راشن کی فراہمی، جنگ کی منصوبہ بندی یہ سب کام ذکر الٰہی ہیں لیکن ذکر عملی ہے اور عملی ذکر میں کثرت نہیں ہوتی۔ ہر عمل اپنے وقت پر ہوتا ہے، لسانی ذکر یا تبلیغ یعنی میدان جنگ میں بھی کافر کو دعوت الی اللہ دینا، اس سے مکالمہ کرنا، نعرہ تکبیر، عظمت الٰہی کا بیان یہ سب زبانی ذکر ہو گا اور ذکر لسانی کو بھی دوام نہیں ہے یہ بھی کثیر نہیں ہو سکتا، ذکر کثیر کی شرط اس سے بھی پوری نہیں ہوتی۔ اعلیٰ درجہ ہے ذکر قلبی کا۔ جب دل ذاکر ہو جائے تو وجود ذاکر ہو جائے گا۔ جب بدن کے ذرات ذاکر ہو جائیں گے تو بندہ کوئی کام بھی کرتا رہے قلبی ذکر جاری رہے گا لہٰذا صرف ذکر قلبی ہی ذکر کثیر ہو سکتا ہے۔ اگر کوئی رات دن نہ کوئی کام کرے نہ کھائے پیے صرف تسبیحات پڑھتا رہے وہ بھی جب سو جائے گا تو خاموش ہو جائے گا، کثرت نہیں رہے گی اور یہ ممکن بھی نہیں کہ بندہ نہ کسی سے بات کرے نہ کھائے پیے۔ بالفرض محال ایسا ہو بھی جائے تو جب بھی سوئے گا زبان رک جائے گی لیکن جب دل ذاکر ہو جائے، بدن کے اجزاء اور ذرات ذاکر ہو جائیں تو کثرت

کی شرط پوری ہوتی ہے پھر وہ بندہ بے ہوش ہو جائے اور بے ہوش کیا، بندہ انتقال کر جائے تو بھی ذکر جاری رہتا ہے۔ ایسے بدن کے ذرات خاک میں اڑا دیئے جائیں، کسی جانور کی غذا بن جائیں، اگر وہ بدن جو زندگی میں ذاکر تھا اس کے ذرات جہاں جاتے ہیں وہاں ذکر الٰہی کرتے ہی رہتے ہیں، ذکر اللہ سے غافل نہیں ہوتے تو نیند میں کیا غافل ہوں گے یا کسی اور کام میں مشغول ہو کر کیا غافل ہوں گے؟

ذکر اللہ، اس کے احکام و مسائل، ذکر قلبی خفی کی اہمیت و فضیلت، ذکر اسم ذات کے موضوع کا مکمل احاطہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی معرکۃ الآراء تصنیف دلائل السلوک میں کیا گیا ہے اس کی شرح بیان کرنے کی توفیق اللہ کریم نے مجھے عطا فرمائی ہے۔ اسی موضوع کو بیان کرتے مجھے بھی پچاس برس ہو گئے ہیں الحمد للہ قرآن و حدیث کی روشنی میں اس موضوع کا احاطہ تحریر و تقریر میں موجود ہے۔

ثابت قدمی کی ضرورت ساری زندگی کے لیے ہے:

ہر مسلمان زندگی کے محاذ پر شیطانی اور طاغوتی طاقتوں سے برسرپیکار رہتا ہے۔ کافر سے میدان جنگ میں مقابلہ تو کبھی ہوتا ہے لیکن شیطان اور شیطانی قوتوں سے مقابلہ ہر آن جاری رہتا ہے اور اسے حضور اکرم ﷺ نے جہاد اکبر قرار دیا ہے کہ جو جہاد میدان جنگ میں ہوتا ہے، اسلحے سے ہوتا ہے وہ وقتی ہوتا ہے خواہ مہینوں اور سالوں پر محیط ہو بالآخر ختم ہو جاتا ہے ہمیشہ نہیں ہوتا ساری عمر کے لیے نہیں ہوتا لیکن جہاد اکبر بلوغت سے دم واپسیں تک جاری رہتا ہے۔ یہ ایک مسلسل جہاد ہے۔ یہ جنگ ہر لحہ، ہر آن، ہر شعبے میں، کاروبار میں، تجارت میں خانگی امور میں، اولاد کے معاملات میں، برادری کے معاملات، قومی اور ملکی سطح پر ہر بندہ ہر وقت برسرپیکار ہے۔ ایک طرف شیطانی قوتیں ہیں جو اسے برائی کی طرف لے جانا چاہتی ہیں دوسری طرف اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت ہے جو اسے نیکی کی طرف لے جانا چاہتی ہے تو اس جنگ میں بھی ثابت قدمی کی بہت زیادہ ضرورت ہے جو ہمہ وقت سر پر ہے جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد اکبر فرمایا ہے تو اس کا مطلب ہے اس جنگ کو جیتنے کے لیے بھی ذکر کثیر ہی اکسیر نسخہ ہے۔ یہ دوا بھی مریض کی حیثیت و کیفیت اور مرض کے مطابق ہی اپنا اثر چھوڑتی ہے۔ کسی مریض کو ایک دوا سو فیصد شفا دے دیتی ہے اور وہی دوا اسی مرض میں مبتلا دوسرے مریض کو پچاس فیصد شفا دیتی ہے، یہ فرق کیوں ہے؟ فرق مریض کے بدن کی قوت میں ہے۔ ایک مریض میں بحالی کی قوت زیادہ ہے، دفاع کی قوت زیادہ ہے، مرض ابھی اتنا نہیں بگڑا۔ دوا ایک ہی ہے لیکن ہر بندے کی حالت جداگانہ ہے۔ ہر مریض کے مرض کی کیفیت جدا ہے کسی کا مرض اتنا پھیل چکا ہے کہ اسے وہی دوا

سالوں کھانا پڑتی ہے، کسی کا مرض ابھی ابتدا میں ہے کہ وہ ہفتوں میں ٹھیک ہو جاتا ہے۔ ذکر الٰہی اکسیر ہے اور ہر کلمہ پڑھنے والے کو فائدہ دیتا ہے۔ ہر ذکر کرنے والا بایزید بسطامی نہیں بن جاتا اپنی حیثیت کے مطابق فائدہ حاصل کر لیتا ہے۔ لیکن یہ یقینی بات ہے کہ اللہ انہیں تاریکی سے نکال کر نور کی طرف لے جاتا ہے۔ برائی سے نیکی کی طرف شروع ہو جاتا ہے۔ ایک بندہ پہلے دس برائیاں کرتا تھا ذکر کے بعد دس سے نو پر آ گیا، پھر برائیاں چھٹنے لگیں تو اسے اتنا فائدہ تو ہو گیا۔ اللہ کرے گا ایک وقت آئے گا کہ اس کی جان برائی سے چھوٹ جائے گی لیکن شرط یہی ہے کہ ذکر کثیر کرتا رہے اور ذکر کثیر صرف ذکر قلبی ہوتا ہے دوسرا کوئی ذکر کثیر نہیں کہلا سکتا کیونکہ اس میں انقطاع آ جاتا ہے۔

ذکر قلبی کیسے نصیب ہو؟

جس طرح ہمیں دین کی تعلیمات نصیب ہوئیں، قرآن حکیم ملا اسی طرح ذکر قلبی نصیب ہو سکتا ہے۔ روئے زمین پر پوری انسانیت میں ایک ہستی تھی آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ سے قرآن پاک وصول کیا کوئی دوسرا ایسا نہیں جو کہے کہ جو وحی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر آئی وہ میں نے بھی سنی۔ دین کا مدار صرف ایک ہستی پر ہے اور وہ ہستی ہے محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ لوگوں کی مقدس جماعت ہے، جماعت صحابہؓ جنہوں نے براہ راست حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن سیکھا، حدیث پاک سنی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کو آگے پہنچایا۔ صحابہؓ سے تابعین نے سیکھا، ان سے تبع تابعین نے سیکھا اور آج تک ہم اپنے سے پہلوں سے سیکھتے چلے آ رہے ہیں۔ اگر دین سیکھا نہ جائے تو کیا از خود کسی کو آ جائے گا؟ جس طرح تعلیمات دین حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہؓ نے سیکھیں اور آگے پہنچائیں اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک، سینہء اطہر کے انوارات، برکات نبوت صحابہؓ نے وصول کیں اور آگے منتقل فرمائیں اور سینہ بہ سینہ یہ محفوظ رہیں اور آج تک منتقل ہو رہی ہیں قیامت تک یہ سلسلہ جاری رہے گا کہ حضور ﷺ کی رسالت قیامت تک کے لیے ہے۔

ذکر قلبی قرآن وسنت سے ثابت ہے:

ذکر کے سب سے بڑے استاد ہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ جن کے طفیل ہم تک ذکر کرنے کا حکم پہنچا۔ جس طرح قرآن حکیم نے صلوٰۃ پنجگانہ کا حکم دے دیا لیکن یہ حکم مجمل ہے اس میں تفصیل نہیں ہے کہ صلوٰۃ کیسے ادا کی جائے، رکعات، قرأت، قیام، رکوع وسجود، التحیات یہ ساری تفصیل قرآن میں نہیں وہاں تو صرف صلوٰۃ

کا حکم ملتا ہے۔ یہ ساری تفصیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائی اسی طرح ذکر کا حکم قرآن میں ملتا ہے اس کی ساری تفصیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائی۔ ذات نبوی علیہ الصلوۃ والسلام کا تو کمال یہ تھا کہ وہاں تو ایک نظر کی بات تھی۔ ایمان لانے والے پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک نظر پڑ گئی یا اس کی نظر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود باجود پر پڑ گئی تو وہ شرف صحابیت سے سرفراز ہو گیا۔ اگر کسی کی عمر صدیوں پر محیط ہو اور وہ صدیوں ذکر الٰہی کرتا رہے تو وہ ولایت کے منازل پائے گا اور ولایت کے کتنے ہی منازل پالے دنیا کے سارے اولیاء کی ولایت جمع کر لی جائے تو ایک صحابیؓ کی خاک پا کو نہیں پہنچتے۔ قرآن کریم جب کمالات صحابہؓ کا ذکر کرتا ہے تو فرماتا ہے ثُمَّ تَلِينُ جُلُودُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ (الزمر:23) جلد جسم کا انتہائی باہر کا حصہ ہے اور جسم و جان کا مرکز انتہائی اندر ہے یعنی قلب ان دونوں کا ذکر کر کے فرمایا کہ جلد سے دل تک ہر ذرہ بدن ذاکر ہو گیا۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آیا وہ شرف صحابیت سے سرفراز ہو گیا۔ کھال سے لے کر نہاں خانہ دل تک سب ذاکر ہو گیا۔ صحابہؓ سے اس نعمت کو تابعین نے حاصل کیا اسی لیے تابعین کا گروہ امت میں ممتاز ہے۔ انہوں نے جس طرح ظاہری دین حاصل کیا اسی طرح کمالات باطنی کو بھی حاصل کیا۔ تابعینؒ سے تبع تابعینؒ نے جس طرح کمالات ظاہری کو حاصل کیا اسی طرح کمالات باطنی کو حاصل کیا تو امت میں تین طبقے ممتاز ہو گئے، صحابہؓ، تابعینؒ اور تبع تابعینؒ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو روشنیاں بانٹنے والا سورج ہیں، جتنا کوئی سورج سے دور ہوتا جائے گا، روشنی کم ہوتی جائے گی۔ آسمان دنیا کا سورج تو غروب بھی ہو جاتا ہے شمسِ نبوت کبھی غروب نہیں ہوتا۔ جوں جوں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے زمانہ دور ہوتا گیا حصولِ کمالات میں کمی آتی گئی۔ شمس نبوت کے نور بکھیرنے میں تو ہرگز کمی نہیں آئی، مسلمانوں کے قلوب کا آئینہ دھندلا گیا اور باطنی کمالات کے حصول کی طرف توجہ کم سے کم ہونے لگی۔ جیسے جیسے زمانہ دور جا رہا ہے، درمیان میں سالوں، صدیوں کے فاصلے آ گئے ہیں۔ جب یہ فاصلے نہیں تھے تو یہ کمالات باطنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہؓ تک ایسے آئے کہ بچہ بوڑھا، مرد عورت، عالم ان پڑھ، امیر غریب جو بارگاہ رسالت میں پہنچا صحابیؓ ہو گیا۔ صحابہؓ کی صحبت میں بھی انوارات کی اتنی بارش تھی، ماحول اتنا منور تھا، اس قدر برکاتِ نبوت تھیں کہ جو بھی صحابہؓ کی خدمت میں پہنچا وہ مرد تھا یا عورت، عالم تھا یا ان پڑھ، امیر تھا یا فقیر، بادشاہ تھا یا گدا وہ محض صحبت سے یہ نعمت پا گیا۔ تابعینؒ میں بھی وہ قوت اسی طرح برقرار تھی کہ جو ان کی خدمت میں پہنچا تبع تابعی ہو گیا۔ تابعینؒ کے بعد لوگوں میں وہ استعداد نہ رہی۔ لوگ علوم ظاہری تو پڑھتے رہے لیکن کمالات باطنیہ کے لیے جو لطافتِ قلبی چاہیے تھی، جو طلب اور جو استعداد چاہیے تھی وہ کم ہو گئی۔ بے شمار لوگ تبع تابعینؒ کے

پاس گئے، دین کا ظاہری علم حاصل کیا، قرآن سیکھا، حدیث وفقہ سیکھا لیکن کمالات باطنی پھران لوگوں کے حصے میں آئے جن میں عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھا جن کے دلوں میں طلب الٰہی تھی، وہ استعداد تھی۔ اس طرح مرور زمانہ سے جوں جوں استعداد کم ہوتی گئی اس نعمت کا حصول بھی کم ہوتا گیا، یہ چیز بھی کم ہوتی گئی۔

سوال یہ ہے کہ کیا یہ تقاضہء فطرت تھا؟ نہیں۔ لوگوں کے مزاج بگڑتے گئے۔ عہد نبوی سے دور ہونے کے سبب اطاعت ومحبت کا وہ جذبہ نہ رہا۔ اصول یہ ہے کہ دل جس چیز کو قبول کرتا ہے اس کے لیے دلی تعلق چاہیے، دلی جذبہ چاہیے جیسے غذا کے لیے معدے کی بھوک چاہیے۔ معدے میں خرابی آجائے تو اچھے سے اچھے کھانے سامنے ہوں پھر بھی کھانے کو جی نہیں چاہتا کھانے کے لیے کھانا میسر ہونا کافی نہیں بھوک کا ہونا بھی شرط ہے۔ ذکر کے لیے بھی قلبی طلب، قلبی استعداد شرط ہے۔

میں نے کہیں پڑھا تھا کہ ایک شخص تازہ روٹی سستی اور باسی روٹی دوگنی قیمت پر فروخت کر رہا تھا۔ کسی نے اسے ٹوکا تو اس نے کہا جس روٹی کو تم باسی کہہ رہے ہو یہ اس روٹی کی نسبت عہد نبوی سے، محمد رسول اللہ ﷺ کے زمانے سے ایک دن قریب ہے۔ اسے کوئی نہیں خریدے گا تو میں خود کھالوں گا کہ تازہ روٹی تو زمانہ اطہر رسول اللہ ﷺ سے ایک دن دور ہوگئی ہے تو اس دوری نے دلوں میں وہ استعداد، وہ طلب، وہ تڑپ، وہ محبت وعشق نہیں چھوڑا جو ذات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوتا ہے۔

عموماً ہم عاشقوں کے فدا ہوجانے کے قصے سنتے ہیں کہ فلاں عاشق یوں جان سے گزر گیا لیکن حقیقت یہ ہے کہ کمال عاشق میں نہیں معشوق میں ہوتا ہے۔ یہ کشش معشوق میں ہوتی ہے جو وہ کسی کو عاشق بنالیتا ہے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ دار فانی کو اپنے جمال جہاں آراء سے روشن رکھنے کے بعد آپ ﷺ دنیا سے پردہ فرما گئے اور برزخ میں جلوہ افروز ہیں لیکن عشق رسول ہے کہ تب سے اب تک اُمڈا چلا آتا ہے۔ گناہگار سے گناہگار مسلمان میں بھی اس کی کوئی نہ کوئی رمق رہتی ہے کہ جب شان رسالت پر یا عظمت رسالت پر حرف آئے تو وہ بھی مرنے مارنے پر تیار ہوجاتا ہے۔ یہ کمال لوگوں کا نہیں اس ہستی کا کمال ہے جس کی محبت کے اتنے پہلو ہیں کہ ہر شعبہ زندگی سے تعلق رکھنے والے، ہر زمانے کے لوگوں کا، عشاق کا یہ قافلہ چلتا ہی رہا ہے، چلتا ہی رہے گا۔ البتہ اس عشق کی مختلف سطحیں ہیں۔ ایک بندہ اطاعت نہیں کرتا، فرائض ادا نہیں کرتا، حلال حرام کی پروانہیں کرتا صرف کلمہ پڑھتا ہے۔ اس کا بس اتنا سا رشتہ ہے کہ وہ کلمہ پڑھتا ہے۔ اس کے دل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت تب بیدار ہوتی ہے جب محبوب پر حرف آتا ہے، جب کوئی شان رسالت میں گستاخی کرتا ہے، اعتراض کرتا ہے تو اس کے دل میں موجود وہ چھوٹی سی چنگاری جاگ اٹھتی ہے۔ اس سے اوپر ایک سطح یہ ہے کہ اگرچہ اس سے

صلوۃ چھوٹ جاتی ہے لیکن وہ حلال حرام کی تمیز کرتا ہے۔ اس سے بھی زیادہ جس کی محبت میں جان ہوتی ہے وہ اتباع رسالت کا اہتمام کرتا ہے۔جس چیز سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے وہ اس سے رک جاتا ہے۔ اس سے بھی زیادہ جس کی محبت میں جان ہوتی ہے وہ اتباع رسالت کا اہتمام کرتا ہے، نماز، روزہ کی پابندی کرتا ہے، حج کرتا ہے، حلال حرام کی تمیز کرتا ہے، نیک و بد میں تفریق کرتا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں کوشاں رہتا ہے۔

لیکن عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک درجہ اور بھی ہے۔ یہاں اس سے بھی بڑھ کر محبت کا ایک طوفان چاہیے، ایک سیلاب چاہیے جو کہے کہ صدیاں بیت جائیں، صدیوں کو بیتنے دو۔ میں آج بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل میں پہنچنا چاہتا ہوں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رخ انور آج بھی دیکھنا چاہتا ہوں، میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر آج بھی اپنی جان نچھاور کرنا چاہتا ہوں۔ جب یہ جذبہ بیدار ہوتا ہے تو ذکر قلبی کی توفیق نصیب ہوتی ہے۔

محبت کے یہ مختلف مدارج ہیں۔ جب اعلیٰ ترین درجہ نصیب ہوتا ہے تب جا کر ذکر قلبی کی توفیق عطا ہوتی ہے۔ جب ذکر قلبی کی توفیق نصیب ہوتی ہے تو پھر تلاش کرنا پڑتا ہے کہ کس کا سینہ روشن ہے اور کس میں یہ استعداد ہے کہ میرے دل کو روشنی دے سکتا ہے۔ تب یہ نعمت نصیب ہو جاتی ہے اور اس آیہ مبارکہ میں اسی کا حکم دیا جارہا ہے کہ جب کافر جماعت سے مقابلہ آ جائے تو جم کر لڑو اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرتے رہو تا کہ کامیاب ہو جاؤ۔ اس آیت میں میدان کارزار میں کامیابی کا نسخہ بھی ذکر کی کثرت بتائی گئی ہے اور میدان حیات میں بھی زندگی بھر شیطنت اور طاغوتی طاقتوں کا مقابلہ کرنے کے لیے، برائی سے بچنے اور کامیاب ہونے کے لیے بنیادی طریقہ یہ ہے کہ ذکر الٰہی کثرت سے کیا جائے اور کثرت سے ذکر صرف ذکر قلبی ہی ہوتا ہے۔ دوسرا کوئی ذکر کثرت سے نہیں ہو سکتا۔

دور ہوتے ہوتے زمانہ اب یہاں پہنچ گیا ہے کہ قرآن حکیم کے تجویز کردہ اس نسخے کو نہ صرف بھلا دیا گیا ہے بلکہ اس کا انکار کیا جاتا ہے۔ ایسے ایسے سوال داغے جاتے ہیں مثلاً یہ کہ قرآن وحدیث سے بتائیں کہ ذکر کرنے کا حکم کہاں ہے اور اگر ذکر کرنا ہی ہے تو شیخ تلاش کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

سوال کا جواب:

جس طرح علم ظاہر خواہ وہ دنیا کا ہو یا دین کا، استاد کے ذریعے ہی سیکھا جاتا ہے اسی طرح ذکر قلبی بھی استاد سے ہی سیکھنا پڑتا ہے۔ دنیاوی علوم سکھانے والے کو ماسٹر، ٹیچر، استاد یا پروفیسر کہتے ہیں۔ دینی علوم سکھانے والے کو درجہ بدرجہ مولوی صاحب، حافظ صاحب، مفسر، محدث، فقیہہ یا پھر علامہ کہتے ہیں۔ قلبی کیفیات سکھانے

والے کا صرف ایک نام سے اسے شیخ کہتے ہیں۔ حصولِ علم کے لیے جس طرح استاد ضروری ہے حصولِ برکات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اسی طرح شیخ ضروری ہے۔

اگر کوئی کچھ سیکھنا چاہتا ہے تو اسے استاد کی ضرورت پڑے گی اور نہ سیکھنا چاہے تو اس کی مرضی۔ یہ کیسی عجیب بات ہے کہ لوگ سکول سے کالج اور کالج سے یونیورسٹی تک پڑھائی کرتے ہیں اور ہر درجے میں ہمیشہ استاد سے پڑھتے ہیں وہاں یہ سوال کسی کو نہیں سوجھتا۔ گریجویشن سے ماسٹرز تک کتابیں بازار میں ملتی ہیں تو پھر استاد اور پروفیسر کے پاس کیوں جاتے ہیں؟ اس لیے کہ انہیں حصولِ علم کی ضرورت ہے، اہمیت ہے۔ جب مقصد کی اہمیت ہو تو پھر درست طریقہ ہی اختیار کیا جاتا ہے۔ یہ سب لوگ جانتے ہیں کہ کتاب پاس ہو تب بھی پڑھانے والے کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ کہ دنیا کا کوئی فن خواہ مکان بنانے کا ہو، کپڑے بننے کا یا جوتا بنانے کا کوئی فن بھی بغیر استاد کے نہیں سیکھا جا سکتا حتیٰ کہ گانا بجانے والے بھی اپنا استاد اختیار کرتے ہیں اور اس سے سیکھتے ہیں۔

اگر دنیا کے سارے کاموں کے بارے انہیں پتہ ہے کہ استاد چاہیے تو جو معاملہ سب سے زیادہ حساس، سب سے زیادہ نازک اور اللہ و بندے کے مابین معاملہ ہے، اللہ کے نبی ﷺ اور اُمتی کے مابین معاملہ ہے برکاتِ نبوت اور قلبی کیفیات کے حصول کا معاملہ ہے وہاں استاد نہیں چاہیے ہوگا؟

یاد رہے ذکر سکھانے کے سب سے بڑے استاد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ سب سے پہلے سیکھنے والے صحابہ کرامؓ ہیں پھر تابعینؒ پھر تبع تابعینؒ ہیں۔ ہر ایک نے اپنے سے پہلے سے ہی حاصل کیا بعد میں آنے والوں نے اپنے اپنے عہد میں اپنے پہلوں سے یہ کیفیات قلبی حاصل کیں اور تا قیامت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فریضۂ نبوت جاری رہے گا اور قلبی کیفیات اور برکات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سکھانے والے مشائخ بھی ہمیشہ موجود رہیں گے۔ ذکر سیکھنے کے لیے قلبی کیفیات حاصل کرنے کے لیے شیخ کی ضرورت بھی ہمیشہ رہے گی۔

یہاں تک کفار کے مقابل کامیاب ہونے کے لیے کثرتِ ذکر کا حکم تھا اس سے اگلی آیت میں کثرتِ ذکر کا ماحصل بیان ہو رہا ہے فرمایا وَاَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو وَلَا تَنَازَعُوۡا اور آپس میں جھگڑا نہ کرو فَتَفۡشَلُوۡا ورنہ کم ہمت ہو جاؤ گے وَتَذۡهَبَ رِيۡحُكُمۡ اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی وَاصۡبِرُوۡا ؕ اور صبر سے کام لو اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيۡنَ ۝ بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

عبادت کیا؟

اللہ کریم کی شان ایسی ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے۔ اس لیے اس کی عبادت کی جائے کہ وہ عبادت

کے لائق ہے۔ اسے زیبا ہے کہ اس کی عبادت واطاعت کی جائے، اس کی فرمانبرداری کی جائے اور غیر مشروط کی جائے۔ ہمیں سکھ مل رہا ہو تو بھی اللہ کی عبادت کی جائے اور دکھ مل رہا ہو تو بھی اللہ کی عبادت کی جائے۔

ہمارے ہاں مشروط عبادت کا ایک رواج پڑ گیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ میں نماز پنجگانہ پڑھتا ہوں، تہجد، اوابین پڑھتا ہوں، صبح وشام اللہ کا ذکر بھی کرتا ہوں پھر بھی میری دکان نہیں چلتی، ملازمت نہیں رہی، گھر والے بیمار ہو گئے۔ ایسی عبادت اطاعت نہ ہوئی یہ تو تجارت ہو گئی۔ مشروط اطاعت ہو گئی کہ اگر میرا کاروبار صحیح رہے گا، میرے بیوی بچوں کی صحت ٹھیک رہے گی تو میں نمازیں پڑھوں گا۔ ایسی اطاعت اللہ کی شان کے لائق نہیں۔ اللہ کی ذات، اس کی شان اتنی ارفع واعلیٰ ہے کہ اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ اس کی مخلوق اس کی اطاعت کرے۔

رہی بات کاروبار میں نقصان کی تو ہو سکتا ہے آپ کاروباری سوجھ بوجھ کم رکھتے ہوں کاروبار چلانے میں کوئی غلطی کرتے ہوں۔ صحت خراب ہونے کی بھی وجوہات ہیں۔ صحت اور بیماری ہر انسان کے ساتھ ہے۔ کاروبار میں نفع بھی ہوتا ہے اور نقصان بھی ہو جاتا ہے۔ دنیا کا ایک نظام ہے جو اس نے ترتیب دے دیا ہے جو مومن و کافر سب پر لاگو ہے یوں ہی چل رہا ہے اور چلتا رہے گا۔ ہمیں اسی نظام کے اندر رہنا ہے۔ یہ ہمارے بس میں نہیں ہے کہ ہم اس کو بدل دیں۔ ہم فطرت کے نظام کو نہیں بدل سکتے۔ ہم درختوں پر بچے نہیں اگا سکتے، گھاس کی طرح زمین سے انسانوں کو پیدا نہیں کر سکتے۔ تمام کام فطرت کے اصول کے مطابق ہی ہوں گے۔ ہو سکتا ہے وہ کام ہماری پسند کے مطابق نہ ہوں۔ بعض اوقات ہمیں کوئی چیز بہت پسند ہے لیکن ہو سکتا ہے وہ ہمارے حق میں بہتر نہ ہو بلکہ نقصان دہ ہو تو اللہ کریم ہر حال میں جانتے ہیں اور نتائج بھی اللہ نے پیدا کرنے ہیں۔ ہم نہ نتائج پیدا کرنے پر قادر ہیں نہ یہ جانتے ہیں کہ اس کا نتیجہ کیا ہو گا لہٰذا نتائج اللہ پر چھوڑ کر ہر حال میں اس کی اطاعت کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے کہ **وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ** کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو۔ اللہ جل شانہٗ کی اطاعت کیا ہے، اللہ کی نافرمانی کیا ہے، اللہ کریم کس بات سے راضی ہیں، کس بات کو ناپسند فرماتے ہیں؟ اس کا کوئی معیار ہمارے پاس نہیں ہے سوائے اللہ کے رسول ﷺ کے ارشادات کے۔ یہ صرف منصب رسالت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی فرمائیں کہ اللہ کریم کس بات سے راضی ہیں، کس بات کے کرنے کا حکم دیتے ہیں، کس بات کو پسند نہیں فرماتے۔ چونکہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب ہے اس لیے نبی کریم ﷺ کی بھی غیر مشروط اطاعت ہو گی۔ دین کے معاملے میں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طرف سے کچھ ارشاد نہیں فرماتے اس پر اللہ کریم کی گواہی موجود ہے فرمایا **وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ○ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ**

یُّوْحٰی○(النجم:4-3) جب تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی انہیں آجاتی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مرضی سے کچھ بھی نہیں فرماتے لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت عین اللہ کی اطاعت ہے۔ اس دنیا میں جتنی نعمتیں رب کریم نے پیدا فرمائی ہیں ان میں سب سے اعلیٰ نعمت اللہ اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہے۔ اس آیہ مبارکہ میں اللہ نے ثمرات بتا دیئے ہیں کہ تم ثابت قدم رہو، کثرت سے اللہ کا ذکر کرو تو اطاعت الٰہی نصیب ہوگی، اتباع محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نصیب ہوگا لہٰذا جو کوئی اپنی عبادات کا نتیجہ دیکھنا چاہے تو وہ اپنے کردار پر نظر کرے کہ اس کا کردار کتنا اتباع رسالت میں ڈھل گیا ہے، جتنا وہ اتباع سنت میں ڈھل گیا ہے اتنا اس پر اللہ کا کرم ہے اور یہی درجہ سب سے اعلیٰ ہے۔ فرمایا: **وَلَا تَنَازَعُوْا** آپس میں جھگڑا نہ کرو۔

جھگڑا کیا ہے، اس کا علاج کیا ہے؟

جب کوئی اس بات پر اڑ جائے کہ جو وہ کہہ رہا ہے وہی ہوگا تو یہ جھگڑا ہے۔ جتنے بھی فسادات ہوتے ہیں مذہبی جھگڑے ہوں یا سیاسی، گھریلو ہوں یا خاندانی ان میں بنیاد یہی بات ہوتی ہے کہ بندہ اپنی رائے دوسروں سے منوانے کی کوشش کرتا ہے۔ حالانکہ ہر ایک کو رائے رکھنے کا حق ہے۔ میں اپنی رائے پیش کرسکتا ہوں، بتا سکتا ہوں، آگے آپ کی مرضی کہ آپ اس کے مطابق کرتے ہیں یا اپنی رائے پر چلتے ہیں۔ رائے دینا ایک بات ہے لیکن اس پر اڑ جانا اور یہ ضد کرنا کہ ضرور اسی پر عمل ہوگا یہ جھگڑا ہے۔

اس کا علاج یہ ہے کہ اس اصول پر کاربند ہوا جائے کہ اختلاف رائے میں کوئی حرج نہیں کہ جہاں بہت سے افراد جمع ہوں گے وہاں بہت سی آراء بھی ہوں گی کہ ہر بندے کی سوچ اور فکر کی استعداد اپنی اپنی ہے، علم کی سطح اور معلومات بھی فرق ہیں۔ جب ہر شخص اپنی رائے سے بھلا بُرا متعین کرے گا تو اگر ہزار آدمی ہیں تو ہزار مختلف رائے بھی جمع ہوسکتی ہیں لہٰذا یہ سمجھ لیا جائے کہ اختلاف رائے میں کوئی حرج نہیں ایک ہی بات کے مختلف پہلو سامنے آجاتے ہیں لہٰذا رائے تو دینی چاہیے رائے ٹھونسنی نہیں چاہیے۔ علاج صرف ایک ہے کہ اپنی رائے کو اللہ کے حکم کے سامنے اہمیت نہ دو۔ اللہ کا حکم سنایا جائے تو اپنی رائے کو چھوڑ کر اللہ کے حکم کے مطابق کرو۔ فرمایا: **وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا** جھگڑا نہ کرو۔ اگر تم آپس میں جھگڑا کرو گے تو تمہاری طاقت بکھر جائے گی۔ تم گروہوں میں بٹ جاؤ گے جو قوت اتحاد و اتفاق میں ہے یکجائی میں ہے وہ چھوٹے چھوٹے گروہوں میں تقسیم ہو کر تمہیں کمزور کر دے گی **وَتَذْهَبَ رِیْحُکُمْ** اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی، تمہاری طاقت کمزور پڑ جائے گی۔

وَاصْبِرُوْا - اور صبر اختیار کرو۔ صبر کا معنی ہے خود کو روک لینا، اپنے آپ پر قابو پانا۔ نفس کو اس طرح قابو کرنا جیسے سوار دوڑتے ہوئے گھوڑے کو لگام کھینچ کر روک لیتا ہے۔

اس آیت کے اولین مخاطب صحابہ کرامؓ تھے۔ واقعہ بدر کی تفصیلات بیان کر کے مومن کی تربیت کا اہتمام کیا گیا ہے۔ اصحاب بدر تین سو تیرہ تھے۔ تین سو تیرہ رائے بھی آسکتی تھیں کہ کس طرح جنگی تکنیک استعمال کی جائے، کیا اقدام کیے جائیں اور کیا نہ کیے جائیں لیکن اللہ کا حکم یہی ہے کہ رائے تو دے سکتے ہو کام وہ ہوگا جس کے کرنے کا حکم امیر دے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود بدر میں موجود تھے۔ بدر کے امیر تھے اور آپ ﷺ رہتی دنیا تک کے لیے امت کے امیر ہیں۔ ہمیشہ کے لیے یہ طے ہو چکا کہ کام وہ ہوگا جس کا حکم بارگاہ رسالت مآب سے ملے گا اور بدر میں یہی ہوا۔ تین سو تیرہ لوگ تھے جن کے پاس اسلحہ کم، سواریاں نایاب، خوراک قلیل لیکن جذبہ اطاعت سے سرشار دوسری طرف مقابلے میں اسلحہ سے لیس، وافر راشن اونٹ، گھوڑے کی بہت سی سواریاں، مکہ مکرمہ کے چنے ہوئے امراء اور جرنیل، جنگجو شہسواروں پر مشتمل ایک ہزار کا لشکر جرار چڑھا آرہا تھا۔ ظاہر ہے کہ رائے میں اختلاف تو ہوا۔ کچھ حضرات نے عرض کی ہم تو قافلے کو روکنے نکلے تھے، ہمیں قافلے کی طرف چلنا چاہیے کچھ نے کہا کہ اگر ہم قافلے پر قابو نہیں پا سکتے تو ہمیں واپس ہو جانا چاہیے لیکن اللہ کو جو منظور تھا اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم دیا اور پھر جتنے مجاہد اور خادمانِ رسالت میدان بدر میں موجود تھے کسی نے اپنی رائے پر اصرار نہیں کیا۔ عمل اسی پر کیا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مقابلہ ہوگا تو سب نے کہا سر تسلیم خم ہے مقابلہ ضرور ہوگا اسباب و رسائل کی کمی ہے تو ہو، جان سے چلے جانے کا خطرہ ہے تو جان سے چلے جائیں گے لیکن منشا نبوی علیہ الصلوۃ والسلام ضرور پورا کریں گے۔

اس آیہ مبارکہ سے یہ اصول ہمیشہ کے لیے ثابت ہو گیا اس لیے کہ قرآن کا نزول خاص ہے لیکن احکام قیامت تک کے لیے عام ہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت قیامت تک جاری رہے گی۔ لہٰذا حکم عام یہ ہے کہ اللہ کی اطاعت کرو، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو، جھگڑا نہ کرو ورنہ تم کم ہمت ہو جاؤ گے، تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور صبر کرو اپنے آپ پر قابو پاؤ، خود کو دوسروں پر مسلط نہ کرو بلکہ اپنے آپ کو اللہ اور اللہ کی اطاعت پہ روک لو صبر کرو، اطاعت الٰہی پر جم جاؤ اس لیے کہ جو لوگ صبر کرتے ہیں اپنے آپ کو اطاعت الٰہی اور اطاعت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا پابند بنا لیتے ہیں اور اس دائرے سے باہر نہیں جاتے ایسے لوگوں کو اللہ کی معیت نصیب ہوتی ہے اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝٤٦ یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے اور جس کے ساتھ اللہ ہے وہ کامیاب ہی کامیاب ہے۔ ہر حال میں کامیاب ہے۔ دنیاوی زندگی میں، گھریلو اور قومی زندگی میں، موت

میں، قبر میں، حشر میں آخرت کی ابدی زندگی میں کامیابی اس کے ساتھ ہے۔

پھر قریش مکہ کے رویے کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا، وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَآءَ النَّاسِ ان لوگوں کی طرح مت ہو جانا جو اتراتے ہوئے لوگوں سے اپنی شان وشوکت منوانے کے لیے اپنے ملک سے نکلے۔ وہ اللہ کے احکام کو اور احکام نبوت کو ان کے ماننے والوں سمیت مٹا دینا چاہتے تھے۔ اپنے اس برے مقصد کے ساتھ ان میں خلوص کی کمی اور دکھاوا زیادہ تھا۔ وہ لوگوں سے اپنی بہادری منوانا چاہتے تھے، اپنی جرأت اور حوصلے کی تعریفیں سننا چاہتے تھے۔ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے تھے۔ وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۴۷﴾ فرمایا جو اعمال یہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کا احاطہ کیے ہوئے ہیں۔

جو بندہ بھی گناہ کرتا ہے، اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرتا ہے اس کا عالم یہی ہوتا ہے کہ اس میں گھمنڈ آ جاتا ہے، وہ لوگوں پر اپنی دھاک بٹھانا چاہتا ہے اور دنیا کے نظام کو اپنی مرضی سے تبدیل کرنا چاہتا ہے جو ممکن نہیں۔ ہر چیز اللہ کے قبضہ قدرت میں ہے۔ ایسے لوگوں میں اتنی عقل بھی نہیں کہ وہ اپنی حیثیت کو پہچان لیں کہ عاجز مخلوق ہیں، اپنی مرضی سے سانس نہیں لے سکتے، اپنی مرضی سے دیکھ نہیں سکتے اگر وہ مالک زبان بند کر دے تو بول نہیں سکتے، سانس روک لے تو سانس لے نہیں سکتے، ہاتھ پاؤں شل کر دے تو حرکت نہیں کر سکتے تو بندہ عاجز ہو کر پھر اتنی جرأت کرتے ہیں جبکہ ان پر عیاں ہے کہ وہ ہمہ وقت ہر حال میں اللہ کے قبضہ قدرت میں ہیں لیکن جب بندہ اس حال کو پہنچ جائے، اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نافرمان ہو جائے، لوگوں کو دکھانے کے لیے کام کرے تو پھر اس کے ساتھ شیطان لگ جاتا ہے۔ وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فرمایا، جب کفار ومشرکین کو شیطان نے ان کے اعمال خوبصورت کر کے دکھائے۔

یہ آیت مشرکین کے بارے نازل ہوئی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کو روکنے کے لیے۔ میدان بدر میں آئے نہایت گھمنڈ کے ساتھ آئے تو شیطان نے ان کو ان کے اعمال خوبصورت بنا کر سجا سنوار کر دکھائے کہ واہ تم نے تو بڑا کمال کر دیا۔

دعوتِ فکر:

ہم آیات کے شان نزول کے مطابق واقعہ اور حکم بیان کر دیتے ہیں، سمجھ لیتے ہیں لیکن ہم یہ بھول جاتے ہیں کہ یہ واقعہ آیت کا شان نزول ہے لیکن آیت کا حکم قیامت تک کے لیے عام ہے۔ جس طرح وہ میدان بدر میں آئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کو روکنے کے لیے اسی طرح جو بندہ بھی گناہ کرتا ہے دراصل وہ پیغام رسالت

کی نفی کرتا ہے، اسے روکنے کی کوشش کرتا ہے۔ اگر کفار و مشرکین کا جرم بہت بڑا تھا تو جو کلمہ گو آج سود کھاتا ہے، رشوت، چوری، ڈاکہ کرتا ہے، برائی کرتا ہے، شراب پیتا ہے تو کیا وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کے خلاف نہیں کر رہا؟ کیا وہ پیغام رسالت کو روکنے کی کوشش نہیں کر رہا؟ ہمیں ان آیات کریمہ کے احکام کو اپنے اوپر apply کرنا چاہیے۔ یہ دیکھنا چاہیے کہ ہم، ہمارا کردار کتنا ان آیات کے مطابق ہے؟

یہ ایک عجیب انسانی مزاج ہے کہ جو کچھ وہ خود کرتا ہے، وہ چاہتا ہے کہ سارے لوگ بھی وہی کچھ کریں وگرکوئی برائی کرتا ہے اور اسے کمال سمجھتا ہے تو چاہتا ہے کہ سارا معاشرہ یہی کام کرے۔ شیطان یوں برائی کو سجا کر پیش کرتا ہے اور صرف وسوسے ہی نہیں ڈالتا بلکہ انسانی شکل میں آ کر انسان بن کر بھی بندے کو مشورے دے کر دھوکہ دیتا ہے۔ یہ وہ انسان ہوتے ہیں جو شیطان کی مسلسل اطاعت کر کے خود شیطان بن جاتے ہیں۔ قرآن حکیم میں ایسے لوگوں کے بارے میں فرمایا گیا ہے مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی کا مفہوم ہے کہ انسانوں میں سے جو شیطان بن جاتا ہے وہ جنوں والے شیطان سے زیادہ خطرناک ہوتا ہے کہ اسے دیکھ کر دوسرے انسانوں کو ترغیب ہو سکتی ہے۔

مقام فکر یہ ہے کہ بدکار تو کوشش کرتا ہے کہ سارے ہی بدکار ہو جائیں اور نمازی کوشش نہیں کرتے کہ سارا معاشرہ نمازی ہو جائے۔ ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ نیکی کی ترغیب بھی دی جائے۔ بڑے ہی کم خوش نصیب ہیں جنہیں یہ جذبہ بھی نصیب ہو۔

شیطان نے اہل مکہ کے ساتھ تو یہ کیا کہ مجسم ہو کر انسان بن کر اسلحہ لگا کر اپنے چیلوں کو فوج بنا کر کفار و مشرکین کے سامنے آ گیا۔ واقعہ یوں ہوا کہ جب مشرکین کا قافلہ بچ کر نکل گیا تو مشرکین کے لشکر میں اختلاف رائے ہو گیا۔ ایک رائے یہ تھی کہ ہم قافلے کو بچانے آئے تھے وہ مقصد تو پورا ہو گیا اب واپس چلیں لڑائی کی ضرورت نہیں لیکن ابوجہل اڑ گیا کہ لڑائی ہو گی اور آج ہم نئے دین کو اور اس کے ماننے والوں کو نیست و نابود کر کے جائیں گے۔ عین اس وقت مکہ مکرمہ کے نواح کا ایک جنگجو سردار سراقہ بن مالک اپنے ساتھ شہسواروں کا ایک دستہ لیے سامنے آ گیا۔ قریش کی اور سراقہ بن مالک کی آپس میں ٹھنی رہتی تھی۔ حقیقتاً اہل مکہ کو یہ خوف بھی تھا کہ ہم تو بدر کو نکل آئے ہیں، شہر سے دور آ گئے ہیں اگر سراقہ بن مالک نے مکہ پر حملہ کر دیا تو وہ لوٹ مار کر کے لے جائے گا اور شہر کو تباہ کر جائے گا۔ اسی خوف سے وہ واپس جانا چاہتے تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ سراقہ اپنے جنگی دستے کے ساتھ آ گیا ہے۔ سراقہ نے آتے ہی کہا کہ آپس کی ناراضگی اپنی جگہ لیکن یہ جو ایک نیا دین آ گیا ہے اس کو مٹانے کے لیے میں تمہارے ساتھ ہوں۔ یہاں ہم مل کر لڑیں گے اور ان کو مٹا دیں گے اور ان سے کہنے لگا وَقَالَ لَا

غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَإِنِّي جَارٌ لَّكُمْ ۚ آج تم پر کوئی غالب نہیں آ سکتا، تم سے آج کوئی نہیں جیت سکتا، میں اپنی فوجی قوت کے ساتھ تمہارے ساتھ ہوں۔ فَلَمَّا تَرَاءَتِ الْفِئَتَانِ نَكَصَ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ لیکن جب مقابلے کی گھڑی آئی، دونوں فوجیں ایک دوسرے کے مقابل ہوئیں تو وہ الٹے پاؤں بھاگا۔ مشرکین نے اسے عار دلائی کہ اتنے بہادر اور جنگجو ہو کر بزدلی دکھا رہے ہو۔ ابھی تو جنگ شروع بھی نہیں ہوئی اور تم میدان سے بھاگ رہے ہو۔ اس نے کہا وَقَالَ إِنِّي بَرِيءٌ مِّنكُمْ میرا تم سے کوئی تعلق نہیں۔ إِنِّي أَرَىٰ مَا لَا تَرَوْنَ جو میں دیکھ رہا ہوں وہ تم نہیں دیکھ رہے۔ اس لیے میں یہاں نہیں رکوں گا۔ دراصل اس وقت اللہ کی طرف سے مسلمانوں کی مدد کے لیے فرشتوں کے پرّے کے پرّے اتر رہے تھے جسے شیطان تو دیکھ سکتا تھا انسان نہیں دیکھ رہے تھے۔

جنگ کے بعد مکہ کے سرداروں کی کہیں سراقہ بن مالک سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے کہا تم نے عین میدان جنگ میں دھوکہ دیا۔ سراقہ نے کہا میں کب بدر گیا تھا۔ مجھے تو پتہ ہی تب چلا جب تمہاری شکست کی خبر مکہ پہنچی اور وہاں سے بات باہر پھیلی تو میں تمہارے ساتھ جنگ میں کب شامل ہوا۔

یوں شیطان نے مجسم ہو کر دھوکہ دیا۔ جب بھاگنے لگا تو اس کا ایک عجیب جملہ قرآن حکیم میں نقل ہوا ہے۔ کہنے لگا إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ ۚ وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿٤٨﴾ مجھے اللہ سے ڈر لگتا ہے۔ بے شک اللہ سخت سزا دینے والے ہیں۔ کیسی عجیب بات ہے جو خود کہہ رہا ہے کہ اسے اللہ سے ڈر آتا ہے اور اقرار کر رہا ہے کہ اللہ شدید عذاب دینے پر قادر ہے۔ یہ ابلیسی روش ہے کہ زبانی زبانی کہنا کہ اللہ سے ڈرتا ہوں اور عملاً نافرمانی سے باز نہ آتا۔ شیطان خود بھی نافرمان ہے اور ہمہ وقت اللہ کی مخلوق کو نافرمان بنانے پر لگا ہوا ہے۔ تو پھر یہ کون سا ڈر ہے؟ یہ الگ قسم کا ڈر ہے۔ یہاں اللہ کریم نے تقویٰ کا لفظ استعمال نہیں فرمایا خوف کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔

خوف اور تقویٰ میں فرق:

تقویٰ کا ترجمہ بھی عموماً ڈر ہی لکھا جاتا ہے اور خوف کا ترجمہ بھی ڈر ہی کیا جاتا ہے۔ خوف اور تقویٰ میں فرق ہے۔ تقویٰ وہ ڈر ہے جو اللہ کریم کے ناراض ہو جانے کا ڈر ہوتا ہے، جو اللہ کریم کے ساتھ رشتہ عبدیت یا بندگی کا رشتہ ٹوٹ جانے کا ڈر ہے، اللہ کے کرم کے رک جانے کا ڈر ہے۔ وہ ڈر مقصود ہے جو اطاعت الٰہی پر کاربند کر دے، جو اللہ کریم کے ساتھ ہمارا رشتہ بندگی استوار رکھے، جو بندگی کے رشتے میں بال نہ آنے دے، دراڑ نہ آنے دے، یہ ڈر ہو تو اطاعت الٰہی کی توفیق ہوتی ہے اور غلطی ہو جائے تو بندہ توبہ کرتا ہے، آئندہ کے لیے

برائی چھوڑ دیتا ہے اور اللہ کی اطاعت پر کمربستہ رہتا ہے اور اپنے سے طاقت ور کی طاقت سے ڈر جانے کا نام خوف ہے اور اسی خوف کی بات شیطان یہاں کر رہا ہے کہ اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰہَ ؕ میں اللہ سے ڈرتا ہوں کہ اللہ زبردست ہے، اللہ قادر ہے، اللہ جبار وقہار ہے اس کا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا۔ میں اللہ سے اس لیے ڈرتا ہوں کہ اللہ کی گرفت بڑی سخت اور اس کی سزائیں بڑی سخت ہیں لیکن اس خوف کے باوجود شیطان نافرمانی سے باز نہیں آتا اور اللہ کی مخلوق کو گمراہ کرنے کی کوششوں سے باز نہیں آتا۔ ڈر کی یہ قسم خوف ہے۔

آیت کریمہ کے آئینے میں ہمارا کردار:

قرآن حکیم نے یہ بات واضح کر دی ہے کہ بعض اوقات شیطان، انسانی صورتوں میں آکر بھی انسان کو گمراہ کرتا ہے۔ وہ شیاطین الانس والجن ہیں جو انسان شیطان کے پیروکار بن جاتے ہیں وہ زیادہ خطرناک شیطان ہوتے ہیں کہ وہ سامنے آکر برائی کرتے ہیں، برائی کی ترغیب دیتے ہیں اور بعض اوقات زبردستی مجبور کرتے ہیں کہ آؤ آؤ بس آج برائی کر لو پھر نہ کرنا۔ تو بندے کو دیکھنا چاہیے کہ وہ خود جس حد تک اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی، دین کی مخالفت کرتا ہے اس حد تک وہ شیطان ہے، انسان نہیں ہے۔ اگر تھوڑی مخالفت کرتا ہے تو اس میں تھوڑی شیطنت ہے زیادہ کرتا ہے تو زیادہ بڑا شیطان ہے۔ رمضان المبارک اس کی بڑی اعلیٰ مثال ہے۔ جب رمضان المبارک آتا ہے تو شیطان اور اس کے چھوٹے بڑے شیاطین سب قید کر دیئے جاتے ہیں اور جب شوال کا چاند طلوع ہوتا ہے تو ان کی زنجیریں کھولی جاتی ہیں۔ یعنی رمضان میں نہ وہ کسی کو وسوسہ ڈالنے کے قابل رہتے ہیں نہ گمراہ کرنے کے۔ لیکن کیا رمضان میں برائی رک جاتی ہے۔ شراب خانے اجڑ جاتے ہیں، غارت گری ختم ہو جاتی ہے؟ کچھ بھی تو نہیں ہوتا۔ مساجد میں بم کون مارتا ہے، راہ چلتے بے روزگار اور عام مزدوروں کو گولی کا نشانہ کون بناتا ہے، یہ قتل عام کون کرتا ہے؟ یہ وہ کرتے ہیں جو انسانوں سے شیطان بن چکے ہیں۔ ہاں رمضان میں یہ فرق ضرور پڑتا ہے کہ جن لوگوں میں ایمان باقی ہے، دین باقی ہے وہ رمضان میں پہلے کی نسبت زیادہ محنت کرتے ہیں، زیادہ عبادت کرتے ہیں، زیادہ نیکیاں کرتے ہیں، زیادہ خیرات کرتے ہیں لیکن جو لوگ مجسم شیطان بن چکے ہوتے ہیں انہیں کوئی فرق نہیں پڑتا وہ برائی کو اسی طرح جاری رکھتے ہیں۔ اگر ہم دیکھنا چاہیں تو رمضان المبارک میں کم از کم یہ سمجھ آجانی چاہیے کہ یہ بندہ شیطان ہے ہمیں اس کا ساتھ نہیں دینا چاہیے۔ جو رمضان میں بھی شیطانی کام کر رہا ہے وہ اس شیطان سے زیادہ برا ہے جو رمضان میں قید ہو چکا ہوتا ہے۔ لیکن آج کلمہ گو ہو کر بھی لوگ جان بوجھ کر شیاطین کے پیچھے جاتے ہیں، جان بوجھ کر بدکاروں، بدمعاشوں،

غلط کاروں کو تلاش کرتے ہیں کہ ان سے تعاون کریں تا کہ یہ ہمیں ہمارے برے کاموں میں تحفظ دیں۔ ہم جرم کریں تو ہمیں چھڑوالیں۔ اس لیے ووٹ دیتے ہیں اس لیے پارٹیوں میں شامل ہوتے ہیں۔ یہ آیت آئینہ ہے جس میں ہر کوئی اپنا کردار دیکھ سکتا ہے اور اللہ سے توفیق مانگ کر اپنی اصلاح کر سکتا ہے۔

دنیا وقتی اور لحاتی ہے، کسی کے پاس کوئی سند نہیں کہ اگلا سانس آئے گا یا نہیں۔ دنیا سے رخصت ہوتے ہی حقائق سامنے آجائیں گے کہ آخرت تو حقائق کا جہان ہے۔ ہم جو کچھ کرتے ہیں اسے اللہ کے حکم پر اس کے فرشتے تو لکھ ہی رہے ہیں اللہ کریم خود بھی دیکھ رہے ہیں۔ آخرت میں تو ہر چیز سامنے آجائے گی اور ہر کوئی جاننے لگ جائے گا۔

جس بندے کو اگلے لمحے قبر میں سونا ہے وہ دنیا کا حکمران بن گیا تو کیا اور فقیر رہا تو کیا فرق پڑا۔ فرق تو اس حقیقت پر پڑے گا کہ کس کردار کا نتیجہ قبر میں، برزخ، حشر اور جنت و دوزخ میں کیا آئے گا؟ دنیا کا مال جسے جتنا ملتا ہے اتنی ہی اس کی جواب طلبی بھی سخت ہوتی ہے۔ صاحب اکمال الشیئم لکھتے ہیں کہ ''اگر تو دنیا کے دکھوں اور مصیبتوں کو کم کرنا چاہتا ہے تو اس دنیا کے سامان کو کم کر دے تیری مصیبتیں کم ہو جائیں گی۔ جتنا مال و اسباب ہوگا دنیاوی بکھیڑے بھی اتنے زیادہ ہوں گے جتنا دنیا کا مال کم کرتا چلا جائے گا اتنی تیری مصیبتیں کم ہوتی چلی جائیں گی۔ یہی وجہ ہے کہ جو مصیبتیں اور مسائل بڑے ایوانوں میں رہنے والوں کو درپیش ہیں وہ کسی فقیر کو تو نہیں اس کے دکھ اپنی جگہ لیکن وہ ان گنت مسائل اس کے نہیں جو بڑے بڑے حکمرانوں کے ہیں تو دنیا کا ضرورت سے زیادہ سامان نہ صرف دنیا میں مسائل پیدا کرتا ہے بلکہ آخرت میں بہت بڑی آزمائش بن جائے گا کہ پائی، پائی کا حساب دینا پڑے گا کہ کہاں سے مال لیا، کہاں خرچ کیا، کس کو دیا وہ اس کا مستحق تھا یا نہیں، اگر صاحب حیثیت اور صاحب اقتدار تھا تو تیری ایک حیثیت تھی تو نے اس کے مطابق اللہ کے دین کے نفاذ کی کیا کوشش کی، دین کے مخالف کتنے کام کیے؟

یہ آیات واقعہ بدر بیان کر رہی ہیں۔ یوم بدر تاریخ انسانی میں کمزوروں، غریبوں، مساکین اور ساری مخلوق کے حقوق کا عالمی دن ہے جس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اللہ کے حکم اور اس کے بھروسے پر اپنے چند جاں نثاروں کو لے کر ظلم کے خلاف، مجبوروں، محکوموں اور غلاموں کے حقوق کے لیے اپنے وقت کے جابر ترین لوگوں اور ان کی فوج کے سامنے سینہ سپر ہو گئے اور کفر کی اس بہت بڑی طاقت کو خاک نشین کر دیا۔ مجھے دکھ ہوتا ہے کہ مسلمان شکاگو کے غیر مسلم مزدوروں کو یہ ایوارڈ دیتے اور مزدوروں کے حقوق کا

عالمی دن مناتے ہیں حالانکہ وہ ہم مذہب لوگ تھے اور ان کا جھگڑا مزدوروں کا تھا۔

یوم بدر پوری انسانیت کے حقوق کی جنگ تھی جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑی۔ تاریخ عالم اٹھا کر دیکھ لیجئے بعثتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کہاں تھے مزدوروں، غلاموں، عورتوں، بچوں کے حقوق؟ کہاں تھا عدل، قانون اور انصاف؟ طاقتور کا قانون تھا جو وہ چاہتا تھا کر گزرتا تھا آج تو ہر طبقے نے اپنے حقوق کا اپنا معیار بنا رکھا ہے جس کا جو حق نہیں بنتا وہ اس کا بھی مطالبہ کرتا ہے لیکن تاریخ گواہ ہے کہ انسانی بھلائی کی ساری نعمتیں اللہ کی عطا ہیں اور یہ بعثت رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر انسانوں کو نصیب ہوئیں۔

میدان بدر نے اسباب و وسائل کی اہمیت کو اجاگر کیا تو افرادی تعداد کے بجائے افرادی قوت کی عظمت واضح کی۔ اگرچہ افراد تعداد میں کم تھے لیکن ایک ایک فرد میں کتنی قوت تھی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو اپنی مثال آپ ہیں اللہ کے محبوب ترین بندے ہیں لیکن وہ جو تین سو تیرہ افراد تھے ان کی قوت کا سبب انؓ کا فنا فی الرسول ہونا تھا۔ ان تین سو تیرہ افراد نے میدان بدر میں ثابت کیا کہ جدھر ابروء پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا اشارہ ہو جائے وہاں نفع و نقصان کا خیال نہیں رہتا وہاں یہی خیال رہتا ہے کہ اطاعت میں کمی نہ آئے خواہ مریں یا جئیں۔

اسی سبب سے یہی وہ واحد جماعت ہے جس کی نصرت کے لیے اللہ نے قرآن حکیم میں بتایا ہے کہ فوجوں کی فوجیں، پرےّوں کے پرےّ یعنی فوجی اصطلاح میں جنہیں Formation کہتے ہیں اس طرح فرشتے اتارے۔ کیا عجیب لوگ تھے اور کیا عجیب کام تھا جس کی کامیابی کے لیے اللہ نے فرشتوں کی فوجیں نازل کر دیں۔

آج بھی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتا ہے اسے تائید باری نصیب ہوتی ہے، فرشتے بھی اس کے لیے دعا کرتے ہیں۔ اللہ کریم اس کی توفیق عطا فرمائے اور نافرمانی رسالت پناہی سے محفوظ رکھے کہ رسالت پناہی کی نافرمانی محرومی کا نام ہے۔

سورۃ الانفال رکوع 7 آیات 49 تا 58

اَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيۡطٰنِ الرَّجِيۡمِ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اِذۡ يَقُوۡلُ الۡمُنٰفِقُوۡنَ وَالَّذِيۡنَ فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ غَرَّ هٰٓؤُلَاۤءِ دِيۡنُهُمۡ‌ؕ وَمَنۡ
يَّتَوَكَّلۡ عَلَى اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِيۡزٌ حَكِيۡمٌ ۝٤٩ وَلَوۡ تَرٰۤى اِذۡ يَتَوَفَّى الَّذِيۡنَ
كَفَرُوۡا‌ ۙ الۡمَلٰٓـئِكَةُ يَضۡرِبُوۡنَ وُجُوۡهَهُمۡ وَاَدۡبَارَهُمۡ‌ۚ وَذُوۡقُوۡا عَذَابَ
الۡحَرِيۡقِ ۝٥٠ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتۡ اَيۡدِيۡكُمۡ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيۡسَ بِظَلَّامٍ لِّلۡعَبِيۡدِ ۝٥١
كَدَاۡبِ اٰلِ فِرۡعَوۡنَ‌ ۙ وَالَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ‌ؕ كَفَرُوۡا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاَخَذَهُمُ
اللّٰهُ بِذُنُوۡبِهِمۡ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِىٌّ شَدِيۡدُ الۡعِقَابِ ۝٥٢ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمۡ يَكُ
مُغَيِّرًا نِّـعۡمَةً اَنۡعَمَهَا عَلٰى قَوۡمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوۡا مَا بِاَنۡفُسِهِمۡ‌ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيۡعٌ
عَلِيۡمٌ ۝٥٣ كَدَاۡبِ اٰلِ فِرۡعَوۡنَ‌ ۙ وَالَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ‌ؕ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمۡ
فَاَهۡلَكۡنٰهُمۡ بِذُنُوۡبِهِمۡ وَاَغۡرَقۡنَاۤ اٰلَ فِرۡعَوۡنَ‌ۚ وَكُلٌّ كَانُوۡا ظٰلِمِيۡنَ ۝٥٤ اِنَّ
شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنۡدَ اللّٰهِ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا فَهُمۡ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ ۝٥٥ اَلَّذِيۡنَ عٰهَدْتَّ
مِنۡهُمۡ ثُمَّ يَنۡقُضُوۡنَ عَهۡدَهُمۡ فِىۡ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمۡ لَا يَتَّقُوۡنَ ۝٥٦ فَاِمَّا
تَثۡقَفَنَّهُمۡ فِى الۡحَرۡبِ فَشَرِّدۡ بِهِمۡ مَّنۡ خَلۡفَهُمۡ لَعَلَّهُمۡ يَذَّكَّرُوۡنَ ۝٥٧ وَاِمَّا
تَخَافَنَّ مِنۡ قَوۡمٍ خِيَانَةً فَانۡۢبِذۡ اِلَيۡهِمۡ عَلٰى سَوَآءٍ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ
الۡخَآئِنِيۡنَ ۝٥٨

جب منافق لوگ اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے یوں کہتے تھے ان لوگوں

(مسلمانوں) کو ان کے دین نے بھول میں ڈال رکھا ہے اور جو اللہ پر بھروسہ رکھتا ہے تو بے شک اللہ غالب اور حکمت والے ہیں ﴿۴۹﴾ اور اگر آپ (اس وقت) دیکھیں جب فرشتے کافروں کی جان قبض کرتے جاتے ہیں تو ان کے مونہوں پر اور ان کی پشتوں پر مارتے جاتے ہیں اور (کہتے ہیں اب) تم جلنے کے عذاب کا مزہ چکھو ﴿۵۰﴾ یہ وہ (اعمال کفریہ) ہیں جو تم نے اپنے ہاتھوں سے آگے بھیجے اور یہ کہ اللہ بندوں پر ظلم کرنے والے نہیں ﴿۵۱﴾ جو حال فرعونیوں کا اور ان سے پہلے لوگوں (کافروں) کا ہوا (ویسا ان کا ہوا) انہوں نے اللہ کی آیات کے ساتھ کفر کیا تو اللہ نے ان کو ان کے گناہوں پر پکڑ لیا بے شک اللہ زبردست ہیں سخت عذاب دینے والے ہیں ﴿۵۲﴾ یہ اس لیے ہے کہ اللہ کسی ایسی نعمت کو جو کسی قوم کو عطا کی گئی ہو تب تک نہیں بدلتے جب تک کہ وہ لوگ اپنے اعمال نہیں بدل ڈالتے اور یہ کہ اللہ سننے والے جاننے والے ہیں ﴿۵۳﴾ ان کی حالت فرعونیوں اور ان سے پہلے والوں جیسی ہے جنہوں نے اپنے پروردگار کی آیات کو جھٹلایا سو (اس پر) ہم نے ان کو ان کے گناہوں کے سبب ہلاک کر دیا اور فرعونیوں کو غرق کر دیا اور وہ سب ظالم تھے ﴿۵۴﴾ بلاشبہ اللہ کے نزدیک بدترین خلائق یہ کافر لوگ ہیں پس وہ ایمان نہیں لاتے ﴿۵۵﴾ وہ لوگ کہ ان میں سے جن سے آپ (صلح کا) وعدہ کرتے ہیں پھر وہ ہر بار اپنا وعدہ توڑ دیتے ہیں اور وہ (اللہ سے) نہیں ڈرتے ﴿۵۶﴾ سو اگر آپ ان کو میدان جنگ میں پائیں تو ان کو ایسی سزا دیں کہ جو ان کے پس پشت ہیں وہ بھی بھاگ جائیں ہو سکتا ہے کہ وہ اس سے عبرت حاصل کریں ﴿۵۷﴾ اور اگر آپ کو کسی قوم سے خیانت (عہد شکنی) کا اندیشہ ہو تو (ان کا عہد) ان کو واپس کر دیں برابری پر (اسی طرح جس طرح انہوں نے پھینکا) بلاشبہ اللہ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتے ﴿۵۸﴾

تفسیر و معارف

فرمایا اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ غَرَّ هٰٓؤُلَآءِ دِيْنُهُمْ ۭ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ غزوہ بدر میں جب جنگ کا سماں بنا تو منافقین، جن کے دلوں میں مرض تھا، جن کے قلوب بیمار تھے وہ لغو باتیں کرنے لگے۔ منافق وہ ہے جس کا آخرت پر تو یقین نہیں ہوتا وہ دنیاوی مفادات کے حصول کے لیے جمعیت اور طاقت دیکھ کر، مسلمانوں کی قوت دیکھ کر خود کو مسلمان کہنے لگتا ہے۔ پھر وہ نمازیں بھی پڑھتا ہے، روزے بھی رکھتا ہے دیگر ارکان دین پر دکھاوے کے لیے عمل بھی کرتا ہے لیکن اس کے دل کو ان صداقتوں پر یقین نہیں ہوتا جن پر یقین کرنے کا حکم اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم دیتے ہیں۔ منافق کو چونکہ آخرت کا، قدرت باری کا اور عظمت الٰہی کا ادراک نہیں ہوتا لہٰذا وہ محض دنیاوی اسباب و وسائل سے ہی اندازے لگاتا ہے۔ چنانچہ بدر میں جب تین سو تیرہ نہتے جاں نثار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ میدان میں اترنے کو چلے اور ادھر سے کفار کا لشکر چلا تو منافق کہنے لگے غَرَّ هٰٓؤُلَآءِ دِيْنُهُمْ ۭ مسلمانوں کو ان کے دین نے کسی خوش فہمی میں مبتلا کر دیا ہے، انہیں بھول میں ڈال رکھا ہے اور یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ ہمارے ساتھ ہے تو ہم غالب آ جائیں گے لیکن یہ تو ان کی محض خوش فہمی ہے۔

اگرچہ نتائج ہمیشہ اسباب پر ہی مرتب ہوتے ہیں لیکن اسباب میں نتائج بھی تو اللہ کریم ہی پیدا کرتے ہیں۔ اسباب کو پر اثر بنانا اللہ کریم کے دست قدرت میں ہے جس سبب سے جو چاہیں نتیجہ پیدا فرما دیں لیکن منافقین کے چونکہ دل بیمار تھے فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ان کے دلوں میں مرض تھا اس لیے ان کی نگاہ مسبب الاسباب سے ہٹ کر اسباب تک محدود تھی۔

دل کا مرض کیا ہے؟

دل کا مرض اللہ کی یاد سے غفلت، اللہ کی عظمت سے ناآشنائی اور اللہ سے دوری ہے۔ یہ روش آخرت کو فراموش کرا دیتی ہے اور آدمی کی نظر محض دنیاوی وسائل پر رہ جاتی ہے اور وہ دنیاوی اعتبار سے ہی تجربے کرتا رہتا ہے۔ ایسا شخص یہ سوچنے کی زحمت گوارا نہیں کرتا کہ اس کائنات کا ایک مالک بھی ہے جو ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ اپنے بندوں کے ہر حال سے واقف ہے لہٰذا کرنے کا کام یہ ہے کہ اللہ سے دعا کریں کہ اللہ اپنے بندوں کی خطائیں معاف کرے انہیں بہتری کی طرف لے آئے لیکن اصل حقیقت یہ ہے کہ بندہ خود کو بہتری کی طرف لائے تو معاشرے میں بہتری لانے میں اپنا کردار ادا کرتا ہے ورنہ محض زبانی باتیں اصلاح کی ضامن نہیں اور یہی

غفلت دل کا مرض ہے۔

دل کی صحت کس میں ہے؟

جس طرح دل کا مرض عظمت الٰہی سے نا آشنائی میں ہے اسی طرح دل کی صحت اللہ کی عظمت پر یقین میں ہے اور اللہ کی عظمت پر یقین کرنے کے لیے ہمارے پاس صرف ایک ہی دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ پر ایمان لانے کی تعلیم دی ہے اور فرمایا ہے کہ اللہ واحد ہے، خالق ورازق ہے، مالک حقیقی ہے، بے مثل و بے مثال ہے اور یہ کہ اللہ نے تیس پارے قرآن کریم عطا فرمایا ہے جو اللہ کا ذاتی کلام ہے اور پھر اسی کلام الٰہی میں اللہ سے محبت کا، بندگی کا اور اطاعت کا رشتہ بنانے اور نبھانے کا طریقہ بھی ارشاد فرمادیا کہ اللہ کو یاد کرو اس کے اسم ذات سے یاد کرو، دل سے یاد کرو، کثرت سے یاد کرو اور ہر طرح یاد کرتے رہو۔

مقام حیرت ہے کہ بندہ کیسے خالق کو یاد کرے جب انسانی عقل اللہ کو نہیں سمو سکتی، انسانی نگاہ اس دنیا میں اللہ کو نہیں دیکھ سکتی، اس کی کوئی مثال نہیں ہے تو پھر اس کی ذات پر یقین کیسے آئے۔ اس کا نسخہ قرآن حکیم میں بڑی تفصیل سے جابجا ارشاد ہوا ہے جیسے سورہ احزاب میں ہے یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِیْرًا ۝ (الاحزاب:41) کہ شب و روز، صبح شام، رات دن اس کی پاکی بیان کرتے رہو اور کثرت سے اس کا ذکر کرو۔ جو قلوب ذاکر ہو جاتے ہیں۔ انہیں دولت یقین بھی نصیب ہو جاتی ہے اور یہی ایمان ہے۔ جو دل غافل رہتے ہیں ان کا کوئی بھروسہ نہیں ہوتا کہ کون سا باطنی مرض کس وقت آلے۔

دل کی صحت دل میں اللہ کی یاد کا ہونا ہے اور دل کی بیماری اللہ کی یاد کو بھول جانا، اللہ کی یاد سے غافل ہو جانا ہے۔

چونکہ منافقین کے دل بیمار تھے، اللہ کی یاد اور اللہ کی عظمت ان کے دلوں میں نہیں تھی اور ظاہری اسباب یہ تھے کہ کفار کا لشکر تجربہ کار، سنجیدہ، ماہر جنگجو سرداروں اور ولولہ انگیز جوانوں پر مشتمل تھا اور خوب اچھی طرح مسلح تھا، خوراک بھی وافر تھی، سواریاں بھی کافی تھیں یعنی کفار کے پاس سارے وسائل تھے جبکہ مسلمانوں کے پاس خوراک کی کمی تھی، اسلحہ بھی کم تھا، سواریاں نہ ہونے کے برابر تھیں اور تعداد ان کے مقابل ایک تہائی تھی تو بیمار دل لوگوں نے کہا مسلمانوں کو دیکھو ان کے دین نے انہیں کیسی خوش فہمی میں مبتلا کر دیا ہے یہ سمجھتے ہیں کہ اس قدر کم وسائل سے یہ اتنے بڑے لشکر پر غلبہ پالیں گے حالانکہ یہ تو لمحوں کی بات ہے، تھوڑی دیر میں وہ ان کو نیست و نابود کر دیں گے یہ ایسے تباہ ہوں گے کہ ان کا نشان بھی باقی نہ رہے گا۔ منافقین اپنے دل کی بیماری کے باعث یہ نہیں

جانتے تھے وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝٤٩ کہ جو اللہ پر بھروسہ کر لیتا ہے تو پھر یقیناً اللہ غالب بھی ہے اور حکمت و دانائی والا بھی ہے۔

سلیقہء توکّل:

اللہ کریم پر بھروسہ کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ دنیا میں جو جائز وسائل اللہ نے دیئے ہیں ان سب کا اہتمام کرے۔ روزگار کے معاملے میں توکل یہ ہے کہ روزی کے جائز وسائل اختیار کرے اور محنت و دیانتداری سے کرے۔ تعلیم کے لیے توکل یہ ہے کہ مطالعہ کرے، محنت سے پڑھے، استاد اختیار کرے۔ زندگی کے ہر شعبے میں توکّل کا یہی سلیقہ ہے کہ اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے محنت کرے، جو بس میں ہے وہ کرے پھر اللہ سے دعا کرے کہ یا اللہ! جو میرے بس میں تھا میں نے کر دیا اب تو میری مہربانی فرما اور اس میں سے بہتر نتائج پیدا فرما دے۔ میری ضرورتیں پوری فرما، مجھے دوسروں کا محتاج نہ رکھ۔

کام کاج چھوڑ دینا، اسباب چھوڑ کر بیٹھ رہنا توکل نہیں بلکہ توکل کے خلاف ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ توکل نیک کاموں میں ہوتا ہے، گناہ کے کاموں میں کوئی توکل کیا کرے گا کہ کام شیطان کا کر رہا ہو اور نام اللہ کا استعمال کرے۔

توکّل تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ میں ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اگرچہ افرادی قوت کم تھی، ہتھیار اور راشن کم تھے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے باقاعدہ صف بندی کرائی، لشکر کو قلب، میمنہ اور میسرہ میں تقسیم کیا، تیراندازوں کو ان کی جگہ کھڑا کیا، تلوار بازوں کو علیحدہ جگہ پر کھڑا کیا، میدان جنگ میں اپنی مرضی کا مقام منتخب فرمایا، پانی کے چشمے پر قبضہ کیا۔ لشکر کو تیار کرنے کے بعد عریش بدر میں دعا فرمائی۔ میدان بدر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک عارضی سا عریش بنایا گیا تھا جہاں سے پورا میدان کارزار سامنے تھا۔ آپ ﷺ وہیں سے کمانڈ فرما رہے تھے۔ عریش بدر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کریم سے دعا مانگی کہ یا اللہ! جو میرے بس میں تھا وہ میں نے پورا کر دیا۔ آگے تیرے بس میں ہے تو مہربانی فرما۔ یہ جو افراد تیری راہ میں کھڑے ہیں یہ سارے کا سارا اسلام ہیں۔ میں سارے کا سارا اسلام میدان میں لے آیا ہوں۔ اگر یہ لوگ آج یہاں کھیت رہے تو شاید قیامت تک تیرا کوئی نام لینے والا پیدا نہ ہو۔ اے اللہ! انہیں کامیاب فرما۔ اللہ نے فرمایا جو اللہ پر بھروسہ کر لیتا ہے تو یقینی طور پر جان لو، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔ اس کے ہر کام میں حکمت ہوتی ہے وہ قادر ہے جو چاہے کر سکتا ہے۔ وہ چاہتا تو جنگ کے بغیر ہی کفار کے لشکر کو خاک کر دیتا،

سب کی نگاہ بند ہو جاتی سب کے ہاتھ پاؤں شل ہو جاتے، اندھے ہو جاتے کوئی کچھ نہ کر سکتا لیکن اس کے کام کرنے کے طریقے اپنے ہیں جو سب سے زیادہ صحیح ہیں۔ اس کی حکمت تھی، مقابلہ ہوا، چودہ مسلمانوں کو شہادت نصیب ہوئی، یہ بھی اس کا انعام تھا۔ وہ انہیں شہادت سے سرفراز فرمانا چاہتا تھا۔ چوٹی کے ستر کافر قتل ہوئے، ستر قید ہوئے۔ رہتی دنیا تک کے لیے طے ہو گیا کہ حق کے مقابلے میں باطل کو ہمیشہ شکست ہوتی ہے۔

لیکن بات یہاں ختم نہیں ہوتی کہ کافر قتل ہو گئے، انہیں شکست ہو گئی اور قصہ ختم ہو گیا۔ نہیں فرمایا: وَلَوۡ تَرٰۤى اِذۡ يَتَوَفَّى الَّذِيۡنَ كَفَرُوا ۙ الۡمَلٰٓئِكَةُ يَضۡرِبُوۡنَ وُجُوۡهَهُمۡ وَاَدۡبَارَهُمۡ ۚ اے مخاطب! جب تو وہ سماں دیکھے جب کافر کی روح فرشتے قبض کرتے ہیں تو ان کے چہروں اور پشتوں پر مارتے، سزا دیتے ہیں۔ بہت تکلیف اور ایذا سے ان کی روح قبض کرتے ہیں، ساتھ ہی یہ خبر بھی دیتے ہیں کہ یہی مار پیٹ ہی نہیں یہ تو ابتداء ہے۔ یہاں سے تو ہم تمہیں مار پیٹ کر تمہاری روح نکال کر لے جائیں گے وَذُوۡقُوۡا عَذَابَ الۡحَرِيۡقِ ۝۵۰ آگے تمہیں آگ کا مزا چکھنا ہے۔ برزخ میں پہنچو گے تو آگ میں جلو گے اور میدان حشر کے بعد جہنم کے سپرد کر دیئے جاؤ گے۔

اللہ کریم کی شان:

اللہ کریم کی شان بہت بلند ہے۔ وہ ساری کائنات کا خالق بھی ہے مالک بھی ہے۔ انسان اس کی ایک مخلوق ہے باقی ساری کائنات میں اس کی کتنی مخلوق بستی ہے وَمَا يَعۡلَمُ جُنُوۡدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ ؕ (المدثر:31) اس کی مخلوق کے جو لشکر ہیں انہیں اللہ ہی جانتا ہے دوسرا کوئی شمار نہیں کر سکتا کہ کتنے ہیں۔ انسان خود کو کسی شمار قطار میں نہیں لا سکتا اس کی اتنی مخلوق ہے تو اللہ کو کیا ضرورت ہے کہ ایک حقیر مخلوق کو عذاب کرے۔ لیکن یہ جو عذاب ہیں وہ انسانوں کے اپنے ہاتھوں اکٹھے کیے ہوئے ہیں۔ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتۡ اَيۡدِيۡكُمۡ فرمایا، تم نے اپنے ہاتھوں سے اپنے لیے یہ ایندھن جمع کیا ہے۔ اپنے لیے دوزخ خود بھڑکائی ہے۔ خود تمہارے کردار نے تمہارے لیے جہنم کا سامان کیا ہے۔ تم نے دکھ بھری زندگی گزاری، موت بڑے دکھ لے کر آئی، مار پڑ رہی ہے، تمہاری روح کو گھسیٹا جا رہا ہے تمہیں برزخ کی آگ کے سپرد کیا جائے گا پھر حشر کے بعد جہنم کی آگ میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چلے جاؤ گے۔ یہ سب اس لیے ہے کہ تم نے اپنے ہاتھوں سے اپنے لیے یہی کچھ بھیجا۔ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيۡسَ بِظَلَّامٍ لِّلۡعَبِيۡدِ ۝۵۱ بندہ ایک حقیر سی مخلوق ہے اللہ کی شان کے خلاف ہے کہ وہ کسی پر ظلم کرے، زیادتی کرے اور زبردستی اس پر عذاب بھیجے۔ بندے کی حیثیت کیا ہے کہ خالق و مالک، ذات حقیقی اللہ تعالیٰ اسے کوئی حیثیت دے۔ اللہ تو

اتنا کریم ہے کہ اس نے تمہیں پیدا کیا، عقل و خرد سے نوازا، علم و عمل کا موقع دیا، انبیاءؑ مبعوث فرمائے، کتابیں نازل کیں، ساری انسانیت کے لیے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا: تیس پارے قرآن نازل فرمایا، قرآن کریم کی حفاظت کا ذمہ خود لے لیا کہ اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی اور تمہیں بااختیار بنا کر اجازت دی کہ اپنے لیے فیصلہ کرلو۔ تم نے نہ اس کے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عظمت کو سمجھا نہ اس کی کتاب کی اہمیت کو جانا، نہ حضور اکرم ﷺ کا اتباع کیا، نہ کتاب اللہ کی پروا کی۔ تو تم نے اپنے ساتھ خود ظلم کیا، خود زیادتی کی۔ اپنے آپ کو تباہ کرنے کے ذمہ دار تم خود ہو۔ اللہ کریم کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ ایک حقیر سی مخلوق سے بدلہ لے۔ ہاں اس کا ایک نظام ہے، ہر فعل کا ایک نتیجہ ہوتا ہے۔ اس نے بتا دیا کہ کون سے کام پسندیدہ ہیں اور کون سے افعال برائی ہیں۔ اچھے کاموں کا اچھا نتیجہ اور برے کاموں کا برا نتیجہ ہوگا۔ تمہارے پاس موقع بھی تھا، گنتی کے دن تھے تم ان لمحوں کو سنبھال کر خرچ کرتے۔

كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ جیسے فرعون کی قوم یا ان سے پہلے بے شمار قومیں گزریں۔ ان کو بھی موقع ملا، فرصت ملی، ان کے پاس اللہ کے نبیؑ آئے كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ انہوں نے اللہ کی آیات، اللہ کی نشانیوں کا انکار کیا، انبیاءؑ کا انکار کیا، عظمت الٰہی کا انکار کیا۔ اپنی خواہش نفس کی پیروی کی، ہوا و ہوس میں گرفتار ہو گئے۔ انہیں بادشاہتیں مل گئیں، دولت و اقتدار مل گیا اور وہ اسی کے نشے میں چور ہو گئے۔ اللہ اور اللہ کے رسولؐ کی اطاعت سے منہ موڑنے کا نتیجہ کیا ہوا؟ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ۭ ان کے جرائم اور گناہوں کی وجہ سے اللہ کریم نے ان کو پکڑ لیا۔ وہ اللہ کی گرفت میں آ گئے اور یاد رکھو اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ یقیناً اللہ زبردست ہے۔ کوئی اللہ کے مقابل ٹھہر نہیں سکتا اور اللہ سخت عذاب دینے والے ہیں۔ جتنی اس کی عظمت ہے اتنا اس کا کرم ہے، جتنی اس کی عطا ہے اسی معیار کے اس کے عذاب بھی ہیں۔ جو کوئی اپنے ہاتھوں عذاب الٰہی کا اہتمام کرتا ہے پھر اسے کسی پر شکوہ کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

تبدیلی کردار سے تبدیلی حالات:

حکمرانوں یا افراد کی تبدیلی کو عموماً تبدیلی حالات کا لازمہ سمجھا جاتا ہے حالانکہ اس سے فرق نہیں پڑتا، فرق کردار کی تبدیلی سے پڑتا ہے۔ بدلنا کردار کو ہوتا ہے۔ کردار کے بدلنے کو تبدیلی کہتے ہیں۔ یہاں یہی ارشاد ہو رہا ہے ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰي قَوْمٍ حَتّٰي يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ اللہ کریم جو نعمتیں بندوں کو دیتا ہے وہ نہیں بدلتا جب تک لوگ اپنے آپ کو بدل نہیں لیتے۔ جب لوگوں کا کردار بدلتا ہے تو اس

کے نتائج بھی بدل جاتے ہیں۔ اللہ کریم سب کو آزاد پیدا کرتے ہیں، ہر ایک کو عقل وشعور عطا فرماتے ہیں، ہر بندے کو مواقع عطا فرماتے ہیں۔ اگر وہ بھلائی کا راستہ اختیار کرتا ہے تو اسے اچھے نتائج نصیب ہوتے ہیں اگر وہ برائی کا راستہ اختیار کرتا ہے تو برے انجام سے دوچار ہوتا ہے۔ لہٰذا جو شخص برائی کرتا ہے وہ اپنے اوپر خود ظلم کرتا ہے۔ اور جو شخص ظلم کرتا ہے وہ اگر یہ چاہتا ہے کہ اس کے ساتھ انصاف ہو تو یہ کیسے ممکن ہے؟ ایک آدمی جو بیجتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اسے گندم کی فصل حاصل ہو تو یہ کیسے ممکن ہے؟

گندم از گندم بروئے جَو از جَو
از مکافات عمل غافل مشو

اعمال کے نتائج سے بے خبر نہیں ہونا چاہیے۔ اگر حالات میں مثبت تبدیلی کی خواہش ہے کہ بے روزگاری نہ رہے، ہر ایک کو امن نصیب ہو، انصاف کا دور دورہ ہو، تعلیم ہر ایک کو ملے، حلال اور جائز ذرائع سے وسائل زندگی حاصل ہو سکیں تو اس سب کے لیے افراد کو اپنے اندر تبدیلی لانا ہوگی کہ عقیدہ درست ہو، کردار درست ہو، گفتار درست ہو، اعمال درست ہوں پھر جو نتیجہ سامنے آئے گا وہ بھی درست ہوگا۔ اگر یہ حقیقی تبدیلی نہ لائی جائے تو کچھ لوگ حکومت میں آ جائیں گے کچھ چلے جائیں گے لیکن عام آدمی کی حالت نہیں بدلے گی۔

اللہ کا قانون ہے جو جیسا کرے گا ویسا بھرے گا اور اللہ کسی کی نیکی رائیگاں نہیں جانے دیتا۔ اس کا یہ قانون بھی پکا ہے کہ کروڑوں لوگ اگر جھوٹ بول رہے ہوں، زیادتی کر رہے ہوں تو ان میں اگر چند لوگ سچ بولنا شروع کر دیں تو اللہ انہیں اس معاشرے میں بھی پرسکون اور محفوظ رکھے گا۔ پورے معاشرے کی برائی کے باوجود دامنِ حق تھام لیں گے اللہ انہیں اس طرح محفوظ رکھے گا جس طرح ابراہیمؑ آتش نمرود میں محفوظ رہے تھے۔ اسی قانون کو پورے معاشرے پر لاگو کر دیں کہ اگر ساری قوم اپنا کردار تبدیل کر لے، دکاندار دھوکہ دینا چھوڑ دیں، مزدور دیانتداری سے مزدوری کریں، مالک کسی مزدور کا حق نہ مارے تو انصاف کا دور دورہ ہو جائے گا، بے روزگاری ختم ہو جائے گی اور کسی کو کسی سے کوئی اندیشہ نہ رہے گا۔

یہ اللہ کا قاعدہ ہے کہ جب تک لوگ خود کو نہیں بدلتے وہ ان کے حالات تبدیل نہیں فرماتا۔ اسے زیب ہی نہیں دیتا کہ ایک آدمی جو بیج رہا ہے اور وہ اس پر گندم اُگا دے لہٰذا اپنی زندگی میں تبدیلی لاؤ، حالات میں تبدیلی آ جائے گی۔ فرمایا، اللہ جو نعمتیں کسی قوم کو عطا فرماتے ہیں وہ چھینتے نہیں جب تک وہ خود برائی کر کے ان نعمتوں کے اہل نہیں رہتے۔ جب وہ برائی اور نافرمانی پر اتر آتے ہیں تو نعمتیں مصیبتوں میں اور راحتیں تکلیفوں میں بدل جاتی ہیں وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۵۳﴾ اور یہ بھی یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر بات کو ذاتی طور پر سننے اور

جاننے والے ہیں جو کچھ تمہارے لب سے نکلتا ہے وہ بھی اور جو تمہارے دل میں پوشیدہ ہے وہ بھی، جو تم نے سوچا ہے وہ بھی اور جو ابھی سوچا بھی نہیں تمہیں بعد میں خیال آئے گا کہ میں وہ کام کرلوں تو اللہ کریم ان سب کو ازل سے جانتے ہیں کہ تم کیا کیا کرو گے لہٰذا یہ غلطی اسے نہیں لگتی کہ تم بھلائی کر رہے ہو اور تم پر ظلم ہو رہا ہو۔ تم اچھائی کر رہے ہو اور تمہیں برائی پیش آ رہی ہو۔ ایسا نہیں ہوتا۔

فرشتوں کا لکھنا کراماً کاتبین کا لکھنا اپنی جگہ ہے۔ اس کے علاوہ زمین گواہیاں دے گی، پتھر گواہیاں دیں گے، خود انسان کے ہاتھ پاؤں گواہی دیں گے لیکن یہ ساری گواہیاں انسان کو یقین دلانے کے لیے ہوں گی کہ دیکھ تو جو کچھ کرتا رہا اس کے کتنے گواہ تیرے اردگرد موجود تھے۔ یہ گواہیاں اللہ کے علم میں اضافے کے لیے نہیں ہوں گی۔ وہ تو ہمیشہ سے جانتا ہے، اس کا علم قدیم ہے۔ وہ ازل سے جانتا ہے کہ کون کیا سوچے گا اور کیا کرے گا۔ جب وہ جانتا ہے تو تم برائی کر کے نیکی کیسے پاؤ گے۔ تم اللہ کو دھوکہ نہیں دے سکتے، اس کی قدرت کاملہ کو، اس کے نظام کو دھوکہ نہیں دے سکتے۔

جو شخص خاندان میں، ملک میں مثبت تبدیلی چاہتا ہے اسے اپنے اندر مثبت تبدیلی پیدا کرنی ہوگی۔ خود بدلے گا تو ماحول بدلتا چلا جائے گا۔

فرمایا: كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ ۚ وَكُلٌّ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۵۴﴾ تمہارے سامنے آل فرعون کی مثال موجود ہے اور اس سے پہلے جو قومیں تھیں ان کی مثال بھی موجود ہے۔ کتنے بڑے بڑے، حکمران، شہنشاہ، کتنے طاقتور جرنیل اور امراء دنیا میں آئے۔ جس کسی نے بھی اللہ کی نافرمانی کا راستہ اپنایا عذاب الٰہی کا شکار ہوگیا۔ فراعنہ مصر بہت مالدار اور طاقتور تھے انہوں نے کئی صدیوں تک مصر پر حکومت کی لیکن ظلم کرتے تھے، کافر، مشرک اور نافرمان تھے كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ اللہ کے احکام کو جھٹلاتے تھے یعنی انہوں نے اللہ کے احکام کا انکار کیا، تکذیب کی، جھٹلا دیا کہ یہ غلط ہے اور جو ہم کہتے ہیں وہ صحیح ہے۔ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ ان کے گناہوں کے سبب ہم نے انہیں گرد باد کر دیا، قوموں کی قومیں سیلاب میں غرق ہوگئیں، زمین پھٹ گئی وہ اس میں سما گئیں، آسمانوں پر سے پتھر برسے، آگ برسی اس طرح عذاب الٰہی نے آگھیرا کہ خوب خوش ہو رہے تھے کہ بادل امڈ آئے اب بڑی بارش ہوئی جب بادل برسے تو پانی کے بجائے آگ برسی اپنے جرائم کے باعث تباہ و برباد کر دیئے گئے۔ اور ان کی تباہی کا سبب بِذُنُوْبِهِمْ ان کا اپنا کردار تھا۔

قرآن حکیم یاد دلاتا ہے کہ اے انسان! تو اکیلا ہی اس دنیا میں نہیں آیا۔ تجھ سے پہلے بے شمار لوگ

آئے۔قومیں آئیں، حکمران آئے، بادشاہ، امراء، وزراء اور جرنیل، بڑے دولت مند اور صاحب اقتدار آئے۔ ذرا ان کا انجام تو دیکھو کیا ہوا؟ کیوں برے انجام کو پہنچے؟ انہوں نے اللہ کے احکام کی نافرمانی کی، اللہ کی آیات کو جھٹلایا تو تباہی سے دوچار ہوئے اور ایسے تباہ ہوئے کہ نام ونشان تک ناپید ہو گیا۔ لیکن یاد رہے جتنے لوگ بھی تباہ ہوئے وَكُلٌّ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۵۴﴾ سب غلط کار اور ظالم لوگ تھے۔

قرآن کریم کا موضوع تاریخ نہیں ہے۔ قرآن قوموں کی تاریخ بیان نہیں کرتا۔ قرآن قوموں کے واقعات بطور عبرت ارشاد فرماتا ہے تاکہ ہم ان واقعات کی روشنی میں اپنا جائزہ لے کر دیکھیں کہ کہیں ہم تو یہ گناہ نہیں کر رہے اور آیات الٰہی کے آئینے میں اپنے کردار کے خدوخال دیکھ کر جہاں جہاں اصلاح کی ضرورت ہے وہاں اصلاح کر لیں اور ظالموں میں شامل نہ ہوں۔ ہر گناہ ظلم ہے۔ غلط عقیدہ رکھنا ظلم ہے، غلط بات کہنا ظلم ہے، غلط کام کرنا ظلم ہے، بدعت ظلم ہے، اسلام کے نام پر غیر اسلامی حرکات کر کے معلم اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی منانا، دین کے ساتھ مذاق ہے، روشن خیالی کے نام پر بے حیائی کو رائج کرنا ظلم ہے، اسلامی اقدار کی جگہ غیر اسلامی اور کفریہ انداز زندگی اپنانا ظلم ہے۔ ان مظالم سے توبہ کر کے اصلاح احوال کرنا ہی ظلم سے بچنا ہے۔ ورنہ اللہ کریم نے پہلی قوموں کے حالات بھی کھول کر ہمارے سامنے رکھ دیئے ہیں اور فیصلہ فرما دیا ہے کہ جو بندہ بھی ظلم کرے اور یہ سمجھے کہ اس کے ساتھ انصاف ہوگا تو یہ ممکن نہیں ہے۔

اللہ کریم ہمیں یہ سمجھ بھی دے، توبہ کی توفیق بھی دے اور ہماری توبہ قبول بھی فرمائے۔

بدترین خلائق کون اور کیوں؟

اللہ کی مخلوق بے شمار ہے جس کو کوئی گن نہیں سکتا سوائے اس کی اپنی ذات کے لیکن جن جانداروں کو ہم جانتے ہیں، جو مخلوق زمین پر بستی ہے اسے دوآب کہتے ہیں۔ یعنی چلنے پھرنے والی مخلوق۔ یہاں ارشاد باری ہے اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۵﴾ بلاشبہ اللہ کے نزدیک بدترین خلائق یہ کافر لوگ ہیں پس وہ ایمان نہیں لاتے۔ اللہ کی مخلوق بے شمار ہے جسے کوئی گن نہیں سکتا سوائے اس کی اپنی ذات کے وہ فرماتا ہے وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ ؕ (المدثر:31) اللہ کے لشکروں کو وہ خود ہی جانتا ہے دوسرا کوئی نہیں۔ جو مخلوق زمین پر بستی ہے ان میں بلاشبہ انسانیت کے لیے بہت مفید مخلوق ہے اور ایسی بھی ہے جس کو اللہ نے نجس قرار دیا ہے لیکن ہر ایک کا ایک مقصد تخلیق ہے اور وہ ہے انسانیت کی خدمت جیسا کہ اللہ کریم نے فرمایا خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا (البقرۃ:29) اے انسان میں نے زمین میں ساری مخلوق کو تیری خاطر پیدا کیا۔

ساری مخلوق تیرے کام آتی ہے۔ کتے کو نجس کہتے ہیں لیکن نجس ہونے کے باوجود وہ رکھوالی کرتا ہے، شکار کے لیے سدھایا جاتا ہے اور کسی نہ کسی کام آتا ہے۔

ضمنی طور پر یہ مسئلہ آ گیا کہ حرام جانوروں میں سے تمام حرام جانوروں کے احکام اور ہیں اور خنزیر کے احکام اور ہیں۔ جتنے چیرنے پھاڑنے والے جانور ہیں یعنی درندے جن کے اوپر، نیچے کے دو، دو دانت لمبے ہوتے ہیں جیسے شیر، چیتا، کتا وغیرہ یہ سب حرام ہیں لیکن جب یہ مرجائیں، ان کی کھال اتاری جائے اور کھال کی دباغت ہو جائے تو وہ پاک ہو جاتی ہے۔ اس کا جاء نماز بھی بن سکتا ہے اور لباس بھی۔ یعنی اس کی کھال سے نجاست دور کی جاسکتی ہے۔ اگر چہ یہ حلال جانور نہیں ہوتے لیکن دباغت کے بعد ان کی کھال پاک ہو جاتی ہے۔ خنزیر ایسا جانور ہے جس کی اصل میں حرمت ہے۔ اس میں سے نجاست نکالی نہیں جا سکتی۔ اس کی کھال کی دباغت کر لیں تو پاک نہیں ہوتی ویسی ہی حرام اور نجس رہے گی۔ اس کی کھال، گوشت، ہڈیاں اور بال اسی طرح نجس رہیں گے۔

اللہ کریم فرماتے ہیں کہ جو لوگ ایمان نہیں لاتے وہ سب مخلوق میں سے بدترین جاندار ہیں تو برے سے برا غلیظ سے غلیظ اور ناپاک سے ناپاک جانور سے بھی برا انسان وہ ہے جو ایمان نہیں لاتا۔ کافر کو حرام جانوروں سے بھی برا کیوں کہا گیا؟ اس لیے کہ اللہ نے انسان کو شرف انسانیت سے نوازا تا کہ وہ اپنے مقصدِ تخلیق کو پا سکے لیکن کافر نے اس عظیم شرف کو رد کر دیا اور برے سے برے جانور نے اپنی فطرت کے مطابق زندگی گزار کر اپنے مقصد تخلیق کو پالیا۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ جو ایمان نہ لائے ہم اس سے بدسلوکی کریں یا اسے قتل کر دیں یا اس کا مال چھین لیں۔ اسلام میں اس کے انسانی حقوق بحال رہتے ہیں اور یہ درجہ کہ وہ بدترین خلائق ہے یہ درجہ اس کا اللہ کے نزدیک ہے۔ اللہ کے ہاں وہ بدترین خلائق ہے اور اللہ کریم ہی کا حق ہے کہ وہ اس سے حساب لے اور وہ یہ حساب لے گا کہ میں نے تجھے انسانیت کے شرف سے نوازا تھا تو اتنا کیوں گر گیا۔ دنیا میں ہم اس کے انسانی حقوق نہیں چھین سکتے۔ اس کی جان، مال آبرو ویسی ہی محفوظ ہوگی جیسی کسی مسلمان کی ہوگی۔

ایمان نہ لانے کی جو اتنی بڑی سزا سنائی گئی اس کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ جتنی مخلوق زمین پر بستی ہے ان سب کی اللہ کریم نے فطرت بنا دی ہے۔ وہ ان فطری اصولوں کے تابع چلتے رہتے ہیں۔ درندے بھوکے ہوں تو شکار کرتے ہیں یونہی شغلاً چیر پھاڑ نہیں کرتے۔ سب سے بڑا درندہ شیر ہے جو جانوروں کو چیر پھاڑ کر کھاتا ہے لیکن اس کا جب پیٹ بھرا ہو تو اس کے پاس، ارد گرد جانور پھرتے رہیں وہ ان کی پروا نہیں کرتا۔ وہ محض جانوروں کو

مارنے کے لیے نہیں مارتا بھوک مٹانے کے لیے مارتا ہے۔ اسی طرح سانپ کی فطرت میں ہے کہ وہ ڈنگ مارتا ہے لیکن وہ ڈنگ مارنے کے لیے لوگوں کو تلاش کرتا پھرتا نہیں ہے کہ کہاں کوئی ہے کہ اس کو ڈنگ ماروں بلکہ جب اسے کسی سے خطرہ محسوس ہو یا کوئی اسے چھیڑے تو وہ اپنے دفاع میں ڈنگ مارتا ہے، یہ وہ فطری عادتیں ہیں جن کی وہ پیروی کرتے رہتے ہیں، ان میں وہ شعور نہیں ہے جو انسان میں ہے۔ وہ اپنی عادت کے پابند ہیں۔ اسی لیے وہ کام اپنی عادت سے مجبور ہو کر کرتے ہیں۔ جہاں ضرورت محسوس ہو وہیں گوبر کر دیتے ہیں انہیں یہ پروا نہیں کہ وہ تھان پر کھڑے ہیں یا گلی میں سے گزر رہے ہیں یا کہ لوگ دیکھ رہے ہیں۔ بھوک لگے تو جہاں چارا نظر آیا وہیں منہ مارنا شروع کر دیتے ہیں۔ انہیں یہ پروا نہیں ہے کہ یہ اپنا ہے یا پرایا۔

شرف انسانیت:

انسان کو اللہ نے شرف انسانیت بخشا اور وہ استعداد بخشی کہ وہ ذات باری کو پہچان سکتا ہے، اس کی عظمت کو جان سکتا ہے۔ انسان میں فطری اوصاف بھی رکھے ہیں اور جبلتیں بھی رکھی ہیں۔ انسان میں شہوت بھی ہے، غصہ بھی، بہیمیت یعنی درندوں والی باتیں بھی لیکن اس کے ساتھ اس کے اندر شرف ملکوتیت بھی ہے۔ فرشتوں جیسی باتیں بھی ہیں بلکہ فرشتوں سے بڑھ جانے والی باتیں بھی ہیں۔ انسان کو یہ شعور دیا گیا ہے کہ درندوں اور بہائم کی طرح محض فطری تقاضے پورے نہ کرے بلکہ ہر تقاضے کو سوچ سمجھ کر پورا کرے۔ کھانا منع نہیں ہے لیکن حلال کھائے، جائز طریقے سے حاصل کرے اور اپنا حق لے۔ اسی طرح تمام انسانی ضروریات پوری کرکے تمام جائز ذریعے اور طریقے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرما دیئے ہیں۔ ان میں سرفہرست عقیدہ ہے۔

جہاں تک اللہ کو ماننے کا تعلق ہے تو مشرکین مکہ بھی اللہ کو مانتے تھے۔ اللہ کا انکار نہیں کرتے تھے لیکن وہ مشرک ہی تھے۔ صلح حدیبیہ کے وقت جب معاہدہ لکھا جانے لگا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھوایا بسم اللہ الرحمن الرحیم تو مشرکین مکہ کی طرف سے لکھنے والے نے کہا کہ اللہ کو تو ہم جانتے ہیں، مانتے بھی ہیں یہ الرحمن الرحیم جو آپ بڑھا رہے ہیں اس کو ہم نہیں جانتے۔ ہم اس سے واقف نہیں اس لیے ہم یہ اضافہ منظور نہیں کریں گے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ٹھیک ہے پھر باسمك اللهم لکھ دو۔ کفار بھی اپنے شرائط ناموں کی ابتداء انہی الفاظ سے کیا کرتے تھے۔ وہ اللہ کو مانتے تھے۔ مشرک اسی لیے تھے کہ اللہ کو مانتے تھے لیکن اس کی ذات وصفات میں دوسروں کو شریک کرتے تھے۔ کبھی کہتے تھے کہ فرشتے اس کی بیٹیاں ہیں کبھی کہتے ہمارے بت جو چاہیں اللہ سے منوا لیتے ہیں۔ یہ بھی مانتے تھے کہ اللہ ہی سب کچھ کرتا ہے اور یہ بھی مانتے ہے کہ ہم بتوں کی

پوجا اس لیے کرتے ہیں یقربون الی اللہ یہ ہمیں اللہ کے قریب لے جائیں گے۔ اس عقیدے کی بنا پر انہیں مشرک اور کافر کہا گیا حالانکہ وہ اپنی دانست میں اللہ کو مانتے تھے۔ لہٰذا تیرا اللہ کو ماننا مقصود نہیں بلکہ ویسا ماننا ضروری ہے جیسا حضور ﷺ منواتے ہیں۔ علماء فقہ اس ماننے کی تفصیل بیان کرتے ہیں، انہوں نے تصریح فرمائی ہے کہ جب بچے کو اللہ کا تصور دیا جائے تو اسے سمجھائیں کہ میں اس اللہ کو مانتا ہوں اور ویسا مانتا ہوں جیسا حضرت محمد ﷺ منواتے ہیں۔ جو حضرت عبداللہ کے بیٹے، جو مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے، مدینہ منورہ ہجرت فرمائی جو اللہ کے رسول ﷺ ہیں۔ جیسا وہ منواتے ہیں میں ویسا مانتا ہوں تو شرط ایمان یہ ہے کہ اللہ کریم کو ویسا مانا جائے جیسا حضور ﷺ منواتے ہیں اور چونکہ مشرک و کفار اپنے طریقے سے مانتے ہیں ویسا نہیں مانتے جیسا حضور اکرم ﷺ منواتے ہیں لہٰذا اللہ نے فرما دیا یہ کافر ہیں یہ ایمان نہیں لاتے۔

اللہ کے نزدیک کافر بدترین مخلوق ہے۔ کیوں؟

اللہ کریم نے فرمایا یہ اس لیے بدترین مخلوق ہیں کہ یہ میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دغا کرتے ہیں اَلَّذِيْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ۝۵۶ یہ لوگ میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ کرتے ہیں پھر ہر بار اپنا وعدہ توڑ ڈالتے ہیں اور اس کی پروا نہیں کرتے اور انہیں اللہ کا کوئی خوف نہیں ہے۔

یہود مدینہ مشرکین مکہ کے ساتھ مل کر اسلام کے خلاف سازشیں کرتے رہتے تھے۔ مدینہ منورہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کے بعد اسلام کی برکتیں اور رحمتیں پھیلیں۔ مدتوں سے باہمی جنگوں میں مبتلا قبائل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل باہمی اخوت کے علمبردار ہوئے اور بھائی بھائی بن گئے تو یہود کے دلوں میں بغض وعداوت مزید بڑھ گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مدینہ میں ریاست اسلامی کی بنیاد رکھی تو یہود مدینہ جو مدینہ کی ایک طاقت تھی کے ساتھ ایک معاہدہ کیا جسے میثاق مدینہ کہتے ہیں اس میں بہت بڑی شقیں تھیں جن میں اہم شق یہ تھی کہ اگر مدینہ منورہ پر باہر سے کسی نے حملہ کیا تو یہود چونکہ اس شہر کے باسی ہیں تو یہود اور مسلمان دونوں مل کر ریاست کا دفاع کریں گے۔ یہود اس کے دفاع میں مسلمانوں سے بھرپور تعاون کریں گے لیکن یہود نے تعاون کرنے کے بجائے کفار کی مدد کی۔ غزدہ بدر کا سبب بھی یہود کی ریشہ دوانیاں بنیں۔ یہودی سردار ابن ابی منافق مکہ مکرمہ گیا اور مشرکین مکہ کو بھڑکایا کہ تم لوگ مسلمانوں کو یہاں سے نکال کر بے فکر ہو گئے ہو لیکن مدینہ میں تو انہوں نے اپنی ریاست بنالی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین وانصار کو بھائی بھائی بنادیا ہے۔ معاشرہ پرسکون اور ترقی پذیر ہے۔ وہ لوگ اپنی زراعت اور کاروبار میں دن رات منہمک ہیں جب ان کے پاس سرمایہ

اور اسلحہ آجائے گا تو وہ تمہارے لیے خطرہ بن جائیں گے لہٰذا کچھ کرو ہم بھی تمہاری مدد کریں گے اسلحہ بھی دیں گے مالی تعاون بھی کریں گے اس کے بعد مشرکین مکہ نے تجارتی قافلہ تیار کیا، جتنا ممکن تھا سرمایہ اکٹھا کیا، لوگوں نے اپنی جمع پونجی زیورات وغیرہ حتیٰ کہ ننھی بچیوں کی بالیاں اتار کر بھی اس میں سرمائے کے طور پر دی گئیں اور شرط یہ رکھی گئی کہ تجارتی قافلے سے جو آئے گا اس میں سے جس نے جتنا دیا ہے وہ اصل مال اسے واپس مل جائے گا اور تمام منافع مسلمانوں کے خلاف جنگ پر خرچ کیا جائے گا۔ اسی قافلے کو روکنے کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تین سو تیرہ جاں نثاروں کے ساتھ بدر میں تشریف لے گئے۔ مکہ والوں کو اطلاع ہوئی تو وہ ایک ہزار کا لشکر جرار لے کر چڑھ دوڑے۔ اللہ کو منظور تھا اس کی قدرت کاملہ نے ایسا انتظام کیا کہ قافلہ تو بچ کر نکل گیا لیکن لشکر کی مڈبھیڑ مسلمانوں سے ہوئی، مقابلہ ہوا اور اہل مکہ کو ذلت آمیز شکست ہوئی۔ یہ پہلا معرکہ حق تھا جو ظلم کے خلاف اللہ کے بھروسے پر لڑا گیا اور عظیم الشان کامیابی سے ہمکنار ہوا۔

یہ یہود کی پہلی بدعہدی تھی اس کے بعد بھی وہ در پردہ اہل مکہ کو بھڑکاتے رہے اور احد میں یہود نے دوسری بار بدعہدی کی، تیسری بار خندق میں کی۔ اس آیت میں ان کی اس بدعہدی کا ذکر ہے کہ یہ لوگ جو ایمان نہیں لاتے یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بار بار عہد کر کے توڑتے ہیں اور انہیں نہ اس کی پرواہ ہوتی ہے نہ اللہ کا خوف۔

کلمہ طیبہ ایک عہد:

یہود نے تو وعدہ توڑا، ان کے بارے اس آیت میں اللہ کی وعید بھی آئی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں سزا بھی دی، وہ قتل بھی ہوئے، مدینہ منورہ سے نکالے بھی گئے، خیبر میں جا کر پناہ لی تو خیبر بھی مسلمانوں نے فتح کر لیا، وہ ذلیل و رسوا ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرما دیا کہ اب انہیں قیامت تک سرزمین عرب میں داخل نہ ہونے دیا جائے تو انہوں نے اپنے کئے کی سزا دنیا میں بھی پائی اور آخرت میں بھی پائیں گے لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ ہمیں اس بات کا احساس کیوں نہیں ہوتا کہ ہم نے کلمہ پڑھ کر اللہ سے، اللہ کے حبیب ﷺ سے ایک عہد کیا ہے۔ ایک معاہدہ کیا ہے لا الہ الا اللہ کہ میں الوہیت صرف اللہ کے لیے مانوں گا، صرف اسی کی ذات لائق عبادت ہے، نہ اس کی ذات میں کوئی شریک ہے نہ اس کی صفات میں۔ وہ واحد لاشریک ہے اور میں اسی کی عبادت کروں گا۔ ہم صلوۃ کی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ میں یہی عہد دہراتے ہیں اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ۝ (سورۃ الفاتحہ: 4-3) جائز وسائل و اسباب اختیار کرنا اللہ کا حکم پورا کرنا ہے اور یہ اللہ ہی کی طرف سے مدد ہے لیکن جائز حد سے گزر کر نا جائز وسائل اختیار کرنا جرم ہے، یہ شرک بن جائے گا، کفر بن جائے گا، نافرمانی بن جائے گا۔ غیر اللہ سے استعانت کی بھی مختلف نوعیتیں ہیں جس نوعیت کی استعانت ہوگی اسی حد کا وہ جرم بن جائے گا۔

تو کیا ہم نے کبھی سوچا کہ ہم عہد کیا کرتے ہیں اور عمل کیا کرتے ہیں؟ کسی سے نفع کی امید یا نقصان کے ڈر سے اطاعت کرنا عبادت ہے۔ یہ رتبہ تو اللہ کے خاص الخاص بندوں کا ہے کہ وہ اس لیے عبادت کرتے ہیں کہ اللہ کا حق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے لیکن اس سے کم تر درجے میں یہ ہے کہ اللہ ہی سے نفع کی امید اور اللہ کی ناراضگی کے اندیشے سے ڈر کر اطاعت الٰہی کی جائے۔ اگر ہم کسی انسان کے ڈر سے اللہ کی اطاعت چھوڑ کر اللہ کے حکم کے خلاف اس کی اطاعت کریں گے تو کیا یہ غیر اللہ کی عبادت نہیں ہو جائے گی۔ جائز وسائل کو چھوڑ کر ناجائز وسائل کے لیے کسی سے اپنی توقعات وابستہ کرلیں گے تو کیا یہ غیر اللہ سے امیدیں وابستہ نہیں ہو جائیں گی۔ تو پھر سوچیں کہ ہم اللہ سے تو یہ وعدہ کر رہے ہیں کہ صرف تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں اور دوسروں کے در پر امیدیں وابستہ کیے بیٹھے ہیں، ان کے دست نگر ہیں تو پھر ہم کیا کر رہے ہیں؟

قرآن حکیم کی آیات کا نزول بے شک خاص ہے لیکن حکم عام ہے ہم ان آیات سے یوں گزر جاتے ہیں کہ یہ آیات کفار و مشرکین کے بارے ہیں لیکن ان میں جو سبق ہمارے لیے ہے، جو درس عبرت ہمیں لینا ہے اس کی طرف ہم توجہ نہیں کرتے۔ قرآن حکیم ہمیں اپنے لیے سیکھنا ہے لہٰذا ہمیں یہ آیات سبق دے رہی ہیں کہ جو حرکات کفار نے کیں وہ حرکات ہمیں بحیثیت مسلمان قطعاً زیب نہیں دیتیں۔

قرآن حکیم ہمیں اپنے کردار کی اصلاح کی طرف لاتا ہے لیکن ہمارا مسئلہ یہ بھی ہے کہ ہم دوسرے پر تو نظر رکھے ہوئے ہیں کہ فلاں نے یہ کر دیا، وہ کر دیا حالانکہ دوسروں کا حساب ہم نے نہیں دینا۔ تو زیادہ محاسبہ اپنا کرنا چاہیے کہ میں نے اللہ سے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا وعدہ کیا اور عمل کیا کر رہا ہوں۔

ارشاد ہو رہا ہے کہ بدترین خلائق تو وہ لوگ ہیں جو ایمان نہیں لاتے۔ ایک تو کافر ہیں پھر بار بار میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے بدعہدی کرتے ہیں، بار بار وعدہ خلافی کر کے بھی انہیں کوئی احساس نہیں ہے کہ اللہ کریم اس پر کتنے ناراض ہوں گے۔ وَّهُمۡ لَا يَتَّقُوۡنَ۝ اللہ کریم سے ایک تعلق ہو اور بندہ اللہ کی نافرمانی سے اس لیے ڈرے کہ اس کا تعلق ٹوٹ نہ جائے تو اس ڈر کو تقویٰ کہتے ہیں۔ اور کافر اس تعلق سے ہی محروم ہیں، ان میں تقویٰ نام کو بھی نہیں انہیں کبھی خیال ہی نہیں آتا کہ اس بات سے اللہ کریم کتنے خفا ہو جائیں گے۔

اسلامی سزائیں امن کا باعث:

اسلامی معاشرے میں امن قائم رکھنے کے لیے سزا جزا کا قانون دیا گیا ہے۔ اس کے بغیر عدل و انصاف مہیا نہیں ہو سکتا اور جہاں عدل نہ ہو وہاں امن نہیں ہو سکتا۔ اسلامی سزائیں بامقصد ہیں اور امن کی ضامن۔ اللہ کریم نے اس بنیادی اصول کی تصریح یوں فرمائی وَلَكُمۡ فِي الۡقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰٓاُولِي الۡاَلۡبَابِ

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ○ (البقرہ:179) اے اہل دانش! قصاص میں تمہارے لیے امن ہے، سکون ہے اور دنیا کی آبادی ہے۔ اگر انصاف نہیں ہوگا عدل بکے گا، رشوت دے کر خریدنا پڑے گا، انصاف کے لیے برسوں دھکے کھانے پڑیں گے اور عدل نہیں ملے گا تو دنیا میں امن نہیں ہوگا اور عدل کیا ہے؟ عدل وہ ہے جو اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرما دیا۔ اس کے علاوہ کسی اور کے مقرر کردہ اصول عدل مہیا نہیں کر سکتے۔

یہود نے جب معاہدے توڑے بدعہدی کی تو ان کے لیے فرمایا، فَإِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ﴿۵۷﴾ اگر آپ کا میدان جنگ میں ان سے مقابلہ آ جائے ان سے جہاد کرنا پڑے تو پھر انہیں ایسی سزا دی جائے کہ جو ان کے پیچھے ہیں ان کے لیے بھی یہ باعث نصیحت ہو۔ انہیں بھی سمجھ آ جائے کہ ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ انہیں ایسی سزا دیں جو باقیوں کے لیے باعث عبرت ہو۔ اسلام میں سزا کا مقصد ہے۔ بلا جواز سزا دینا تو ظلم ہے جس کا اسلام میں کوئی تصور نہیں۔ اسلامی معاشرے میں جب کوئی جرم کرتا ہے تو اس پر سزا دی جاتی ہے۔ کچھ سزائیں وہ ہیں جو قرآن نے مقرر کر دی ہیں انہیں حدود کہتے ہیں۔ جرم کو عدالت میں ثابت کرنا ہوتا ہے اس پر حد جاری کرنا ریاست اسلامی کا فریضہ ہے، ماوشما کا نہیں، ہر کس و ناکس کا نہیں۔ حدود بڑی عبرت ناک سزا ہے یعنی قتل کے بدلے قتل، چوری کے بدلے ہاتھ کاٹنا، ڈاکہ کی سزا ایک طرف کا ہاتھ دوسری طرف کا پاؤں کاٹنا۔ یہ سب اس لیے نہیں کہ لوگوں کو اذیت دی جائے بلکہ اس لیے ہے کہ دوسروں کے لیے عبرت کا باعث بنے۔ دوسروں کو نصیحت مل جائے اور وہ جرم سے باز رہیں۔

اسلامی سزائیں بامقصد ہیں، بلاوجہ نہیں کہ جسے چاہیں سزا دے ڈالیں جب تک اسلامی عدالت میں جرم ثابت نہیں ہوگا، سزا نہیں دی جائے گی اور جرم ثابت ہو گیا تو کوئی رعایت نہیں کی جائے گی اور سزا بھی ایسی دی جائے گی کہ دوسروں کے لیے باعث عبرت ہو۔ اس آیہ کریمہ میں یہی فرمایا گیا کہ یہود کی بدعہدی کی انہیں ایسی عبرتناک سزا دیں کہ پھر کوئی آپ سے معاہدہ کر کے توڑنے کی جرأت نہ کرے۔ اسے معلوم ہو کہ معاہدہ توڑنے کی یہ سزا ملے گی۔

اسلامی سزائیں اس لیے سخت ہیں کہ امن قائم ہو اور جرم سے زیادہ سخت نہیں ہیں۔ جو قتل کرتا ہے اسے قتل ہونا چاہیے۔ اس میں سختی کیا ہے؟ جو چوری کرے اسے ہاتھ سے محروم ہونا چاہیے کہ اس نے ہاتھ کا غلط استعمال کیا۔ ایسی سزا نہ صرف فرد کو آئندہ جرم کرنے سے باز رکھنے کا سبب ہے بلکہ دوسروں کے لیے عبرت کا سبب ہے تاکہ معاشرہ جرائم سے پاک رہ سکے۔

شاہ فیصل مرحوم کا امریکی نمائندے کو جواب:

شاہ فیصل ایک مرتبہ امریکہ کے دورے پر تھے۔ کسی سوال کرنے والے نے ان سے سوال کیا کہ آپ

کے ملک میں رائج سزائیں بڑی سخت ہیں لوگوں کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جاتے ہیں۔ گردن اڑا دی جاتی ہے۔ انہوں نے پوچھا، آپ کے ہاں بھی عدالتیں ہیں اور سزائیں ہیں وہ کیسی ہیں؟ کہنے لگا ہمارے ہاں بھی ہیں لیکن ایسی سخت نہیں۔ شاہ فیصل مرحوم نے پوچھا، تمہارے ہاں جرائم کی شرح کیا ہے؟ انہی دنوں اتفاقاً نیویارک میں کسی وجہ سے بجلی کا بریک ڈاؤن ہوا اور چند گھنٹے بجلی بند رہی۔ اس دوران چھتیس ہزار مقدمات چوری، ڈاکے اور آبرو ریزی کے درج ہوئے اور جو درج ہی نہ ہوئے ان کی تعداد نامعلوم کتنی ہوگی۔ شاہ فیصل مرحوم نے فرمایا تمہارے ہاں چند گھنٹوں میں جرائم کی شرح یہ ہے تو پورے امریکہ میں اگر بجلی بند ہو جائے تو جرائم کی شرح کیا ہوگی؟ اور ہمارے ملک میں تین پشتوں سے ہماری حکومت ہے ہمارے ہاں جرائم کی اتنی شرح اتنے سالوں میں بھی نہیں ملتی۔ تو یوں وہ سوال کرنے والے لاجواب ہو گئے۔

عرب میں یہ حدود نافذ ہیں اس لیے امن کا یہ عالم ہے کہ سونے کی دکانیں ہوں یا دیگر ضروریات زندگی کی اشیاء کی دکانیں وہ سب صلوٰۃ کے وقت بند کر دی جاتی ہیں۔ پندرہ سولہ سال پہلے میں تقریباً ہر سال حاضری دیتا تھا۔ حرمین شریفین میں، میں نے اپنی آنکھوں سے یہ برکت دیکھی ہے کہ سونے کی دکانیں سونے سے بھری ہوئی تھیں ایک شیشے کی دیوار تھی دکان کے اندر بلب جل رہے تھے اور دکاندار دکان بند کر کے تالا لگا کر گھر چلا گیا اور کسی کو جرأت نہیں تھی کہ چوری کر سکے۔

دیانت وامانت:

اللہ کریم نے کافر کو بھی اس کے انسانی حقوق دینے کا حکم دیا ہے۔ فرمایا: اِمَّا تَخَافَنَّ مِنۡ قَوۡمٍ خِيَانَةً فَانۡۢبِذۡ اِلَيۡهِمۡ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الۡخَآئِنِيۡنَ ﴿۵۸﴾

آقائے نامدار ﷺ سے خطاب فرمایا جا رہا ہے کہ آپ ﷺ کو کسی قوم سے خیانت کا اندیشہ ہو، بدعہدی کا اندیشہ ہو تو ان کو ان کا عہد لوٹا دیں۔ اسی برابری کی سطح پر لوٹا دیں جس برابری کی سطح پر معاہدہ کیا گیا تھا کہ تم ہمارے ساتھ تعاون کرو گے اور ہم تمہاری مدد کریں گے، تمہارا تحفظ کریں گے۔ اب چونکہ انہوں نے بے وفائی کی ہے تو انہیں بتا دیجیے کہ ہم وہ عہد ختم کر رہے ہیں، تمہیں واپس لوٹا رہے ہیں۔ آپ ایسا اس لیے کریں کہ وہ یہ اعتراض نہ کر سکیں کہ ہمارا تو آپ ﷺ سے معاہدہ تھا آپ ﷺ نے معاہدے کے باوجود ہم پر حملہ کیا۔ فرمایا انہیں معاہدہ واپس کیے بغیر سزا مت دیجیے۔

حدیبیہ میں یہ معاہدہ دس سال کے لیے ہوا تھا لیکن اہل مکہ نے بدعہدی کی، خود توڑا۔ پھر انہوں نے بڑی کوشش کی کہ معاہدہ بحال ہو جائے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رد فرما دیا اور فرمایا ہم نے معاہدہ نہیں

توڑا، تم نے بدعہدی کی اب تمہیں اس کی سزا ملے گی۔ اب تمہارا معاہدہ ختم۔ اسی سبب سے مکہ فتح ہوا۔

سو فرمایا، بے شک وہ کافر ہوں، یہودی ہوں، بے دین ہوں لیکن جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ کرلیں تو مومن عہد کی پاسداری کرے گا۔ اور اگر ان کی طرف سے خیانت اور بدعہدی کا خطرہ ہو تو ان کو ان کا عہد لوٹا دو۔ اس لیے کہ اللہ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔ اگر مسلمان ان کو بدعہدی کی سزا دینا چاہیں تو وہ اس کے مستحق ہیں کہ انہیں اس بدعہدی کی سزا دی جائے لیکن سزا دینے سے پہلے ان کا معاہدہ انہیں لوٹا دیا جائے تا کہ انہیں پتہ ہو کہ معاہدہ ختم ہو گیا ہے اب یا سزا ملے گی یا ہمارا مقابلہ ہو گا۔

اگر معاہدے کے ہوتے ہوئے انہیں سزا دی گئی تو اللہ کریم فرماتے ہیں یہ خیانت ہے، بددیانتی ہے کہ بندے کو یہ کہا جائے کہ میری تمہاری صلح ہے اور پھر اسے نقصان بھی پہنچایا جائے۔ اللہ کو خیانت پسند نہیں۔ کافر تو خیانت کرتا ہی ہے لیکن اگر مومن بھی کرے تو اللہ کو پسند نہیں۔ جن چیزوں سے اللہ کریم نے روکا ہے اگر وہ کافر کرتا ہے تو اللہ کو سخت ناپسند ہے تو اگر وہی کام مومن بھی کرے گا تو اللہ کو اتنا ہی ناپسند ہے اس لیے کہ اللہ خیانت کرنے والوں سے محبت نہیں فرماتے۔

یہ آیہ کریمہ اگرچہ یہود کے ساتھ معاہدے کی بابت ہے لیکن کلمہ حق قبول کرنا بھی ایک معاہدہ ہے۔ زندگی بھر کا معاہدہ ہے تو ہمیں دیکھنا چاہیئے کہ ہم جو وعدہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کر چکے ہیں اس پر ہم کہاں تک عمل کر رہے ہیں؟ کس باقاعدگی سے زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، حج فرض ہے تو کیا وہ کرتے ہیں، غریب پروری کرتے ہیں، اپنے ماتحتوں سے کیا سلوک کرتے ہیں، جس ذمہ داری کی اجرت لیتے ہیں وہ ذمہ داری کتنی دیانتداری سے ادا کرتے ہیں؟ جہاں بھی کمی ہوگی وہ خیانت ہوگی، اس حد تک بدعہدی ہوگی اور اللہ کریم خیانت کرنے والوں سے محبت نہیں کرتے۔ جو اللہ کے ہاں پسند نہیں کیا جاتا وہ اللہ کے کرم سے دور ہو جاتا ہے۔

اگر چوری ڈاکے، دہشت گردی، فرقہ بندی، قتل عام سے نجات پانی ہے تو دیانت وامانت کو اپنانا ہی اس کا حل ہے۔ جو خود ظلم کرے، دوسروں کا حق کھا جائے، دوسروں کی عزت لوٹ لے، دوسروں کا آرام وسکون لوٹ لے اس کے ساتھ بدلے میں انصاف کیسے ہو گا؟

قرآن حکیم گزشتہ اقوام کے قصے، تاریخ بیان کرنے کے لیے نہیں بیان کرتا۔ عبرت کے لیے بیان کرتا ہے کہ ان لوگوں نے کیا کیا، اس پر اللہ نے کیا سزا مرتب فرمائی۔ اس بیان کرنے سے مراد یہ ہوتی ہے کہ اے پڑھنے والے، اے سننے والے اگر تو ایسا کرے گا تو تجھے بھی ایسے ہی نتائج بھگتنا پڑیں گے لہٰذا قرآن حکیم کو آئینہ بنا کر اپنا کردار دیکھنا چاہیے اور جہاں کمی ہے اسے دور کرنا چاہیے۔ احکام الٰہی کو اپنے آپ پر لاگو کرنا چاہیئے۔

اللہ کریم ہماری خطاؤں سے درگزر فرمائیں ہمیں قرآن حکیم کو پڑھنے، جاننے، سمجھنے اور اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔

سورۃ الانفال رکوع 8 آیات 59 تا 64

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَبَقُوْا ۭ اِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَاَعِدُّوْا لَهُمْ
مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ
وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ۭ وَمَا
تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۶۰﴾ وَاِنْ
جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۶۱﴾
وَاِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ۭ هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ
وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۲﴾ وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ۭ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ
اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ۭ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۶۳﴾ يٰٓاَيُّهَا
النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۴﴾

اور کافر لوگ یہ خیال نہ کریں کہ وہ بچ گئے یقیناً وہ (اللہ کو) عاجز نہیں کر
سکتے ﴿۵۹﴾ اور جہاں تک تم سے ہو سکے ان کے لیے (فوجی) قوت اور پلے ہوئے
گھوڑوں (سامان جنگ) سے تیار رہو کہ جو اللہ کے دشمن ہیں اور تمہارے دشمن ہیں
اس سے ان پر رعب جمائے رکھو اور ان کے علاوہ دوسروں پر بھی جن کو تم نہیں جانتے
اللہ اُن کو جانتے ہیں اور تم اللہ کی راہ میں جو کچھ بھی خرچ کرو گے وہ تم کو پورا پورا دیا
جائے گا اور تمہارے ساتھ کوئی زیادتی نہ ہوگی ﴿۶۰﴾ اور اگر وہ صلح کی طرف مائل
ہوں تو آپ بھی اس طرف مائل ہو جائیے اور اللہ پر بھروسہ رکھیے بے شک وہ سننے
والے جاننے والے ہیں ﴿۶۱﴾ اور اگر وہ لوگ آپ کو دھوکا دینا چاہیں تو یقیناً آپ

کے لیے اللہ کافی ہے۔ وہ وہی ہے جس نے آپ کو اپنی (غیبی) مدد سے اور مسلمانوں سے قوت دی ﴿۶۲﴾ اور ان کے دلوں میں محبت پیدا کر دی اگر آپ روئے زمین کی ہر چیز خرچ کر ڈالتے تو بھی ان کے دلوں میں (ایسی) محبت پیدا نہ فرما سکتے ولیکن اللہ نے ان میں محبت پیدا فرما دی بے شک وہ غالب ہیں حکمت والے ہیں ﴿۶۳﴾ اے نبی! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کے لیے اللہ کافی ہیں اور وہ مسلمان جنہوں نے آپ کی پیروی کی ﴿۶۴﴾

تفسیر و معارف

کچھ قبائل جو بدر میں شامل نہ ہوئے تھے اور فی الحال اسلام دشمنی پر کمربستہ تھے ان کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ اگر تم بدر کے معرکہ سے بچ بھی گئے ہو تو اللہ کریم، جس نے مسلمانوں کو معرکہ بدر میں فتح دی وہ ہر میدان میں فتح دے سکتا ہے لہٰذا جو کفار بچ گئے ہیں وہ یہ خیال نہ کریں کہ ان کا کچھ نہیں بگڑ سکتا یا وہ اللہ کی گرفت سے دور ہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے، اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَبَقُوْا ؕ اِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُوْنَ ﴿۵۹﴾ اس آیت کے مخاطبین صرف وہ قبائل عرب ہی نہیں تھے بلکہ اردگرد کی وہ حکومتیں بھی تھیں جو جزیرہ نمائے عرب سے باہر بیٹھی تھیں۔ جب بدر میں فتح ہوئی، مسلمان کی فوج فاتح ہو کر لوٹی اور ایک باقاعدہ اسلامی ریاست پوری قوت اور پوری آب و تاب کے ساتھ منصۂ شہود پر آئی تو اردگرد کی کافر طاقتوں کو بھی فکر ہونے لگی اور وہ بھی ریشہ دوانیاں کرنے لگے کہ اس طاقت کو کس طرح سے روکا جا سکتا ہے تو یہ انتباہ ان سب کے لیے تھا کہ اگر تم بدر سے بچ بھی گئے ہو تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم اللہ کی گرفت سے دور ہو گئے ہو۔ یہ اصول یاد رکھو جو بھی دین حق سے ٹکرائے گا وہ پاش پاش ہو جائے گا۔ اس لیے کہ اللہ قادر ہے، ہر جگہ فتح دینے پر قادر ہے اور اس بشارت کا ظہور پھر خلافت راشدہ میں بھی ہوا۔ دنیا کی دیگر کافر طاقتوں کے علاوہ روم و فارس کے ساتھ مسلمانوں کا ٹکراؤ ہوا جو اس وقت کی سپر پاور کہلاتی تھیں اور مسلمانوں کو اللہ کریم نے فتح عطا فرمائی۔

مدارِ فتح و شکست:

فتح و شکست اللہ کے دستِ قدرت میں ہے۔ مسلمانوں کے لیے حکم یہ ہے کہ وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ اپنی فوجی قوت کو ہر طرح سے مضبوط کرو۔ پلے ہوئے گھوڑوں یعنی

سامان جنگ سے تیار رہو۔ جتنی تم میں استطاعت ہے اتنی تیاری ضرور کرو فتح وشکست بے شک اللہ ہی کے دست قدرت میں ہے لیکن وسائل ضرور یہ کو ضرور اختیار کرو۔ فوجی تیاری، نشانہ بازی، فوجی پریڈیں، جنگی مشقیں کرو۔ فوج کو تیار رکھو، اچھا سامان حرب اکٹھا کرو لیکن مَّا اسْتَطَعْتُمْ اپنی استطاعت کے مطابق۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اسلامی اصولوں پر سمجھوتہ کر کے یا اپنے مقام سے گر کر، ذلت آمیز شرائط منظور کر کے کسی کافر سے اسلحہ نہ خریدو۔ اس کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر کافر سے اسلحہ خریدنا پڑے تو ضرور خریدو لیکن اپنے اصولوں پر قائم رہتے ہوئے خریدو۔ اگر اپنی استطاعت کے مطابق خرید سکتے ہو تو درست ورنہ کسی ذلت آمیز شرط پر خریدنے کی ضرورت نہیں۔ جو تم کر سکتے ہو وہ کرو جو نہیں کر سکتے تو اللہ قادر ہے، اللہ تمہیں فتح دے گا۔

قرآن حکیم ہمیشہ کے لیے ہے۔ اس کے احکام پر جس زمانے میں جو بھی خلوص دل سے عمل کرے گا وہ اللہ کریم کی طرف سے ثمرات سے نوازا جائے گا۔ وہ زمانہ تو خیر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا، خلفائے راشدین، صحابہ وتابعین کا تھا لیکن آج کے دور میں دو سپر پاورز کہلانے والی طاقتیں کس طرح جدید ٹیکنالوجی کی حامل اور جدید اسلحہ سمیت بے پناہ فوجی قوت، بے شمار کافر ریاستوں کے مالی وسائل سے مالا مال تھیں نہتے لوگوں نے محض اللہ کے بھروسے پر ایک سپر پاور کو شکست دی اور اب دوسری بھی جان بچانے کی فکر میں ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ فتح وشکست اللہ کے دست قدرت میں ہے اور مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنی دعوت حق پر قائم رہتے ہوئے اپنی فوجی تیاری مکمل رکھیں کہ دشمن پر رعب رہے۔ آج بلاشبہ مغرب نے ٹیکنالوجی اور جدید علوم میں دسترس حاصل کر رکھی ہے لیکن اس کی تمام مادی ترقی اسلام کے اصولوں کی خوشہ چینی کی مرہون منت ہے۔ اسلام جب عدل کا علم لے کر نکلا تو مغرب اس وقت جہالت کی تاریکیوں میں ڈوبا ہوا تھا۔ ظلم وجور کے سوا وہاں کچھ نہ تھا۔ جتنا فائدہ مغرب نے اٹھایا ان اصولوں سے اٹھایا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیئے تھے۔ آج وہ دیانتداری سے کاروبار کرتے ہیں، تجارت کرتے ہیں، عدالتوں میں انصاف کرتے ہیں تو ان شعبوں میں وہ ترقی کر رہے ہیں اور جہاں جہاں انہوں نے ان اصولوں کو چھوڑ رکھا ہے وہاں وہ پستی اور ذلت کا شکار ہیں مثلاً معیشت میں انہوں نے سود جاری کیا جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا تھا تو مغرب میں آج امیر، امیر تر اور غریب غریب تر ہوتا جا رہا ہے۔ مرد وعورت کے تعلقات میں انہوں نے حدود سے تجاوز کیا جو حدود دین فطرت اسلام نے دیں تو اس میں بھی وہ رسوائی اور تباہی کا شکار ہیں۔ اسلام نے شراب سے منع کیا تھا انہوں نے اسے جاری رکھا، اس لعنت کی وجہ سے ان کے کردار تباہ ہو رہے ہیں، صحت برباد ہو رہی ہے، نت نئی بیماریاں جنم لے رہی ہیں اور خاندان تباہ ہو رہے ہیں۔ لہٰذا اسلامی اصولوں پر اگر کافر معاشرہ بھی اپنا نظام استوار کرے تو دنیاوی

فائدہ اسے بھی ہوتا ہے البتہ اخروی فائدے کے لیے ایمان شرط ہے۔ ایمان ہوگا اور اسلامی اصولوں پر عمل ہوگا تو دنیا کا بھی فائدہ ہوگا اور آخرت کا بھی۔ ایمان کے بغیر اسلامی اصولوں کو اپنائے گا تو دنیا کا فائدہ ضرور ہوگا۔ دنیا میں اس کی مثالیں دیکھی جا سکتی ہیں۔

مصر اور اسرائیل کی جنگ ہوئی تو مصر کو شکست ہوئی اور ایسی شکست ہوئی کہ اسرائیلیوں نے ان سے سارا اسلحہ بھی چھین لیا۔ اس وقت کی وزیر اعظم جو ایک خاتون تھی سے انٹرویو کیا گیا اور پوچھا گیا کہ تمہیں یہ خیال کیسے آیا کہ تم نے اتنی جنگی تیاری کی، اتنا اسلحہ جمع کیا اور اپنے سے کئی گنا بڑے ملک کو شکست دے دی تو اس نے جواب دیا کہ میں نے یہ سبق پیغمبر اسلام سے سیکھا۔ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سوانح پڑھتی تھی تو میں نے اس میں یہ دیکھا کہ جب (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے آخری مرض میں تھے جس میں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا وصال ہوا تو در دولت پر کھانے کو سوائے جَو کے کچھ نہ تھا اور وہ جو بھی ایک یہودی کے پاس اپنی زرہ رہن رکھ کر حاصل کئے تھے جن پر پورا کاشانہ نبوی کر رہا تھا اور اسی حالت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا سے پردہ فرمایا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دولت کدے پر متعدد زرہیں تھیں کئی تلواریں لٹک رہی تھیں کئی کمانوں اور تیروں کا ذخیرہ موجود تھا۔ بہترین لوہے کی جڑاؤ دستے والی تلواریں اور دیگر اسلحہ موجود تھا جو مضبوط بھی تھا، اعلیٰ اور دیدہ زیب بھی۔ اس نے کہا، ہمارے ملک پر ایک ایسا وقت آگیا کہ ہمیں معاشی تنگی کا سامنا تھا اور پارلیمنٹ میں یہ بحث ہوئی کہ اسلحہ نہ خریدا جائے اور لوگوں کے کھانے پینے کا اہتمام کیا جائے لیکن میں نے چونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح پڑھی تھی تو میں نے فیصلہ کیا کہ اسلحہ کھانے پینے پر مقدم ہے۔ لہٰذا میں نے اسلحہ خریدا اور فوجی تیاری کی جس کے نتیجے میں ہمیں فتح نصیب ہوئی۔

وہ عورت یہودی تھی، مسلمان نہیں تھی لیکن اس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ سے سیکھ کر اپنی قوم کو فتح سے ہمکنار کر دیا۔

ان آیات مبارکہ میں ارشاد ہو رہا ہے کہ جتنی استطاعت ہے اتنی جنگی تیاری ضرور رکھو تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ اللہ کے دشمنوں کو ڈرانے کے لیے اور ان پر اپنا رعب رکھنے کے لیے تیاری رکھو اور اللہ کے دشمن وہی ہیں جو ایمان والوں کے دشمن ہیں اور کچھ دشمن اسلام ایسے بھی ہیں جو ابھی تمہارے سامنے نہیں ہیں لیکن بعد میں آجائیں گے اور دنیا نے دیکھا کہ خلافت راشدہ میں ہی دنیا کی تمام کافر طاقتوں سے مسلمانوں کو مقابلہ کرنا پڑا اور اللہ نے انہیں فتح و کامیابی سے ہمکنار فرمایا۔ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ۗ فرمایا، ابھی ان لوگوں کو تم نہیں جانتے۔ تمام معرکے ابھی جزیرہ نمائے عرب میں ہی وقوع پذیر ہو رہے ہیں لیکن بہت سی حکومتیں اور ممالک ایسے ہیں جن سے تمہیں نبرد آزما ہونا پڑے گا جنہیں فی الحال تم نہیں

جانتے اللہ جانتا ہے لہٰذا جو اصول و احکام ارشاد فرمائے جارہے ہیں یہ سب کے لیے ہیں تا کہ ہمیشہ اور ہر حال میں تمہارے کام آئیں۔

فرمایا: وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ یُوَفَّ اِلَیْکُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۶۰﴾ جو بھی جان و مال سے تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے وہ تمہیں لوٹایا جائے گا۔ اللہ اپنے پر ادھار نہیں رکھے گا۔ وہ اپنی شان کے مطابق اپنی طرف سے نعمتیں عطا فرمائے گا۔ تمہارے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہوگی کہ تم نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا، مال خرچ کیا، قربانیاں دیں، مشکلیں اٹھائیں اور پھر وہ ضائع ہو جائیں۔ ایسا نہیں ہوگا بلکہ تم نے اپنی حیثیت کے مطابق خرچ کیا اللہ اس کا اجر اپنی شان کے مطابق عطا فرمائیں گے اور وہ تمہیں لوٹا دیا جائے گا، کوئی زیادتی نہیں کی جائے گی، کسی کی قربانی ضائع نہیں ہوگی لیکن شرط یہ ہے کہ وہ حق کے لیے ہو، اللہ کی رضا کے لیے ہو اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق ہو۔

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا اگر کفار زیادتی سے باز آجائیں اور وہ صلح کی طرف مائل ہوں۔ ان کا ارادہ صلح کر کے امن سے رہنے کا ہو تو اے مسلمانو! تم بھی ان سے صلح کر لو۔ اسلام کا منشا دنیا کو جنگ میں جھونکنا نہیں ہے لہٰذا یہ اصول عطا فرما دیا کہ جب کفار اللہ کی راہ میں اور اللہ کے دین کی راہ میں رکاوٹیں پیدا کریں یا اللہ کی مخلوق پر ظلم کریں تو ان کو ظلم سے روکنے کے لیے اور امن قائم کرنے کی راہ میں رکاوٹیں دور کرنے کے لیے اللہ نے جہاد فرض کر دیا ہے لیکن جب کفار زیادتی سے باز آجائیں اور صلح کرنا چاہیں تو ان سے صلح کر لی جائے وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اور ہمیشہ بھروسہ صرف اللہ پر رکھو اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۶۱﴾ یقیناً وہ سننے والے اور جاننے والے ہیں۔

یہ ہوسکتا ہے کہ کفار وقتی طور پر صلح کی پیشکش کر رہے ہوں لیکن اس کے پیچھے ان کا مقصد مسلمانوں کو دھوکہ دینا ہو اور بعد میں وہ اپنے وعدوں پر قائم نہ رہیں۔ ایسی صورت میں اللہ پر بھروسہ رکھو اور جو حالات سامنے ہیں ان کے مطابق فیصلہ کرو۔ اگر وہ صلح کی پیشکش کرتے ہیں تو جنگ کوئی ضروری نہیں ان سے صلح کر لیں۔ اگر وہ ظلم سے باز آجائیں، نیک لوگوں کو تنگ کرنے سے، اللہ کے دین کا راستہ روکنے سے باز آجائیں۔ اپنے دین پر رہیں، اپنا کام کریں لیکن حق کی راہ میں رکاوٹ نہ بنیں تو تم بھی ان سے صلح کر لو اور ہوسکتا ہے کہ وہ صلح کے پردے میں تیاری کرتے رہیں اور تمہیں دھوکہ دینے کی کوشش کریں۔ فرمایا، اس معاملے میں اللہ پر مکمل بھروسہ رکھو، اللہ کافی ہے۔ اگر وہ دھوکہ دیں گے تو اللہ ان سے نبٹ لیں گے۔ اللہ کریم تمہاری مدد فرمائیں گے، تمہیں قوت دیں گے۔ اللہ کریم ان سے خود نبٹ لیں گے کیونکہ اللہ کریم سنتے بھی ہیں اور جانتے بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ وہ کیا

سوچتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے دل کے احوال سے بھی واقف ہیں اور ان کے کردار سے بھی واقف ہیں۔

وَاِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ۭ قرآن حکیم کے ہر حکم کی طرح اس آیت کا حکم بھی ہمیشہ کے لیے ہے اور اس سے مراد قیامت تک کی اسلامی ریاستیں ہیں، وہ ریاستیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع پر قائم ہوں اور جن کا نظام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق ہو۔ اگر انہیں کوئی دھوکہ بھی دینا چاہے یا کافر صلح کے پردے میں ان سے دھوکہ کرنا چاہیں تو فرمایا فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ۭ آپ ﷺ کے لیے اللہ کافی ہے۔ اللہ کو کوئی دھوکہ نہیں دے سکتا۔ اللہ تعالیٰ ان کی دھوکہ دہی کی تجویزوں کو ناکام بنا دیں گے اور ایسے اسباب پیدا فرمادیں گے کہ خود ان کا نقصان ہوگا۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٦٢﴾ وہ اللہ جس نے آپ ﷺ کو اپنی غیبی مدد سے اور ایمان والوں سے قوت دی۔ غزوہ بدر واحد پر خندق میں فرشتے نازل ہوئے اور مجاہدین کے ساتھ ہم صف ہو کر لڑتے رہے اور کفار کو شکست ہوئی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے غیبی مدد تھی۔ اس کے ساتھ بِالْمُؤْمِنِيْنَ فرما کر اللہ تعالیٰ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، خادمانِ رسالت کو اپنی غیبی مدد کے ساتھ شامل فرما رہے ہیں کہ میں نے ایسے لوگ آپ کو عطا فرمائے جو آپ کے حکم پر اپنی گردنیں کٹوانا فخر سمجھتے ہیں اور میرے حبیب ﷺ کے نقش کف پا پر خون بہانا باعث سعادت اور باعثِ نجات سمجھتے ہیں۔

مومنین میں باہمی الفت کا سبب:

برکات رسالت کی برکت یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں میں آپس میں بھی الفت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مومنین کی باہمی الفت کا سبب حضور اکرم ﷺ کی ذات کی تشریف آوری یعنی آپ ﷺ کی بعثت کو قرار دیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی برکات میں سے یہ برکت ہے کہ سب ایمان والوں کے دلوں میں اللہ نے محبت پیدا فرمادی۔ فرمایا، وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ۭ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ورنہ آپ اگر روئے زمین کی ساری دولت جمع کر کے ان لوگوں میں بانٹ دیتے تو بھی آپ ان لوگوں کے دلوں میں الفت پیدا نہ کر سکتے۔ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ۭ جو اللہ نے پیدا کر دی۔ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٦٣﴾ بے شک اللہ غالب بھی ہے اور حکمت والا، دانا تر بھی ہے۔ یہ اللہ کا احسان عظیم ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے والے تمام لوگ آپس میں بھی محبت کرتے ہیں۔

یہ بڑی عجیب بات ہے کہ ایک معشوق کے اگر متعدد عاشق ہوں تو وہ ایک دوسرے کے رقیب گردانے جاتے ہیں وہ ایک دوسرے کے دشمن قرار پاتے ہیں لیکن یہ واحد ہستی ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس پر ایک جہان فدا ہوا اور سارے عاشق آپس میں ایک دوسرے سے محبت کرنے لگے۔ یعنی جتنے بھی فدایان نبوت ہیں وہ ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔

مشاجرات صحابہؓ:

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں بھی اختلاف رائے ہوا۔ احکام شریعت اور مسائل شریعت میں اجتہادی مسائل میں اختلاف رائے ہوا۔ اسی لیے ہمارے پاس فقہ کے چار آئمہ مجتہدین کی مدون کردہ فقہ موجود ہے۔ ہر فقہ کی بنیاد صحابہ کرامؓ کے قول وعمل پر ہے اور ان چاروں میں بھی اختلاف رائے ہے۔ یہ اختلاف رائے فطری اور ناگزیر ہے اسی لیے امت کے لیے رحمت ہے کہ اس سے ارشاد رسول اللہ ﷺ کے تمام گوشے نمایاں ہو جاتے ہیں۔ اگر غور کیا جائے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ اختلاف، مخالفت نہیں ہے رائے کا اختلاف ہے۔ جو حکم بارگاہ رسالت سے سنا گیا، کسی صحابیؓ نے اس کا ایک پہلو مقدم سمجھا، کسی نے دوسرا پہلو مقدم سمجھا۔ اس لیے صحابہؓ کے اختلاف کو مشاجرات صحابہؓ کہتے ہیں۔ مشاجرہ، شجر سے ہے۔ کسی درخت کی بہت گھنی شاخیں ہوں تو وہ آپس میں الجھ جاتی ہیں اور ان کا سایہ بہت گھنا ہو جاتا ہے۔ اسی لیے صحابہؓ کے اس اختلاف کو مشاجرات صحابہ کہتے ہیں کہ ان کے اختلاف سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی زیادہ وضاحت ہوگئی۔ اسی لیے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم (مشکوٰۃ) میرے صحابہؓ کی مثال ستاروں کی مانند ہے۔ ان میں سے جس کا بھی دامن تھام لو گے ہدایت پا جاؤ گے۔ یعنی جس نے بھی جو حکم مجھ سے حاصل کیا اس کا جو پہلو اختیار کیا وہ حق ہے۔

لہٰذا صحابہؓ نے جو پہلو بھی اختیار کیا، پورے خلوص، پوری دیانتداری، دلی لگن و محبت سے اختیار کیا اور اس پر پوری اطاعت کی۔ کسی کو شکست دینے کے لیے نہیں، کسی سے مقابلہ کرنے کے لیے نہیں بلکہ محبت و خلوص اور مکمل اطاعت کے جذبے سے وہ پہلو اختیار کیا لہٰذا سب میں باہمی محبت رہی۔ اللہ کریم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام چاہنے والوں کے دلوں میں آپس میں ایسی محبت پیدا کر دی جس کی مثال تاریخ نہ پہلے پیش کر سکتی ہے اور نہ بعد میں پیش کر سکے گی۔

معیار حق:

ہمیشہ کے لیے معیار حق طے ہو چکا کہ ایمان والے ایمان والوں سے محبت رکھتے ہیں، جو انسانوں سے

محبت کرتے اور ان کے حقوق کی ادائیگی محبت سے کرتے ہیں، جو کسی سے نفرت نہیں کرتے، کسی کو ذلیل نہیں کرتے، کسی کا حق نہیں چھینتے، کسی کو ایذا نہیں دینا چاہتے۔ وہی سچے مسلمان ہیں جو حضور ﷺ کے نام لیوا ہیں اور صحابہ کرامؓ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے آپس میں محبت رکھتے ہیں اور دوسرے انسانوں کو بھی انسانی حقوق دینے کے لیے ان کے دل میں جگہ موجود ہے۔ یعنی جسے اتباع رسالت نصیب ہوگا اس کے دل میں دوسرے تمام مسلمانوں کے لیے محبت پیدا ہوجائے گی۔ وہ سب انسانوں کا خیر خواہ ہوگا، سب کی بھلائی چاہنے والا ہوگا۔

اور جو مسلمان ہونے کا دعویدار ہو اور خود مسلمانوں کو مساجد میں قتل کرے۔ بازاروں، گلیوں، عدالتوں، کچہریوں، بسوں، ٹرینوں، جہازوں میں قتل عام کررہا ہو، ہر ایک کے لیے نفرت ہی نفرت ہو، اقتدار میں ہو تو لوٹ مار کرے، اقتدار سے باہر ہو تو قتل و غارت کرے تو پتہ چلتا ہے کہ یہ اسلام کی برکات اور نبی کریم ﷺ کی برکات سے بے بہرہ ہے، محروم ہے۔ اس کا مسلمان ہونے کا دعویٰ قابل اعتبار نہیں کیونکہ قرآن حکیم نے اسلام کی اور حضور اکرم ﷺ پر ایمان کی جو دلیل قرار دی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ نے تمام ایمان والوں کے دلوں میں الفت پیدا کردی۔ الفت و محبت کا تقاضا تو یہ ہے کہ جس سے محبت ہو بندہ اس کو ایذا نہ پہنچانا چاہتا، اس کو دکھ نہیں دینا چاہتا، اس کا حق نہیں چھیننا چاہتا، اس کا مال نہیں لوٹنا چاہتا، نہ اس کی عزت و آبرو پہ ڈاکہ ڈالنا چاہتا ہے نہ اس کی جان کے درپے ہوتا ہے اور یہ سب کچھ کرنا محبت کے خلاف ہے یہ تو دشمنی ہے، عداوت ہے اور دشمنی و عداوت کا ایمان سے کوئی تعلق نہیں۔ ایمان کی دشمنی تو کفر سے ہے، برائی سے اور ظلم سے ہے۔

ہمیں خود کو تلاش کرنا ہوگا اور اس معیار حق پر خود کو پرکھنا ہوگا۔ ہم دوسروں کے لیے تو ایک پیمانہ لیے پھرتے ہیں کہ کون کتنا مسلمان ہے۔ ہمیں اپنے اندر دیکھنا چاہیے کہ میرے اندر دوسروں کے لیے کتنی محبت ہے۔ میں دوسرے مسلمانوں کو کتنی قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں، دوسروں کا کتنا لحاظ رکھتا ہوں، ان کے مال، جان، آبرو کی کس قدر حفاظت کرتا ہوں اور انہیں نقصان پہنچانے سے کتنا اعراض کرتا ہوں۔ یہ محبت جتنی ہوگی وہ ایمان کی دلیل ہوگی اور اگر آپس میں ہی نفرتیں پروان چڑھنے لگیں تو وہاں دشمنیاں ہوں گی اور یہ اس کے ایمان کی کمزوری کی نشانی ہوگی۔

اللہ کریم نے نتائج اپنے دست قدرت میں رکھے ہیں۔ اسی لیے گزشتہ آیات میں فرمایا کہ آپ ﷺ دنیا بھر کا مال و دولت خرچ کر ڈالتے تو بھی لوگوں کے دلوں میں الفت پیدا نہ کرسکتے۔ دنیا کی دولت تو آزمائش ہے، یہ جہاں جاتی ہے لوگوں کے دلوں میں نفرتیں پیدا کردیتی ہیں، سوائے اللہ کے مقبول بندوں کے کہ یہ ان کے ہاں اپنے مقام پر رہتی ہے اس لیے کہ اللہ نے انہیں وہ اخلاقی اقدار اور وہ غنا عطا

فرمایا ہوتا ہے جو اللہ کی عطا سے ہی ممکن ہے۔

جب فارس فتح ہوا تو شاہی محلات کے خزانے، فرنیچر، قالین اور بے شمار جواہرات مدینہ منورہ کی گلیوں میں لائے گئے۔ خزانوں کے یہ انبار دیکھ کر سیدنا فاروق اعظمؓ اشکبار ہو گئے تو صحابہؓ نے عرض کی کہ یہ تو خوشی کا دن ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت تھی کہ یمن اور کسریٰ کے خزانے تمہارے قابو میں ہوں گے۔ اللہ نے آج وہ مبارک دن دکھا دیا تو آپ اس پر کیوں رو رہے ہیں؟ فرمانے لگے یہ دولت جہاں جاتی ہے اپنے ساتھ نفرتیں لے جاتی ہے۔ مال و دولت کی فراوانی دشمنیاں پیدا کرتی ہے۔ ایک دوسرے سے اختلاف پیدا ہوتا ہے جو مخالفت کی حد تک چلا جاتا ہے۔ پھر مخالفت سے دشمنی کی حد تک پہنچ جاتا ہے۔ میں اس لیے رو رہا ہوں کہ کہیں یہ دولت مسلمانوں کی باہمی محبت کو نقصان پہنچانے کا سبب نہ بن جائے جو ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نصیب ہوئی تھی۔ اگرچہ ہم فاقے سے ہوتے تھے لیکن ہر ایک دوسرے پر جان چھڑکتا تھا۔

دولت، اقتدار اور طاقت یہ چیزیں نفرتیں پیدا کرتی ہیں۔ اگر برکات نبوت نصیب ہوں تو پھر یہ کچھ نہیں بگاڑ سکتیں جیسا کہ بڑے بڑے دولت مند عہد نبوی ﷺ میں موجود تھے۔ ان کی دولت مسلمانوں کے کام آئی۔ سیدنا ابوبکر صدیقؓ کی ساری دولت راہ اسلام میں کام آئی۔ حضرت عثمان غنیؓ نے بے شمار مواقع پر بے پناہ دولت نچھاور کی جو جہاد میں اور معاشرے کے دیگر کاموں میں صرف ہوئی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بشارتیں دیں کہ اس کے عوض اللہ انہیں جنت عطا فرمائے گا۔ تو دولت فی نفسہ بری نہیں بلکہ اگر جائز اور حلال وسائل سے دولت حاصل ہو اور اس کا مصرف شریعت کے مطابق ہو تو یہ اللہ کا انعام ہے۔

گروہ صحابہؓ کے لیے اللہ تعالیٰ نے کلام الٰہی میں یہ بشارت دی ہے کہ اللہ نے ان کے دلوں میں باہم الفت ڈال دی یعنی انؓ کا حضور اکرم ﷺ سے ایسا مثالی تعلق تھا، محبت کا رشتہ اتنا مضبوط تھا کہ وہ سراپا محبت بن گئے اور اسے اپنا انعام قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ اللہ نے آپ ﷺ کی غیبی مدد کی اور آپ ﷺ کو گروہ صحابہؓ، جاں نثاران، آپ ﷺ پر جان چھڑکنے والے لوگ بھی عطا فرمائے۔

صاحبِ ''جذب القلوب'' فرماتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ پیغام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر پوری دنیا میں پھیل گئے۔ اس لیے ان کے مدفن پوری دنیا میں جگہ جگہ ہیں۔ ہندوستان میں بھی ہیں اور مغربی ممالک میں بھی۔ دنیا میں جہاں جہاں افواج اسلام پہنچیں وہاں وہ شہید ہوئے اور دفن ہوئے۔ جن ممالک میں تبلیغ کے لیے گئے یا تجارت کے لیے گئے وہیں وصال ہو گیا اور دفن ہو گئے اسی لیے افریقہ سے لے کر چین تک اور سپین سے

لے کر ہندوستان تک صحابہؓ مدفون ہیں لیکن صحابہؓ کی اکثریت مدینہ منورہ میں مدفون ہے۔ حضرت شاہ صاحب جذب القلوب میں لکھتے ہیں کہ اس کا مطلب ہے کہ صحابہؓ کی جماعت کی اکثریت کی جومٹی، بنیادی خلیات یا ذرات لیے گئے اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے مدینہ منورہ کی مٹی کو منتخب فرمایا۔ یہ ہے عظمت صحابہؓ!

جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ فلاں صحابیؓ کو فلاں صحابیؓ سے دشمنی تھی اور فلاں صحابیؓ نے فلاں صحابیؓ کو یہ ایذاء پہنچائی تو ان کے اس خیال کی تردید اس آیہ مبارکہ نے کردی کہ اللہ نے اپنے فضل سے تمام صحابہؓ کے دلوں کو باہمی الفت سے بھر دیا۔ قرآن یہ کہتا ہے اور لوگ کہتے ہیں کہ نہیں وہ تو ایک دوسرے کے دشمن تھے تو یہ کہنے والا جھوٹ کہتا ہے۔ اللہ کا کلام سچا ہے اور بندے کا اندازہ غلط ہے۔

اس کے بعد ایک بڑی عجیب بات ارشاد فرمائی گئی ہے۔ فرمایا، يَآيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴿۶۴﴾ اے میرے محبوب، میرے نبی ﷺ آپ کے لیے اللہ کافی ہے اور مومنین میں سے جو آپ ﷺ کا اتباع کریں وہ کافی ہیں۔ یعنی آج بھی جو خلوص دل سے اتباع رسالت کرتا ہے وہ بارگاہ رسالت کا خادم ہے۔

اس آیت کے اولین مصداق صحابہ کرامؓ ہیں، جن کے بارے اللہ کریم فرما رہا ہے کہ آپ ﷺ کو میں نے ان جاں نثاران کی صورت میں اپنی طرف سے تحفہ دیا ہے۔ میں نے آپ ﷺ کو ایسے خادم دیئے ہیں جن کے دل محبت کے خزانے ہیں، محبت سے معمور ہیں، جن کے دلوں میں، میں نے محبت بھر دی ہے تو اے میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو اللہ کافی ہے اور مومنین میں سے جو آپ ﷺ کا اتباع کرتے ہیں وہ کافی ہیں۔ یہ مقدس گروہ صحابہؓ کا ہے اور ان کے طفیل قیامت تک جو بھی خلوص دل سے اتباع سنت کرے گا وہ اس آیہ کریمہ کے ارشادات کا حامل ہوگا۔ اس مبارک سعادت سے بہرہ ور ہو جائے گا اور اس نعمت کا حامل ہوگا جس کی قدر و قیمت کا اندازہ میدانِ حشر میں ہوگا۔

اللہ کریم ہم سب کو پورے خلوص سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا اتباع نصیب فرمائے، ہمارے ایمان و عقیدے کو بھی درست رکھے اور ہمارے عمل کو بھی صالح بنائے اور قبول فرمائے۔

سورۃ الانفال رکوع 9 آیات 65 تا 69

اَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيۡطٰنِ الرَّجِيۡمِ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

يٰۤاَيُّهَا النَّبِىُّ حَرِّضِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ عَلَى الۡقِتَالِ‌ ؕ اِنۡ يَّكُنۡ مِّنۡكُمۡ عِشۡرُوۡنَ
صٰبِرُوۡنَ يَغۡلِبُوۡا مِائَتَيۡنِ‌ ۚ وَاِنۡ يَّكُنۡ مِّنۡكُمۡ مِّائَةٌ يَّغۡلِبُوۡۤا اَلۡفًا مِّنَ
الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا بِاَنَّهُمۡ قَوۡمٌ لَّا يَفۡقَهُوۡنَ ۝٦٥ اَلۡـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنۡكُمۡ وَعَلِمَ
اَنَّ فِيۡكُمۡ ضَعۡفًا‌ ؕ فَاِنۡ يَّكُنۡ مِّنۡكُمۡ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغۡلِبُوۡا مِائَتَيۡنِ‌ ۚ وَاِنۡ
يَّكُنۡ مِّنۡكُمۡ اَلۡفٌ يَّغۡلِبُوۡۤا اَلۡفَيۡنِ بِاِذۡنِ اللّٰهِ‌ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيۡنَ ۝٦٦ مَا
كَانَ لِنَبِىٍّ اَنۡ يَّكُوۡنَ لَهٗۤ اَسۡرٰى حَتّٰى يُثۡخِنَ فِى الۡاَرۡضِ‌ ؕ تُرِيۡدُوۡنَ عَرَضَ
الدُّنۡيَا ‌ۖ وَاللّٰهُ يُرِيۡدُ الۡاٰخِرَةَ‌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيۡزٌ حَكِيۡمٌ ۝٦٧ لَوۡلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ
سَبَقَ لَمَسَّكُمۡ فِيۡمَاۤ اَخَذۡتُمۡ عَذَابٌ عَظِيۡمٌ ۝٦٨ فَكُلُوۡا مِمَّا غَنِمۡتُمۡ حَلٰلًا
طَيِّبًا ‌ۖ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ‌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ۝٦٩

اے نبی (ﷺ)! آپ مومنین کو لڑائی کی ترغیب دیجیے اگر آپ میں سے بیس آدمی ثابت قدم رہنے والے ہوں گے تو دو سو پر غالب آئیں گے اور اگر آپ کے سو آدمی ہوں گے تو ایک ہزار کافروں پر غالب آ جائیں گے اس لیے کہ یہ (کافر) ایسے لوگ ہیں کہ کچھ سمجھ نہیں رکھتے ﴿۶۵﴾ اب اللہ نے تم پر بوجھ کم کر دیا اور جان لیا کہ تم میں کچھ کمزوری ہے پس اگر تم میں سے سو (آدمی) ثابت قدم رہنے والے ہوں گے تو دو سو پر غالب آ جائیں گے اور اگر تم میں سے ہزار ہوں گے تو اللہ کے حکم سے دو ہزار پر غالب رہیں گے اور اللہ ثابت قدم رہنے والوں کے ساتھ ہیں ﴿۶۶﴾ پیغمبر کو شایان نہیں کہ ان کے قبضے میں قیدی رہیں (بلکہ قتل کیے جائیں) جب تک وہ

زمین میں (کفار کی) اچھی طرح خون ریزی نہ کر لیں تم لوگ دنیا کا مال اسباب چاہتے ہو اور اللہ آخرت (کی مصلحت) کو چاہتے ہیں اور اللہ زبردست ہیں حکمت والے ہیں ﴿٦٧﴾ اگر اللہ کا لکھا پہلے نہ ہو چکا ہوتا تو جو (فدیہ) تم نے لیا اس کے بدلے تم پر بڑی سزا واقع ہوتی ﴿٦٨﴾ جو مال غنیمت تم کو ملا ہے سو اسے کھاؤ وہ حلال اور پاکیزہ ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ بخشنے والے مہربان ہیں ﴿٦٩﴾

تفسیر ومعارف

یَاَیُّهَا النَّبِیُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَی الْقِتَالِ ۔ فرمایا اے میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! مومنین کو، ایمان والوں کو لڑائی کی ترغیب دیجیے۔ اسلام نے تمام شعبہ زندگی میں خوبصورت قواعد اور ضابطے مقرر فرمائے ہیں۔ اور اسلام کی جنگ محض کسی قوم کے وسائل چھیننے یا ان کے علاقے پر قبضہ کرنے یا انہیں تباہ کرنے کے لیے نہیں ہے بلکہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام کو بھی ارشاد فرمایا گیا ہے کہ جنگ کے فوائد ونقصانات ارشاد فرما کر مومنین کو جنگ کی ترغیب دی جائے۔ یعنی اسلام نے جنگ کے تصور کو بدل دیا۔ بعض لوگوں کا قول ہے کہ انسانی تاریخ صرف جنگوں کی تاریخ ہے۔ یعنی آپ انسانی تاریخ پر نظر کریں تو سوائے جنگوں کے اس کا کوئی مرکزی موضوع نہیں ہے۔ لیکن اسلام نے جنگ کے تصور میں ایک خوبصورت تبدیلی پیدا کی اور وہ یہ ہے کہ اگر کوئی قوم، کوئی طبقہ ایسا بگڑ جائے کہ وہ دوسروں کے ایمان کے لیے بھی خطرہ بن جائے، ان کے جان و مال کے لیے بھی خطرہ بن جائے تو اس سے اس حد تک جنگ کی جائے کہ وہ اپنی اس برائی سے باز آ جائے۔ جب تک اس برائی سے باز نہیں آتا تب تک اس کے ساتھ جنگ ہوگی۔ اگر وہ اپنی مرضی سے ایمان قبول کر لے تو اس کا وہی درجہ ہے جو دوسرے مسلمانوں کا ہے وہی status اسے مل جائے گا۔ ایمان قبول نہیں کرتا تو اس کی مرضی لیکن زیادتی کرنا، ظلم کرنا چھوڑ دے تو پھر اس کے ساتھ جنگ نہیں ہوگی پھر جنگ کے بھی بہت سے ضابطے ہیں کہ جنگ میں ان لوگوں سے تعرض نہ کیا جائے جو تلوار نہیں اٹھاتے، جو جنگ میں شریک نہیں ہوتے انہیں نہ چھیڑا جائے۔ خوامخواہ عوام کو نہ مارا جائے، عورتوں، بچوں کو قتل نہ کیا جائے، بوڑھوں کو نہ چھیڑا جائے، عبادت خانوں میں جو لوگ ہیں خواہ وہ بتوں کی پوجا کر رہے ہوں لیکن انہیں چھیڑا نہیں جائے گا، عقیدے کے مطابق عبادت کرنے والے کو نہیں

چھیڑا جائے گا۔ اسلام نے ہر ایک کو عقیدہ اختیار کرنے کا حق دیا ہے اور جنگ میں بھی اس کا یہ حق محفوظ رکھنا ضروری قرار دیا ہے لہٰذا جنگ صرف ان لوگوں سے ہوگی جو میدان میں اتریں گے اور دوسروں کی جان و مال کے لیے خطرہ ثابت ہوں گے۔ یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرمایا جارہا ہے کہ آپ اپنے متبعین کو ترغیب دیجیے کہ ظلم کو روکنا، زیادتی کو روکنا اللہ کے نزدیک کتنا پسندیدہ فعل ہے اور اگر اس کام میں کوئی کام آجاتا ہے تو اللہ کریم اسے شہادت عطا فرماتے ہیں جو عظیم تر درجہ ہے۔ جو زندہ رہتا ہے وہ غازی ہے۔ تو فرمایا یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَى الْقِتَالِؕ مسلمانوں کو قتال کی ترغیب دیجیے یعنی اس کی برکات اور فوائد سے آگاہ فرمائیے اور نہ کرنے کے نقصانات ارشاد فرمائیے۔ اس سے پہلے رکوع میں گزر چکا ہے کہ مسلمانوں کو ہمیشہ جنگ کے لیے تیار رہنا چاہیے اور اپنی جنگی قوت ہمیشہ بنا کر رکھنی چاہیے اور ایسی جنگی صلاحیت ہونی چاہیے کہ کسی کو زیادتی کرنے کی جرأت ہی نہ ہو لیکن اگر ضرورت پیش آجائے تو پھر پورے یقین و اعتماد کے ساتھ اور پورے خلوص کے ساتھ جہاد کیا جائے اور اِنْ یَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ یَغْلِبُوْا مِائَتَیْنِۚ اے مسلمانو! تمہارے میں سے اگر بیس بندے بھی ثابت قدم رہنے والے ہوں گے تو دو سو پر غالب ہوں گے۔ یہاں صبر سے مشروط کر کے فرمایا صٰبِرُوْنَ۔ صبر کا معنی ہوتا ہے رک جانا یا روک لینا تو جنگ میں بھی صبر یہ ہوگا کہ ثابت قدمی سے لڑیں اور زیادتی نہ کریں۔ اللہ نے جو حدود مقرر فرمائی ہیں ان کے اندر رہیں۔ ظاہر ہے جب صبر ہوگا تو معیت باری حاصل ہوگی، اللہ جل شانہٗ کا ساتھ نصیب ہوگا اور جس کے ساتھ اللہ ہوگا وہ جیتے گا تو فرمایا اگر بیس مسلمان بھی ثابت قدم ہوں گے یَغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ تو وہ دو سو کافروں پر غالب آئیں گے۔

ایک جنگی اصول:

ماہرین جنگ نے ایک اصول مقرر کیا ہے کہ کسی بھی فوج کا اگر دس فیصد حصہ بے جگری سے لڑنے والا ہو تو اس فوج کو شکست نہیں ہو سکتی اس لیے کہ یہی دس فیصد جب بے جگری سے لڑتے ہیں تو باقی نوے فیصد وہ لوگ ہوتے ہیں جو ان کے ساتھ مل کر لڑتے رہتے ہیں اگر وہ دس فیصد اپنی جگہ چھوڑ جائیں تو نوے فیصد بھاگنے میں دیر نہیں کرتے اور یہ معیار بتایا گیا جنگوں کی تاریخ میں کہ اگر کسی فوج میں بس تیس فیصد لوگ بہادری، خلوص اور ثابت قدمی سے لڑنے والے ہوں تو اس فوج کو شکست نہیں دی جاسکتی۔ جب کہ وہی مورخین جو اس پر بحث کرتے ہیں وہ لکھتے ہیں کہ دنیا میں واحد جرنیل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے کہ جن کی فوج کے سو فیصد لوگ خلوص سے اور جم کر لڑنے والے تھے۔ یعنی یہ دنیا کی واحد فوج تھی جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تھی اور جس

کے جرنیل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور جن کی تربیت کا یہ عالم تھا کہ ان کی فوج کا سو فیصد یعنی ہر سپاہی پورے خلوص، پوری دیانت، پوری ثابت قدمی سے لڑنے والا تھا ورنہ دنیا کی بڑی بڑی افواج میں بے جگری اور ثابت قدمی سے لڑنے والوں کی تعداد بیس فیصد سے زیادہ نہیں ہوتی۔ دوسروں کے ساتھ کھڑے رہتے ہیں ان کے آسرے پر اور بیس فیصد ہو جائے تو بہت اعلیٰ فوج ہوتی ہے تو یہاں اللہ کریم نے ارشاد فرمایا کہ اگر بیس مسلمان ایسے ہوں گے جو اللہ کی اطاعت پر جم جائیں گے اور اللہ کی رضا کے لیے لڑ رہے ہوں گے تو ظاہر ہے جب اللہ کی رضا کے لیے لڑ رہے ہوں گے تو جو قواعد و ضوابط اللہ کریم نے ارشاد فرمائے ہیں ان کی پوری پوری پاسداری بھی کریں گے تو وہ دو سو کافروں پر یعنی اپنے سے دس گنا کافروں پر غالب آئیں گے فرمایا، اور اگر تم میں سے ایسے سو آدمی ہوں گے يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا تو وہ ایک ہزار کافر پر غالب آ جائیں گے۔ یعنی جب مسلمان اللہ کی رضا کے لیے لڑیں گے، حق کی سربلندی کے لیے لڑیں گے، ظلم کو مٹانے کے لیے لڑیں گے، زیادتی کو روکنے کے لیے لڑیں گے تو تائید باری انہی کے ساتھ ہوگی۔

جنگ اور جہاد میں یہی فرق ہے جنگ ہوتی ہے دشمن کو نیچا دکھانے کے لیے اس کے وسائل تباہ کرنے کے لیے، اس کی افرادی قوت کم کرنے کے لیے تاکہ وہ سر اٹھانے کے قابل نہ رہے۔ ان کے گھر اجاڑ دیے جائیں شہر ویران کر دیئے جائیں تاکہ وہ کبھی سر اٹھانے کے قابل نہ رہیں لیکن اسلام میں اس طرح کی جنگ کی گنجائش نہیں ہے۔ اسلام نے جنگ کو جہاد کہا ہے۔ جہاد کا لفظی ترجمہ ہے بہتری کی طرف کوشش، محنت، تو جہاد ہوتا ہے زیادتی اور ظلم کو روکنے کے لیے۔ چونکہ یہ اللہ کی خاطر ہے اس میں کسی کو کوئی ذاتی لالچ نہیں ہے اپنے غلبے کا شوق نہیں ہے، کسی ملک گیری کی ہوس نہیں ہے بلکہ محض ظلم کو روکنے کے لیے اللہ کی رضا کے لیے ہے تو پھر جو لوگ ظلم کی حمایت میں تلوار اٹھائیں گے ان کے ساتھ جہاد ہوگا جو تلوار نہیں اٹھائیں گے انہیں نہیں چھیڑا جائے گا سو اگر تم میں سے سو مومن بھی ایسے ہوں گے تو وہ ایک ہزار کافر پر غالب آ جائیں گے اس لیے کہ کافر بے شعور ہیں بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿۶۵﴾ یہ احمق قوم ہے، سمجھ نہیں رکھتے۔ یعنی اللہ کی کائنات میں اللہ کی مخلوق پر ظلم کرنے والے احمق ہیں، بیوقوف ہیں یہ سمجھ نہیں رکھتے، ان میں تفقہ نہیں ہے، ان میں شعور نہیں ہے۔ قرآن حکیم نے بڑی عجیب بات بتائی ہے کہ شیطان بندے کی سمجھ الٹ دیتا ہے برائی اسے بھلی معلوم ہونے لگتی ہے اور غلطی پر فخر کرنے لگتا ہے۔ آج بھی ہم دیکھتے ہیں ایسے لوگ ہیں جو ظلم کر کے فخر کرتے ہیں۔ لوٹ کر فخر کرتے ہیں کہ میں نے اتنے پیسے لوٹ لیے۔ لوگوں کو قتل کر کے فخر کرتے ہیں کہ میں نے اتنے بندے مار دیے تو یہ وہی کافروں والی صفت ہے کہ لَّا يَفْقَهُوْنَ ان میں تفقہ نہیں ہے، سمجھ نہیں ہے، جانتے نہیں ہیں۔ جاہل اور نہ جاننے بوجھنے والا بندہ کمزور ہوتا ہے شکست کھا جاتا ہے۔

مرورِ زمانہ سے کمزوری آئے گی لیکن غالب مسلمان ہی ہوں گے!

پھر ارشاد فرمایا اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ؕ اب اللہ نے تم پر بوجھ کم کر دیا اور جان لیا کہ تم میں کچھ کمزوری ہے۔ اس آیت کا حکم تو ہمیشہ کے لیے تھا لیکن ظاہر ہے جو قوت عہد نبوی ﷺ میں ہے وہ بعد میں تو نہیں رہے گی اور جوں جوں فاصلہ بڑھے گا توں توں وہ قوت کم ہوتی جائے گی آج دیکھ لیں کہ ہم اسلام کے دعوے دار بھی ہیں لیکن ساڑھے چودہ سو سال ہمارے اور نبی اکرم ﷺ کے درمیان حائل ہو گئے۔ اس لمبے فاصلے نے ہمارے ایمان و یقین کو کس قدر کمزور کر دیا ہے، کتنا متزلزل کر دیا ہے ہمارا کردار کس قدر کمزور ہو گیا ہے۔ زمانہ حالات کو بدل دیتا ہے۔ مرورِ زمانہ بہت سی تبدیلیاں لاتا ہے کسی عرب شاعر نے کہا تھا

کنا کزوج حمامۃ فی ایکۃ
متمعین بصحۃ و شبابی
دخل الزمان بناو فرق بینینا
ان الزمانَ مفرق الاحبابی

ہم تو کبوتروں کے جوڑے کی طرح مثالی محبت سے ایک اچھے گھونسلے میں، اچھی جگہ رہتے تھے اور خوش تھے۔ ہمارے درمیان زمانہ در آیا اس نے ہمیں جدا کر دیا تو وہ کہتا ہے یقیناً زمانہ دوستوں کو دوستوں سے جدا کر دیتا ہے ہمارا بھی آج کا المیہ یہی ہے کہ ہم نبی کریم ﷺ کی ذات ستودہ صفات اور آپ ﷺ کی برکات سے بہت دور ہو گئے، ساڑھے چودہ سو سال درمیان میں آ گئے، چودہ سو تیس، اکتیس سال درمیان میں آ گئے۔ اس صدیوں کے فاصلے نے ہمارے رشتے کمزور کر دیئے ہیں۔ الحمد للہ ہمیں کلمہ نصیب ہے ہمارا اللہ کی توحید، حضور ﷺ کی رسالت، قرآن کی صداقت، ضروریات دین پر ایمان ہے لیکن وہ ایمان اتنا کمزور ہے کہ ہمیں نافرمانی سے روک نہیں سکتا۔ ایمان کا مطلب تو یہ ہے کہ اس کے مطابق عمل کیا جائے لیکن ہم دعویٰ کرتے ہیں، ہمارا یہ عقیدہ ہے، ہم مسلمان ہیں لیکن ہمارا کردار اس سے بالکل مختلف ہے۔ یہ فاصلہ مرورِ زمانہ نے، صدیوں کی اس گزرگاہ نے ہمارے درمیان فرقت ڈال دی آج بھی اگر کوئی حلال کھائے، سچ بولے اور اللہ کا ذکر کرے اور خود کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب سے مشرف کرنے کی کوشش کرے یہ فاصلے مٹانے کی کوشش کرے تو آج بھی وہی حالات پیدا ہو سکتے ہیں کہ آج بھی رسالت محمد رسول اللہ ﷺ کی ہے۔ نبوت آج بھی آپ ﷺ ہی کی ہے جو کلمہ آج ہم پڑھتے ہیں وہی ہے کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ آج بھی جو کلمہ ہم پڑھتے ہیں اس میں یہ لفظ تو نہیں آتا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول تھے۔ یہ تو کوئی نہیں کہتا۔ آج بھی ہم یہی کہتے ہیں

حضور ﷺ اللہ کے رسول ہیں تو جب آپ آج بھی اللہ کے رسول ہیں تو وہ ساری برکات جو عہد نبوی میں تھیں آج بھی اس طرف موجود ہیں، کمی ہے تو ہماری طرف سے ہے۔ جو برکات اس وقت تھیں اور اس زمانے کے لوگوں نے حاصل کیں ان میں کمی نہیں ہے آج بھی وہی برکات ہیں آج بھی وہی تائید باری ہے۔ آج بھی آپ ﷺ رحمۃ اللعالمین ہیں۔ سب جہانوں کے لیے اللہ کی رحمت ہیں۔ وجود نبی کریم ﷺ آج بھی رحمت کا بحر زخار ہے، ناپیدا کنار سمندر ہے۔ ہم محروم ہو گئے ہم اس سمندر سے بہت دور چلے گئے۔ اگر ایک دن کو ایک قدم شمار کریں اور چودہ سو اکتیس سالوں کا شمار کریں تو ہم اتنا فاصلہ دور چلے گئے۔ اب اگر ہم واپسی کا سفر شروع کریں اور اپنے ایمان میں وہ قوت پیدا کریں اور وہ حق اطاعت ادا کریں جو عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ کے خدام کیا کرتے تھے تو آج بھی زمانہ پلٹ سکتا ہے۔ آج بھی وہ وقت آ سکتا ہے۔ تو مرور زمانہ سے مقابلہ انسانی زندگی کا سب سے سخت مقابلہ ہے کہ وقت بدل جائے، حالات بدل جائیں، شب و روز بدل جائیں، ذرائع بدل جائیں لیکن انسان کا کردار نہ بدلے یہ توفیق الٰہی ہے۔ یہ توفیق باری تعالیٰ ہے وہ کسی کو یہ ہمت دے تو خود کو پھر ان لوگوں کے اتباع میں مدغم کر دے۔ یاد رہے قرآن کریم نے مسلمانوں کے تین طبقے شمار کیے ہیں۔ وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ (التوبہ:100) یہ مسلمانوں کے تین طبقے، تین درجے ہیں۔ سبقت لے جانے والے مہاجرین جنہوں نے مکہ مکرمہ میں ایمان قبول کیا اور پھر ایمان کے ساتھ ہجرت فرمائی وَالْاَنْصَارِ دوسرا طبقہ وہ ہے جنہوں نے ان کی مدد کی ان کو سینے سے لگایا اور مدینہ منورہ میں انہیں جگہ دی۔ دو طبقے ہیں مہاجر اور انصار تیسرا طبقہ عہد نبوی ﷺ سے لے کر قیامت تک کا وہ ہے وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ جو ان کے نقوش کف پا پہ چلا جس نے ان کی پیروی کی۔ جس نے ان جیسا عقیدہ رکھا اور ان جیسا عمل کیا۔ چوتھا کوئی طبقہ مسلمانوں کا نہیں ہے۔ قیامت تک تین ہی طبقے ہیں۔ ایک طبقہ مہاجرین کا ہے، دوسرا طبقہ انصار کا ہے اور تیسرا تب سے لے کر قیامت تک جہاں بھی جس کسی نے خلوص دل سے پیروی کر لی وہ انہی رحمتوں کو پالے گا، انہی برکات کو پالے گا اس تائید باری کو پالے گا۔ تو فرمایا مرور زمانہ سے کمزوری آئے گی اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ تو اللہ نے بھی آپ پر بوجھ کم کر دیا اے مسلمانو وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا اور اللہ جانتا ہے کہ تم میں کمزوری آئے گی فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ اگر تم میں مِائَتَيْنِ ایک سو صابر لوگ ہوئے تو وہ دو سو پر غالب آ جائیں گے اور اگر ایک سو صابر ہوں گے تو ایک ہزار پر غالب آئیں گے لیکن کمزوری بھی آتی گئی تو کم تر درجہ یہ ہے کہ سو مسلمان ہوں گے تو دو سو کافروں پر غالب آ جائیں گے لیکن رہیں گے غالب ہی۔ اب اگر بات اس سے بھی بڑھ گئی اور مسلمان

کہلانے والے کافروں کے غلام بن گئے تو ہمیں سوچنا پڑے گا کہ ہم میں مسلمانی ہے بھی کہ نہیں۔ جس حال سے ہم گزر رہے ہیں کہ ہمارے فیصلے بھی غیر ملکی طاقتیں کریں، ہماری پالیسیاں بھی غیر ملکی طاقتیں بنائیں، ہمارا نظام عدالتی ہو یا معاشی ہو یا سیاسی ہو وہ بھی غیر ملکی قوتیں بنائیں اور ہم اس کے پیچھے چلتے رہیں، اسی کا اتباع کرتے رہیں تو پھر ہمیں سوچنا پڑے گا کہ کیا ہم مسلمان ہیں بھی یا نہیں پھر ہمیں اپنے بارے سوچنا پڑے گا چونکہ مسلمان کی خاصیت ہی یہ ہے کہ وہ مہاجر وانصار کا پیروکار ہوگا۔ وَالسّٰبِقُوۡنَ الۡاَوَّلُوۡنَ مِنَ الۡمُهٰجِرِيۡنَ وَالۡاَنۡصَارِ دو گروہ سبقت لے جانے والے ہیں اور پہلے پہلے والے ہیں مہاجرین کا اور انصار کا گروہ اب ان کے بعد قیامت تک وَالَّذِيۡنَ اتَّبَعُوۡهُمۡ بِاِحۡسَانٍ ۙ رَّضِىَ اللّٰهُ عَنۡهُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡهُ (التوبہ:100) جو ان کی پیروی کرے گا اللہ اس پر راضی ہوگا اور ان کی اتنی مدد فرمائے گا کہ وہ بھی ان پر راضی ہوں گے خوش ہوں گے کہ اللہ تیرا بڑا احسان ہے۔

ایمان کا تقاضا:

ایمان کا تقاضا تو یہ ہے کہ بندہ اللہ کی نعمتوں کا شکر گزار ہو اور مصائب میں رجوع الی اللہ کرے لیکن قوم میں اکثریت اللہ سے ناراض نظر آئے گی۔ آپ اگر ٹھنڈے دل سے لوگوں کی باتیں سنیں اور غور کریں تو آپ دیکھیں گے کہ اکثریت اللہ سے ناراض ہے۔ انہیں اللہ سے شکوہ ہے کہ میرا یہ کام بگڑ گیا میرا وہ کام بگڑ گیا، مجھے فلاں تکلیف یا فلاں بیماری نے آ لیا۔ ایمان کا تقاضا تو یہ ہے کہ اللہ بھی بندے پر راضی ہوا سے اتنا انعام واکرام ملے اتنا اس پر اللہ کا کرم ہو کہ وہ اللہ پر راضی ہو۔ تو ہم اگر اللہ سے خفا بیٹھے ہیں تو ہمیں یہ سوچنا ہوگا کہ کیا ہم مسلمان ہیں؟ اس کے دو معیار ہیں۔ ایک بنیادی معیار ہے عقیدہ۔ ہمیں دیکھنا یہ ہوگا کہ کیا میرا عقیدہ وہی ہے جو آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم فرمایا یا اس میں کوئی فرق آ گیا۔ اگر عقیدے میں ہی فرق آ گیا تو پھر عمل کا اعتبار ہی ختم ہو گیا جب عقیدہ ہی نہیں ہے تو عمل کی حیثیت ہی ختم ہوگئی۔ عقیدے کے بعد عمل کی باری آتی ہے پھر ہمیں سوچنا ہوگا کہ کیا میرا عمل میرے عقیدے کے مطابق ہے؟ عقیدہ تو یہ ہے کہ اللہ میرے پیدا کرنے والا بھی ہے، میرا خالق بھی ہے۔ اللہ میرا رازق بھی ہے، اللہ مجھے نفع بھی پہنچانے والا ہے اور اگر کوئی نقصان ہو رہا ہے تو وہ بھی وہی ذات ہے جو کر سکتی ہے دوسرا کوئی نہیں کر سکتا وہی نافع بھی ہے، رازق بھی ہے، مالک بھی ہے۔ خالق بھی ہے، الرحم الرحمین بھی ہے اور کریم بھی ہے لیکن ہم کہنے کو تو کہتے ہیں اللہ رازق ہے لیکن اس کی اطاعت نہیں کرتے اور اس کے حکم کے خلاف دوسروں کا حکم مانتے ہیں اس امید پر کہ مجھے یہاں سے نفع ہوگا تو پھر عمل میں اور عقیدے میں تو تضاد آ گیا۔ پھر تو بات بگڑ گئی چونکہ نتیجہ تو عمل پر نکلے گا کہنے پر نہیں۔ ہم دعوٰی کرتے ہیں ہم مسلمان ہیں یہ کہنے کی بات ہے ہمارے عمل نے ثابت کرنا ہے کہ ہم واقعی مسلمان ہیں جیسے کہنے کو ایک بندہ کہتا رہے کہ میں نے کھانا کھا لیا لیکن یہ کہنے سے اس کا پیٹ نہیں بھرے گا جب کھانا کھائے گا تو بھوک مٹے گی۔ نتیجہ عمل پر مرتب ہوتا ہے۔

کہنے کو ہم کہتے رہیں ہم مسلمان ہیں لیکن ہم غلامی کافروں کی قبول کرلیں ان جیسے حلیے بنالیں، ان جیسی پالیسیاں بنا لیں ان جیسی تہذیب اختیار کرلیں، ان جیسا ماحول بنالیں، ان جیسی معاشرت اور معیشت اختیار کرلیں تو پھر مسلمانی کہاں رہی اور اس کا نتیجہ سوائے ذلت کے کچھ بھی نہیں ہوگا۔ اللہ ہمیں معاف فرمائے ہم آج اسی ذلت میں گرفتار ہیں۔ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ۔ فرمایا تمہارا ایک ہزار آدمی اللہ کی تائید اور نصرت سے دو ہزار پر غالب ہوگا۔ اس لیے کہ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ﴿۶۶﴾ صبر کرنے والوں کو اللہ کی ذاتی معیت، اللہ کا ساتھ نصیب ہوتا ہے اور جس کے ساتھ اللہ ہو وہ مغلوب نہیں ہوسکتا لیکن یہ معیت اللہ کی طرف سے تو ذاتی ہے بندے کی طرف سے اس کی صفت کے ساتھ مشروط ہے۔ اگر وہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت پر جم جائے گا، نافرمانی نہیں کرے گا تو پھر اللہ ذاتی طور پر اس کے ساتھ ہے اور وہ مغلوب نہیں ہوسکتا وہ غالب رہے گا اس پر اللہ کا رحم رہے گا اللہ کا کرم رہے گا اور بے شمار نعمتیں اسے نصیب ہوں گی۔

تاریخ اسلام کا حق و باطل کا پہلا معرکہ بدر ہے جس کا ذکر قرآن حکیم میں بڑی وضاحت سے آیا ہے جس میں باطل کو شکست فاش ہوئی۔ چوٹی کے ستر کافر قتل ہوئے اور ستر ہی گرفتار ہوئے۔ یعنی مشرکین مکہ کی آدھی قیادت تو قتل ہوگئی اور آدھی جنگی قیدی بن گئی۔ جب قیدیوں کا معاملہ آیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے مشورہ فرمایا سیدنا فاروق اعظمؓ اور سعد بن معاذؓ نے یہ مشورہ عرض کیا کہ ان ستر کو قتل کردیا جائے اور جوان کا قریبی رشتہ دار مسلمانوں میں سے ہے وہ ان کو قتل کرے۔ باقی صحابہ کرامؓ نے یہ مشورہ دیا کہ ان سے فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دیا جائے تو مسلمانوں کی کچھ مالی مدد بھی ہوجائے گی ریاست کا حال بھی سنبھل جائے گا معاشی فراخی آجائے گی۔ اگر یہ پھر بدعہدی کریں گے اور پھر واپس جاکر دھوکا دینے کی کوشش کریں گے تو انہوں نے پہلے لڑ کے دیکھ لیا پھر بھی ان سے لڑکر دیکھ لیں گے۔ حضور اکرم صلی لالہ علیہ وسلم نے دوسرے مشورے کو پسند فرمایا اور فیصلہ یہ ہوا کہ ان کو فدیہ لے کر آزاد کر دیا جائے۔ فدیہ مقرر ہوگیا اور وہ اپنا اپنا فدیہ ادا کرتے اور چھوڑ دیئے جاتے۔ کچھ رہ گئے جن کے پاس دینے کے لیے رقم نہیں تھی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم مدینہ منورہ کے بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دو یہی تمہارا فدیہ ہے۔ اس زمانے میں مکہ مکرمہ میں لکھنے پڑھنے والے لوگ تھے لیکن مدینہ منورہ میں لکھنا پڑھنا بہت کم لوگوں کو آتا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مدینہ منورہ کے بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دو۔ یہاں ایک سبق اور بھی ہے کہ کیا مشرکین مکہ نے مدینہ منورہ کے بچوں کو دینی تعلیم دینی تھی؟ ہرگز نہیں۔ وہ تو دین پر یقین نہیں رکھتے تھے وہ تو دین سے خود واقف نہیں تھے۔ ظاہر ہے دنیاوی تعلیم ہی دینی تھی۔ اس کا مطلب ہے دنیاوی تعلیم بھی اتنی ہی اہم ہے جتنی دینی تعلیم ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پاک ہے العلم علمان کہ مکمل علم کے دو حصے ہیں۔ علم الادیان و علم الابدان. اوکمال قال رسول اللہ ﷺ۔ عقائد اخلاقیات، ایمانیات کا علم ادیان کا علم ہے جسے انگریزی میں (Normative Sciences) کہتے ہیں۔ یہ علم کا ایک حصہ ہے۔ علم کا دوسرا حصہ علم

الابدان ہے جسے اردو میں مادی علوم اور انگریزی میں (Physical Sciences) کہتے ہیں۔ یہ دونوں مل جائیں تو پورا علم بنتا ہے۔ انسان عقائد سے بھی واقف ہو، اسلامی احکام سے بھی واقف ہو۔ قرآن وحدیث کو بھی سمجھے اور دنیا کے امور سے بھی واقف ہو۔ لکھنا پڑھنا جانتا ہو، کام کرنا جانتا ہو، گاڑی چلانا جانتا ہو، جہاز اڑانا جانتا ہو، سیاست کرنا جانتا ہو، فیصلے کرنا جانتا ہو، معیشت جانتا ہو، معاشرت جانتا ہو تو یہ دونوں شعبے ضروری ہیں۔ ہماری بدنصیبی یہ ہے کہ ہمارا نظام تعلیم ایسا ہے کہ ظاہری علوم کی طرف جاؤ تو وہاں دین نہیں ملتا اور دینی مدارس میں جائیں تو وہاں دنیاوی علوم نہیں ملتے اگرچہ اب کچھ نہ کچھ علماء کو الحمدللہ یہ خیال آگیا ہے اور اب ایسے دینی مدارس ہیں جہاں دنیاوی علوم بھی پڑھائے جاتے ہیں اور یہ بہت ضروری ہے۔

تو یہ فیصلہ جو تھا یہ دنیاوی اعتبار سے مسلمانوں کی بہتری کے لیے تھا تو ارشاد ہوا مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ ۔ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کو یہ زیب نہیں دیتا کہ جب کافروں کی قیادت مسلمانوں کے ہاتھ قید ہو جائے تو انہیں پھر چھوڑا جائے یا فدیہ لے کر رہا کیا جائے ان کا علاج یہ ہے کہ انہیں قتل کر دیا جائے۔ ان کا خون بہایا جائے۔ قرآن کریم نے یہ بھی بڑا خوبصورت فلسفہ دیا ہے اور اقوام عالم نے بھی اس کو سمجھا ہے کہ جتنی باتیں کسی قوم کی سربلندی یا اس کی قوت یا اس کی طاقت کی ہوتی ہیں تو دراصل کمال قیادت کا ہوتا ہے۔ لوگوں میں کام کرنے کی قوت ہوتی ہے، استعداد کار ہوتی ہے لیکن کوئی بندہ چاہیے، کوئی قائد چاہیے، کوئی لیڈر چاہیے، کوئی سربراہ چاہیے، کوئی قیادت چاہیے جو ان کے ان اوصاف کو استعمال کرنے کا سلیقہ جانتا ہو جو انہیں آگے لے کر لے جائے۔ ایک انگریزی کا محاورہ ہے Destroy the shepherd and the sheep will leave him۔ شمالی انگلستان میں جب بغاوت ہوئی اور باغیوں نے، غلاموں نے، کمزور لوگوں نے اور کسانوں نے بہت سا علاقہ چھین لیا چونکہ چھوٹی چھوٹی ریاستیں تھیں ایک ایک دو، دو گاؤں کی حکومتیں تھیں تو انہوں نے بہت سی حکومتیں شمالی برطانیہ میں چھین لیں بلکہ جنوبی برطانیہ اور لندن پر حملے کی تیاری کر رہے تھے تو انگلینڈ کے حکمران نے ایک شمالی حکمران سے کہا کہ ان کا جو لیڈر ہے اگر اسے دھوکے سے پکڑ لیں تمہارے حوالے کر دیں تو یہ بغاوت خود ختم ہو جائے گی وہ شخص میرے بیٹے پر اعتبار کرتا ہے تو اسے ہم بلائیں گے وہ ہمارے ہاں آجائے گا ہم دھوکے سے گرفتار کر لیں گے آپ کو دے دیں گے اس نے کہا لیکن ایک بندے سے کیا ہوگا اس کے ساتھ تو ایک بہت بڑا لشکر ہے تو اس انگریز نے ایک بڑا تاریخی جملہ کہا تھا Destroy the shepherd of the sheep and will leave him. کہ چرواہے کو تباہ کر دو بھیڑیں بھاگ جائیں گی۔ اس نے کہا اس ایک بندے کو قتل کر دو سارا لشکر منتشر ہو جائے گا اور وہی ہوا انہوں نے اسے دھوکے سے گرفتار کر لیا اور شاہ انگلستان کے سپرد کیا۔ اس نے اسے قتل کر دیا اور وہاں پوری موومنٹ (Movement) ختم ہوگئی۔ یہی فوجی قاعدہ یہاں ارشاد ہو رہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کو یہ زیب نہیں دیتا کہ مکہ کے کفار کی

قیادت کرنے والے لیڈر جو آپ کے قیدی بن گئے تھے انہیں فدیہ لے کر چھوڑ دیا جاتا۔ اس میں دنیاوی فائدہ تو ہے جس طرف آپ لوگوں کی صحابہ کرامؓ کی نگاہ گئی تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۖ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۭ لیکن اللہ تو دائمی بھلائی چاہتے ہیں جس میں دنیاوی بھلائی بھی ہو اور اخروی بھلائی بھی ہو اور اگر یہ ستر قیدی بھی قتل ہو جاتے تو پھر دوبارہ جا کر اہل مکہ کو اکسا کر احد میں لانے والا اور خندق میں لانے والا کوئی نہ رہتا۔ یہ مصیبتیں نہ آتیں اور یہ قصہ یہیں ختم ہو جاتا۔ اللہ غالب ہیں، حکمت والے ہیں۔

اللہ کریم نے دنیا کا ایک نظام بنایا ہے اور اپنی حکمت سے بنایا ہے اور اس میں نتائج اسباب سے پیدا ہوتے ہیں۔ اسباب میں بھی نتائج وہ خود پیدا کرتا ہے لیکن اس کا قاعدہ یہ ہے کہ دنیا میں اسباب اختیار کیے جائیں اور ان اسباب پر نتائج مرتب ہوتے ہیں۔ اگر یہ ستر سردار جو قید ہوئے تھے قتل ہو جاتے تو واپس جا کر قوم کو اکسانے والا، جمع کرنے والا، اہتمام کرنے والا کوئی نہ رہتا پھر نہ یہ احد میں حملہ کرنے والے ہوتے نہ خندق میں آتے تو بغیر ان جنگوں کے مکہ مکرمہ شاید فتح ہو جاتا اور لوگ مسلمان ہو جاتے لیکن جب مسلمانوں نے انہیں چھوڑ دیا تو انہوں نے واپس جا کر پھر جنگی تیاریاں کرنی شروع کر دیں اور وہ تکلیف بنی۔ تو اللہ غالب ہے لیکن جو عمل آدمی کرتا ہے نتائج اس پر مرتب فرماتے ہیں۔ تو فرمایا چونکہ غنیمت حلال کر دی گئی تھی تو جو فدیے دیئے گئے یہ بھی غنیمت کا حصہ تھے۔ لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿٦٨﴾ مسلمانو اگر اللہ نے یہ فیصلہ نہ دے دیا ہوتا کہ غنیمت حلال ہے تو فدیہ لینے پر تمہیں اللہ کی طرف سے سزا دی جاتی۔ چونکہ یہ فیصلہ ہو چکا ہے اور یہ پہلی دفعہ حضور اکرم ﷺ اور آپ کی امت پر غنیمت حلال ہوئی اس سے پہلے جتنے انبیاءؑ نے جہاد کیے اس میں جو مال غنیمت آتا تھا وہ میدان میں رکھ دیا جاتا تھا آسمان سے آگ آتی پھر اسے جلا کر خاکستر کر دیتی اور بعض اوقات ایسا بھی ہوتا کہ مال میدان میں رکھا جاتا اور آگ نہ آتی تو پھر اسے کوئی نہیں چھوتا تھا کہ یہ منحوس ہے اور یہ اتنا بے برکت ہے کہ اسے آگ نے بھی اگر نہیں جلایا تو وہ وہاں پڑا پڑا ضائع ہو جاتا تھا۔ یہ بھی حضور اکرم ﷺ کے طفیل امت محمدیہ پر اللہ کریم نے غنیمت حلال فرمائی۔ ارشاد ہو رہا ہے یہ تو فیصلہ پہلے ہو چکا لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ اگر پہلے فیصلہ اللہ کی طرف سے نہ ہو چکا ہوتا لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿٦٨﴾ جو فدیہ لے کر آپ نے بندے چھوڑے ہیں اے مسلمانو! اس پر اللہ آپ پر سختی فرماتے، عذاب نازل فرماتے، سزا دیتے، بڑی سزا واقع ہوتی لیکن اب چونکہ غنیمت حلال ہو چکی ہے فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ اللہ نے حلال فرما دیا ہے سو جو غنیمت نصیب ہوئی ہے حلال بھی ہے، طیب بھی ہے، پاکیزہ بھی ہے لہٰذا آپ کھائیں وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ لیکن یاد رکھو ہمیشہ اللہ کی اطاعت کرتے رہو اور اللہ کی نافرمانی سے ڈرتے رہو اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٦٩﴾ بے شک وہ بہت بڑا بخشنے والا اور بہت بڑا رحم کرنے والا ہے۔ اس کی شان تو ہمیشہ بخشنا اور رحم کرنا ہے لیکن بندے کو بھی تقویٰ اختیار کرنا چاہیے کہ اس کی نافرمانی سے پرہیز کرے اور اطاعت اختیار کرے اور اس کی بخشش کو پالے۔

سورۃ الانفال رکوع 10 آیات 70 تا 75

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْٓ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰٓى ۙ اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ
خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّآ اُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۷۰
وَاِنْ يُّرِيْدُوْا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ ۭ وَاللّٰهُ
عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۷۱ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ
وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰۗىِٕكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاۗءُ
بَعْضٍ ۭ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ
حَتّٰى يُهَاجِرُوْا ۚ وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰي
قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝۷۲ وَالَّذِيْنَ
كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاۗءُ بَعْضٍ ۭ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ
وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ ۝۷۳ۭ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۭ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ
كَرِيْمٌ ۝۷۴ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰۗىِٕكَ
مِنْكُمْ ۭ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ
بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝۷۵ۧ

اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کے قبضہ میں جو قیدی ہیں ان سے فرما دیجئے کہ اگر اللہ تمہارے دلوں میں نیکی پائیں گے (تم نیک ہو جاؤ گے) تو جو کچھ تم سے لیا گیا ہے (فدیہ میں) تم کو اس سے بہتر عطا فرما دیں گے اور تمہارے گناہ معاف فرما دیں گے اور اللہ بڑی بخشش والے رحمت والے ہیں ﴿۷۰﴾ اور اگر یہ لوگ آپ سے خیانت کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں تو (فکر نہ کریں) اس سے پہلے انہوں نے اللہ سے خیانت (بد عہدی) کی تھی تو اللہ نے ان کو گرفتار کرا دیا اور اللہ خوب جاننے والے بڑی حکمت والے ہیں ﴿۷۱﴾ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جان سے لڑے اور وہ جنہوں نے (ہجرت کرنے والوں کو) جگہ دی اور مدد کی یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کے دوست (وارث) ہیں اور جو لوگ ایمان تو لائے مگر ہجرت نہیں کی تو تم لوگوں کو ان کی دوستی (وراثت) سے کوئی سروکار نہیں یہاں تک کہ وہ ہجرت کریں اور اگر وہ دین کے معاملے میں تم لوگوں سے مدد مانگیں تو تمہارے ذمہ مدد کرنا (واجب) ہے مگر اس قوم کے مقابلے میں (نہیں) کہ ان میں اور تم میں باہم معاہدہ ہو اور اللہ تمہارے سب کاموں کو دیکھتے ہیں ﴿۷۲﴾ اور جو لوگ کافر ہیں وہ باہم ایک دوسرے کے دوست (وارث) ہیں اور اگر تم اس (حکمِ مذکورہ) پر عمل نہ کرو گے تو دنیا میں فتنہ اور بڑا فساد پھیلے گا ﴿۷۳﴾ اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں لڑے اور جن لوگوں نے (ان کو) جگہ دی اور (ان کی) مدد کی یہی لوگ ایمان کا پورا پورا حق ادا کرنے والے ہیں ان کے لیے (آخرت میں) بخشش ہے اور عزت والی روزی ہے ﴿۷۴﴾ اور جو لوگ (ہجرت نبوی کے) بعد کے وقت میں ایمان لائے اور ہجرت کی اور تم لوگوں کے ساتھ ہو کر جہاد (لڑائی) کیا سو وہ بھی تم ہی میں سے ہیں اور رشتہ دار اللہ کے حکم سے ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں بے شک اللہ ہر چیز کو خوب جانتے ہیں ﴿۷۵﴾

تفسیر و معارف

یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّمَنْ فِیْٓ اَیْدِیْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰٓی ۙ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے قبضہ میں جو قیدی ہیں ان سے فرما دیجئے اِنْ یَّعْلَمِ اللّٰهُ فِیْ قُلُوْبِكُمْ خَیْرًا یُّؤْتِكُمْ خَیْرًا مِّمَّآ اُخِذَ مِنْكُمْ وَیَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ اگر اللہ کریم تمہارے دلوں میں نیکی پائیں گے تو جو کچھ تم سے لیا گیا ہے تم کو اس سے بہتر عطا فرما دیں گے اور تمہارے گناہ معاف کر دیں گے اللہ کریم بڑی بخشش والے اور بڑا رحم فرمانے والے ہیں۔ بدر میں جو لوگ قید ہوئے اور ان سے فدیہ لے کر آزاد کیا گیا تو ان کے بارے نبی کریم ﷺ کو ارشاد ہوا کو کہ ان سے فرما دیجئے کہ اگر اب بھی تم اپنے دلوں کی اصلاح کر لو تو اللہ تمہارے گناہ معاف کر دیں گے۔

اعمال کا مدار دلی کیفیات، قلبی کیفیات پر ہوتا ہے۔ اگر دل صاف نہ ہو تو اعمال صرف دکھاوا رہ جاتے ہیں کوئی بھی عمل ہو اس کا دل کے ساتھ کیا جانا ضروری ہے اور کوئی خواہ کتنا بھی جرم کر لے علاج پھر توبہ ہی ہے۔ کتنی بھی غلطی ہو جائے، کتنی بھی خطا ہو جائے اس کا علاج توبہ ہی ہے۔ اب یہ لوگ جو بدر میں قید ہوئے یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وعلی الہ وسلم کو اس قدر ایذا پہنچائی کہ مکہ مکرمہ میں آپ کا رہنا دشوار کر دیا اور ہجرت پر مجبور کر دیا اور پھر اس پر بس نہیں کیا مدینہ منورہ میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اور مسلمانوں کے لیے مسائل پیدا کرتے رہے حتی کہ تلواریں لے کر اور اسلام کو مٹانے کے لیے چڑھ دوڑے۔ اب اس سے بڑا جرم اور اس سے بڑے گناہ کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ یہ اتنا بڑا جرم تھا لیکن رحمت الٰہی بہت وسیع ہے۔ فرمایا اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم آپ ﷺ ان سے فدیہ لے کر انہیں رہا تو فرما رہے ہیں لیکن انہیں یہ بات بھی سنا دیجئے، یہ بات بھی ان تک پہنچا دیجئے، انہیں سمجھا دیجئے کہ اگر تم اپنے قلوب کی اصلاح کر لو، اگر اللہ تمہارے دلوں میں نیکی پائیں گے یعنی تم نیک ہو جاؤ گے یعنی اگر تم دلی طور پر توبہ کر لو تو اللہ کو معاف کرنے والا پاؤ گے۔ جب تک موت نہیں آ جاتی توبہ کا دروازہ بند نہیں ہوا کسی کو بھی اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہیے تم نے جو جرم کیا ہے وہ بہت بڑا ہے لیکن اللہ کریم کی رحمت اس سے وسیع تر ہے۔ یہ اسلام کا ایک بنیادی اصول ارشاد فرمایا جا رہا ہے کہ اسلام نسل انسانی کا دشمن نہیں ہے کسی بھی انسان سے اسلام کو دشمنی نہیں ہے اور اسلام میں جو جہاد کیا جاتا ہے وہ ظلم کے خلاف ہے، ظالم کو ظلم سے روکنے کے لیے کیا جاتا ہے۔ کوئی بھی شخص تائب ہو کر اپنی اصلاح کر لے یا ظلم سے باز آ جائے تو اس کے خلاف جہاد نہیں ہوگا۔ اگر وہ غیر مسلم بھی ہے تو امن سے رہے گا۔ لیکن اگر اس کے دل کی اصلاح ہو جائے اور خلوص قلب سے اللہ کی الوہیت اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو قبول کر لے تو

وہ مسلمان ہے۔اور خلوص دل سے قبول کرنے کی دلیل کیا ہے؟ خلوص دل سے قبول کرنے کی دلیل اس کا کردار ہو گا جو خلوص دل سے اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتا ہے تو اللہ کریم تو دلوں کے بھیدوں سے واقف ہے۔تمہارے دلوں میں نیکی آ گئی اور تم نے توبہ کر لی تو اس بات کی فکر نہ کرو کہ جنگ میں تمہارا خرچہ ہوا تمہیں فدیہ بھی دینا پڑا، تمہارا مال چلا گیا۔ یاد رکھو جو کچھ تم نے دیا ہے اللہ اس سے زیادہ تمہیں دینے پر قادر ہے۔ دنیاوی طور پر بھی تمہیں خوش حال فرمادے گا وَیَغْفِرْ لَکُمْ جو کچھ تم سے لیا گیا اس سے زیادہ تمہیں عطا کر دے گا اور تمہارے گناہ بھی معاف کر دے گا وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿٧٠﴾ کہ صرف اللہ ہی وہ ذات ہیں جو بڑی بخشش والے اور بڑی رحمت والے ہیں۔ اللہ کریم کی اکیلی ذات ہے جو معاف بھی فرما دیتے ہیں بخش بھی دیتے ہیں اور مزید رحمت فرماتے ہیں اور اپنی طرف سے انعام و اکرام سے بھی نوازتے ہیں۔ وَاِنْ یُّرِیْدُوْا خِیَانَتَکَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰہَ مِنْ قَبْلُ فَاَمْکَنَ مِنْھُمْ ؕ اور اگر یہ فدیہ دے کر آزاد ہو جائیں اور اس کے بعد پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بد دیانتی کریں۔اسلام کی مخالفت کریں اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت پر کمربستہ ہو جائیں تو اس سے پہلے بھی تو یہ اللہ سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے خیانت کر چکے ہیں اس سے پہلے بھی تو انہوں نے خیانت کی، اللہ کے فرامین کو نہیں مانا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اقرار نہیں کیا، آپ ﷺ کو ایذائیں دیں آپ ﷺ کو ہجرت پر مجبور کیا پھر لشکر لے کر چڑھ دوڑے تو کیا ہوا فَاَمْکَنَ مِنْھُمْ ؕ اللہ نے انہیں قید کرا دیا مسلمانوں کے ہاتھوں شکست ہوئی ذلت سے دوچار ہوئے جو مارے گئے سو مارے گئے باقی قید ہو گئے اور آج فدیے دے کر آزاد ہو رہے ہیں۔ اگر پھر بد دیانتی کریں گے پھر بدعہدی کریں گے تو اللہ قادر ہے وہ پھر انہیں رسوا کرے گا۔

انسان جس قدر بھی سرکشی کرے وہ اس کی اپنی رسوائی کا سبب بنتی ہے اس کا نتیجہ خود اس کو بھگتنا پڑتا ہے اس لیے کہ وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ ﴿٧١﴾ اللہ کریم جاننے والے بھی ہیں اور حکیم ہیں دانا تر ہیں ان کے فیصلے ان کی حکمت اور ان کی دانائی کے مطابق ہوتے ہیں یہ اللہ کی حکمت ہے کہ اس نے ان پر کرم فرمایا کہ کم از کم انہیں پھر توبہ کا موقع مل گیا۔ قتل ہونے سے بچ گئے، قید ہونے سے بچ گئے اور فدیہ دے کر رہا ہو گئے تو یہ اللہ کی حکمت ہے کہ اس نے انہیں موقع دیا لیکن اگر یہ جا کر پھر بد دیانتی کریں گے تو پھر اس کی سزا پائیں گے۔

خیانت الٰہی اور خیانت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہے۔ ہم تو یہ سمجھ کر بے فکر ہو جاتے ہیں کہ یہ آیت کفار کے حق میں نازل ہوئی کافر ہی ایسا کرتے ہیں لیکن ہم خود جب مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں تو یہ ایک عہد ہے اللہ کے ساتھ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ۔ لفظ مسلمان کا مادہ سلم ہے مان لینا قبول کر لینا تسلیم

کر لینے والا۔ اب ماننے والا کون ہے جو زبانی کہتا ہے میں نے مان لیا یا اس پر عمل بھی کرتا ہے؟ ماننے کا مطلب تو یہ ہے کہ جو بات مان لی اس پر عمل کریں گے زبانی کہتے رہنا مان لی اور اس پر عمل نہ کرنا خیانت ہے۔ مشرکین مکہ نے تو ایمان قبول نہیں کیا تھا لیکن اللہ کی نعمتیں تو ان کے پاس بھی تھیں ان کا وجود، وجود کی ساری برکات، زندگی، اولاد، مال جو نعمت دنیا کی تھی وہ سب اللہ کی دی ہوئی تھی اللہ کی نعمتیں استعمال کرتے ہیں اور اللہ ہی کی نافرمانی کرتے ہیں اللہ کی نعمتیں استعمال کرتے ہیں تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرتے ہیں فرمایا یہ پرلے درجے کی بددیانتی ہے انہوں نے اللہ سے خیانت کی اللہ کے رسول ﷺ سے خیانت کی جس کے نتیجے میں ذلیل ہوئے، مارے گئے، قید ہوئے اور پھر وہ اتنا کریم ہے کہ فرما رہا ہے انہیں آزاد کرنے سے پہلے یہ بات بتا دیجئے کہ اگر اب بھی یہ اپنے دلوں کی اصلاح کرلیں، توبہ کرلیں اور خلوص دل سے اللہ کی اور اللہ کے حبیب ﷺ کی اطاعت کرلیں تو اللہ بڑا کریم ہے جو ان کا مالی نقصان ہوا ہے اس سے زیادہ انہیں مال بھی عطا فرما دے گا اور ان کے سارے گناہ بھی معاف کر دے گا لیکن اگر اس کے بعد بھی انہوں نے بددیانتی ہی کی تو اللہ انہیں دوبارہ رسوا کرنے پر قادر ہے۔

لمحہ فکریہ:

جن لوگوں نے کلمہ نہیں پڑھا اور اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے احکام نہ مانے تو وہ بددیانت ٹھہرے لیکن اگر کوئی کلمہ پڑھ لیتا ہے اور کہتا ہے میں نے اللہ کی عظمت کو تسلیم کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو تسلیم کیا اور پھر اللہ کے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام پر عمل نہیں کرتا تو یہ کیا ہے؟ آیت کا نزول بیشک کفار کے بارے ہے لیکن ایک قانون بیان ہوا ہے جو ساری کائنات پر قیامت تک لاگو ہوگا کہ جو بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرتا ہے وہ بددیانتی کرتا ہے اللہ کے ساتھ بھی اور اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ بھی۔ نتائج اعمال یہ مرتب ہوتے ہیں اور اب تو ایک رواج ہی ہوگیا ہے کہ اکثر لوگوں کو آپ اللہ کریم سے روٹھا ہوا پائیں گے اور اللہ کا شکوہ کرتے ہوئے پائیں گے لیکن ان لوگوں کو یہ خیال نہیں آتا کہ میرا اپنا کردار کیا ہے مجھ پر جو مصیبتیں یا بلائیں نازل ہو رہی ہیں یہ کیا میری اپنی لائی ہوئی تو نہیں ہیں، میرے اپنے اعمال کا نتیجہ تو نہیں، میرے اپنے کردار کا اثر تو نہیں ہے؟ ہوتا یہی ہے قرآن میں ارشاد ہے کہ تم پر جو تکلیف آتی ہے فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ○ (الشوریٰ:30) اللہ تو ایسا کریم ہے کہ تمہاری بہت سی خطاؤں کو معاف فرما دیتا ہے۔ ہر خطا کی سزا نہیں دیتا لیکن ایک فطرت کا قانون بھی ہے جسے معطل نہیں کیا جا سکتا جسے روکا نہیں جا سکتا کہ اگر کوئی جو بیجتا ہے تو جو ہی اگتے ہیں۔

گندم از گندم بہ روئید جَو از جو
از مکافاتِ عمل غافل مشو

گندم بیجو گے گندم اُگے گی جو بیجو گے جو اُگے گی۔ اعمال کا ایک نتیجہ ہے اور انسان کو کردار کے نتائج سے غافل نہیں ہونا چاہیے۔ اسے خیال رکھنا چاہیے کہ میں اگر برائی کر رہا ہوں تو اس کے نتیجے میں مجھے اچھائی کیسے ملے گی؟ ایک شخص خود تو ظلم کرتا ہے، جھوٹ بولتا ہے، دوسروں کا مال کھا جاتا ہے، دوسروں کو قتل کر دیتا ہے اور پھر مطالبہ کرتا ہے کہ میرے ساتھ انصاف ہو اسے سوچنا چاہئے کہ ظلم کے بدلے اس کے ساتھ انصاف کون کرے گا؟ جب ہم خود جھوٹ بولتے ہیں تو ہمارے ساتھ سچ کون بولے گا، جب ہم خود بددیانتی کرتے ہیں تو ہمارے ساتھ دیانت داری کا معاملہ کون کرے گا؟ ہر عمل کا نتیجہ ہوتا ہے تو ہمیں یہ بھی سوچنا چاہیے کہ ہم پر اللہ کا احسان ہے کہ اس نے ہمیں مسلمان ماں باپ کے گھر میں پیدا کیا ہمارے کان میں پہلی آواز اللہ کی عظمت اور حضور ﷺ کی رسالت کی پہنچی۔ مسلمانوں کے گھروں میں پلے بڑھے تو کم از کم ہمیں اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بددیانتی نہیں کرنی چاہئے۔ ہر برائی خیانت ہے، بددیانتی ہے، بددیانتی کا ارادہ کریں گے تو پہلے کر کے انہوں نے دیکھ لیا جس کے نتیجے میں آج قیدی بنے بیٹھے ہیں اس لیے کہ اللہ جاننے والے ہیں وہ علیم ہیں۔ ہر راز کو، ہر بھید کو، ہر خیال کو، ہر ارادے کو، ہر عمل کو جانتے ہیں اور حکیم ہیں۔ ان کی حکمت نے لوگوں کو مہلت دی ہے انہیں فرصت دی ہے، وقت دیا ہے، زندگی دی ہے۔ موت سے پہلے توبہ کرنے کی فرصت دی ہے توبہ کر لیں اور اپنے دلوں کی اصلاح کر لیں۔ توبہ سے مراد یہ ہے کہ دل کی اصلاح ہو اور خلوص دل سے کردار کی بھی اصلاح ہو جائے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۔ ایک دوسرا کلیہ ارشاد فرمادیا کہ انسان مزاجاً مدنی الطبع ہے یعنی انسان مزاجاً مل جل کر رہنے والا ہے یہ اکیلے زندگی بسر نہیں کر سکتا۔ تخلیقی طور پر اس کا مزاج ہی ایسا ہے کہ انسان مل جل کر زندگی گزارتے ہیں۔ زندگی گزارنے میں ایک دوسرے کے محتاج ہیں۔ ایک کے پاس مال ہے دوسرے کے پاس غلہ ہے۔ کسی کے پاس کپڑا ہے، کسی کے پاس جوتے ہیں، کسی کے پاس زندگی گزارنے کی دوسری اشیاء ہیں تو وہ ایک دوسرے سے تبادلہ کرتے رہتے ہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ مل جل کر رہتے ہیں۔ اکیلا انسان گزارا نہیں کر سکتا تو جب مل جل کر رہتا ہے تو اس میں بنیاد تو دوستی ہوگی کہ ایک دوسرے کے دکھ درد کا خیال رکھا جائے۔ اسے سہولت پہنچائی جائے، اس کی مصیبت دور کی جائے لیکن جب مل جل کر رہتے ہیں تو پھر دوستی کے بجائے دشمنی زیادہ ہو جاتی ہے پھر کوشش کرتے ہیں کہ دوسرے کا حق چھین کر کھا جائیں، کسی کا مال اڑا لیں۔ دوسرے سے جو

فائدے اٹھا سکتے ہیں اٹھالیں اپنی طرف سے اسے کچھ نہ دیں۔ یہاں سے دشمنی شروع ہوجاتی ہے۔تو فرمایا کیسے لوگ ہوتے ہیں جو دوست ہوتے ہیں اور کیسے لوگ ہوتے ہیں جو دوستی کے قابل نہیں ہوتے۔فرمایا جو لوگ ایمان لائے۔ یقیناً بلاشبہ جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور پھر اس ایمان پر ایسے جم گئے کہ گھر بار، اولاد، جائیداد، رشتہ دار، دوست سب کچھ چھوڑنا قبول کرلیا لیکن ایمان کو نہیں چھوڑا پھر انہوں نے ہجرت کی۔ ایمان لائے مہاجر بنے گھر بار ہر چیز چھوڑ کر نکل گئے وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ پھر بھی جو ان کے پاس مال بچا اس سے اللہ کے دین کی خدمت کرنے کی کوشش کی۔ اللہ کی راہ میں خرچ کیا، نیکی پر خرچ کیا اور جانیں بھی دیں اللہ کی راہ میں صرف مال نہیں دیا دین کے لیے جب ضرورت پڑی تو جانیں بھی دیں۔ ایک طبقہ یہ تھا۔ دوسرا طبقہ تھا وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا وہ لوگ جنہوں نے مدینہ منورہ میں مہاجرین کو جگہ دی اور ان کی مدد کی اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ یہ ایک دوسرے کے دوست ہیں۔

ہجرت کی صورتیں:

ہجرت تو فتح مکہ تک تھی۔ جب مکہ مکرمہ فتح ہوگیا تو ہجرت ختم ہوگئی۔لیکن ہجرت دو طرح سے ہے۔ ایک ہجرت تو وہ تھی دین کی خاطر لوگوں نے گھر بار، مال، جائیداد چھوڑ کر کی۔ دوسری ہجرت یہ ہے کہ انسان جس کردار میں ہے اس کو چھوڑ کر دوسرا کردار اپنالے۔ یہ بھی ہجرت ہے۔ ایک شخص ایمان سے بے بہرہ ہے وہ ایمان قبول کرتا ہے تو اس نے کفر کو چھوڑ کر ایمان کی طرف ہجرت کی۔ ایک شخص مسلمان تو ہے لیکن خطا کار ہے، گناہ کار ہے اس سے گناہ ہوتے ہیں تو جب گناہ کو چھوڑ کر نیکی اختیار کرتا ہے تو یہ بھی اس نے ہجرت کی اور جب اس نے نیکی کا راستہ اپنایا تو جو لوگ پہلے سے نیکی پر کاربند ہیں انہوں نے اسے خوش آمدید کہا اور نیکی پر کاربند رہنے میں مدد کی تو فرمایا یہ لوگ آپس میں دوست ہیں۔ یعنی نیکوں کی بدکاروں اور کافروں سے دوستی نہیں چلتی۔ کفار کے ساتھ انسانی دنیا میں رہنا پڑتا ہے جیسے ممالک کے تعلقات ہوتے ہیں۔ سارے ملک مسلمان نہیں ہیں، غیر مسلم ممالک سے بھی تعلقات ہوتے ہیں۔ آپس میں لین دین بھی ہوتا ہے، تجارت بھی ہوتی ہے افراد کے مابین تعلقات ہوتے ہیں، لین دین ہوتا ہے، خرید و فروخت بھی ہوتی ہے لیکن کفار کے ساتھ تعلقات کی ایک حد ہے۔ جہاں ایسا کوئی مقام آجائے گا کہ کافر کے ساتھ معاملہ کرنے میں، دین کا کوئی نقصان ہوتا ہو تو وہ معاملہ نہیں کیا جائے گا۔ جہاں تک معاملات دنیا کا تعلق ہے وہ چلتے رہیں گے لیکن کسی مومن کی کسی کافر سے دلی دوستی نہیں ہوگی۔ کافر کے ساتھ تعلقات نبھانے کی بھی ایک حد ہے کہ جب تک دین پر حرف نہ آئے تب تک معاملات آپ کفار سے بھی کرسکتے ہیں لیکن جہاں دین پر حرف آئے گا تو مومن کوئی ان سے معاہدہ نہیں کرے گا اس لیے کہ مومن کی دوستی مومن سے

ہوگی، اطاعت شعار کی اطاعت شعار سے ہوگی۔ دوستی کا مطلب ہوتا ہے پھراس کی ٹوٹ کر مدد کی جائے اور نیکی میں کی جائے گی۔حتیٰ کہ یہاں یہ پابندی لگا دی مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا ۚ جولوگ ایمان بھی لے آئے لیکن انہوں نے ہجرت نہیں کی فرمایا مسلمانوں کا ان سے بھی دوستی کا کوئی رشتہ نہیں۔ یہ کون سا ایمان ہے کہ تم کلمہ تو پڑھ بیٹھے لیکن سمجھوتے کفار سے کر کے اور ان کی ساری برائیاں برداشت کر کے ان میں بیٹھے ہو اور ان سے الگ ہو کر مسلمانوں کے ساتھ نہیں جاتے ہجرت نہیں کرتے تو فرمایا جب تک وہ ہجرت نہ کریں مسلمانوں کی ان سے بھی کوئی دوستی نہیں۔ اور یہ اندازہ ہو جانا چاہیے کہ مومن بھی اگر اپنے کردار کی اصلاح نہیں کرتا برائی پر کار بند رہتا ہے تو دوسرا مومن جو نیکی کرنے والا ہے وہ اس سے دوستی نہیں کرے گا جب تک وہ تو بہ نہیں کرتا۔ وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ ہاں اگر وہ دین میں تمہاری مدد کریں دین میں معاون ہو جائیں تو تم پر بھی ان کی مدد کرنا فرض ہے۔

دوستی کی بنیاد:

تو گویا مومن کی دوستی کی شرط دین ہے۔ مومن مومن کا اس لیے دوست ہے کہ مومن مومن سے مل کر دین کی سربلندی کا سبب بنیں اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا سبب بنیں اور احکام الٰہی کو نافذ کرنے کا سبب بنیں۔ یہ دوستی کا مقصد اور مفہوم اور بنیاد ہے۔ بے دین یا بدکار یا کافر دین کی سربلندی کے تو خلاف ہیں مومن کی اور اس کی دوستی کیسے ہو سکے گی جبکہ ہمارے ہاں تو اللہ ہمیں معاف فرمائے ہم تو سارا کاروبار زندگی ہی کفار کی پالیسیوں پر چلانے پر مُصر ہوتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ شاید وہ بہت دانشور ہیں، ہم سے سیانے ہیں، بہت عقلمند ہیں جو وہ کہتے ہیں ہمیں وہ کرنا چاہیئے۔ اللہ کریم توفیق دے تو مومن کو کافروں کے اطوار سے بچنا چاہیے۔ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ ۭ تو مومن مومن کی مدد ضرور کرے گا لیکن اگر کسی کافر قبیلے کے ساتھ بھی مسلمان ریاست کا صلح کا معاہدہ ہے تو مسلمان معاہدہ نہیں توڑیں گے ان کے خلاف مومن کی مدد نہیں کی جائے گی جب تک معاہدہ باقی ہے۔ ہاں اگر کافر معاہدہ توڑ دیں تو پھر مسلمان بھی آزاد ہو جاتا ہے لیکن مسلمان کسی کافر کے ساتھ معاہدہ کرنے کے بعد بدعہدی نہیں کرے گا تو یہاں سے دیکھ لیجئے کہ کیا ہے کہ مسلمان مسلمان بھائی کو دھوکا دیتا ہے اور سمجھتا ہے میں بڑا ہوشیار ہوں میں نے برائی کی۔ حالانکہ مومن کی تو شان یہ ہے کہ وہ کسی کافر سے بھی دھوکا نہیں کرسکتا۔ لہٰذا جو عہد کرے اسے نبھائے وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ فرمایا

یہ بات پوری طرح دل نشیں کر لو کہ جو عمل بھی تم کرتے ہو اللہ کریم اسے دیکھ رہے ہیں۔ کراماً کاتبین ہیں فرشتے ہیں لکھ لیتے ہیں جس زمین پر جو عمل ہوتا وہ زمین حشر کو گواہی دے گی۔ جو پتھر شجر حجر دیکھتے ہیں وہ گواہی دیں گے انسان کے اپنے ہاتھ پاؤں، اعضاء و جوارح گواہی دیں گے، وجود کی کھال تک گواہی دے گی یہ سب باتیں اپنی جگہ۔ ان سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اللہ کریم خود ذاتی طور پر خود بھی دیکھ رہے ہیں۔ یعنی بندہ جو کام بھی کرتا ہے اسے سوچنا چاہیے میں اللہ کے روبرو کر رہا ہوں اور اگر یہ یقین نصیب ہو جائے تو گناہ کے درمیان بہت بڑی رکاوٹ بن جاتی ہے۔ بندہ گناہ سے بچنے کی کوشش کرتا ہے تو اللہ کریم اس کی مدد فرماتے ہیں اسے گناہ سے بچنے کی توفیق ارزاں فرما دیتے ہیں۔ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ اور جو لوگ کفر پر ڈٹے ہوئے ہیں وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ مومن کو یہ خیال رکھنا چاہیے کہ کوئی بھی کافر اس کا بھلا چاہنے والا نہیں ہے۔ کافر اگر مومن سے کوئی معاملہ، کوئی لین دین کرے گا بھی تو اپنے فائدے کے لیے کرے گا یا کسی دوسرے کافر کو فائدہ پہنچانے کے لیے کرے گا کافر مومن سے دوستی نہیں کرتا۔ وہ مومن کا دوست نہیں ہے۔ کافر کافر کا دوست ہے۔ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِى الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ ﴿۷۳﴾ اب یہ قانون تو ارشاد ہو گیا کہ مومن مومن کا دوست ہے اور ان دونوں کی دوستی کا نتیجہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کا نفاذ اور دین کی سربلندی ہے اور کافر کافر کا دوست ہے۔ یعنی یہ اصول یاد رکھو کہ کافر جب بھی کوئی کام کرے گا تو یا اپنے فائدے کا ہو گا یا کسی دوسرے کافر کے فائدے کا ہو گا مومن کے فائدے کے لیے نہیں ہو گا۔ مومن سے دوستی نہیں کرے گا اور ارشاد فرمایا یہ قانون تو بتا دیا لیکن اِلَّا تَفْعَلُوْهُ اگر ان پر عمل نہیں کرو گے عمل نہ کرنے کی دو صورتیں ہیں ایک تو مسلمان مسلمانوں سے دشمنی پیدا کر لے، مومن مومن سے دشمنی پیدا کر لے۔ دوسری اس سے بھی خراب صورت ہے کہ مومن کافر سے دوستی کر لے تو فرمایا اگر ایسا کرو گے تَكُنْ فِتْنَةٌ فِى الْاَرْضِ روئے زمین پر فتنہ پھیلے گا۔ پوری دنیا فتنے میں مبتلا ہو گی وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ ﴿۷۳﴾ اور بہت بڑا فساد پھیلے گا۔ ہم آج کے حالات کو اگر دیکھ لیں ہمیں یہ شکایت ہوتی ہے کہ کہیں بھی امن نہیں۔ قتل و غارت گری ہے۔ پوری دنیا کا امن تہہ و بالا ہو رہا ہے۔ ہر جگہ فساد ہے، چور بازاری ہے، رشوت ستانی ہے، بددیانتی ہے تو کیا اس سارے فساد کے پیچھے کہیں یہ بات تو نہیں کہ مسلمانوں نے اللہ کے دیئے ہوئے اس اصول کو بھلا دیا ہے اور مسلمان آپس میں دشمنیاں کرتے ہیں اور کافروں سے دوستیاں کرتے ہیں تو فرمایا اگر ایسا کرو گے۔ اللہ نے فیصلہ کن انداز میں ارشاد فرما دیا کہ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ گر ان

اصولوں پر عمل نہیں کرو گے تَكُنۡ فِتۡنَةٌ فِى الۡاَرۡضِ تو روئے زمین پر فتنہ پھیل جائے گا پوری دنیا میں تباہی پھیلے گی پوری دنیا میں بدامنی ہوگی وَفَسَادٌ كَبِيۡرٌ ؕ اور بہت بڑا فساد ہوگا۔

وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَهَاجَرُوۡا وَجٰهَدُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَالَّذِيۡنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوۡۤا اُولٰۤـئِكَ هُمُ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ حَقًّا ؕ جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور ایمان پر، اپنے عقیدے پر عمل کرنے کی خاطر ہجرت کرلی، مہاجر ہونا قبول کیا، گھر بار، مال، جائیداد چھوڑ کر چلے جانا قبول کیا لیکن اتباع رسالت پر عمل کرنے سے باز نہیں آئے پھر وہ لوگ جنہوں نے انہیں قبول کیا اور ان کی نصرت کی، مدد کی، انہیں رہنے کو جگہ دی، ان کی معاونت کی اُولٰۤـئِكَ هُمُ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ حَقًّا حقیقی ایمان والے وہی لوگ ہیں مہاجرین و انصار۔ قرآن کریم نے مسلمانوں کے تین طبقات ارشاد فرمائے ہیں مہاجر، انصار اور قیامت تک خلوص دل سے ان کا اتباع کرنے والے ایک طبقہ مہاجرین کا ہے جنہوں نے ایمان قبول کیا اور اس کی خاطر مال اولاد گھر بار چھوڑ کر نکل گئے حتیٰ کہ جب مکہ مکرمہ فتح ہوگیا اور ریاست اسلامی کے قبضے میں آگیا اور وہی لوگ فتح کرنے میں شامل اور شریک بھی تھے جو ہجرت کر کے گئے تو کسی نے بھی اپنا مکان اپنی جائیداد واپس نہیں لی بلکہ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اور ان صحابہؓ نے جنہوں نے مکہ سے ہجرت کی تھی مکہ میں قصر نمازیں ادا فرمائیں کہ ہم یہاں مسافر ہیں وہ گھر، وہ جائیدادیں، وہ زمینیں، وہ جاگیریں، وہ مال جو ہم نے چھوڑ دیا تھا وہ ہم نے اللہ کی راہ میں چھوڑ دیا۔ اب اسے واپس لینے کا بھی کوئی ارادہ نہیں ہے ہم اس کے وارث نہیں رہے ہم نے چھوڑ دیا۔ اب اللہ ہمیں اس کا اجر آخرت میں عطا فرمائیں گے۔ وہ واپس نہیں لیا گیا تو فرمایا جن لوگوں نے ایمان پر قائم رہتے ہوئے ہجرت قبول کی لیکن اتباع رسالت کو نہیں چھوڑا اور جن لوگوں نے انہیں رہنے کی جگہ دی، یعنی انصار اور ان کی نصرت کی اور معاون ہوئے اور خود بھی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اختیار کی یہ دونوں طبقے سچے مسلمان ہیں اُولٰۤـئِكَ هُمُ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ حَقًّا حقیقی مسلمان، سچے مسلمان، مثالی مسلمان، قرآن کے مثالی مسلمان یہ دو طبقے ہیں مہاجرین اور انصار لَهُمۡ مَّغۡفِرَةٌ وَّرِزۡقٌ كَرِيۡمٌ ۝ ان کے لیے اللہ کی بخشش ہے اور ان کے لیے عزت کی روزی ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡۢ بَعۡدُ وَهَاجَرُوۡا وَجٰهَدُوۡا مَعَكُمۡ فَاُولٰۤـئِكَ مِنۡكُمۡ ؕ اس کے بعد بھی جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور ہجرت کی اور مومنین کے ساتھ مل کر نفاذ اسلام میں کوشش کی، مال بھی دیا، جانیں بھی دیں، جہاد بھی کیا فَاُولٰۤـئِكَ مِنۡكُمۡ وہ بھی تم ہی میں سے ہیں یعنی سب سے اعلیٰ درجہ تو مہاجرین کا ہے اور انصار کا ہے لیکن جب مکہ مکرمہ فتح ہوگیا تو ہجرت تو ختم ہوگئی اس کے بعد بھی جن

لوگوں نے ایمان قبول کر لیا انہوں نے بعد میں کون سی ہجرت کی؟ یعنی کفر کو بھی چھوڑا اور کافرانہ کردار کو بھی چھوڑ کر ہجرت کر کے اتباعِ رسالت کو اختیار کر لیا اور اس طرح اختیار کیا کہ باقی زندگی دین کی سربلندی کے لیے لگا دی اور نفاذِ اسلام کے لیے اور اشاعتِ اسلام کے لیے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی تفویض کے لیے محنت کرتے رہے وہ بھی تمہارے ساتھ ہیں وَاُولُوا الۡاَرۡحَامِ بَعۡضُهُمۡ اَوۡلٰى بِبَعۡضٍ فِىۡ كِتٰبِ اللّٰهِ ؕ یہ تو ہوگئی دوستی کی بات کہ یہ ایک دوسرے کے دوست ہیں ایک دوسرے کے ساتھ ہیں۔ آگے رہ گئی وراثت تو وراثت کے لیے رشتہ دار ہونا شرط ہے۔ ایک دوسرے کے وارث بننے کے لیے رشتہ داری شرط ہے وَاُولُوا الۡاَرۡحَامِ بَعۡضُهُمۡ اَوۡلٰى بِبَعۡضٍ یہ یاد رکھیں نہ مومن کافر کا وارث ہوتا ہے نہ کافر مومن کا۔ اگر بیٹا ایمان لے آیا باپ ایمان نہیں لایا تو اس کی جائیداد سے بیٹے کو وراثت نہیں ملے گی اور اگر باپ مومن ہے بیٹا کافر ہو گیا تو بیٹا وراثت سے محروم ہو جائے گا۔ مومن مومن کا وارث ہے کافر کافر کا وارث ہے مومن اور کافر ایک دوسرے کے وارث نہیں ہو سکتے۔ وراثت کے لیے فرمایا رشتہ داری شرط ہے وَاُولُوا الۡاَرۡحَامِ بَعۡضُهُمۡ اَوۡلٰى بِبَعۡضٍ رشتہ دار جو ہوں گے وہ رشتے کی مناسبت سے ایک دوسرے سے قریب تر وارث ہوں گے فِىۡ كِتٰبِ اللّٰهِ ؕ اللہ کی کتاب میں وہ حقدار ہوں گے اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمٌ ۝ اور اللہ کریم ہر چیز سے خوب اچھی طرح واقف ہیں۔ ہر شئے کو خوب اچھی طرح جاننے والے ہیں۔ اس لیے زندگی کا بنیادی فلسفہ جو قرآن نے ارشاد فرمایا وہ یہ ہے کہ جہاں تک معاملات کا تعلق ہے تو انسانی دنیا میں لین دین انسانوں کی درمیان ہوں گے لیکن مومن کی دوستی کی بنیاد ایمان، عقیدے اور دین پر ہے اگر کسی معاملے میں دین پر حرف آتا ہو تو ایسا معاملہ مومن کافر کے ساتھ نہیں کرے گا۔ دوستی، مومن کی مومن کے ساتھ ہوگی اس لیے کہ کافر کافروں کے دوست ہیں وہ مومنوں کے دوست نہیں ہیں۔ مسلمانوں کی بھلائی نہیں چاہتے اور ان سب میں افضل ترین مہاجرین وانصار ہیں اور باقی قیامت تک جو ان کے نقش قدم پر ہوں گے وَالَّذِيۡنَ اتَّبَعُوۡهُمۡ بِاِحۡسَانٍ (التوبہ:100) اللہ کریم نے احسان کی قید لگا دی یعنی جو خلوص دل سے ان کے نقوش کف پا پہ چلے گا، ان کا اتباع کرے گا وہ مومن ہوگا، وہ مسلمان ہوگا۔ سو اب ہمیں اپنے کردار، اپنے عقیدے، اپنے عمل میں دیکھنا ہوگا کہ کیا ہم ویسی ہی زندگی بسر کر رہے ہیں جیسی مہاجرینؓ وانصارؓ نے بسر کی تھی۔ ہمارے معاملات، ہماری عبادات، ہمارے زندگی کے امور کیا اس طرح سرانجام پاتے ہیں جس طرح مہاجرین وانصار کے انجام پاتے تھے یا کہیں دین کے نام پر ہم نے از خود رسومات ایجاد تو نہیں کر لیں؟ اللہ ہمیں معاف فرمائے اور ہدایت نصیب فرمائے۔

سورۃ التوبہ رکوع 1 آیات 1 تا 6

أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ① فَسِيْحُوْا
فِي الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ
مُخْزِي الْكٰفِرِيْنَ ② وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ
اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ وَرَسُوْلُهٗ ۭ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ
وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ۭ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ③ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ
شَيْـًٔا وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ۭ
اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ④ فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا
الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ
كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ۭ
اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑤ وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى
يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ⑥

اللہ اور اس کے پیغمبر کی طرف سے ان مشرکوں سے جن سے تم نے وعدہ کر رکھا تھا دست برداری ہے ﴿۱﴾ تو تم (مشرکو) زمین میں چار مہینے چل پھر لو اور جان لو کہ تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے اور یہ کہ اللہ کافروں کو رسوا کرنے والے ہیں ﴿۲﴾ اور اللہ اور اس کے پیغمبر کی طرف سے بڑے حج کے دن لوگوں کے لیے اعلان کیا جاتا ہے کہ

اللہ مشرکین سے بیزار ہیں اور اس کا پیغمبر بھی۔ پھر اگر تم توبہ کر لو تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے اور اگر تم نہ مانو (اسلام سے پھر جاؤ) تو جان لو کہ تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے اور کافروں کو دردناک عذاب کی خبر سنا دیجیے ﴿۳﴾ ہاں مگر وہ مشرکین جن سے تم لوگوں نے معاہدہ کیا تھا پھر انہوں نے تمہارے ساتھ ذرا کمی نہیں کی اور نہ تمہارے مقابلے میں کسی کی مدد کی تو جس مدت کے لیے ان سے معاہدہ تھا اسے پورا کرو بے شک اللہ پرہیزگاروں سے محبت رکھتے ہیں ﴿۴﴾ پس جب حرمت کے مہینے گزر جائیں تو ان مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کرو اور ان کو پکڑ لو اور ان کو گھیر لو اور ہر گھات کے موقعوں پر ان کی تاک میں بیٹھو۔ پھر اگر (کفر سے) توبہ کر لیں اور نماز ادا کرنے لگیں اور زکوٰۃ دینے لگیں تو ان کی راہ چھوڑ دو بے شک اللہ بہت بخشنے والے بڑے رحم کرنے والے ہیں ﴿۵﴾ اگر مشرکوں میں سے کوئی آپ کی پناہ مانگے تو آپ اس کو پناہ دیجیے یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سن لے پھر اس کو اس کی امن کی جگہ پہنچا دیں یہ (حکم) اس وجہ سے ہے کہ یہ لوگ پوری خبر نہیں رکھتے ﴿۶﴾

تفسیر و معارف

سورہ التوبہ مدنی سورتوں میں سے ہے۔ نبی کریم ﷺ نے 9 ہجری میں سیدنا ابوبکر صدیقؓ کو مناسک حج سکھانے کے لیے امیر حج بنا کر بھیجا۔ آپؓ کے مدینہ منورہ سے رخصت ہو جانے کے بعد اس سورت مبارکہ کی بنیادی آیات نازل ہوئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو حکم دیا کہ فوراً جائیں اور اسی حج میں اس سورت کی ان آیات کا حکم سنائیں۔ ان آیات کا، براءت الٰہی کا اعلان فرمائیں چنانچہ حضرت علیؓ روانہ ہوئے اور مکہ مکرمہ کے قریب سیدنا ابوبکر صدیقؓ سے جا ملے تو انہوں نے پوچھا کیا آپؓ اس لیے تشریف لائے ہیں کہ آپ کو میرے پر امیر حج مقرر کر دیا گیا ہے تو حضرت علیؓ نے فرمایا، ایسا نہیں ہے، مجھے حضور ﷺ نے اس لیے بھیجا ہے کہ سورہ التوبہ کی جو آیات نازل ہوئی ہیں ان کا اعلان کر دوں۔

اسی برأت الٰہی کا اعلان کرنے کے لیے بعد میں حضرت علیؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن بھیجا۔ اس لیے کہ سارے جزیرہ عرب سے تو لوگ حج پر آ جاتے تھے جہاں یہ اعلان ہو گیا لیکن یمن ایک دور دراز ملک تھا

وہاں علیحدہ سے اعلان کروایا گیا۔

چند احکام ومسائل:

سورہ التوبہ سے پہلے بسم اللہ شریف نہیں پڑھی جاتی ۔بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ وحی الٰہی ہے اور قرآنی آیات میں سے ہے۔ مفسرین کوئی حتمی رائے نہیں رکھتے کہ بسم اللہ شریف ایک ہی بار نازل ہوئی یا ہر سورت کے ساتھ نازل ہوئی لیکن یہ طے ہے کہ جب بھی کوئی نئی سورت شروع ہوتی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے شروع میں بسم اللہ شریف لکھنے کا حکم ارشاد فرما دیتے۔ جب یہ سورت شروع ہوئی تو اس کے بارے نہ کوئی حکم بذریعہ وحی نازل ہوا کہ بسم اللہ شریف لکھی جائے نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھوانے کا حکم دیا لہٰذا یہ قرآن حکیم کی واحد سورت ہے۔ جو بسم اللہ شریف سے شروع نہیں ہوتی۔ اور یہ اس لیے بسم اللہ شریف سے شروع نہیں ہوتی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں بسم اللہ نہیں لکھوائی۔ جب بھی کوئی آیتِ قرآن نازل ہوتی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے لکھواتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی جگہ بھی متعین فرما دیتے کہ اسے فلاں آیت سے پہلے لکھو اور فلاں آیت کے بعد لکھو اس طرح پورا قرآن حکیم اسی ترتیب پر مرتب ہوا جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھوایا تھا اور آج بھی جو قرآن ہمارے پاس ہے سورہ فاتحہ سے لے کر والناس تک اس کی وہی ترتیب ہے جو حضور ﷺ نے دی تھی۔ نزول کے اعتبار سے کچھ آیات آگے پیچھے ہیں لیکن ترتیب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی دلوائی جو لوحِ محفوظ میں ہے، جو آسمان دنیا پر ہے۔ خلافت راشدہ میں جمع قرآن کا کام بھی اسی ترتیب کے مطابق ہی ہوا۔ وہی قرآن آج ہمارے پاس محفوظ ہے اور قیامت تک ان شاء اللہ روئے زمین پر قائم رہے گا کہ اللہ کریم نے اس کی حفاظت کا ذمہ خود لیا ہے۔

اس سورت کے شروع میں بسم اللہ شریف نہ لکھے جانے کے بارے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا ارشاد ہے کہ اس سورت کے شروع میں چونکہ کفار سے برأت کا اعلان فرمایا گیا اس لیے بسم اللہ شریف نہیں لکھوائی گئی علماء اسے ایک مستقل اصول قرار نہیں دیتے ۔ یہ ایک نکتہ یا لطیفہ علمی ہے جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے ارشاد فرمایا۔ لہٰذا اس کی سادہ سی وجہ یہی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے شروع میں بسم اللہ شریف نہیں لکھوائی ۔ قاعدہ یہ ہے کہ اگر کوئی قرآن حکیم کی تلاوت پیچھے سے کرتا آ رہا ہے، سورہ انفال پڑھتا چلا آ رہا ہے تو وہ مسلسل پڑھتا جائے اور بسم اللہ شریف نہ پڑھے اور اگر کوئی اسی سورت سے شروع کرے تو وہ تعوذ یعنی اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ سے سورت شروع کر دے ہاں! اگر اس سورت کے شروع کے بجائے

آگے سے تلاوت شروع کرتا ہے تو وہ بسم اللہ پڑھے گا یعنی بسم اللہ شریف پڑھ کر شروع کرے گا لیکن جب اس سورۃ کے شروع سے تلاوت کریں گے تو بسم اللہ شریف نہیں پڑھیں گے۔

تفاسیر اور تراجم میں علماء نے کچھ جملے نقل کئے ہیں جیسے اعوذ باللہ من النار، اعوذ باللہ من غضب الجبار یا اس طرح کے دیگر الفاظ لیکن ان کی صحیح سند حضور اکرم ﷺ تک ثابت نہیں۔ لوگوں نے برکت کے طور پر یا اللہ سے پناہ مانگنے کے طور پر اپنی طرف سے بڑھا دیئے ہیں لہذا تعوذ کے الفاظ ہی کافی ہیں۔

یہ سورت دو ناموں سے موسوم ہے۔ اسے سورہ توبہ بھی کہا گیا ہے کہ اس میں توبہ کی قبولیت کے بارے ارشاد فرمایا گیا ہے اور سورہ برأت بھی کہتے ہیں کہ شروع ہی برأت سے ہوتی ہے۔ کفار و مشرکین سے برأت کا اعلان نو ہجری کے حج میں کر دیا گیا۔ بعد میں حضرت علیؓ کو یمن بھیج کر بھی اس کا اعلان کروا دیا گیا جو اس بات کا مظہر تھا کہ یہ جزیرہ نمائے عرب اسلامی ریاست کی بنیاد بن جائے گا۔ اگرچہ فتح مکہ پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ کو بتوں سے پاک کر دیا، اللہ کی عبادت شروع ہوگئی، حضرت بلالؓ نے کعبۃ اللہ کی چھت پر کھڑے ہو کر اذان کی آواز بلند کر دی لیکن اس کے باوجود کفار و مشرکین بھی حج پر جمع ہو جاتے اور اپنے طریقے سے رسومات ادا کرتے۔ سیٹیاں بجاتے، نیم برہنہ یا بے لباس ہو کر چکر لگاتے اور اپنے طریقے سے اس میں شامل رہتے تھے۔ 9ھ ہجری میں اللہ کریم نے ان رسومات بد کو بند کر کے حرمین کو صرف اہل ایمان کے لیے مخصوص کر دیا۔ یہ حکم اس سورت کی ابتدائی آیات میں دیا گیا۔ فرمایا: بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ؕ① فَسِيْحُوْا فِى الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِى اللّٰهِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِى الْكٰفِرِيْنَ ② اللہ کی طرف سے اور اللہ کے رسول ﷺ کی طرف سے جو معاہدے آپ نے مشرکین سے کر رکھے تھے ان سے دستبرداری ہے، ان سے برأت ہے کہ وہ معاہدے ختم کئے جاتے ہیں۔ حرمت کے چار مہینوں میں تم لوگ ملک میں چل پھر لو، تمہیں ان ماہ کی مہلت دی جاتی ہے اور یاد رکھو تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے اور اللہ کافروں کو رسوا کریں گے۔

سال کے چار مہینوں کی حرمت پہلے سے چلی آ رہی تھی اسلام نے وہ حرمت باقی رکھی۔ حرمت کے تین مہینے ذی قعدہ، ذی الحج، محرم اکٹھے ہیں اور چوتھا رجب ہے۔ اسلام نے ان کو اسی طرح باقی رکھا اور ان کی حرمت قائم رکھی۔

دین کا ایک اہم اصول:

اصول یہ ہے کہ جس چیز کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرما لیا وہ اسلام کا حکم بن گیا۔ بعض چیزیں پہلے

سے چلی آ رہی تھیں، وہ سنت ابراہیمی تھیں یا اللہ کی منشاء کے مطابق تھیں انہیں اسلام نے باقی رکھا۔ جس چیز کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے باقی رکھا اس کی پہلی حیثیت ختم ہوگئی۔ تب سے وہ اسلام کا حکم بن گیا۔

تاریخ سے مثال:

مقدمہ بہاولپور کے نام سے بہاولپور کی عدالت میں ایک مقدمہ کوئی ربع صدی چلتا رہا۔ اس مقدمے نے بہت طول پکڑا اور بڑی شہرت اختیار کی۔ مقدمہ یہ تھا کہ ایک صحیح العقیدہ مسلمان شخص نے اپنی بیٹی کا نکاح ایک عزیز سے کیا۔ ابھی رخصتی نہ ہوئی تھی کہ وہ شخص قادیانی ہوگیا۔ بچی کے والد نے بہاولپور عدالت میں مقدمہ کر دیا کہ اس کا نکاح فسخ ہونا چاہیے کیونکہ یہ شخص خارج از اسلام ہو چکا ہے۔ اس مقدمے میں قادیانیوں کی طرف سے ان کے چوٹی کے عالم شامل ہوئے اور مسلمانوں کی طرف سے اکابر علماء حق کی تائید کے لیے آئے سید انور شاہ کشمیریؒ اگرچہ ضعیف العمر اور نحیف ونزار ہو چکے تھے پھر بھی تشریف رکھتے تھے۔ مسلمان علماء کی سرپرستی کے لیے عدالت میں تشریف لاتے تھے۔ جہاں دیگر علماء کو رکاوٹ محسوس ہوتی وہاں حضرت خود بات کرتے تھے۔ اس مشہور مقدمے کی مکمل تفصیلات قلم بند کی جا چکی ہیں اور کئی مبسوط جلدوں میں محفوظ ہیں۔ ہم نے الحمد للہ اس کے چیدہ چیدہ نکات جمع کر کے تلخیص تیار کی اور شائع کی تا کہ ہر کوئی آسانی سے پڑھ سکے۔ یہ کتاب ہماری لائبریری میں موجود ہے۔ بہرحال مقدمہ اتنا طویل ہوا کہ وہ شخص جس کا نکاح ہوا تھا وہ مر گیا لیکن مقدمے کا بالآخر فیصلہ ہوا اور قادیانیوں کو مرتد اور غیر مسلم قرار دے دیا گیا اور فیصلہ دیا گیا کہ ان سے نکاح جائز نہیں۔

اس مقدمے میں مسلمان علماء نے غلام احمد قادیانی کذاب پر اعتراض کیا کہ یہ کیسے نبی ہوسکتا ہے جبکہ یہ غیر مسلموں کے، انگریزوں کے رواجات کی تائید کرتا ہے۔ اس پر قادیانیوں کے مولوی شمس نے جواب دیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی پہلے سے رائج رواجات کو اپنایا ہے۔ اس نے مثال دی کہ پہلے سے رواج تھا کہ سفیروں کو قتل نہیں کیا جاتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایک موقع پر فرمایا کہ سفیروں کو قتل نہیں کیا جائے گا اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی رواج کی پیروی کی۔ اس دلیل پر مسلمان عالم تھوڑے ششدر سے ہو گئے تو سید انور شاہ کشمیریؒ کھڑے ہو گئے اور فرمایا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول تھے۔ آپ ﷺ پر وحی نازل ہوتی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان یہ ہے کہ آپ علیہ الصلوۃ والسلام بغیر وحی الٰہی کے کوئی فیصلہ نہیں فرماتے جیسا کہ ارشاد باری ہے وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝٣ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝٤ (النجم) لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے رواج تھا کہ سفیر کو قتل نہیں کیا جائے گا لیکن جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

سفیروں کو قتل نہیں کیا جائے گا تو پھر یہ دین بن گیا۔ جس رواج کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمالیا وہ رواج اور رسم نہ رہا وہ حکم الٰہی بن گیا۔

یہی بات حرمت والے مہینوں کی بھی ہے کہ یہ قدیم زمانے سے آ رہے تھے لیکن جب حضور ﷺ نے ان کو قبول فرمالیا تو بذریعہ وحی قبول فرمایا۔ جب وحی آ گئی تو وہ دین ہو گیا۔ دین کا حصہ بن گیا۔

فرمایا: آج کے دن اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان معاہدات سے بری ہوتے ہیں جو کفار و مشرکین کے ساتھ تھے۔ ان میں سب سے پہلے معاہدہ جو ختم کیا گیا وہ یہ حکم تھا کہ کوئی کافر حد حرم میں داخل نہ ہو گا۔ یہ حکم ہمیشہ کے لیے ہے، قیامت تک کے لیے ہے۔ جن لوگوں کو اللہ نے حج اور عمرے کی سعادت بخشی ہے انہوں نے دیکھا ہو گا کہ جہاں سے حد حرم شروع ہوتی ہے وہاں بورڈ لگا ہوتا ہے کہ غیر مسلم اس سے آگے نہیں جا سکتا۔ اللہ کریم کے ہر حکم میں بے پناہ فوائد پنہاں ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جو حکم دیتے ہیں بنی نوع انسان کے لیے مفید ہوتے ہیں خواہ ہم جانتے ہوں یا نہ جانتے ہوں۔ حرم میں کفار کے نہ جانے کے بے شمار فائدے ہوں گے۔ اس حکم کا ایک فائدہ یہ بھی تھا کہ جہاں کافر نہیں جا سکتا وہاں شیطان نہیں جا سکتا۔ آج بدنصیبی یہ ہے کہ بہت سے کافر خود کو مسلمان ظاہر کر کے چلے جاتے ہیں۔ کئی کفریہ عقائد کے ایسے طبقے ہیں جو اسلام سے بہت دور ہیں بلکہ اسلام کے خلاف کام کرتے ہیں اور خود کو مسلمان بھی کہتے ہیں۔ ایسے لوگ بھی چلے جاتے ہیں۔ پچھلے دنوں ایک عجیب تجربہ ہوا جس سے اس حکم کی افادیت کا یہ پہلو مزید واضح ہوا۔ ایک شخص نے حرم شریف کی مسجد کی دوسری منزل سے مطاف پر طواف کرنے والوں کی تصویر لی۔ تصویر اتارتے وقت اتنی چمک ہوئی وہ سمجھا اس کا کیمرہ جل گیا ہو گا لیکن دیکھا تو تصویر آ چکی تھی اس نے وہ تصویر مجھے ای میل کر دی میں نے اس کا پرنٹ آؤٹ نکال لیا۔ اس شخص کا خیال تھا یہ فرشتے کی تصویر تھی حالانکہ وہ تصویر ایک انسان نما جانور کی ہے جس کا قد کاٹھ انسانوں کی طرح ہے، چہرہ ایک خطرناک کتے کی طرح اور سینہ بھی کتے کی طرح تنگ ہے اس کے جسم پر پَر لگے ہوئے ہیں۔ تیز تیز پر مارتا ہوا مطاف پر اڑ رہا ہے۔ میں نے اسے لکھا یہ فرشتہ نہیں ہو سکتا۔ فرشتے کتوں کی شکل کے نہیں ہوتے۔ یہ شیطان کا کوئی بیٹا ہے، شیطان ہے جو مطاف پر اڑ رہا ہے۔

اس واقعے سے مجھے احساس ہوا کہ یہ کتنا صحیح حکم ہے کہ کافر کو حد حرم میں داخل نہ ہونے دیا جائے کہ جب کافر نہیں جائے گا تو سب سے بڑا کافر تو شیطان ہے۔ حکم دیا گیا ہے کہ انسانی کفار کو تم روکو، شیطان کو اللہ روک لے گا۔ اور نہیں روکو گے تو جہاں کافر جائے گا اس کے ساتھ شیطان بھی چلا جائے گا۔ آج مسلمانوں کے لباس میں جو کافر چلے جاتے ہیں انہوں نے شیاطین کے لیے راستہ کھول دیا ہے۔ ان کے ساتھ شیطان بھی چلے

جاتے ہیں اب تو یہ عالم ہے۔

سو اعلان فرما دیا گیا کفار سے کیے گئے معاہدے ختم کیے جاتے ہیں البتہ حرمت کے چار مہینوں میں انہیں آنے کی اجازت ہے۔ وہ ملک میں چل پھر سکتے ہیں، تجارت کر سکتے ہیں، کاروبار کر سکتے ہیں اور سفر کر سکتے ہیں۔ انہیں چھیڑا نہیں جائے گا۔ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ اور اسے کافرو یاد رکھو تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے کہ کسی حیلے حوالے سے اللہ کے دست قدرت سے نکل جاؤ۔ ایسا ممکن نہیں ہے کہ تمہاری گرفت نہ ہو۔ یہ تو اللہ کا احسان ہے کہ ان حرمت کے مہینوں میں تمہیں آزادی دے رہا ہے کہ ملک میں چلو پھرو تم سے تعرض نہیں کیا جائے گا۔ وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِي الْكٰفِرِيْنَ ۝ اور یاد رکھو یہ بات پکی ہے کہ کفر ایسی مصیبت ہے کہ اللہ اہل کفر کو ہمیشہ ذلیل کرتا ہے۔ کفر کا انجام ذلالت کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ موت بھی ذلت ہی کی آتی ہے۔ موت کے بعد کی زندگی بھی ذلت ہی ہوتی ہے اور دنیا کی زندگی میں بھی کافر کے لیے بے شمار ذلتیں ہوتی ہیں۔ دنیا کے کسی کافر کا حال دیکھ لیں کسی کی عزت محفوظ نہیں۔ یہ یقینی بات ہے کہ کفر کا نتیجہ ذلت ہی ہے اور یقینا اللہ کافروں کو ذلیل کرتے ہیں۔

وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ وَرَسُوْلُهٗ ۭ فرمایا: یوم حج اکبر پر اللہ کی طرف سے اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے تمام اولاد آدم کے لیے آج یہ اعلان ہو رہا ہے کہ اللہ مشرکین سے بیزار ہیں۔

حج اکبر:

حج اکبر سے کیا مراد ہے؟ ہر سال کا فرض حج، حج اکبر ہے اور سال بھر میں جو عمرے کئے جاتے ہیں وہ حج اصغر ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے 10 ھ میں حجۃ الوداع فرمایا۔ حجۃ الوداع پر عرفہ کے دن جمعہ تھا اس لیے یہ بات وہاں سے اخذ کر لی گئی کہ جو حج جمعہ کے روز آجائے کہ یوم عرفہ بھی ہو اور جمعہ کا دن بھی ہو تو وہ حج اکبر ہوتا ہے۔ لیکن یہ بات صحیح نہیں چونکہ قرآن جس حج کو حج اکبر کہہ رہا ہے یہ 9 ھ کا حج ہے جس کے امیر سیدنا ابوبکر صدیقؓ تھے اور 9 ہجری میں جو حج ہوا تھا اس کے یوم عرفہ کو جمعہ نہیں تھا۔ اس کے باوجود قرآن کریم نے اسے حج اکبر کہا ہے۔ اس لیے مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ چونکہ عمرہ کو حج اصغر کہتے ہیں اس لیے ہر حج، حج اکبر کہلائے گا۔

ہاں دس ہجری میں جو حجۃ الوداع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ادا فرمایا اس دن جمعہ تھا اور جمعہ کا اور حج کا جمع ہونا بے شمار برکات کا حامل ہے لیکن صرف وہی حج اکبر نہیں۔ ہر حج، حج اکبر ہے اور جمعہ کو حج ہو تو برکات بڑھ جاتی ہیں ہمارے ہاں اس کے الٹ سمجھا جاتا ہے۔ اگر جمعہ کو عید ہو جائے یا حج ہو جائے تو کہا جاتا ہے کہ

حکومت پر بھاری ہو جاتا ہے حالانکہ جمعہ کے باعث برکات مزید بڑھ جاتی ہیں۔ ہاں شیطان کے لیے بھاری ہوتا ہے، کفار اور شیاطین کے لیے خاص طور پر بھاری ہوتا ہے۔ واضح ہو گیا کہ عمرہ حج اصغر ہے اور حج، حج اکبر۔ فرق یہ ہے کہ عمرہ کے لیے کوئی ایام مقرر نہیں اور حج کے ایام مقرر ہیں۔ عمرہ مختصر امور کی ادائیگی پر مشتمل ہوتا ہے۔ احرام باندھ کر مسجد حرام آئے، بیت اللہ کا طواف کیا، دو نفل پڑھے، زم زم پیا، صفا اور مروہ کی سعی کی سر کے بال کتروائے یا منڈوائے اور احرام کھول دیا۔ یہ بھی حج ہے لیکن حج اصغر ہے۔ حج اکبر کے پانچ دن میں آٹھویں ذوالحج سے شروع ہوتا ہے۔ فجر کی نماز بیت اللہ میں، حرم میں ادا کر کے حاجی نکلتے ہیں دن منیٰ میں گزارتے ہیں، رات منیٰ میں ٹھہرتے ہیں 9 ذوالحج کو دن عرفات میں گزارتے ہیں رات مزدلفہ میں دس ذوالحج کی صبح پھر واپس منیٰ میں آ جاتے ہیں۔ جمرہ عقبہ پر کنکریاں مارتے ہیں، قربانی کر کے سر منڈوا کر یا بال کتروا کر احرام کھول دیتے ہیں، طواف زیارت کرتے ہیں اور منیٰ میں قیام کرتے ہیں۔ گیارہ بارہ تیرہ ذوالحج تین دن کنکریاں مارنے پر لگ گئے اس طرح یہ پانچ دن حج کے ہیں اسے حج اکبر کہا جاتا ہے اور ان پانچ دنوں میں عمرہ کرنا درست نہیں ہے۔ یعنی باقی سارا سال عمرے کا کوئی وقت مقرر نہیں ہے سارا سال ہوتا رہتا ہے لیکن آٹھ ذوالحج سے جب حج شروع ہو جاتا ہے تو تیرہ ذوالحج تک ان پانچ دنوں میں عمرہ نہیں کیا جاتا۔ یہ حج کے دن ہیں اس کے بعد پھر عمرہ شروع ہو جاتا ہے۔ سارا سال عمرہ جاری رہتا ہے۔ تو فرمایا اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حج اکبر کے دن اولاد آدم کے لیے یہ اعلان ہے کہ اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ وَرَسُوْلُهٗ اللہ اور اس کا رسول ﷺ مشرکین سے بری الذمہ ہیں۔ کسی مشرک کا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ ایک بڑی عجیب بات ہے، ہم یہ سمجھتے ہیں کہ مشرکین صرف وہ ہیں جو اللہ کو نہیں مانتے بتوں کو مانتے ہیں یہ بڑا نازک مسئلہ ہے۔ یہ ذہن نشین کر لیں کہ ہر مشرک اللہ کو مانتا ہے۔ شرک ہوتا ہی تب ہے جب اللہ کو مانتا ہے اور پھر اس کے ساتھ کسی کو شریک کرتا ہے۔ اگر اللہ کو مانتا نہیں تو پھر شرک کس کے ساتھ کرتا ہے۔ یہ یاد رکھ لیں کہ شرک ہوتا یہ ہے کہ اللہ کو مانتا ہے پھر اس کی ذات یا اس کی صفات میں کسی دوسرے کو شریک کر لیتا ہے۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ میں اللہ کو مانتا ہوں تو میں تو شرک نہیں کرتا لیکن ہم غیر شعوری طور پر اس میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ زبانی کہتے ہیں کہ اللہ رازق ہے۔ اب یہ اس کی صفت ہے۔ لیکن جب کوئی بندہ گناہ کر کے، چوری کر کے یا رشوت لے کر رزق حاصل کرنا چاہتا ہے تو ظلم کرنا، رشوت لینا، چوری کرنا یا ڈاکہ کرنا یہ تو گناہ ہے لیکن اس میں شرک یہ ہے کہ ان غلط ذرائع پر بھروسہ کر لیا اللہ کے وعدے پر بھروسہ نہ کیا۔ یا کوئی شخص اس غرض سے کسی دوسرے شخص کی بات مانتا ہے کسی امیر کی، کسی بادشاہ کی، کسی دولت مند کی بات مانتا ہے کہ بات تو اس کی ناجائز ہے۔

اللہ کے حکم کے خلاف ہے لیکن اس لیے مانتا ہے کہ اس سے مجھے پیسے ملیں گے تو اس نے اللہ کو رازق نہیں سمجھا اس نے اس شخص کو رازق سمجھا یہ شرک ہو گیا۔ اسے کہتے ہیں شرک خفی اور یہ بڑی مشکل سے اندر سے نکلتا ہے۔

حصول یقین کا یقینی ذریعہ:

انسان کمزور ہے بات بات پر سہارے ڈھونڈتا ہے اللہ کے بھروسے پر رہنا اسے بڑا مشکل نظر آتا ہے اور مشکل ہے بھی۔ دیکھو عہد نبوی میں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ستودہ صفات تھی جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر نصیب ہو گئی اسے نور ایمان بھی نصیب ہو گیا سارا یقین حاصل ہو گیا، ساری کیفیات حاصل ہو گئیں اس لیے کہ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ (الزمر:23) ان کے وجود کا تو ہر سیل ذاکر ہو گیا۔ اللہ اللہ تو اس کے ہر انگ میں سما گئی۔ اس کی نظروں میں اس کے دل میں، اس کے خیالات میں، اس کے ذہن میں، اس کی سوچوں میں۔ اس کے وجود کے ہر سیل میں اللہ کا نام بس گیا۔ اس نے تو اللہ کو مان لیا کہ اس کا ہر سیل اللہ، اللہ کہہ اٹھا۔ یہی برکات تابعین نے صحابہؓ سے وصول کیں اور ان سے تبع تابعین نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تین زمانوں کو بہترین کہا۔ کیوں بہترین کہا؟ کیا دولت عام تھی، کیا لوگ بہت زیادہ خوش حال تھے؟ نہیں۔ اس لیے بہتر ہیں کہ نور ایمان عام تھا ہر بندے میں قوت یقین تھی پھر کمی ہوتی گئی۔ اب اللہ کو بندہ کیسے مانے؟ نہ اسے دیکھ سکتا ہے نہ محسوس کر سکتا ہے نہ اس کی کوئی مثل ہے نہ مثال ہے تو بندہ کیسے مانے۔ قرآن کریم نے اس کا جواب برکات نبوت کے حصول کو دیا ہے۔ قرآن حکیم میں ذکر الٰہی کا حکم کم و بیش چھتیس مرتبہ براہ راست آیا ہے اور سینکڑوں بار بالواسطہ۔ یوں بلاواسطہ اور بالواسطہ ملا کر کم از کم آٹھ سو بار حکم دیا گیا ہے حالانکہ ایک حکم ایک بار کافی ہے ایک حکم کو آٹھ سو بار کیوں دہرایا گیا؟ قرآن تو مختصر ترین بات ارشاد فرماتا ہے۔ چھوٹے سے جملے میں علوم کے دریا بہا دیتا ہے تو ذکر الٰہی کے حکم کو نہ صرف اتنی بار دہرایا بلکہ اس کے ساتھ ذکر کثیر، ذکر دوام اور ہر حال میں ذکر کرنے کا حکم دہرایا۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ بندے کے پاس معرفت الٰہی کا ذریعہ صرف ذکر الٰہی ہے جب قلب ذاکر ہو جائے گا، لطائف ذاکر ہو جائیں گے وجود ذاکر ہو جائے گا۔ اجزائے بدن ذاکر ہوں گے تو دوام ذاکر ہو گا نگاہ ذاکر ہو گی، زبان ذاکر ہو گی تو یقین بھی کامل ہو جائے گا۔ اللہ کے ہونے کا، اس کے رازق ہونے کا، اس کے مالک ہونے کا اس کے ہر چیز پر قادر ہونے کا، اس کے حساب لینے کا ہر بات کا یقین آتا چلا جائے گا اس کے بغیر انسان کے پاس کوئی دوسرا راستہ نہیں اور جنہیں یہ چیز نصیب ہوئی انہیں دنیا جھکا نہیں سکی۔

ان کے سر کٹ گئے جھکے نہیں اور جنہیں یہ نصیب نہیں وہ در در پہ جھکتے بکتے رہتے ہیں اور چند سکوں کے عوض، محض وعدوں پر بک جاتے ہیں۔ ایمان بیچ بیٹھتے ہیں اور ملتا کچھ بھی نہیں۔ سو فرمایا یہ شرک خفی ہے۔ شرک جلی سیدھا سیدھا اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا ہے۔ عیسائیوں نے کہا عیسیٰؑ اللہ کے بیٹے ہیں انہیں اللہ کی ذات میں شریک کر لیا، یہودیوں نے کہا عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ (التوبہ:30) عزیرؑ اللہ کے بیٹے ہیں انہیں اللہ کی ذات میں شریک کر لیا۔ ہندوؤں، سکھوں، جین مت والوں نے بت بنا لیے اور ان میں خدائی اوصاف مان لیے ان میں اللہ کی صفات مان لیں۔ بزرگوں کے، اپنے بڑوں کے بت بنا لیے انہیں پوجنا شروع کر دیا یہ سارے بت پرست بھی سارے عیسائی یہودی بھی یہ سارے مشرکین اللہ کو مانتے ہیں کچھ اس کی ذات میں شریک کر لیتے ہیں باقی اس کی صفات میں کسی کو شریک کر لیتے ہیں۔ خالص توحید یہ ہے کہ نہ اللہ کی ذات میں کسی کو شریک کرے نہ اس کے کسی وصف میں کسی کو شریک کرے۔ اللہ، اللہ ہے بے مثل، بے مثال ہے۔ واحد و لا شریک ہے بلکہ واحد بھی نہیں قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ○ (اخلاص:1) وہ احد ہے واحد کو بھی شاید کہیں توڑا جا سکے دو بن سکیں احد کا مطلب وہ ایک اکائی ہوتی ہے جسے توڑا نہ جا سکے جو غیر منقسم ہو تو قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اللہ اَحَدٌ ہے اس کی ذات اس کی صفات میں کوئی دوسرا شریک نہیں کیا جا سکتا سو اعلان کیا جاتا ہے اللہ کی طرف سے اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے تمام اولاد آدم کو یوم حج اکبر کے دن اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ وَرَسُوْلُهٗ کہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کا شرک کرنے والوں سے کوئی تعلق نہیں۔

یہاں بڑی عجیب بات یہ ہے کہ کوئی رعایت نہیں رکھی گئی کہ کوئی تھوڑا شرک کرے تو اس کے ساتھ گزارہ ہو سکتا ہے نہیں ایسا نہیں کہیں یہ گنجائش ہوتی کہ بھول کر بے دھیانی سے تھوڑا بہت شرک کر لے تو گذارہ ہو جائے گا۔ فرمایا شرک قطعاً قابل قبول نہیں چھوٹا ہے یا بڑا وہ تھوڑا ہے یا زیادہ اور یہ ایسی بات ہے کہ دل خون کے آنسو روتا ہے۔ انسان بڑا کمزور ہے چھوٹی چھوٹی باتوں پر سہارے ڈھونڈتا ہے اور نہیں سمجھ سکتا کہ کہاں شرک میں داخل ہو جائے گا۔ اور اگر قدم شرک کی حد کے اندر پڑ گیا تو اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے فارغ۔ یہ معمولی بات نہیں ہے بہت سخت بات ہے۔ انسان کے اندر سے غیر اللہ کے آسرے نکل جائیں صرف اللہ سے امید رہ جائے تو یہی اسلام ہے یہی دین ہے اور اسی کی طرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت دی ہے۔ ہم دوسروں پر الزام لگانے میں بڑے تیز ہیں۔ میرا خیال ہے کہ یہ اتنا نازک معاملہ ہے کہ ہر بندے کو اپنی تلاش کرنی چاہیے کہ کہیں مجھ سے شرک تو نہیں ہو گیا۔

صحابہ کرامؓ ایسی عظیم ہستیاں تھیں جنہوں نے محبت کرنے کا، عشق کا حق ادا کر دیا۔ تذکرہ صحابہ عشق و

محبت کی داستانوں سے مزین ہے ایک صحابیؓ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ مجھے اللہ جنت میں، آخرت میں، آپ ﷺ کی خدمت میں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت میں رہنے کی سعادت نصیب ہو جائے۔ حضور ﷺ کا صحابیؓ ہونا بہت بڑی عظمت ہے اتنی بڑی کہ ہم سوچ بھی نہیں سکتے ہم تو ہر ولی کی خدمت سعادت سمجھتے ہیں۔ ان کی قبروں کے پاس بیٹھ کر دعا کرنا سعادت سمجھتے ہیں وہاں انوارات ہوتے ہیں برکات ہوتی ہیں۔ اگر ساری دنیا کی ساری مخلوق ولی ہو جائے اور ان ساروں کی ولایت جمع کی جائے تو صحابیؓ کی گرد پا کو نہیں پہنچتی۔ صحابیت اتنا بلند رتبہ ہے۔ جب انہوں نے عرض کی تو حضور ﷺ نے فرمایا اب جو زندگی باقی ہے اس میں کسی سے کچھ نہ مانگنا، سوال نہ کرنا۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ ایک مرتبہ مکہ مکرمہ جا رہے تھے اونٹ پر بیٹھے تھے تو ہاتھ سے اونٹ کو چلانے کا کوڑا یا چابک گر گیا انہوں نے اونٹ کو بٹھایا، نیچے اترے اور کوڑا اٹھایا اور پھر اونٹ پر بیٹھے تو کسی نے عرض کی کہ ہم آپ کے ساتھ چل رہے ہیں آپ حکم دیتے ہم اٹھا کر پکڑا دیتے آپؓ نے اتنا تکلف کیا۔ فرمایا مجھے حضور ﷺ نے منع فرمایا تھا کسی سے کچھ مانگنا نہیں، سوال نہ کرنا۔ جب اللہ کے ساتھ اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ معاملہ ایسا ہو جائے کہ کسی سے کوئی امید نہ رہے، ساری امیدیں اللہ سے وابستہ ہو جائیں تو یہ اسلام ہے، یہ توحید ہے۔

یہ بڑا سخت مقام ہے کہ وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اور اعلان کیا جاتا ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ کے رسول ﷺ کی طرف سے تمام لوگوں کی طرف قیامت تک کے لوگوں کی طرف حج اکبر کے دن يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ کہ اللہ اور اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم شرک کرنے والوں سے بری ہیں ان کا کوئی تعلق نہیں۔

اللہ کا کرم پھر اللہ کا کرم ہے:

اللہ اتنا کریم ہے کہ ہم سوچ ہی نہیں سکتے ہماری سوچیں مخلوق ہیں اور وہ خالق ہیں۔ اس کی ذات سوچوں سے وراء اس کی صفات سوچوں سے وراء ہے اس نے پھر بھی رعایت دے دی فرمایا، فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ اگر شرک سے توبہ کر لو پھر تمہارا بھلا ہو سکتا ہے۔ باز آ جاؤ جو ہو گیا سو ہو گیا اب چھوڑ دو توبہ کا مطلب ہوتا ہے کہ عملاً جو غلطی ہو گئی اسے چھوڑ دیا جائے اسے پھر دہرایا نہ جائے۔ ہم لفظ توبہ کو زبانی لے لیتے ہیں اٹھتے بیٹھتے کہتے ہیں یا اللہ میری توبہ لیکن کردار وہی رہتا ہے۔ توبہ کہنے کا نہیں توبہ کرنے کا کام ہے۔ توبہ سے مراد ہے کہ عقیدے میں جو غلطی ہے اسے درست کرے۔ اس سے توبہ یہ ہے کہ عقیدہ خالص کر لے عمل میں جو غلطی ہے اس سے توبہ یہ ہے کہ وہ برائی چھوڑ دے۔ فرمایا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ اسی میں تمہاری بھلائی ہے تمہارے لیے یہ بہت بہتر ہے توبہ کر لو اور شرک میں تو اللہ نے فرق نہیں رکھا کہ چھوٹا شرک ہو تو خیر ہے اور بڑا ہو تو نہیں معاف ہوتا۔

فرمایا اگر کوئی شرک کرے گا، جو بھی کرے گا اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ لیکن توبہ کا دروازہ کھلا ہے اگر شرک بھی کر بیٹھے ہو تو توبہ کرلو اللہ اور اللہ کا رسول تمہیں قبول کرلیں گے۔ توبہ سے مراد یہ ہے کہ پھر واپس گناہ کی طرف نہ جاؤ۔ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ پھر اگر توبہ کرلو تو وہ تمہارے لیے بہتر ہے وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ اور اگر تم توبہ نہیں کرتے اور اس عہد سے پھر جاتے ہو، شرک میں اور غیروں کے دروازوں پر سجدے کرنے میں عمریں گزار دیتے ہو، اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کٹ جاتے ہو تو پھر یاد رکھو تم اللہ سے بھاگ نہیں سکتے۔ اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ۙ اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے کہ کہیں چھپ جاؤ یا مٹ جاؤ یا پھر اللہ کو ملو ہی نہیں۔ پھر اللہ کے قابو سے بھاگ نہیں سکتے وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ اور جو اللہ کا انکار کرتے ہیں، کفر کرتے ہیں، نافرمانی کرتے ہیں انہیں یہ خوش خبری سنا دیجیے کہ ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔ عذاب کا نام ہی بڑا سخت ہے۔ لفظ عذاب ہی بڑا سخت ہے اس کے ساتھ دردناک بڑھا دیا۔ بڑے دردناک بہت تکلیف دہ عذاب ہوں گے۔

توبہ:

فرمایا کافروں کو عذاب کی خوشخبری دے دیجئے نہ صرف عذاب بلکہ دردناک عذاب کہ ان کا جرم صرف کفر نہیں ہے کفر بہت بڑا جرم ہے اور پھر اللہ کے دین کے سچے راستے کو روکنا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کے سامنے رکاوٹ بننا یہ تو اتنا بڑا جرم ہے کہ ان کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنائی گئی ہے۔ لیکن اللہ بہت کریم ہے۔ انسان رحمت باری کا اندازہ نہیں کر سکتا۔ اللہ کی ذات ہمارے علم، ہماری سوچوں سے وراء الوراء ہے اسی طرح اس کی صفات بھی ہماری سوچ وفکر سے وراء الوراء ہیں۔ ہماری فکر میں نہیں سما سکتیں۔ وہ اتنا کریم ہے کہ اگرچہ کافروں پر غضبناک ہو رہا ہے لیکن توبہ کا دروازہ کھلا رکھا ہے۔ اپنا غضب کا اظہار فرما رہا ہے اور اظہار بھی اس طرح فرما رہا ہے کہ انہیں خوشخبری دے دیجیے یعنی انہیں یہ خبر دے دیجیے کہ انہیں دردناک عذاب ہوگا۔ یہ بڑا سخت جملہ ہے عذاب تو عذاب ہے۔ انہیں عذاب کی اطلاع دی جا رہی ہے یہ سخت خبر ہے لیکن اللہ کریم انہیں مزید ذلیل کرنے کے انداز میں فرما رہا ہے کہ انہیں خوش خبری دے دیجیے انہیں عذاب ہوگا اور بڑا دردناک عذاب ہوگا کہ یہ کافر بھی ہیں اور دین کا راستہ اور میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ بھی روک رہے ہیں۔ اس سب کے باوجود توبہ کا دروازہ ان کے لیے بھی کھلا رکھا ہے۔ یہ ہے اللہ کا کرم کہ اتنا بڑا جرم کر رہے ہیں اس سب کے باوجود ان کے لیے توبہ کا دروازہ کھلا رکھا اور فرمایا اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ہاں اس غضب سے وہ

مشرک بھی، وہ کافر بھی محفوظ رہیں گے جنہوں نے مسلمانوں سے معاہدہ کر رکھا ہے اور پھر اس معاہدے کو توڑا نہیں ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْـًٔا یعنی وہ کافر ہیں مشرک ہیں بے دین ہیں لیکن بدامنی نہیں پھیلا رہے انہوں نے مسلمانوں سے امن کا معاہدہ کر لیا ہے اور اس معاہدے کو توڑ نہیں رہے، نبھا رہے ہیں، بدامنی پیدا نہیں کر رہے تو وہ اس سے مستثنیٰ ہیں وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا یعنی ان میں سے کسی پر آپ زیادتی نہیں کر سکتے کہ انہوں نے معاہدہ بھی نہیں توڑا اور مسلمانوں کے خلاف کسی کی مدد بھی نہیں کی فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ تو ان کا معاہدہ جس مدت تک کے لیے ان کے ساتھ ہے پورا کیا جائے۔ یعنی انداز دیکھیں یہاں ہم تو بات بات پر ایک دوسرے پر کفر کا فتویٰ لگا دیتے ہیں اور بات بات پر بندوق نکل آتی ہے اور بات بات پر بم چلائے جاتے ہیں اور ایسے لوگوں کو قتل کیا جاتا ہے جن کا اس معاملے سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ کہیں مزدور بازار میں، گلیوں میں، سڑکوں پر، مسافر بسوں میں گاڑیوں میں جاتے ہوئے، راہ چلتے ہوئے مارے جاتے ہیں یہ تو کوئی اسلام نہیں ہے۔ اگر کوئی اسے اسلام کے نام پر کر رہا ہے تو یہ غلط طریقہ ہے۔ اسلام میں تو کافر و مشرک بھی اگر اسلام قبول نہیں کرتا تو اس کے انسانی حقوق محفوظ ہیں اسے کفر پر رہنے کا حق ہے۔ اس سے حساب اللہ لے گا کہ تم کفر پر کیوں رہے۔ وہ اسلامی ریاست میں بھی رہ سکتا ہے۔ اس کی جان مال آبرو کی حفاظت مسلمانوں کے ذمے ہے بلکہ اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کو کہا ہی ذمی جا رہا ہے اور ان سے اس بات کا ٹیکس لیا جاتا ہے کہ مسلمان ان کی حفاظت کریں گے یعنی وہ مسلمانوں کی ذمہ داری ہیں اور اسلامی افواج میں بھی انہیں نہیں لیا جاتا کہ وہ ملک کے دفاع کے لیے لڑیں ان کی حفاظت مسلمانوں کی ذمہ داری ہے۔ یہ اپنا کاروبار کریں تجارت کریں، ملازمت کریں، آرام سے رہیں۔ ملک کی حفاظت کے ساتھ ان کی عزت آبرو، جان مال کی حفاظت، مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ یہ ذمی ہیں۔ چہ جائیکہ مسلمانوں پر کفر کا لیبل لگا کے قتل کرنا شروع کر دیا جائے۔ اس کی اجازت نہیں۔ فرمایا کافروں کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجیے سوائے ان کے جو ہیں تو مشرک لیکن مسلمانوں سے انہوں نے امن کا معاہدہ کر رکھا ہے۔ اگر انہوں نے امن کے معاہدے میں ذرا کمی نہیں کی اور نہ مسلمانوں کے خلاف کسی کی مدد کی ہے انہیں یہ رعایت دی جائے گی فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ان کے ساتھ جس مدت تک کا معاہدہ کیا جائے گا وہ مدت پوری کی جائے گی اس کے بعد دیکھا جائے گا کہ اگر وہ امن سے رہتے ہیں تو ٹھیک ہے اگر زیادتی کرتے ہیں تو مقابلہ کیا جائے گا، جہاد کیا جائے گا لیکن اگر زیادتی نہیں کرتے امن سے رہتے ہیں پھر معاہدہ بڑھا لیتے ہیں کہ ہم زیادتی نہیں کریں گے تو انہیں پھر موقع دیا جائے گا۔ تو اگر کافر کے لیے اتنی گنجائش ہے کہ وہ زیادتی نہ کرے تو امن سے رہ سکتا ہے اور اس کے ساتھ لڑنا جہاد نہیں ہے۔ جہاد تب ہی ہوگا

جب وہ ظلم کرے۔ زیادتی کرے۔ تو اس کو ظلم سے روکنا جہاد ہوگا۔ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝ اللہ کریم پرہیزگاروں سے محبت کرتے ہیں یعنی مومن کو اطاعت الٰہی کا پابند ہونا چاہیے اتباع رسالت پر کاربند ہونا چاہیے۔ مومن اپنی مرضی سے فیصلے نہیں کرسکتا۔ مومن کا اخلاق وہ ہونا چاہیے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم فرمایا۔ مومن کے معاملات وہ ہونے چاہئیں جن کی تعلیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی۔ مومن کی جنگ اور صلح ذاتی نہیں ہے۔ جب کسی کے ساتھ لڑائی ہے تو اللہ کے حکم پر ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کے حکم پر ہے اور صلح ہے تو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے حکم پر ہے اور اللہ ایسے کافروں کو بھی پناہ دے رہے ہیں۔ لڑائی سے امان دے رہے ہیں جو امن سے رہتے ہیں مسلمانوں پر نہ خود زیادتی کرتے ہیں نہ کسی زیادتی کرنے والے کی مدد کرتے ہیں بلکہ امن کا معاہدہ کرلیتے ہیں اور اس معاہدے کو نبھاتے ہیں تو مومن اسے نہیں توڑیں گے۔ مومن تو امن سے رہیں گے، اور جو لوگ زیادتی کرتے ہیں مسلمانوں پر ظلم کرتے ہیں اور اسلام کا راستہ روکنے کی اور کفر و شرک پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں انہیں بھی حرمت کے مہینوں میں چھٹی ہے حرمت کے مہینوں میں انہیں کوئی نہیں چھیڑے گا فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ تو جب حرمت کے مہینے گزر جائیں فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ تو پھر مشرک جہاں ہیں ان کے ساتھ مقابلہ کیا جائے گا، قتال کیا جائے گا، جنگ کی جائے گی فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ پھر انہیں جہاں پاؤ وہیں قتل کیا جائے گا چونکہ وہ نہ صرف کافر ہیں بلکہ ظلم کررہے ہیں، اسلام کا راستہ روک رہے ہیں، مسلمانوں پر زیادتی کررہے ہیں، لوگوں کو قتل کررہے ہیں، لہٰذا اس کے بدلے انہیں قتل کیا جائے گا۔ فرمایا جہاں ملیں ان سے مقابلہ کرو انہیں قتل کرو وَخُذُوْهُمْ انہیں قیدی بناؤ وَاحْصُرُوْهُمْ گھیرے میں آسکیں تو گھیرے میں لے لو وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ان کے لیے ہر راستے پر گھات لگا کر بیٹھو۔ یعنی ظلم کی کمر توڑنے کے لیے، زیادتی کو روکنے کے لیے جنگ کے حربے سکھائے جارہے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے خلاف جہاد کا حکم دیا جارہا ہے جو امن سے نہیں رہتے ظلم و زیادتی اور قتل و غارت گری کرتے ہیں۔ ایک تو کافر ہیں دوسرے دین کا راستہ روکتے ہیں، تیسرے ملک کا امن تباہ کرتے ہیں تو ان سے ہر طرح سے جنگ ہوگی لیکن جو حرمت کے مہینے ہیں ان میں ان کو بھی رعایت ہے۔ حرمت کے مہینوں میں جنگ نہیں ہوگی اگر کافر جنگ شروع کریں تو جواب دیا جائے گا۔ مسلمان از خود حملہ نہیں کریں گے۔ اور حرمت کے مہینے چلے جائیں تو جہاں مل جائیں انہیں قتل کرو، قیدی بناؤ، گھیرے میں لے لو، گھات لگا کر مختلف موقعوں پر بیٹھو۔ اس سب کے بعد فرمایا توبہ کا دروازہ پھر بھی کھلا ہے فَاِنْ تَابُوْا اگر وہ توبہ کرلیں۔ اگر وہ یہ برائی چھوڑ دیں۔ اگر وہ کفر و شرک بھی چھوڑ دیں۔ یعنی توبہ کیا ہوگی؟ توبہ کسی زبانی اعلان کا نام نہیں ہے۔ توبہ ایک عمل کا نام ہے۔ یعنی جو برائی

کر رہا ہے اسے چھوڑ دے اور آئندہ اسے نہ دہرائے۔ ہر کام کرتے وقت بندے کے سامنے دو راستے ہوتے ہیں ایک اس کے کرنے کا غلط طریقہ اور انداز ہوتا ہے دوسرا صحیح ہوتا ہے تو غلط کو چھوڑ دے صحیح کو اپنا لے یہ توبہ ہے۔ گناہ، غلطی عام آدمی سے بھی ہوسکتی ہے، عالم سے بھی ہوسکتی ہے، ولی اللہ سے بھی ہوسکتی ہے فرمایا صدور ذنب منافی ولایت نہیں ہے۔ گناہ کا ہو جانا ولایت کے منافی نہیں ہے کہ ولی اللہ سے گناہ نہیں ہوسکتا۔ ولی اللہ بھی انسان ہے فرشتہ نہیں ہے اس سے گناہ ہوسکتا ہے لیکن فرمایا اصرار علی الذنب منافی ولایت ہے یعنی اس گناہ کو اختیار کر لینا اور کرتے چلے جانا اس سے پھر نیکی نہیں رہتی ولایت نہیں رہتی ولایت ختم ہو جاتی ہے۔ فرمایا: فَاِنْ تَابُوْا اگر وہ توبہ کریں۔ آگے توبہ کی تعریف ہے فرمایا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ یعنی بدنی عبادتیں بھی پوری کرے، عملی طور پر اللہ کی اطاعت کرے اور مالی طور پر معیشت میں اسلامی نظام معیشت اپنائے اپنے مال سے زکوٰۃ دے، صدقات دے، حلال، جائز پہ خرچ کرے، فضول خرچی نہ کرے، حرام پر خرچ نہ کرے تو یہ توبہ ہے۔ توبہ یہ ہے کہ عقیدہ درست کرلے عمل درست کرے، صلوٰۃ کی پابندی کرے یعنی بدنی عبادات جو فرض ہیں جو سنت ہیں جو نوافل ہیں ان میں محنت کرے فرائض ادا کرے اور مالی طور پر زکوٰۃ دے اپنے مال کو پاکیزہ رکھے۔ زکوٰۃ مال کی طہارت ہوتی ہے اسے پاک رکھنے کے لیے ہوتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ ﷺ کی پوری نسل پر زکوٰۃ حرام ہے اس لیے کہ یہ لوگوں کے مال کا میل کچیل ہوتا ہے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم صدقات و زکوٰۃ نہیں کھایا کرتے تھے اور نہ آپ کے خاندان کو اجازت تھی کہ وہ صدقات و زکوٰۃ کھائیں ہاں غنیمت حلال تھی جائز تھی غنیمت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حلال کی گئی اور آپ ﷺ کی اُمت کے لیے حلال کی گئی تو فرمایا جب مال کو پاک رکھنے کا اتنا خیال ہے کہ اس میں سے زکوٰۃ دے گا جو اللہ نے مقرر کی ہے تو پھر اس میں وہ حرام شامل کیوں کرے گا۔ اس کا مطلب ہے کمائے گا بھی حلال جب مال کو پاک رکھنا چاہتا ہے تو کمائے گا بھی پاکیزہ طریقے سے اور حلال کمائی میں سے زکوٰۃ ادا کرے۔ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ؕ تو ان کو چھیڑا نہ جائے، ان کا راستہ چھوڑ دیا جائے اس لیے کہ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ یقیناً اللہ معاف کرنے والے بخشنے والے اور بہت بڑے رحم کرنے والے ہیں۔ کوئی شخص کفر کرتا ہے، شرک کرتا ہے پھر اسلام کا راستہ روکتا ہے پھر باہر نکل آتا ہے، تلوار لے کر مسلمانوں کے خلاف جنگ کرتا ہے، مسلمانوں کو شہید کرتا ہے ان سے قتل و غارت گری کرتا ہے تو فرمایا جو حرمت کے مہینے ہیں ان میں مسلمان حملہ نہ کریں ہاں اگر کافر حملہ کریں تو پھر جواب دینے کی اجازت ہے یہ نہیں کہ پھر ہاتھ باندھ کر کھڑے رہیں اور قتل ہوتے رہیں۔ جواب تو دیں گے لیکن مسلمان حملہ نہیں کریں گے۔ اگر اس سب کے بعد کوئی توبہ کرلے، ایمان قبول کرلے، کفر کو چھوڑ دے تو جتنے گناہ وہ کر چکا ہے اسلام ایسی نعمت ہے کہ

اسلام سے پہلے کے سارے گناہوں کو دھو دیتا ہے۔ جب اس نے کہہ دیا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ تو جتنے گناہ وہ کر چکا تھا وہ سارے معاف ہو گئے۔ جب گناہ معاف ہو جاتے ہیں تو ایک اندازہ آدمی کو اپنی ذات میں خود ہو جاتا ہے کہ پھر اس کا وہ گناہ کرنے کو دل نہیں چاہتا۔ گناہ سے ڈرتا ہے، بچنا شروع کر دیتا ہے تو اس سے پتہ چلتا ہے کہ گناہ معاف ہو گئے ہیں لیکن اگر گناہ پر دلیر رہے اور توبہ توبہ بھی کرتا رہے تو پھر جھوٹ بولتا ہے دھوکا دیتا ہے گناہ کو چھوڑتا نہیں اور زبانی توبہ توبہ کہتا ہے توبہ زبانی کہنے کی بات نہیں ہے ایک عمل ہے جو کیا جاتا ہے اور عمل کا مدار قلبی کیفیات پر ہوتا ہے جو دل کی گہرائی سے کیا جاتا ہے۔ فرمایا: فَاِنْ تَابُوْا اگر وہ توبہ کریں وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ صرف کلمہ پڑھ کے فارغ نہ ہو جائیں نماز کو قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں یعنی مالی بدنی عبادت جو ہے اس پر کاربند ہو جائیں اور خلوص دل سے کاربند ہو جائیں فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ۭ پھر آپ انہیں نہیں روکیں۔ ان پر کوئی زیادتی نہیں کی جائے گی ان کا راستہ چھوڑ دیا جائے گا۔ اس لیے کہ یقینا اللہ بہت بڑے بخشنے والے ہیں، بہت بڑے رحم کرنے والے ہیں جتنے بھی گناہ کوئی کر چکا ہے۔ بڑے سے بڑے گناہ گار کا علاج توبہ کے علاوہ کچھ نہیں۔ ہر ایک کے لیے توبہ ہے اور مرنے سے پہلے پہلے جو بھی توبہ کر لے اللہ کریم بہت بڑے بخشنے والے رحم کرنے والے ہیں بلکہ فرمایا انہیں اور بھی رعایت دیجیے۔

عدل اسلام کا خاصہ:

یہ جو کہا جاتا ہے کہ اسلام زبردستی لوگوں پر ٹھونسا گیا آپ اندازہ کریں قرآن کریم کیا حکم دیتا ہے فرمایا: وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ اگر مشرکین میں سے جو اسلام کے خلاف لڑ رہے ہیں، ظلم کر رہے ہیں، بتوں کی پوجا کر رہے ہیں یہ کافر بھی ہیں، مشرک اور بت پرست بھی ہیں اگر ان میں سے کوئی آپ ﷺ سے پناہ مانگ لے وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ اے میرے حبیب اور حضور ﷺ کی طفیل تمام مسلمان مخاطب ہیں کہ اے مسلمانو اگر کوئی مشرک، کوئی کافر تم سے پناہ مانگ لے فَاَجِرْهُ اسے پناہ دو۔ اسے امن سے اپنے پاس آنے دو حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ تاکہ وہ اللہ کی باتیں سن لے۔ اگر کوئی مشرک بات سمجھنا چاہتا ہو اسے موقع دو مشرکین کو یہ فکر تھی کہ باپ دادا سے وہ بتوں کی پوجا کرتے تھے، ستاروں کی پوجا کرتے تھے اب اگر وہ اسلام قبول کر لیں مسلمانوں کا دین اپنائیں تو اس میں دو مصیبتیں ہیں ایک تو یہ کہ صدیوں سے جس دین کے عادی ہیں اسے کیسے چھوڑ دیں، اپنے خداؤں کو کیسے چھوڑیں دوسرے یہ ہے کہ جو آباء آج تک گزر چکے ہیں ان کو کافر مان لیں، باپ دادا کو غلط مان لیں اور کہیں کہ ہمارے باپ دادا کافر

تھے اور ہم مسلمان ہو گئے یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اب اس کا جواب تو یہ ہے کہ وہ اللہ کا کلام سنیں ،قرآن کا مفہوم سمجھیں تو انہیں پتہ چلے کہ حق کیا ہے باطل کیا ہے اور اگر ان مشرکوں میں سے کوئی آپ سے پناہ کا طالب ہوتا ہے، مسلمانوں سے پناہ کا طالب ہوتا ہے تو اسے پناہ دے دیجیے اسے اپنے مرکز میں آنے دیجیے اسے اپنے پاس لے آیئے حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ تاکہ وہ اللہ کی باتیں سن لیں۔ اسے قرآن سنایئے ،اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں سنایئے اسے دین اسلام سنایئے اسے اپنے فیصلے سے ماننے کا موقع دیں پھر بھی یہ حکم نہیں ہے کہ اسے پکڑ کر کلمہ پڑھا دیں۔نہیں اسے اسلام کی حقانیت سنایئے اسلام کی خوبیاں بتایئے تاکہ وہ اچھی طرح سن لیں ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ اس کے بعد بھی اسے جہاں سے آیا تھا وہاں تک بحفاظت واپس پہنچا تاکہ اپنے گھر پہنچ کر وہ آزادی سے فیصلہ کر سکے کہ اسے اسلام قبول کرنا ہے یا کفر پر رہنا ہے۔ اندازہ کیجیے کہ کوئی حربی مشرک۔ حربی اسے کہتے ہیں جو مسلمانوں کے ساتھ برسرِ پیکار ہو میدان جنگ میں، وہ کہتا ہے جی میں اسلام کو سمجھنا چاہتا ہوں۔ مجھے بات سمجھنے کا موقع دیجیے۔ اسے فرمایا کہ پناہ دیجیے۔ اسے اپنے پاس لے آیئے۔ اسے اللہ کا قرآن اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی باتیں سمجھایئے۔حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ اس طرح وہ رہے کہ تسلی سے اللہ کی باتیں سن لے منوایئے نہیں، سنایئے تاکہ وہ سن لے پھر یہ بھی مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ اسے پوری حفاظت سے واپس اپنے ٹھکانے پر پہنچا دیں آگے فیصلہ اس کا ہے وہ اپنے گھر پہنچ کر آزادی سے فیصلہ کرے گا کہ وہ اسلام قبول کرتا ہے یا نہیں کرتا۔ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۝ یہ رعایت انہیں اس لیے دی جاتی ہے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جن کے پاس علم نہیں ہے جاہل ہیں۔ جاہل سے مراد یہ ہے کہ وہ دین کی حقانیت سے بے بہرہ ہیں ورنہ شاید انہیں لکھنا پڑھنا تو آتا ہو گا اپنے زمانے کے بڑے بڑے ادیب،شعراء، بڑے بڑے مورخ،علم انساب کے بڑے ماہر،علم نجوم کے ماہر اور بڑے بڑے ستارہ شناس کھوج لگانے کے بڑے ماہر۔ تمام شعبوں کے اکثر ماہرین مشرکین و کفار میں سے تھے۔ عربی زبان و ادب پر مشرکین عرب کو وہ عبور حاصل تھا کہ زمانہ جاہلیت کے جو شعر ہیں وہ آج تک سند مانے جاتے ہیں۔ ادب پارے انہوں نے ایسے لکھے کہ آج تک سند مانی جاتی ہے۔ تاریخ جو انہوں نے لکھی وہ آج تک سند مانی جاتی ہے اور مختلف علوم میں جہاں تک ان کی رسائی تھی سائنسی علوم تھے یا ستارہ شناسی وغیرہ یا اس طرح کے علوم تھے ان سب میں وہ ماہر تھے۔ اس کے باوجود قرآن کریم کہتا ہے بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ من حیث القوم یہ جاہل ہیں، کچھ نہیں جانتے۔ یعنی سارے دنیاوی علوم جاننے کے بعد بھی اگر کسی کو عظمت الٰہی کے بارے کچھ علم نہیں ہے، صداقت پیغمبر ﷺ کے بارے کوئی علم نہیں ہے کلام الٰہی کے بارے نہیں جانتا۔ آخرت کے بارے نہیں جانتا تو پھر وہ جاہل ہی شمار ہوتا ہے۔

ایک سوال:

بدعقیدہ، بے دین اور مرتدین کے جو فرقے ہیں جیسے قادیانی وغیرہ۔ ان کے بارے لوگ یہ سوال کر دیتے ہیں کہ ان میں بڑے بڑے پڑھے لکھے لوگ ہیں پی ایچ ڈی ہیں تین تین مضمونوں میں انہوں نے ایم اے کیا ہوا ہے تو اتنے پڑھے لکھے لوگ ادھر کیوں شامل ہو گئے؟ وہ یہ بات بھول جاتے ہیں کہ انہوں نے تین چھوڑ دس مضمونوں میں ایم اے کیا ہو انہوں نے دین کا کوئی حرف پڑھا ہی نہیں، دین سے نا آشنا ہیں، عظمت الٰہی سے بے گانہ ہیں، قرآن کو نہیں سمجھتے، حدیث پاک کو نہیں سمجھتے اسلامی فقہ سے نابلد ہیں تو اللہ کے نزدیک وہ جاہل اور ان پڑھ ہیں۔ دنیاوی علوم حاصل کرنا منع نہیں ہے بلکہ بہت باعث عظمت ہے تب جب پہلے بندہ اپنے دینی علوم بھی حاصل کر لے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے علم کی جو تعریف فرمائی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: العلم العلمان علم الادیان و علم الابدان اوکما قال رسول اللہ ﷺ یعنی مکمل علم کے دو حصے ہیں ایک علم الادیان اور دوسرا علم الابدان۔

علم الادیان کہیں گے عقائد، اخلاق، اعمال کا علم جسے آپ ادبی زبان میں یا علمی زبان میں کہتے ہیں Normative Science عقیدے کا علم اللہ کے بارے میں، اللہ کے رسول ﷺ کے بارے میں، اللہ کی کتاب کے بارے، فرشتوں کے بارے، آخرت کے بارے حساب کتاب کے بارے، جنت دوزخ کے بارے، انسانی معاملات کے بارے، معیشت کے بارے میں، اخلاقیات کے بارے یعنی جو علم دین کے اعتبار سے ہو گا وہ علم الادیان کہلائے گا۔ دوسرا آدھا علم یہ ہے کہ کون سی چیز کس کام آتی ہے۔ سورج کیا ہے، اس کی روشنی کے کیا فوائد ہیں، چاند کیا ہے، ستارے کیا ہیں، دن کیسے ہوتا ہے، رات کیسے ہوتی ہے، نباتات کیسے اُگتی ہیں، پھل کیسے آتے ہیں، انسانی صحت کا راز کیا ہے، انسان بیمار کیسے ہوتا ہے، اس کا علاج کیا ہے؟ حیوانات جمادات کا علم، نجوم و سیارگان کا علم، یہ تمام شعبے علم الابدان کا حصہ ہیں جسے مادی علوم یا Physical) (Science کہتے ہیں۔ تو یہ دو علم یعنی دین کا علم اور معاملات دنیا کا علم دونوں نصیب ہوں تو یہ پورا علم ہے۔ انگریز کے آنے سے پہلے مسلمانوں نے جو چار صدیاں برصغیر پر حکومت کی تو انہوں نے ایسے ادارے بنائے، ایسی یونیورسٹیاں بنائیں جنہیں جامعہ کہا جاتا تھا جہاں دین بھی سکھایا جاتا تھا دنیاوی علوم بھی۔ جرنیل بھی انہی جامعات سے آتے تھے، اطباء بھی اور بیوروکریٹ بھی انہی جامعات سے آتے تھے۔ حکومت کے اہلکار بھی انہی جامعات سے آتے تھے اور مساجد کے امام، دین کے سربراہ، مقرر، مبلغِ اسلام، مفسر اور دین کی خدمت کرنے

والے محدث وہ بھی انہی جامعات سے آتے تھے۔ جو نکلتا تھا وہ دونوں طرح کے علوم سے آشنا ہوتا تھا جس کا مزاج سپاہیانہ ہوتا وہ سپاہ میں چلا جاتا جس کا سائنس کی طرف ہوتا وہ سائنٹسٹ بن جاتا جس کا مزاج کاروباری ہوتا وہ تاجر بن جاتا جس کا مزاج مساجد اور دین کی طرف ہوتا کوئی امام بن جاتا کوئی مقرر بن جاتا کوئی مبلغ بن جاتا یا کوئی استاد بن جاتا لیکن وہ سارے دونوں طرح کے علوم کے جامع ہوتے تھے۔ بدقسمتی یہ ہوئی کہ انگریز برصغیر پر قابض ہوا۔ انگریز نے مسلمانوں کی شوکت توڑنے کے لیے جامعات کو تباہ کر دیا اور ان کی جگہ یہ نظام رائج کیا۔ انگریز کے جانے کے بعد بھی پون صدی سے ہم اس کے ساتھ چمٹے ہوئے ہیں۔ اس نظام تعلیم کا کمال یہ ہے کہ کوئی کتنی دفعہ ماسٹرز کر لے، ایم فل کر لیں، پی ایچ ڈی کر لے یہ سارے اسے یہ نہیں بتاتے تم کون ہو؟ حروف، الفاظ، محاورے، جملے سکھاتے چلے جائیں گے۔ حکومت کی مشینری چلانے کا ذریعہ بنتا چلا جائے گا لیکن اللہ کریم، اس کا دین، اللہ کا رسول ﷺ اخلاق اور کردار اسلامی، آخرت، فرشتے، موت، حیات بعد الموت ان چیزوں کے بارے یہ خاموش رہے گا۔ یہ نہیں بتائے گا۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ جب اللہ نے مسلمانوں کو ملک عطا کیا تو وہ اپنا نظام تعلیم بناتے، اپنا نظام عدل لاتے۔ عدلیہ کا موجودہ نظام سارا انگریز کا بنایا ہوا ہے۔ اپنا نظام عدل لاتے جس میں فوری انصاف ملتا اور اللہ کے رسول ﷺ کے حکم کے مطابق انصاف ملتا جسے واقعی انصاف کہا جاتا۔ اسی طرح سیاسی نظام اپنا لاتے۔ انگریز نے ایک محکوم قوم کے لیے نظام بنایا جو غلاموں کے لیے آقاؤں نے بنایا تھا۔ جو ایسا ظالمانہ ہے کہ جو اوپر آ گیا وہ آقا باقی لوگ اس کے غلام ہو گئے لیکن ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ ملک بنے پینسٹھ برس ہو گئے کسی نے اس طرح توجہ نہیں کی۔ ہمارے ساتھ ہندوستان بنا ہندوؤں نے ایک الگ ریاست بنائی۔ ہندوؤں کا کوئی مذہبی راستہ متعین نہیں۔ ہندومت ایک ایسا عجیب مذہب ہے جو کہے میں ہندو ہوں وہ ہندو ہے پھر وہ کچھ بھی کرتا رہے کوئی اسے ہندومت سے خارج نہیں کر سکتا۔ ان کی کوئی حدود و قیود متعین نہیں ہیں۔ اسلام کی تو حدود متعین ہیں اگر کوئی کسی ایک حقیقت کا انکار کر دے تو اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ ہندوازم میں یہ نہیں تو پھر انہیں کیا پروا کوئی قانون جیسا بھی ہے۔ اس کے باوجود انہوں نے انگریز کے دیے ہوئے نظام میں بے شمار تبدیلیاں کر کے اپنی ریاست اور اپنے لوگوں کے حق میں اسے بہتر کر لیا ہے۔ یعنی جن کے مذہب میں کوئی پابندی نہیں تھی انہوں نے ظالمانہ نظام میں بہت تبدیلیاں کیں اور جن کے مذہب کے سراسر خلاف ہے یعنی مسلمانوں کے، اسلام کے خلاف ہے وہ اس سے چمٹ کر بیٹھے ہیں اور اسے جاری رکھے ہوئے ہیں، اسی کے ساتھ جھگڑے چل رہے ہیں، تماشے بنے ہوئے ہیں۔ قتل ہوتے ہیں کوئی پوچھتا نہیں۔ ڈاکے ہوتے ہیں لوگ بری ہو جاتے ہیں۔ اول تو چور ڈاکو پکڑے نہیں جاتے پکڑے جائیں تو مروجہ قانون ان پر گرفت نہیں کرتا۔ ڈھیلا ڈھالا

نااہل سا قانون ہے عدالتوں سے جھوٹ کے پھر آجاتے ہیں۔ پھر واردا تیں شروع کر دیتے ہیں۔

فرمایا اگر کوئی مشرکین میں سے بھی آپ سے پناہ کا طالب ہو اسے پناہ دیجیئے تا کہ وہ اللہ کا کلام سن سکے پھر اسے بحفاظت اس کے امن کی جگہ اس کے ٹھکانے پر پہنچا دیجیئے اور یہ رعایت اس لیے دی گئی ہے بِاَنَّھُمْ قَوْمٌ لَّا یَعْلَمُوْنَ ۝۶ اس لیے کہ یہ بے علم قوم ہے۔ جاہل قوم ہے یعنی دیکھیں ان میں بھی بڑے بڑے ادیب اور دانشور سب کچھ تھے لیکن اللہ نے انہیں جاہل کہا ہے کہ حقائق دینیہ سے واقف نہیں ہیں تو جاہل ہیں۔ سو علم کے لیے ضروری ہے کہ علم کے دونوں شعبوں سے بقدر ضرورت واقف ضرور ہو۔ یعنی ہر مسلمان جو ہے مفسر اور محدث تو نہیں بن سکے گا ہر مسلمان فقیہہ تو نہیں بن سکے گا اور ہر مسلمان دنیا میں بھی بڑے سے بڑا سائنٹسٹ تو نہیں بن جائے گا۔ ہر مسلمان دنیاوی اعتبار سے بھی مورخ یا ادیب یا شاعر تو نہیں بن جائے گا لیکن ہر مسلمان کو زندگی گزارنے کے لیے جتنا علم ضروری ہے اتنا جاننا فرض ہے۔ جس طرح دین کے بارے ضروریات دین کا جاننا فرض ہے اسی طرح دنیاوی امور میں دنیا کے بارے ضروریات زندگی کے بارے جاننا بھی ویسا ہی فرض ہے۔ تب جا کر مکمل علم ہوتا کہ اپنے دین کے بارے بھی جانتا ہو اور دنیا کے بارے میں بھی آگاہی رکھتا ہو ہمارے ہاں گمراہی کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ ہم دنیاوی چند جماعتیں پڑھ جائیں تو ہم سمجھتے ہیں کہ اب ہمیں دین پڑھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہم تو پڑھے لکھے ہیں ہم تو ایم اے ہو گئے ہم بی اے ہو گئے، ہم نے ماسٹرز کر لیا۔

تو یہ صرف یک طرفہ بات ہے۔ دین کو جاننا ضروریات دین کا علم رکھنا فرض عین ہے جو روزمرہ کی ضرورتیں ہیں وہ جاننا چاہیے۔ اب یہ اللہ کی عطا ہے کہ کوئی اتنا علم حاصل کر لے کہ دوسروں کی راہنمائی کا سبب بن جائے یہ اللہ کے کام ہیں۔ پوری دنیا میں بھی اپنے روزمرہ کے علوم کو روزمرہ کی ضروریات زندگی کو اپنی اولاد کی ضروریات کو اپنے خاندان کو اپنے ملک قوم کی ضروریات کو جاننا ضروری ہے۔ جانے گا تو اس پر عمل کرے گا جانتا ہی نہیں ہے تو کرے گا کیا۔ سو علم یہ ہے کہ زندگی کے دونوں پہلوؤں سے آگاہی ہو۔

سورۃ التوبہ رکوع 2 آیات 7 تا 16

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖٓ اِلَّا الَّذِيْنَ
عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ ۗ
اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝٧ كَيْفَ وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ
اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ۗ يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَتَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ ۚ وَاَكْثَرُهُمْ
فٰسِقُوْنَ ۝٨ اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ۗ اِنَّهُمْ
سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝٩ لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ۗ وَاُولٰٓئِكَ
هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ ۝١٠ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ
فِي الدِّيْنِ ۗ وَنُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝١١ وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ
بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ
لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ۝١٢ اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا
بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۗ اَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ
اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝١٣ قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ
وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ۝١٤ وَيُذْهِبْ
غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ ۗ وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝١٥ اَمْ
حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوْا

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا
تَعْمَلُوْنَ ﴿١٦﴾

ان مشرکوں کا عہد اللہ اور اس کے پیغمبر کے نزدیک کیسے (قائم) رہ سکتا ہے مگر جن لوگوں سے تم نے مسجد حرام (خانہ کعبہ) کے نزدیک عہد کیا ہے جو قائم رہیں تمہارے ساتھ تو تم بھی قائم رہو ان کے ساتھ۔ بے شک اللہ پرہیز گاروں کو دوست رکھتے ہیں ﴿۷﴾ کیسے (ان سے عہد پورا ہوگا) بھلا؟ اور اگر وہ تم لوگوں پر غلبہ پالیں تو نہ تمہاری قرابت کا لحاظ کریں اور نہ عہد کا یہ تم کو اپنی زبانی باتوں سے خوش کرتے ہیں اور ان کے دل (ان باتوں کو) نہیں مانتے اور ان کے اکثر لوگ نافرمان ہیں ﴿۸﴾ یہ اللہ کی آیات کے عوض تھوڑا سا فائدہ (مال دنیا) حاصل کرتے ہیں سو لوگوں کو اس کی راہ سے روکتے ہیں یقیناً ان کا یہ کام بہت ہی برا ہے ﴿۹﴾ یہ لوگ کسی مسلمان کے بارے میں نہ قرابت کا لحاظ کریں اور نہ کسی قول و قرار کا اور یہ لوگ بہت ہی زیادتی کرنے والے ہیں ﴿۱۰﴾ سو اگر یہ لوگ توبہ کرلیں اور نماز پڑھنے لگیں اور زکٰوۃ دینے لگیں تو تمہارے دینی بھائی ہیں۔ اور ہم سمجھ دار لوگوں کے لیے احکام کو تفصیل سے بیان کرتے ہیں ﴿۱۱﴾ اور اگر وہ لوگ عہد کرنے کے بعد اپنی قسموں کو توڑ ڈالیں اور تمہارے دین پر طعن کریں تو تم لوگ ان کفر کے پیشواؤں سے خوب لڑو تا کہ یہ (اس سے) باز آجائیں۔ بے شک ان لوگوں کی قسموں کا اعتبار نہیں ہو سکتا ہے ﴿۱۲﴾ تم ایسے لوگوں سے کیوں نہ لڑو جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑ ڈالا اور پیغمبر کو جلا وطن کرنے کا پکا ارادہ کرلیا اور انہوں نے تم سے پہلے (عہد شکنی کرکے) ابتداء کی۔ کیا تم لوگ ان سے ڈرتے ہو۔ سو اللہ اس بات کا زیادہ حق رکھتے ہیں کہ ان سے ڈرا جائے اگر تم ایمان رکھتے ہو تو ﴿۱۳﴾ ان سے لڑو، اللہ ان کو تمہارے ہاتھوں عذاب دیں گے اور ان کو ذلیل کریں گے اور تم کو ان پر غلبہ دیں گے اور ایمان والوں کے قلوب کو شفا دیں گے ﴿۱۴﴾ اور ان کے دلوں کا غصہ نکال دیں

گے اور جس پر منظور ہو گا اللہ توجہ فرمائیں گے ۔ اور اللہ جاننے والے حکمت والے ہیں ﴿۱۵﴾ کیا تم خیال کرتے ہو کہ تم یونہی چھوڑ دیئے جاؤ گے اور حالانکہ ابھی اللہ نے ایسے لوگوں کو الگ کیا ہی نہیں جن لوگوں نے تم سے جہاد کیا اور اللہ اور اس کے پیغمبر اور ایمان والوں کے سوا کسی کو دوست نہ بنایا اور اللہ کو تمہارے تمام کاموں کی خبر ہے ﴿۱۶﴾

تفسیر و معارف

كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖ فرمایا جو لوگ توحید باری پر یقین نہیں رکھتے اور مختلف چیزوں کی پوجا میں گرفتار ہیں اور جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی الہ وسلم کی رسالت پر اعتماد نہیں ہے ایسے لوگوں سے کسی عہد کے نبھانے کی کیا امید کی جاسکتی ہے ۔ اللہ کریم جو ساری کائنات کا خالق ہے جس نے انسان کو بے شمار خوبیاں کمالات اور نعمتیں عطا کر کے پیدا فرمایا اتنی نعمتیں عطا فرمائیں کہ خود انسان شمار نہیں کرسکتا ۔ اگر وہ اسی کا شکر ادا نہیں کرتا ، اسی کی توحید پر ایمان نہیں رکھتا اور اس کے علاوہ دوسروں کی پوجا کرتا ہے ، دوسروں سے امیدیں وابستہ رکھتا ہے تو پھر ایسے بندے پر کیا بھروسہ کیا جاسکتا ہے کہ جو معاہدہ کرے گا اسے پورا کرے گا ۔ كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖ اللہ کے ساتھ اور اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ جو معاہدہ کرتے ہیں اس کا کیا اعتبار کیا جاسکتا ہے ہاں یہ درست ہے کہ جب تک وہ بدعہدی نہ کریں تب تک مسلمان بدعہدی نہیں کریں گے لیکن ان سے امید نہیں رکھی جاسکتی کہ وہ معاہدہ پورا کریں گے ۔ مراد یہ ہے کہ مسلمانوں کا اگر مشرکین سے معاہدہ ہوتا بھی ہے تو انہیں سستی نہیں کرنی چاہیے اپنی تیاری پوری رکھنی چاہیے چونکہ ان کا کوئی پتہ نہیں ، کوئی بھروسہ نہیں کہ کس وقت وہ معاہدہ توڑ بیٹھیں اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ ہاں کچھ لوگ ، کچھ قبیلے یا کچھ افراد ایسے ہیں جنہوں نے خانہ کعبہ میں معاہدہ کیا تھا اور وہ نبھا رہے ہیں فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ ۚ اگر وہ مسلمانوں کے ساتھ معاہدے پر قائم رہیں ۔ اے مسلمانو اگر وہ تمہارے ساتھ اپنے عہد پر قائم رہیں تو جب تک وہ قائم ہیں مسلمان ضرور قائم رہیں گے ۔ مسلمانوں کو تو معاہدہ توڑنا یا عہد توڑنا زیب ہی نہیں دیتا ۔ اسلام میں کوئی ایسا عہد جو خلاف شریعت کیا جائے وہ عہد ہی نہیں ۔ نہ صرف یہ کہ وہ منعقد نہیں ہوتا بلکہ اس سے توبہ اور اس کی تلافی لازم ہے اور مومن اگر شریعت کے مطابق معاہدہ کرے گا تو مومن کو تو زیب ہی

نہیں دیتا کہ وہ اپنا معاہدہ توڑے ہاں مشرکین سے یہ توقع رکھنا اور ان سے یہ امید رکھنا درست نہیں ہے۔ اور اس میں اللہ کریم نے ان کی صفت شرک کو لیا ہے کَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ ان میں اور بھی غلطیاں تھیں، کوتاہیاں بھی تھیں، عیوب بھی تھے۔ وہ شراب پیتے تھے، بدکاری کرتے تھے، ڈاکے ڈالتے تھے، قتل و غارت گری کرتے تھے لیکن ان میں سے کسی گناہ سے منسوب نہیں فرمایا بلکہ شرک سے منسوب فرمایا تو اس کی وجہ یہی ہے کہ اللہ کریم جو خالق ہے جس کے اتنے احسانات ہیں اور انسان کو کتنی بے پناہ خوبیاں عطا فرمائی ہیں کیا عالی دماغ عطا فرمایا ہے۔ بصارت جیسی نعمت اور حواس خمسہ عطا فرمائے ہیں۔ پھر بود و باش، زندگی، بہن بھائی، قومیں، ممالک اتنی بے پناہ نعمتیں اور کھانے پینے کی بے حساب نعمتیں عطا فرمائی ہیں تو اگر وہ اس اللہ کا شکر ادا نہیں کرتے اور اس کے ساتھ دوسروں کو شریک کرتے ہیں تو پھر دوسرے مسلمان کے ساتھ کون سا عہد پورا کریں گے اور اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ کون سا عہد پورا کریں گے۔ اور وہ تو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ پر ایمان ہی نہیں رکھتے۔ ہاں کچھ لوگ ان میں سے ہیں جنہوں نے خانہ کعبہ میں مسلمانوں سے معاہدہ کیا تھا اور ابھی تک نبھا رہے ہیں۔ فرمایا فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ ۭ جب تک وہ اپنے معاہدے پر قائم رہیں مسلمان بھی اپنے معاہدے پر قائم رہیں اس لیے کہ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ۝ اللہ پرہیزگاروں کو دوست رکھتے ہیں۔ مسلمانوں کو عہد شکنی زیب نہیں دیتی اور مسلمانوں کو بہرحال پرہیزگاری اور تقویٰ کا لحاظ رکھنا ہے۔ اللہ کریم کسی کافر سے بھی بدعہدی کرنے سے راضی نہیں ہیں۔ ایسا کرنا تقویٰ کے خلاف ہے۔

تقویٰ ایک کیفیت:

اللہ کریم ان سے محبت کرتے ہیں جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں۔ تقویٰ کا معنیٰ کہیں ڈر، کہیں پرہیزگاری ہے، اردو کا دامن ہی اتنا تنگ ہے کہ ان چیزوں کو ہو بہو نہیں سمو سکتا۔ تقویٰ ایک کیفیت ہے، ایک رشتے کی نازک سی کڑی ہے کہ کوئی کام محبوب کی مرضی کے خلاف نہ ہو اس کی پسند کے خلاف نہ ہو یہ ڈر کہ ایسا کیا تو کہیں میرا محبوب خفا نہ ہو جائے۔ اس ڈر کو اس رشتے کو اس تعلق کو اس کیفیت کو تقویٰ کہا جاتا ہے اور یقینا اللہ ان لوگوں سے محبت کرتے ہیں جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں۔ كَيْفَ وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ۭ فرمایا یہ کافر تو ایسے ہیں کہ ان کو اگر مسلمانوں پر قابو مل جائے، غلبہ پالیں تو پھر نہ تو یہ قرابت کا لحاظ کریں گے اور نہ ہی کسی معاہدے کا لحاظ کریں گے۔ یعنی کفار سے ہر طرح کی برائی، ہر قسم کی زیادتی اور ہر قسم کے ظلم کی توقع کی جاسکتی ہے۔

جن لوگوں نے اسلام قبول کیا تھا ان کی برادری، ان کے رشتہ دار مشرکین بھی تھے، رشتہ داری بھی تھی لیکن متنبہ کیا جا رہا ہے کہ یہ رشتہ داری کا پاس بھی نہیں کریں گے۔ اس کا لحاظ بھی نہیں کریں گے کہ ہم نے مسلمانوں سے معاہدہ کر رکھا تھا یُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَتَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ ۚ فرمایا یہ مسلمانوں کو چکنی چپڑی باتوں سے تو خوش کرتے ہیں۔ اپنی کسی ضرورت کے وقت جب معاہدے کرتے ہیں جب انہیں غرض ہوتی ہے اپنا مالی یا کوئی دنیاوی فائدہ نظر آتا ہے تو بڑی خوبصورت، میٹھی میٹھی اور پیاری باتیں کر کے مسلمانوں کو راضی کرتے ہیں لیکن ان کے دل مسلمانوں کی طرف سے کبھی صاف نہیں ہوتے یہ کبھی بھی مسلمانوں کو اچھا نہیں سمجھتے۔

یہ تب ہی نہیں یہ تو ہمیشہ سے چل رہا ہے، اب بھی چل رہا ہے، ہندوستان پاکستان میں معاہدے ہو رہے ہیں۔ ہندوستان میں بھی مسلمان ہیں لیکن حکومت ہندوؤں کے پاس ہے، اقتدار ہندوؤں کا ہے تو بڑی میٹھی میٹھی باتیں سننے کو ملتی ہیں۔ امن کی باتیں، محبت اور پیار بڑھانے کی باتیں زبانی زبانی ہوتی ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ ان کی ایجنسیاں پاکستان میں قتل و غارت گری بھی کرا رہی ہیں تباہی بھی پھیلا رہی ہیں اور دہشت گردی کا سبب بھی بن رہی ہیں تو کافر کبھی بھی دل سے مومن کو اچھا نہیں سمجھتا۔

فرمایا زبانی باتیں تو بڑی کرتے ہیں یُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ اپنی باتوں سے یا اپنی زبان سے تو تمہیں بڑا خوش رکھنے کی کوشش کریں گے وَتَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ ۚ جو باتیں وہ مسلمانوں کے حق میں اپنے منہ سے کہتے ہیں ان کے دل نہیں مانتے وَاَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿٨﴾ ان کی اکثریت جو ہے وہ نافرمان اور بدکار ہوتی ہے۔ جو بندہ توحید باری پر یقین نہیں رکھتا جو بندہ رسالت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہ ایمان نہیں رکھتا ہے اس سے بھلائی کی توقع یا اچھائی کی امید رکھنا فضول ہوتا ہے۔ وہ اکثر جھوٹا ہوتا ہے ہر برائی وہ کر سکتا ہے۔ اس کا مطلب ہے نیکی یا بھلائی کی بنیادی شرط ایمان ہے۔ کافر کے پاس تو نورِ ایمان نہیں ہوتا تو اکثر وہ برائی میں مبتلا رہتا ہے۔ بلکہ بعض چیزیں جو ہمیں بھلی لگتی ہیں کہ وہ نیکی کرتے ہیں اس نیکی سے بھی ان کا مقصد دنیاوی فائدہ حاصل کرنا ہوتا ہے۔ چونکہ آخرت پہ تو ان کا ایمان ہی نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تو ان کا ایمان ہی نہیں نہ وہ اللہ کی رضا کے لیے کرتے ہیں آخرت پر تو ان کا ایمان ہی نہیں تو پھر آخرت کے لیے وہ نیکی کیوں کریں گے؟ تو بظاہر اگر کوئی کافر نیکی بھی کرتا ہے تو اس کے پیچھے بھی اس کا مقصد کسی دنیاوی نقصان سے بچنا ہوتا ہے۔ شہرت مطلوب ہوتی ہے یا کوئی دنیاوی عہدہ مطلوب ہوتا ہے۔ بہرحال مقصود صرف دنیا ہوتی ہے۔

کافر ومومن کے اعمال کا فرق:

کافر اور مومن میں فرق یہ ہے کہ مومن جو نیکی کرتا ہے، جو عبادت کرتا ہے، سچ بولتا ہے، دیانتداری اختیار کرتا، لین دین میں یا عملی زندگی میں کوئی بھلائی اختیار کرتا ہے تو اس سے اللہ کریم کی رضا اللہ کے نبی ﷺ کی رضا وخوشنودی اور آخرت کا حصول ہوتا ہے۔

ہمارے حالات سے پتہ یہ چلتا ہے کہ اکثر مسلمان بھی اس مرض میں مبتلا ہیں کہ نیکی کر کے توقع رکھتے ہیں کہ اس سے ہمارے دنیا کے کام ہونے چاہئیں۔ بعض لوگوں کو خیال ہوتا ہے کہ میں نمازیں بھی پڑھتا ہوں، روزے بھی رکھتا ہوں، زکوٰۃ بھی دیتا ہوں، صدقات خیرات بھی دیتا ہوں تو میرا بیٹا کیوں بیمار ہے اور میرے بیٹے کو نوکری کیوں نہیں ملتی، میری دکان کیوں نہیں چلتی؟ یعنی وہ عبادات کو دنیا کے ساتھ جوڑنے کی کوشش کرتے ہیں۔ چونکہ ہمیں دنیا میں رہنا ہے دنیا کی ہمیں ضرورت ہے تو دنیا کے لیے سادہ سا قانون ہے کہ جائز اور حلال وسائل اختیار کرو۔ محنت کرو اور نتیجہ اللہ پر چھوڑ دو۔ اللہ کو جو منظور ہے وہ ملے گا اس کے خلاف نہیں ملے گا۔ اب اگر ہم اپنی عبادات، نوافل، تلاوت اور نماز روزے کو بھی دنیا کے لیے کرلیں گے تو یہ اسلامی فکر نہیں۔ عبادات اللہ کی رضا کے لیے ہیں۔ لوگ خط لکھتے، فون کرتے ہیں کہ کوئی وظیفہ بتادیں، ہمارے ہاں اولاد نہیں ہے، وظیفہ بتا دیں ہمارا کاروبار نہیں چلتا کوئی وظیفہ بتائیں ہمارا فلاں کام اٹکا ہوا ہے تو میں تو یہی کہتا ہوں کہ جو وظیفے اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا وآخرت دونوں کو سنوارنے کے لیے بتائے ہیں کیا وہ پورے کر رہے ہو؟ بنیادی بات ہے۔ کیا آپ کا رزق حلال ہے، حلال کھا رہے ہو، ارکان دین پورے ہو رہے ہیں، جو فرائض و واجبات اور سنن اللہ تعالیٰ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے عائد ہوئے ہیں وہ پورے کر رہے ہیں؟ اگر وہ ہی پورے نہیں ہیں۔ یعنی جن باتوں کو کرنے کا حکم اللہ نے پہلے دیا ہے، جو باتیں فرض ہیں وہ پوری نہیں کرتے ہو تو زائد وظیفے سے کیا ہوگا؟ لیکن لوگوں میں یہ بیماری پھیل گئی ہے۔ علماء کرام میں بھی کچھ لوگ ایسے ہیں جو علم دین سے دولت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے لوگوں کو اس طرف لگا دیا کہ میں وظیفہ بتاؤں گا تم مجھے پیسے دیئے جاؤ اور تمہیں وظیفے سے ملیں گے۔ لوگ ایسے بیوقوف ہیں جو پلے ہوتا ہے وہ دے آتے ہیں خود بیٹھ کے وظیفہ پڑھنے لگتے ہیں۔ پرنٹ اور الیکٹرونک میڈیا اس بے دینی کو رواج دینے میں پیش پیش ہے۔ ہر چینل پر لوگ بیٹھے استخارہ کر کے بتا رہے ہوتے ہیں کہ فلاں کام کرو اور فلاں نہ کرو کسی چینل پر چار نجومی بیٹھے ہوں گے، کسی کا حلیہ انسانوں کی طرح کا نہیں ہے خود لوگوں سے پیسے لے کے گزارہ کرتے ہیں اور لوگوں کو ان کے مقدر کے

ستارے بتاتے ہیں کہ تمہارا ستارہ وہاں اور تمہارا وہاں ہے۔ ستارہ کیا کرے گا؟ ستارہ بھی مخلوق ہے اور بحیثیت مخلوق انسان سب سے بہتر ہے۔ اشرف المخلوقات ہے۔ ستاروں سیاروں سے انسان کی اپنی اہمیت زیادہ ہے اس کا شرف زیادہ ہے یہ اپنی انسانیت کو سمجھے تو یہی علامہ اقبال مرحوم نے کہا تھا۔

ستارہ کیا میری تقدیر کی خبر دے گا

وہ خود فراخئ افلاک میں ہے خوار و زبوں

ستارہ تو خود اللہ کے مقرر کردہ رستے پر چلتے رہنے میں مقید ہے۔ اللہ نے جس راستے پر اسے مقرر کر دیا ہے وہ اس سے دائیں بائیں نہیں ہٹ سکتا جو رفتار اللہ نے مقرر کر دی ہے اسے بڑھا گھٹا نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ اسے جہاں رکھنا چاہتے ہیں وہ وہیں رہتا ہے۔ فراخی افلاک میں اللہ کے حکم کے مطابق گردش کر رہا ہے وہ خود پابند ہے، احکام الٰہی کا، تقدیر الٰہی کا۔ تو میری قسمت کی خبر وہ کہاں سے دے گا۔ اپنے آپ پہ اسے اختیار نہیں ہے تو میری قسمت کی خبر وہ کیا دے گا۔ یہ تو لوگوں نے اٹکل پچو لگا دیے اور سادہ لوح لوگوں کو لوٹتے رہتے ہیں یوں لوگوں کو عبادت کی لذت سے بھی انہوں نے دور کر دیا ہے۔ عبادت کی ایک لذت ہے اور وہ یہ لذت ہے کہ میں یہ کام اللہ کی رضا کے لیے کر رہا ہوں۔ میں یہ کام کروں گا تو میرے حبیب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے راضی ہوں گے خوش ہوں گے۔ میں یہ کام کروں گا تو روز حشر اللہ کے حضور پیش ہوں گا تو اللہ مجھ پر رحم فرمائیں گے، کرم فرمائیں گے اور میری بخشش ہوگی۔ اللہ کریم مجھ سے راضی ہوں گے۔ تو اگر یہ ارادہ خالص بن جائے تو پھر اس میں ایک خوشی، ایک مسرت، ایک لذت بھی آجاتی ہے۔ اگر اس چیز کو ہم بجائے رضائے الٰہی کے، آخرت کے، دنیاوی چیزوں کے ساتھ وابستہ کر لیں تو اس کی جو بنیادی لذت ہے وہ بھی اٹھ جاتی ہے اور برکات بھی ختم ہو جاتی ہیں اور عبادت کا مفہوم بھی فوت ہو جاتا ہے تو فرمایا کافر تو یہ ہیں، کافروں کا مزاج تو ایسا ہے کہ اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ان کے پاس اگر اللہ کے احکام بھی ہوں جیسے یہود و نصاریٰ کے پاس اللہ کی کتابیں تھیں تو یہ اللہ کے احکام کو بھی دنیاوی معاوضے کے عوض بیچ کھاتے ہیں یعنی یہ دین کو دنیا کے حصول کا ذریعہ بنا لیتے ہیں۔

دین کیا؟

دین کی تعریف کیا ہے، دین کی بنیادی تعریف یہ ہے کہ یہ ایک رشتہ ہے اللہ اور اس کے بندے کے درمیان۔ وہ معبود برحق ہے بندہ عاجز ہے، اس کا اطاعت گزار ہے، اس کی مخلوق ہے۔ اب جو رشتہ مخلوق کو خالق سے ہے وہ اطاعت کا ہے اور اطاعت جب اللہ کی کی جائے تو اسے عبادت کہتے ہیں۔ اسی لیے اگر اللہ کا کوئی حکم

چھوڑ کر اللہ کے سوا کسی دوسرے کی بات اس معاملے میں مانی جائے تو اس کو شرک اس لیے کہتے ہیں کہ پھر وہ کسی دوسرے کی عبادت ہو جاتی ہے۔ تو فرمایا کفار ایسے لوگ ہیں کہ اللہ کے احکام کو اور اللہ کی آیات کو دنیا کے مال کے عوض بیچ دیتے ہیں ثَمَنًا قَلِيْلًا بہت تھوڑی قیمت پر۔ بہت تھوڑی قیمت سے مراد ہے مال دنیا۔ یہ دنیا کی دولت جتنی بھی ہو بہت تھوڑی ہے۔ اس لیے کہ جس کے پاس سونے کے پہاڑ بھی ہوں وہ اپنے نصیب کی وہی ایک دو چپاتیاں صبح ایک دو چپاتیاں شام کھاتا ہے اور وہ پہاڑوں کے پہاڑ سونے کے چھوڑ کر مر جاتا ہے۔ اس کے حصے میں تو وہی چند لقمے آتے ہیں جو اللہ نے اس کی قسمت میں لکھ دیے تو دنیا کتنی بھی ہو وہ ہمیشہ تھوڑی ہی ہے، قلیل ہی ہے۔ فرمایا اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا یہ بہت زیادتی کرتے ہیں اللہ کی آیات کو دنیا کی دولت کے عوض بیچ دیتے ہیں۔ فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ اللہ کے راستے میں رکاوٹ بنتے ہیں۔

دین میں رکاوٹ کیا؟

آیات الٰہی کو ان کے غلط مفاہیم پہنا دینا، اس کے معنی بدل دینا، دین میں رکاوٹ ڈالنا ہے۔ جو بندہ اس بات کو قبول کرے گا اس کو اللہ کی راہ پر چلنے میں ایک دیوار حائل ہو جائے گی یعنی وہ اس کے صحیح مفہوم کے مطابق اللہ کی بارگاہ تک نہیں پہنچے گا بلکہ اس گمراہی میں پھنس کر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی بارگاہ سے اور دور ہو جائے گا۔ تو فرمایا ایک تو یہ آیات الٰہی کو دنیاوی مال کے عوض بیچ دیتے ہیں وہ بجائے خود بہت بڑا ظلم ہے اور پھر اس کا دوسرا نتیجہ فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ اللہ کی راہ سے لوگوں کو روکنے کا سبب بن جاتے ہیں اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۝۹ اللہ کریم فرماتے ہیں یقیناً یہ بہت ہی برا کام ہے جو یہ کرتے ہیں یہ تو ان کی اپنی عملی زندگی ہے کہ جو ان کی بات سنتا ہے اسے گمراہ کرتے ہیں اور کمال ہے اللہ کی آیات کو بھی غلط مفاہیم غلط معنی پہنا کر لوگوں کی گمراہی کا سبب بنتے ہیں اور اللہ کی راہ سے روکنے کا سبب بنتے ہیں اور یہ بہت ہی بری بات ہے لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً مزاجاً ایسے ہو جاتے ہیں کہ کسی مومن کے ساتھ نہ قرابت کا لحاظ کرتے ہیں اور نہ کسی عہد و پاس کا لحاظ کرتے ہیں۔

یہاں بات تو کفار و مشرکین کی ہو رہی ہے لیکن جو کردار آج ہم اپنے اردگرد دیکھ رہے ہیں کیا اس میں بھی یہ بات نہیں آگئی کہ اللہ کی آیات کو بیچا جا رہا ہے؟ مسلمانوں کا کوئی لحاظ نہیں کیا جا رہا، بے دریغ قتل کیے جا رہے ہیں، بموں سے اڑائے جا رہے ہیں، گولیوں سے بھونے جا رہے ہیں کوئی قاتل جانتا نہیں کہ مرنے والا کون ہے لیکن مارے جا رہا ہے۔ مقتول کو پتہ نہیں مجھے کس نے مارا ہے کیوں مارا ہے تو یہ ساری خصلتیں تو کافروں کی تھیں،

مشرکین کی تھیں تو مسلمانوں میں کیسے آ گئیں؟ پھر ہمیں سوچنا پڑے گا کہ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ ہم نے اپنا نام تو مسلمان رکھا ہے لیکن عقیدے اور کردار سے ہم ویسے ہی ہو گئے ہیں جیسے مشرکین اور کفار ہیں۔ بنیادی طور پر ہمیں سوچنا یہ ہو گا کہ ہمارے کردار میں دہشت گردی کی کون کون سی صورت جمع ہے؟ یہ جو لوگ دہشت گردی کرتے ہیں یا ظلم کرتے ہیں جیسے کوئی حکمران ہے وہ اختیار کو غلط استعمال کرتا ہے یا رشوت کھاتا ہے یا ناجائز کرتا ہے اور کوئی دہشت گرد ہیں دونوں ایک طرح سے ہیں جس کے پاس اختیار و اقتدار ہے وہ اس کے ذریعے سے دہشت گردی کر رہا ہے اور جس کے پاس اختیار نہیں وہ بم اور گولی سے دہشت گردی کر رہا ہے۔ دونوں دہشت گرد ہیں دونوں کا طریق کار اپنا اپنا ہے۔ اگر یہ مسلمانوں کو نقصان پہنچا رہے ہیں، مسلمانوں کے ملک کو نقصان پہنچا رہے ہیں، مسلمانوں کے دین کو نقصان پہنچا رہے ہیں تو پھر یہ اس بات کی علامت ہے کہ ان کے عقیدے بھی صحیح نہیں۔ یہ بھی کہیں نہ کہیں شرک میں مبتلا ہیں تب ہی ان میں کفار جیسی عادتیں اور خصلتیں در آئی ہیں۔ اور یہ کسی مومن کے ساتھ نہ تو رشتہ داری کا لحاظ کرتے ہیں اور نہ کسی قول و اقرار کا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ ﴿۱۰﴾ اور یہ لوگ بہت ہی زیادتی کرنے والے ہیں، حد سے بہت بڑھ جانے والے لوگ ہیں۔

عظمت الٰہی:

یہ دو تین آیتیں جو گزری ہیں اور ان میں جو کچھ ارشاد فرمایا گیا ہے کسی بھی باشعور انسان کو لرزہ براندام کر دینے کے لیے کافی ہے اور ان میں اس قدر سخت الفاظ ارشاد فرمائے گئے ہیں کہ بندہ سمجھتا ہے جو بندہ اس دلدل میں اتر گیا اس کے بچنے کا کوئی راستہ نہیں وہ تباہ ہو گیا وہ برباد ہو گیا لیکن اللہ کی عظمت اللہ کو زیبا ہے۔ اس کی رحمت کو وہ خود ہی جانتا ہے، انسان نہیں سمجھ سکتا۔ اس کے بعد فرماتے ہیں فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ یہ سارے ظلم چھوڑ دیں اور توبہ کر لیں۔ کتنا کرم ہے فرمایا جو شرک کر چکے، مسلمانوں سے بدعہدی کر چکے، مسلمانوں کا نقصان کر چکے، مسلمانوں کا مال لوٹ چکے کتنے مظالم کر چکے ہیں جب تک کوئی دنیا میں ہے اس کے لیے میں نے توبہ کا دروازہ بند نہیں کیا۔ اگر یہ بھی توبہ کر لیں تو ہدایت پا لیں گے لیکن توبہ کیا ہے؟ زبانی اعلان کرنا توبہ نہیں ہے۔ توبہ یہ ہے کہ ان کی عملی زندگی بدل جائے وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ جان مال اور کردار کے اعتبار سے اللہ کی اطاعت اختیار کر لیں۔ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ صلوٰۃ کو قائم کریں وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ اور حلال کمائیں پھر اس میں سے زکوٰۃ ادا کریں یعنی مالی، جانی، بدنی معاملات کی اصلاح کر لیں توبہ کا معنی یہ ہے کہ جو برائی عقیدے کی تھی وہ بھی چھوڑ دیں جو برائی عمل میں تھی وہ بھی چھوڑ دیں جو مال میں تھی وہ بھی چھوڑ دیں۔ مال بھی

حلال ہو، اللہ کی راہ میں خرچ بھی کریں۔ زکوٰۃ بھی ادا کریں، بدنی عبادات بھی کریں، معاملات درست کرلیں فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ تو وہ دین میں تمہارے بھائی ہیں پھر جو کچھ وہ کر چکے ہیں اُسے بھلا دو۔ رحمت الٰہی کا کیا ناپیدا کنار سمندر ہے کہ جتنے بھی ظلم کوئی کر چکا ہے اس پر کوئی کفارہ نہیں رکھا گیا بلکہ محض خلوص دل سے توبہ کرلے اپنے عقیدے اور اپنے کردار کی اصلاح کرلے تو اسلام پہلے کیئے گئے سارے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے، دھو دیتا ہے، صاف کر دیتا ہے۔ فرمایا، پھر وہ تمہارے دینی بھائی ہیں، جیسے تم مومن ہو ویسے وہ بھی مومن ہیں۔ جیسے تم مسلمان ہو ویسے وہ بھی مسلمان ہیں۔ پھر تم انہیں طعنہ نہیں دے سکتے کہ تم نے وہ کیا تھا اور یہ کیا تھا۔ تم ان پر الزام نہیں لگا سکتے۔ جو کچھ وہ کر چکے، اسے اللہ نے معاف کر دیا تم بھی بھول جاؤ وَنُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ⑪ سبحان اللہ! اللہ کریم فرماتے ہیں کہ بندے میں شعور ہونا شرط ہے۔ بندہ سمجھ سے کام لے قرآن کی آیات ایک ایک بات کو نہایت وضاحت کے ساتھ کھول کر بیان فرما دیتی ہیں۔ کوئی الجھن باقی نہیں رہ جاتی۔ کوئی ایسی بات نہیں ہوتی جو انسان کی سمجھ میں نہ آئے یا اس کے مزاج کو نہ بھائے اس کے دل کو نہ لگے۔ بلکہ مشکل ترین باتیں آسان ترین انداز میں سہل کر کے سمجھا دی جاتی ہیں۔ سبحان اللہ! عظمت الٰہی یہ ہے کہ جرائم کے بعد بھی توبہ کا دروازہ کھلا رکھا ہے۔

اس آیت کی روشنی میں، ہم اپنے دعویٰ ایمان پر نظر کریں، اپنے کردار کو دیکھیں کہ ہماری کمائی کے ذرائع کیا ہیں؟ رزق حلال ہے یا نہیں اور جو کچھ ہمارے پاس ہے اسے ہم نیکی پر خرچ کر رہے ہیں یا برائی پہ۔ مسلمانوں کے آرام اور بھلائی کا سبب بن رہے ہیں یا ان کے نقصان پہنچانے کا سبب بن رہے ہیں۔ اللہ کریم فرماتے ہیں کہ کسی کافر سے بھی زیادتی نہ کی جائے اور ہم تو معاذ اللہ مسلمانوں پر اور مساجد میں بم چلا رہے ہیں اللہ پاک ہمیں معاف فرمائے۔ ہم کب سوچیں گے کہ ہمیں توبہ کرنی چاہیے کب ہمیں خیال آئے گا، کب ہم اس موقع سے فائدہ اٹھائیں گے۔ زندگی کا اعتبار نہیں ہے اور انسان کو لمحے لمحے توبہ کر کے اللہ کریم سے معافی طلب کرنی چاہیئے اور اللہ بڑا کریم ہے۔ پہلی اقوام عالم کے اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی امتوں کے حالات ملتے ہیں جیسے یونسؑ کی قوم نے توبہ کی تھی اللہ نے قبول فرمائی ان سے عذاب ٹال دیا اور انہیں ہدایت نصیب فرمائی۔ موسیٰؑ کی قوم نے گوسالہ پرستی کی تھی، شرک کیا تھا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ تو قبول فرمائی تھی لیکن حکم یہ دیا کہ جنہوں نے بچھڑے کو سجدہ کیا ہے وہ گردنیں جھکا کر کھڑے ہو جائیں اور جنہوں نے سجدہ نہیں کیا وہ ان کی گردنیں ماردیں۔ جو قتل ہو جائے گا اس کی توبہ قبول کی جائے گی۔ بے شمار لوگ قتل ہوئے۔ آخر موسیٰؑ نے دعا فرمائی یا اللہ بڑے لوگ مارے گئے اور جو بچ گئے ہیں انہیں معاف فرما دے، تو کریم ہے۔ تو ارشاد ہوا، جو مارے گئے ہیں

میں انہیں شہادت کا درجہ دیتا ہوں اور جو بچ گئے ہیں انہیں معاف کرتا ہوں لیکن دھیان رکھو آئندہ شرک کے قریب مت جانا۔ اس آیت میں شرک، بدکاری، گناہ، برائی، بدعہدی، مسلمانوں کے ساتھ ظلم زیادتی، قرابت داری کا لحاظ نہ کرنا، مسلمانوں کو تنگ کرنا، قتل کرنا پریشان کرنا یہ سارے ظلم گن کر یہاں صرف ایک شرط رکھ دی کہ خلوص دل سے توبہ کرلے اور آئندہ اپنا کردار درست کرلے تو میں سارا معاف کر دیتا ہوں اور یہ اسی کو زیبا ہے اور اسی کی رحمت اتنی وسیع ہے کہ کوئی کتنے مظالم کر چکا یا کتنے لوگوں کو مار چکا یا قتل کر چکا ان مقتولین کو بھی وہ راضی کرے گا انہیں بھی کوئی شکایت نہیں رہے گی ان پر بھی اتنا انعام کرے گا کہ وہ اس سے راضی ہو جائیں گے اور اس کو بھی جنت میں جگہ دے گا تو پھر ہم کس وقت کے انتظار میں ہیں کیوں توبہ نہیں کرتے؟ ہمیں اولین فرصت میں اور ہمہ وقت اللہ کریم سے بخشش مانگنی چاہیے اور اپنے کردار پر نظر رکھنی چاہیے۔ یاد رکھو جو لوٹ مار کرتا ہے وہ بھی اپنا نصیب ہی کھاتا ہے جو حلال کماتا ہے وہ بھی اپنا نصیب کھاتا ہے، جو اس کی قسمت میں ہے وہی کھائے گا۔ ہر ایک کے لیے ہر قطرہ آب، ہر دانہ مقدر ہے جو اس کے حصے کا ہے وہی کھائے گا اس سے زیادہ نہیں کھائے گا اور کوئی اس کے حصے کا چھوڑ کر نہیں مرتا۔ تو جب نصیب میں وہی ہے تو پھر ناجائز ذرائع سے لوٹ مار کرنے سے کیا فائدہ۔ دوسروں کا مال لوٹنے سے کیا فائدہ۔ کیوں نہ حکمرانوں سے لے کر دہشت گردوں تک ہم سب مل کر توبہ کر لیں اور اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو اپنا لیں کہ یہ ملک جنت نظیر بن جائے۔ لوگوں کو حقوق ملیں، انصاف ملے، اس میں امن ہو، آرام ہو، خوشحالی ہو۔ جب لوگ توبہ کرتے ہیں تو اللہ کریم قبول فرماتے ہیں۔ قرآن کریم میں دوسری جگہ ارشاد ہوا حضرت نوح علیہ السلام نے قوم کو خوشخبری دی فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۝ يُّرْسِلِ السَّمَاۗءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۝ وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ۝ (نوح: 10 تا 12) اے میری قوم! اللہ سے توبہ کرو وہ بہت مہربان ہے۔ وہ تم پر آسمان سے بارشیں برسائے گا اور زمین کے سینے سے کھیتیاں اگائے۔ تمہیں اولادیں دے گا۔ یعنی توبہ استغفار کا فائدہ یہ ہے کہ دنیاوی مصیبتیں بھی راحت میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔ افلاس خوشحالی سے بدل جاتا ہے اور باران رحمت ہوتی ہیں۔ سیلاب نہیں آتے کھیت لہلہانے لگتے ہیں۔ اب ہمارا تو یہ عالم ہے یا قحط سالی ہوتی ہے یا بارش ہوتی ہے تو سیلاب آجاتا ہے۔ قحط سالی بھی عذاب ہے بارش بھی عذاب بنی ہوئی ہے لیکن توبہ کرلی جائے تو بارشیں سیلابوں کی بجائے خوشحالی اور ہریالی لاتی ہیں، اللہ مال میں برکت دیتا ہے، کھیت سونا اگلنے لگتے ہیں، اولادیں عطا فرماتا ہے اور قومیں خوشحال ہوتی ہیں۔ تو اللہ کریم ہم سب کو حکمرانوں اور دہشت گردوں سمیت میرے اور آپ کے سمیت ہم سب کو خلوص دل سے توبہ کی توفیق بخشے اور اصلاح احوال کی توفیق ارزاں فرمائے۔

وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ﴿۱۲﴾ فرمایا اگر یہ لوگ اپنا عہد توڑ دیں اور تمہارے دین پر طعن کریں تو فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ ۙ تو کفر کے پیشواؤں سے خوب جنگ کرو۔ اسلام نے دین قبول کرنے کے بارے کسی پر کوئی زبردستی نہیں کی۔ جو لوگ کفر پر رہنا چاہتے تھے یا شرک پر رہنا چاہتے تھے ان پر کوئی جبر نہیں۔ معاہدے امن کی بنیاد پر کیئے گئے، ایمان کی بنیاد پر نہیں کہ ایمان میں یا عقیدے میں کوئی سمجھوتہ ہوتا معاہدے یہ تھے کہ وہ بدامنی پیدا نہ کریں، لوگوں کا امن تباہ نہ کریں تو ان سے جنگ نہیں کی جائے گی لیکن انہوں نے نہ صرف یہ کہ امن کا معاہدہ توڑا بلکہ اسلامی عقائد اور اسلامی اعمال پر طنز کرتے تھے طعن وتشنیع کرتے مذاق اڑاتے تھے تو فرمایا اگر وہ لوگ اپنا عہد توڑ دیتے ہیں اور تمہارے دین پر طعن کرتے ہیں تو ان سے خوب جنگ کرو۔ ظاہر ہے معاہدہ تو یہی تھا کہ وہ اپنے عقیدے پر قائم رہیں، اپنی عبادات اپنے طریقہ پر کرتے رہیں وہ بتوں کی پوجا کرتے ہیں، چاند سورج کو پوجتے ہیں یا کوئی اور طریقہ ہے تو وہ اس کے مطابق کرتے رہیں لیکن امن میں خلل نہ ڈالیں کسی کے ساتھ زیادتی نہ کریں۔ مسلمانوں کے ساتھ زیادتی نہ کریں۔ انہوں نے وہ وعدہ پورا نہ کیا۔ معاہدہ کرنے کے بعد دین پر طعن کرنے لگے۔ دین کا تمسخر کرنا ایسا جرم ہے کہ ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ صرف کافر نہیں بلکہ اَئِمَّةَ الْكُفْرِ ہیں، کفر کے امام ہیں۔

امامت شرعی منصب نہیں ہے:

امام کوئی منصب شرعی نہیں ہے۔ امام ایک عام لفظ ہے جس کا معنی ہے پیشوا۔ جسے انگریزی میں لیڈر کہتے ہیں۔ وہ کافروں کا لیڈر ہوگا تو کافروں کا امام ہے۔ مسلمانوں کا لیڈر ہوگا تو مسلمانوں کا امام ہے انبیاء کا لیڈر ہوگا تو نبیوںؑ کا امام ہے۔ تو امام ایک لفظ ہے جس کا معنی ہے پیشوا یا لیڈر۔ اَئِمَّةَ الْكُفْرِ سے مراد ہے کہ یہ کفر کے امام ہیں۔ ایسے لوگ جو بدعہدی بھی کرتے ہیں اور اسلام پر طنز کرتے ہیں یہ کفر کے پیشوا بن جاتے ہیں۔ دوسرے لوگوں کے کفر پر قائم رہنے کا سبب بنتے ہیں یا ان کو گمراہ رکھنے کا سبب بن جاتے ہیں تو ایسے لوگوں سے فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ ۙ کفر کے پیشواؤں سے جنگ کی جائے۔ اس لیے کہ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ ان لوگوں کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں۔ یہ جو قسمیں کھاتے ہیں کہ ہم امن سے رہیں گے اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے اور اس حد تک جنگ کی جائے لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ﴿۱۲﴾ کہ وہ باز آجائیں۔ یعنی جنگ کا یا جہاد کا مقصد بندوں کو قتل کرنا نہیں ہے بلکہ اس ظلم سے، اس برائی سے روکنا ہے۔ اگر وہ باز آجائیں تو پھر جنگ کی ضرورت نہیں ہے۔ اسی لیے فرمایا اس حد تک

جنگ کی جائے کہ وہ لَعَلَّھُمْ یَنْتَھُوْنَ کہ وہ باز آ جائیں۔ اور یہ ہوتا ہے آج بھی کافر سے کچھ بن نہیں پڑتا تو گھبرا کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کے مرتکب ہوتے ہیں۔ نعوذ باللہ کہیں قرآن کریم کی بے حرمتی کرتے ہیں۔ جیسے پچھلے دنوں کابل میں پھر امریکی فوجیوں نے کچھ اس طرح کا کام کیا۔ بعد میں خبر آئی کہ کافر ملک کے صدر نے مسلمان ملک کے صدر سے معافی مانگ لی۔ کیا یہ کسی کا انفرادی فعل تھا، کیا قرآن حکیم یا دین کسی کی ملکیت ہے جو ایک صدر دوسرے صدر سے معافی لے تو بات ختم ہو جاتی۔ انہیں کوئی بتائے کہ جب دین پر طعن کرتے ہو یا دین کا مذاق اڑاتے ہو یا کتاب اللہ کی توہین کرتے ہو تو عالم اسلام کا دل دکھاتے ہو، سارے مسلمانوں پر جہاد فرض ہو جاتا ہے لیکن آج کا مسلمان تو کافر سے مانگ کر کھانا باعث فخر سمجھتا ہے جہاد کیا کرے گا، کس کے خلاف کرے گا؟ جس سے مانگ کر کھاتا ہے، جس کے طور طریقوں کو اپنانا چاہتا ہے جس کے اترے ہوئے لباس کو پہن کر اکڑ کر چلتا ہے اس کے خلاف جہاد کرے گا؟ تو فرمایا اگر یہ عہد توڑتے ہیں اور دین پر طنز کرتے ہیں تو یہ کافروں کے پیشوا ہیں یہ کفر کو پھیلانے اور کفر کو تقویت دینے کا سبب بنتے ہیں۔ لہٰذا فَقَاتِلُوْٓا اَىِٕمَّةَ الْكُفْرِ کفر کے اماموں سے جنگ کی جائے۔ تو اس کا مطلب ہے امامت کوئی منصبِ شرعی نہیں ہے۔ نبوت منصبِ شرعی ہے۔ نبوت محض لیڈر شپ نہیں ہے نبوت منصبِ شرعی ہے اور نزول وحی ہے۔ نبیؑ پر وحی نازل ہوتی ہے اور نبیؑ وحی الٰہی سے مشرف ہوتا ہے۔ ہر لیڈر کو نبی تو نہیں کہا جاتا۔ اگر امامت بھی منصب شرعی ہوتا تو کافروں کے پیشواؤں کو قرآن امام نہ کہتا۔ لہٰذا امامت کا جو عقیدہ رائج ہے یہ درست نہیں ہے۔ امامت کوئی منصبِ شرعی نہیں ہے بلکہ نبوت و رسالت منصب شرعی ہے اور امام لیڈر کو کہتے ہیں۔ ابراہیمؑ کو قرآن کریم نے کہا کہ آپؑ انبیاءؑ کے امام ہیں۔ اسی طرح نماز میں جو پیشوائی کرتا ہے اسے امام کہہ دیتے ہیں۔ حج میں جو پیشوائی کرتا ہے اسے امام کہہ دیتے ہیں۔ نیکی میں جو آگے نکلتا ہے اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیتا ہے وہ نیکوں کا امام ہے۔ جو کفر میں آگے بڑھ جاتا ہے، برائی میں آگے بڑھ جاتا ہے اور لوگوں کو کفر اور برائی کی دعوت دیتا ہے وہ کفر کا امام ہے۔ جو چوری ڈاکے کرنے میں دوسروں سے آگے نکل جاتا ہے وہ ڈاکوؤں کا امام ہے۔ یعنی کسی بھی شعبے کا لیڈر بن جاتا ہے یا پیشوا بن جاتا ہے اسے امام کہا جاتا ہے۔ اور ایسے لوگ جو کفر پر بضد ہیں اِنَّھُمْ لَآ اَیْمَانَ لَھُمْ ایسے لوگوں کی بھی قسموں کا کیا اعتبار جن کے وعدوں کی کوئی حیثیت نہیں اور ان سے اس حد تک جنگ کی جائے لَعَلَّھُمْ یَنْتَھُوْنَ کہ وہ اسلام کا مذاق اڑانے سے باز آ جائیں۔ اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَیْمَانَھُمْ وَھَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَھُمْ بَدَءُوْكُمْ

اَوَّلَ مَرَّةٍ ۭ اَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۱۳ فرمایا اے مسلمانوں تم ایسے لوگوں سے کیوں جنگ نہ کرو جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑا اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو جلا وطن کر دیا وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جلاوطن کرنے کا پورا ارادہ کرلیا وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۭ اور انہوں نے تم سے پہلے عہد شکنی کی ابتدا کی۔ ایک تو انہوں نے اپنے عہد و پیمان کی، پروانہ کی دوسرے رشتہ داری کے تعلق کی بھی پروانہ کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قُلْ لَّآ اَسْـَٔــلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ۭ (الشوریٰ:23) کہ میں تم سے کسی معاوضے کا طالب نہیں ہوں لیکن رشتہ داری کا پاس تو رکھو۔ یہ وہ معاشرہ ہے جس میں قبائل کی ایک عزت ہے۔ تعلقات کا ایک احترام ہے۔ اور ایک فرد کو چھیڑا جائے تو پورا قبیلہ بھڑک اٹھتا ہے یہ رشتہ داری کا پاس رکھتے ہیں اور تم عجیب لوگ ہو کہ تم لوگ رشتہ داری کا پاس بھی نہیں رکھتے ہو۔

اخراج رسول کی صورتیں:

فرمایا یہ ایسے لوگ ہیں جنہوں نے وعدے بھی توڑے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جلاوطن کرنے کا پورا ارادہ کرلیا۔ یعنی ہر کام اس نیت سے کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس شہر سے نکال دیا جائے وطن سے نکال دیا جائے۔ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نکال دینے کے لیے کوششیں کرتے رہے۔ مختلف مفسرین کرام نے اس پہ مختلف انداز سے روشنی ڈالی ہے سب کا ماحصل یہ ہے کہ جہاں جہاں اسلام ہے، جہاں جہاں سنت پر عمل ہوتا حضور ﷺ کا اتباع کیا جاتا ہے وہ ایسا ہی ہے کہ وہاں حضور ﷺ موجود ہیں آپ ﷺ کی برکات موجود ہیں، آپ ﷺ کی تعلیمات موجود ہیں، آپ ﷺ کے انوارات موجود ہیں۔

جہاں جہاں نام نہاد مسلمان سنت چھوڑ کر اس کی جگہ کسی بدعت کو رواج دیتا ہے تو یہ بھی بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ ہے۔ جس نے سنت نکال دی اور بدعت کو اس کی جگہ رکھ دیا تو یہ بھی وہی جرم بنتا ہے۔ جیسا اس نے نبی کریم ﷺ کو جلاوطن کر دیا ویسا ہی نبی کریم ﷺ کی سنت کو جلاوطن کرنے کا جرم بھی بنتا ہے۔ یاد رکھیں جتنی رسومات اور بدعات بنتی ہیں وہ سنت کے اعمال کی جگہ بنتی ہیں۔ ایجاد بندہ ہوتی ہیں کچھ علماء بدعت کو بدعت حسنہ کہتے ہیں حالانکہ بدعت میں کوئی حسن نہیں۔ بدعت سنت کے مخالف ہے اور ہر بدعت کسی نہ کسی سنت کو گرا کر اس کی جگہ کھڑی کی جاتی ہے۔ سنت کو ہٹا کر بدعت کو رواج دیا جاتا ہے۔ بعض امور ایسے ہیں جو مباحات شرعی ہیں جن کو مباح کہا جاتا ہے یعنی ان کے کرنے نہ کرنے کا کوئی حکم نہیں اور نہ ان سے روکا گیا ہے وہ بدعت نہیں کہلائیں گے۔ بدعت وہ عمل کہلائے گا جس کے کرنے پر آپ قائل ہیں کہ یہ کرنا ثواب کا کام ہے۔ اب اگر وہ حضور ﷺ

سے، متقدمین سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ایسا کرنا ثواب کا کام ہے تو سنت ہو گیا لیکن اگر حضور ﷺ نے نہیں فرمایا اور کوئی اپنی طرف سے ایجاد کر کے کہتا ہے کہ ایسا کرنا بھی ثواب ہے تو یہ بدعت ہو جائے گا۔ چونکہ نبی کریم ﷺ نے پوری زندگی کا لائحہ عمل دیا ہے۔ تعلقات کا، کاروبار کا، سیاست کا، حکومت کا، حکمرانی کا، عدالت کا، معیشت کا، نظام اسلام ایک پورا نظام ہے جو کہ بالتفصیل نبی کریم ﷺ نے نہ صرف سمجھایا بلکہ عملاً نافذ کر کے عملاً اسلامی ریاست بنا کر دیا خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس پر عمل کیا۔ تمام صحابہؓ نے عمل کیا تو یہ ایک پورا نظام حیات ہے۔ جہاں پر حضور علیہ الصلوۃ والسلام یا حضور کے خلفائے راشدین کی سنت کو ہٹا کر اپنی بات یا کسی کی بات رکھ دیں گے اور سمجھیں گے یہ بھی حق ہے، یہ بھی انصاف ہے، اس پر عمل کرنے سے اللہ راضی ہوگا۔ ثواب ہوگا، تو وہ بدعت کہلائے گا۔ ثواب کیا ہے اللہ کی رضا ہے اور اللہ کی رضا سنت پر چلنے میں ہے اور جب سنت کو ہٹا کر بدعت رکھی جائے گی تو یہ وہی جرم ہے جو نبی کریم ﷺ کو جلا وطن کرنے کا جرم کیا گیا تھا حضور ﷺ کی سنت کو مٹا کر بدعت جاری کرنا بھی بِاِخۡرَاجِ الرَّسُوۡلِ کہلائے گا۔

وَهُمۡ بَدَءُوۡكُمۡ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ اور یہ پہلے بھی آپ لوگوں سے عہد شکنی کر چکے ہیں تو بڑے پیارے انداز میں قرآن کریم مسلمانوں سے پوچھتا ہے اَتَخۡشَوۡنَهُمۡ کیا تم کافروں سے ڈرتے ہو؟ یعنی اگر کافر بدعہدی بھی کرتے ہیں، دین پر طعن بھی کرتے ہیں اور اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کا سبب بنتے ہیں احکام شرعی کی توہین کا سبب بنتے ہیں تو تم ان سے جہاد کیوں نہیں کرتے؟ کیا تم ان سے ڈرتے ہو؟ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنۡ تَخۡشَوۡهُ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ۝۱۳ اللہ اس بات کا بہترین مستحق ہے کہ اس سے ڈرا جائے۔ کافروں سے ڈرنے کی کیا ضرورت ہے؟ اللہ سے ڈرو، اللہ کی ناراضگی سے ڈرو، اللہ کی خفگی سے ڈرو اور اللہ کی رضا کے لیے جہاد کرو اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ۝۱۳ اگر تم ایمان رکھتے ہو، ایمان والے ہو۔

خود کو مسلمان کہلوانے والوں کا حال یہ ہے کہ ہمارے حکمران بھی شرعی احکام کا مذاق اڑاتے ہیں۔ عملاً تو بہت سے لوگ اس میں شامل ہیں۔ اسلامی قوانین کا زبانی بھی مذاق اڑایا جاتا ہے اور عملاً تو خیر ہر کوئی مذاق اڑاتا ہے نماز روزے کا بھی عبادات کا بھی۔ اور شرعی حلیہ بنایا جائے تو اس کا بھی مذاق اڑایا جاتا ہے حالانکہ دین کا مذاق اڑانا کفر کا شعار ہے، کافروں کا کام ہے۔

ایمان کی شرط اطاعت:

اگر بندہ کلمہ پڑھتا ہے تو تقاضا یہ ہے کہ اس کے سارے کام دین کے مطابق ہوں کہ کلمہ ایک معاہدہ ہے،

ایک وعدہ ہے اللہ کریم اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کہ اللہ کے علاوہ کسی کی بھی غیر مشروط اطاعت نہیں کروں گا۔صرف اللہ کی اطاعت کروں گا اور اس انداز سے کروں گا جس طرح اللہ کے رسول ﷺ بتائیں گے۔

جب ہم مانتے ہیں کہ کلمہ یہ عہد ہے تو یہ عہد کرنے کے بعد اگر ہم چوری کرتے ہیں، بددیانتی کرتے ہیں، عبادات نصیب نہیں، فرائض ادا نہیں کرتے، زکوٰۃ نہیں دیتے، سود کھائے جا رہے ہیں تو پھر بدعہدی تو یہاں سے ہی شروع ہو گئی۔ یہ بھی تو بدعہدی ہے اور یہ پہلے بھی تم سے بدعہدی کر چکے ہیں تو پھر بڑا خوبصورت سا سوال فرماتے ہیں اَتَخْشَوْنَهُمْ : کیا تم کافروں سے ڈرتے ہو؟ یعنی کلمہ پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت جان دے کر بھی کی جائے گی۔ ہر قیمت پر کی جائے گی تو پھر کافر سے ڈرنے کی کیا ضرورت ہے؟ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ پھر تو اللہ زیادہ مستحق ہے اس بات کا کہ اس کی ناراضگی سے، اس کی گرفت سے بچا جائے اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳﴾ ہاں اگر تم مومن ہو۔ تو بات یہ ہے کہ اللہ سے تو وہی ڈرے گا، اللہ کے عذاب سے اور اللہ کی ناراضگی سے تو وہی ڈرے گا جس میں نورِ ایمان ہو گا جو اللہ کو مانتا ہے جسے یقین کا وہ درجہ ہی حاصل نہیں جسے اطاعت ہی نصیب نہیں اس کے ایمان کی کیا دلیل ہے۔ تو فرمایا اللہ اس بات کا زیادہ حق رکھتے ہیں کہ ان سے ڈرا جائے اگر تم ایمان رکھتے ہو۔ پہلی شرط یہ ہے کہ ایمان ہو۔

ہمارا آج کا المیہ تو یہ ہے کہ ہمیں اپنے کردار دیکھ کر اپنے حالات دیکھ کر یہ سوچنا پڑ جاتا ہے کہ کیا ہم مسلمان ہیں؟ سرکاری اور حکومتی سطح پر معاش میں سود بنیاد ہے اور ہر شعبہ زندگی میں سود ہے ہماری معیشت کی بنیاد ہی سود پر ہے۔ دوسرے امور بھی اسی طرح ہیں۔ ہمارا عدالتی نظام انگریز کا دیا ہوا ایک غلامانہ نظام ہے جس کا طریق شہادت شرعی نہیں اور نہ ہی طریق سماعت شرعی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ہماری عدالتیں آزاد ہیں کیا دورِ غلامی کے قانون پر عمل کرنا آزادی ہے؟ غلامی کے یادگار قانون پر عمل پیرا ہونا آزادی ہے؟ اسی طرح ہمارا سیاسی نظام شریعت سے متضاد ہے ہمارا تعلیمی نظام شریعت کے مطابق نہیں ہے۔ معاشی نظام خلافِ شریعت ہے سیاسی نظام خلافِ شریعت ہے عدالتی نظام خلافِ شریعت ہے باقی بچتا کیا ہے پھر تو ہمیں یہ سوچنا ہو گا کہ ہم مسلمان بھی ہیں کہ نہیں۔

یوں تو سید بھی ہو مرزا بھی ہو افغان بھی ہو
بھلا یہ بھی بتاؤ کہ مسلمان بھی ہو

کہنے کو تو ہم سید، چودھری، ملک، سردار، ارباب سب کچھ بنے ہوئے ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ کیا ہمارا

عمل اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ ہم مسلمان ہیں اور اگر ہم کافروں سے ڈر کر جیتے ہیں تو پھر ایمان اور اسلام کہاں رہ گیا۔ اور جو لوگ من حیث القوم کافروں سے مانگ کر کھاتے ہیں وہاں کفار، یہود اور مشرکین کا اتنا عمل دخل ہے کہ ان سے مانگ کر کھاتے ہیں اس لیے پالیسیاں بھی وہی بناتے ہیں۔ ملک میں چیزوں کے نرخ وہ مقرر کرتے ہیں کہ یہ چیز اس طرح بیچو، تیل کے نرخ اتنے بڑھا دو اور بجلی کی قیمت اتنی بڑھا دو۔ یہ نقصانات اپنی جگہ۔ جو مادی نقصانات ہیں اور جو مالی تکالیف ہیں وہ تو ہم بھگت ہی رہے ہیں لیکن اس کا بہت بڑا نقصان اور بہت بڑی خطرے کی بات یہ ہے کہ کیا ہم مسلمان بھی ہیں ہمارا ایمان بھی بچتا ہے۔ فرمایا اسلام تو یہ ہے کہ جو لوگ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کو مٹانا چاہتے ہیں، شریعت کو مٹانا چاہتے وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جلاوطن کرنا چاہتے ہیں تو تم پر فرض ہے کہ ایسے لوگوں سے جہاد کرو۔

تو کیا تم ان سے ڈرتے ہو حالانکہ ڈرنا تو اللہ سے چاہئے۔ اللہ اس کا مستحق ہے کہ اس کی ناراضگی سے ڈرا جائے۔ ہاں اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ یہ تب ہوگا کہ تم میں ایمان ہوگا۔ قَاتِلُوْهُمْ مشرکین جو بدعہدی کرتے ہیں یا دین پر طعن کرتے ہیں بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ یا احکام شرعی کو مٹانا چاہتے ہیں تو ان سے جہاد کرو۔

مجاہدین سے اللہ کے وعدے:

جہاد کا حکم دے کر اللہ کریم وعدہ فرما رہے ہیں کہ اگر تمہارا عقیدہ درست ہے اور تم قیام دین کے لیے، جہاں سے دینی احکام کو مٹایا جا رہا ہے وہاں احیاء دین کے لئے، دینی احکام کو باقی رکھنے کے لیے اور انہیں اس برائی سے روکنے کے لیے جہاد کرتے ہو تو پھر اللہ کریم وعدہ فرماتے ہیں يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ سکہ پھر اللہ تمہارے ساتھ ہے اور انہیں تمہارے ہاتھوں سے سزا ملے گی وَيُخْزِهِمْ اور اللہ ان کو رسوا کرے گا وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ اور تمہیں ان پر کامیابی دے گا تم کو ان پر غلبہ دے گا وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٤﴾ اور ایمان والے لوگوں کے دل ٹھنڈے کر دے گا۔ ایمان والوں کے قلوب کو شفا دے گا۔

اللہ کریم نے ایمان والوں سے کتنے وعدے فرما دیئے کہ اگر تم ان مشرکین سے جو بدعہدی بھی کرتے ہیں۔ دین کا مذاق اڑاتے ہیں اور دین کو مٹانے کی کوشش کرتے ہیں احکام شرعی کو مٹا کر ان کی جگہ اپنے شیطانی منصوبے نافذ کرنا چاہتے ہیں قَاتِلُوْهُمْ ان سے جہاد کرو۔ اگر تم خلوص کے ساتھ، ایمان کے ساتھ احیائے دین کے لئے ان سے جہاد کرو گے تو اللہ کریم نے چار وعدے فرما دیئے۔ فرمایا پہلا وعدہ یہ ہے يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ

بِاَيْدِيْكُمْ اللہ تعالیٰ انہیں تمہارے ہاتھوں سے سزا دے گا۔ تم میدان میں نکلو، اللہ کریم تمہارے ساتھ ہیں، اللہ جل شانہٗ تمہارے ساتھ ہیں۔ وہ ہر چیز پر قادر ہیں، وہ تمہارے ہاتھوں کافروں کو سزا دیں گے۔ وَيُخْزِهِمْ اور انہیں ذلیل کریں گے، انہیں رسوا کریں گے، انہیں شکست پر شکست ہوگی اور وہ رسوا ہوں گے۔ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ اللہ کریم تمہاری مدد فرمائیں گے اور چوتھا وعدہ یہ فرمایا وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۴﴾ جو لوگ اس جہاد میں شامل ہوں گے اللہ کریم ان ایمان والوں کے قلوب کو شفا بخش دیں گے۔ اگر کوئی غلطی، کوئی گناہ، کوئی کوتاہی، کوئی چیز ایسی ہوگئی ہے جس سے ان کے قلوب پر سیاہی آگئی یا میل آگیا یا زنگ آگیا تو اللہ ان کے سارے گناہ معاف کر کے ان کے دلوں کو بھی روشن کر دیں گے۔

جہاد کرنے والوں سے اللہ کریم نے چار وعدے فرمائے۔ لیکن یاد رہے محض فساد کے لئے نہیں، مسلمانوں کو مسلمانوں کے قتل کرنے کی اجازت نہیں۔ ملک میں فساد بپا کرنے کے لیے نہیں، دہشت گردی کے لیے نہیں بلکہ فسادی لوگوں سے جہاد کا حکم ہے۔ اور یہ حکم مسلمان حکومت کو ہے افراد کو نہیں۔ کوئی فرد، میں یا آپ اٹھ کر بندوق لے لیں اور بندے مارنا شروع کر دیں تو یہ جہاد نہیں ہوگا۔ ایک بندہ قتل کرتا ہے ہم دیکھ رہے ہیں ہمارے سامنے اس نے کسی کو قتل کر دیا ہم اسے قتل کر دیں تو ہم بھی قاتل کہلائیں گے ہمارے خلاف بھی مقدمہ ہوگا ہمیں بھی سزا ہو جائے گی حالانکہ اس نے تو قتل کیا تھا اسے قتل ہونا چاہیے تھا۔ اس کی سزا قتل تھی لیکن ہم سزا نہیں دے سکتے۔ اسی کے خلاف اگر ہم گواہی دیتے ہیں اور عدالت اسے سزائے موت دیتی ہے اور جج اسے پھانسی لگا دیتا ہے تو اس جج کے ذمے کوئی جرم نہیں آئے گا۔ یہ قتل نہیں ہوگا یہ عدل ہوگا۔ لیکن ہم اگر قتل کر دیں گے تو وہ قتل ہو گا۔ چونکہ انفرادی طور پر ان احکام پر عمل کرنے کے ہم مکلف نہیں۔ یہ اجتماعی کام ہے اور حکومت اسلامیہ کے فرائض میں داخل ہے کہ جو لوگ مسلمانوں سے بدعہدی کرتے ہیں، دین پر طعن کرتے ہیں اور احکام شرعی کو مٹانے کی کوشش کرتے ہیں، اخراج رسول کی کوشش کرتے ہیں ان سے حکومت اسلامیہ نہ ڈرے بلکہ ان سے مقابلہ کرے، جہاد کرے۔ اللہ نے چار وعدے فرمائے ہیں اللہ تمہارے ہاتھوں انہیں عذاب دیں گے، ان کافروں کو ذلیل کریں گے، تمہاری مدد کریں گے اور تمہارے دلوں میں اگر کوئی گناہ کوئی غلطی کسی برائی کا میل کوئی سیاہی ہے تو وہ بھی صاف کر دیں گے تمہارے دل بھی منور کر دیئے جائیں گے۔ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ ۚ اور دین کی توہین سے حرمت رسالت میں گستاخی کرنے سے جو تمہارے دلوں میں دکھ ہوگا اس کا مداوا بھی ہو جائے گا وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ ۚ اور دلوں سے غصہ نکال دیں گے وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ۚ اور اللہ جس پہ چاہتے ہیں ان پر توجہ فرماتے ہیں۔ یعنی یہ بھی اللہ کا انعام ہے کہ کسی کو دین کی نصرت کرنے کی توفیق مل جائے تو یہ

اللہ کریم کا بہت بڑا انعام ہے وَاللّٰہُ عَلِیۡمٌ حَکِیۡمٌ ﴿۱۵﴾ اس لیے کہ اللہ کریم جاننے والے بھی ہیں اور حکمت والے بھی ہیں۔ ہر چیز کو، ہر شے کو بہت جانتے ہیں اور اس طرح سے اس کا فیصلہ فرماتے ہیں جس طرح ان کی منشاء ہوتی ہے اور ان کی منشاء حکمت و دانائی ہوتی ہے۔ جو چیز من جانب اللہ ہوتی ہے وہی درست ہوتی ہے۔

اب رہی یہ بات کہ تم یہ سمجھو کہ کافر توہین کرتے ہیں تو کرتے رہیں کوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کو مٹاتا ہے تو مٹاتا رہے، کوئی دین کا مذاق اڑاتا ہے تو اڑاتا رہے ہم تو جناب نماز روزہ بھی کرتے ہیں سجدے بھی کرتے ہیں ذکر بھی کرتے ہیں تسبیحات بھی پڑھتے ہیں، ہمیں کیا کسی کا جو جی چاہے کرتا ہے فرمایا اَمۡ حَسِبۡتُمۡ اَنۡ تُتۡرَکُوۡا تم سمجھتے ہو تمہیں یوں ہی چھوڑ دیا جائے گا اَمۡ حَسِبۡتُمۡ اَنۡ تُتۡرَکُوۡا تمہارا خیال ہے تمہیں یوں ہی چھوڑ دیا جائے گا؟ نہیں۔ وَلَمَّا یَعۡلَمِ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ جٰهَدُوۡا مِنۡكُمۡ وَلَمۡ یَتَّخِذُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ وَلَا رَسُوۡلِهٖ وَلَا الۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَلِیۡجَةً یہ بات دیکھی جائے گی تمہاری آزمائش ہوگی۔ یہ چیزیں سامنے آئیں گی اور تمہارا کام ہے کہ تم ان کا مقابلہ کرو۔ اللہ سے ڈرو، کافروں سے نہ ڈرو، جہاں تک تمہارے بس میں ہے وہاں تک اس کا رد کرتے رہو اور یہ نہ سمجھو کہ تمہیں یونہی چھوڑ دیا جائے گا۔ ہم نے کہہ دیا ہم مسلمان ہیں تو کام ہو گیا۔ ایسا نہیں ہوگا بلکہ اللہ کریم تمہارے جہاد کو دیکھیں گے کہ تم میں سے کس نے جہاد کیا اور کس نے اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین کے علاوہ کسی دوسرے سے دوستی نہیں کی یعنی مومن کی دوستی اللہ سے ہے اللہ کے رسول ﷺ سے ہے اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کرنے والوں سے ہے۔

آزمائش کا مفہوم:

کسی نے سوال کیا کہ اللہ کریم ہر چیز کو ہر وقت جانتے ہیں پھر یہ کیوں فرمایا گیا کہ وَلَنَبۡلُوَنَّكُمۡ بِشَیۡءٍ مِّنَ الۡخَوۡفِ وَالۡجُوۡعِ وَنَقۡصٍ مِّنَ الۡاَمۡوَالِ وَالۡاَنۡفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ۔ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیۡنَ (البقرۃ:155) اور اس طرح کی تمہاری آزمائش ہوگی تو اللہ پاک کو آزمائش کرنے کی کیا ضرورت ہے تو میں نے کہا آپ مفہوم الٹا سمجھ رہے ہیں۔ ضرورت اللہ کو نہیں ہے وہ تو جانتا ہے۔ ضرورت تو ہمیں ہوگی۔ وہ تو جانتے ہیں کہ روزِ حشر ہم کہیں گے ہم تو بڑی نیکیاں کرتے رہے تو اس وقت ہمارا کردار سامنے دکھایا جائے گا کہ تم تو یہ، یہ کرتے رہے ہو اسے نیکی کہتے ہیں؟ آزمائش اس لیے نہیں ہوتی کہ اللہ کریم کو خبر نہیں۔ آزمائش اس لیے ہوتی ہے کہ روزِ حشر جب ہم پیش ہوں گے تو ہمارا عمل ہمارے سامنے دکھا دیا جائے گا کہ میاں یہ تمہارا امتحان لیا گیا اس

میں تم نے اتنے نمبر لیے، پاس ہوئے یا فیل ہوئے دیکھ لو۔ تو فرمایا تم نے یہ سوچ رکھا ہے کہ تم کہتے ہو ہم مسلمان ہیں تو بس بات ختم ہوگئی اور تمہیں یوں ہی چھوڑ دیا جائے گا اور تم سے پوچھا نہیں جائے گا۔ نہیں۔ اللہ کریم اس بات کو ظاہر کریں گے۔ وہ بات کیا ہوگی؟ وہ تمہارے نامہ اعمال میں لکھی جائے گی اور یہ بات سامنے آئے گی کہ تم میں سے کس نے دین پر خود عمل کرنے پر کتنی محنت کی۔ احیائے دین کی اور دین کو دوسروں تک پہنچانے کی کتنی کوشش کی۔ وَلَمَّا يَعۡلَمِ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ جٰهَدُوۡا مِنۡكُمۡ تم میں سے کس نے کتنا جہاد کیا۔ جہاد محنت اور کوشش کرنا ہے۔ زبان سے، عمل سے اور بالآخر تلوار سے۔ اس کے اپنے اپنے درجے ہیں جہاں آپ رہتے ہیں، جہاں تک آپ کی بات سنائی دیتی ہے، اپنی بات سے، جس کے پاس علم ہے وہ اپنے علم سے دین کی خدمت کرے۔ اسی طرح جس کے پاس دولت ہے اور وسائل ہیں اپنی دولت اور وسائل سے دین کے احیاء کی کوشش کرے۔ جس کے پاس اقتدار واختیار ہے اپنے اقتدار واختیار کو احیائے دین کے لیے استعمال کرے۔ یہ سب کام جہاد ہیں اور جہاد کے لیے یہ ضروری ہے۔ جہاد تو دشمنوں سے ہوتا ہے اور تم نے کافروں سے دوستی کر لی ہے تو جہاد کس سے ہو گا؟ کفر سے اگر تمہاری دوستی ہوتی ہے۔ تم نے اگر کفر کا لباس بھی اپنا لیا، کفر کی روایات بھی اپنا لیں، کفر کے مزاج کو بھی اپنا لیا اور کافرانہ اعمال کو بھی اپنا لیا تو کہاں رہی مسلمانی اور کون کرے گا جہاد؟ اس لیے فرمایا وَلَمۡ يَتَّخِذُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوۡلِهٖ وَلَا الۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَلِيۡجَةً اللہ ایسے لوگوں کو دیکھے گا کہ انہوں نے اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ایمان دار بندوں کے علاوہ کسی سے دوستی نہیں کی۔ کسی جیسا بننے کی خواہش نہیں کی۔ کسی جیسے اعمال اختیار نہیں کیے دوستی یا دشمنی دو میں سے ایک بات ہوتی ہے تو انہوں نے اللہ اور اللہ کے بندوں سے دوستی کی۔ اللہ کے حبیب ﷺ سے دوستی کی۔ اور اللہ اور اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفوں سے مقابلہ کیا اور ان کی مخالفت کی وَاللّٰهُ خَبِيۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ ۝١٦ اور اللہ تمہارے ہر عمل سے باخبر ہے۔ اللہ جل شانہٗ تمہارے ہر عمل کو دیکھ رہے ہیں تمہارے ہر عمل سے باخبر ہیں۔ جب اللہ کے حضور پیشی ہوگی یہ فیصلہ ہو جائے گا کہ تم کو دنیا میں چندروزہ جو فرصت ملی تھی اس میں تم نے کس کی مدد کی؟ کفر کی مدد کی، دین کے مٹانے والوں کی مدد کی یا دین کی مدد کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی مدد کی۔

اللہ کریم نیکی کی توفیق دے اور نیکوں کا ساتھ نصیب فرمائے۔

سورۃ التوبہ رکوع 3 آیات 17 تا 24

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ
بِالْكُفْرِ ؕ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۚۖ وَفِى النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۷﴾ اِنَّمَا يَعْمُرُ
مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ
وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰٓى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۸﴾ اَجَعَلْتُمْ
سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ
وَجٰهَدَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ
الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ
وَاَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۲۰﴾
يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ
مُّقِيْمٌ ﴿۲۱﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۲﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى
الْاِيْمَانِ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۳﴾ قُلْ اِنْ كَانَ
اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ
اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ
مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِىْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِىَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ

لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝۲۴

مشرکوں کو زیبا نہیں ہے کہ وہ اللہ کی مسجدوں کو آباد کریں جب کہ وہ اپنے آپ پر کفر کی گواہی دے رہے ہوں ان لوگوں کے سب اعمال ضائع گئے اور وہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے ﴿۱۷﴾ یقیناً اللہ کی مسجدوں کو آباد کرنا اسی کا کام ہے جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لایا ہے اور نماز کی پابندی کی اور زکوٰۃ دیتا رہا اور اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرا سو امید ہے کہ یہ لوگ ہدایت پانے والوں میں ہوں گے۔ ﴿۱۸﴾ کیا تم نے حاجیوں کے پانی پلانے کو اور مسجدِ حرام کے آباد رکھنے کو اس شخص (کے عمل) کے برابر قرار دے لیا ہے جو کہ اللہ پر ایمان لایا اور آخرت کے دن پر اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ یہ لوگ اللہ کے نزدیک برابر نہیں ہیں اور ظالم (بے انصاف) لوگوں کو اللہ ہدایت نہیں دیا کرتے ﴿۱۹﴾ جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کیا اللہ کے نزدیک (ان کے) بہت بڑے درجات ہیں اور وہی لوگ پورے کامیاب ہیں ﴿۲۰﴾ ان کا پروردگار ان کو اپنی رحمت کی اور رضا مندی کی اور (جنت کے) باغوں کی خوشخبری دیتا ہے جن میں ان کے لیے ہمیشہ ہمیشہ کی نعمت ہوگی ﴿۲۱﴾ وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے بے شک اللہ ہی کے پاس بڑا اجر ہے ﴿۲۲﴾ اے ایمان والو! اگر تمہارے (ماں) باپ اور (بہن) بھائی ایمان کے مقابلے میں کفر کو عزیز رکھیں تو ان کو دوست نہ بناؤ اور جو کوئی تم میں سے ان سے دوستی رکھے گا تو ایسے لوگ ہی ظالم (نافرمان) ہیں ﴿۲۳﴾ فرما دیجیے کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے خاندان کے لوگ اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس میں مندی ہونے سے ڈرتے ہو اور وہ گھر جن کو تم پسند کرتے ہو تمہیں اللہ اور اس کے پیغمبر اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم بھیج دیں اور اللہ نافرمانوں کو ہدایت نہیں فرماتے ﴿۲۴﴾

تفسیر ومعارف

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ۭ فرمایا مشرکین کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ اللہ کی مسجدوں کو آباد کریں جب کہ اپنے کفر پر وہ خود گواہی دے رہے ہوں اُولٰۗىِٕكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ښ ان لوگوں کے سب اعمال ضائع گئے وَفِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ⑰ اور یہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔

فتح مکہ کے بعد اگرچہ بیت اللہ شریف سے بت مٹا دیئے گئے تھے اور مسلمان بیت اللہ میں عبادت کرتے، طواف کرتے، اور نمازیں پڑھتے تھے لیکن مشرکین بھی بیت اللہ آتے اور اپنی رسومات ادا کرتے تھے چونکہ مسلمانوں کے مشرکین کے ساتھ معاہدے تھے اور جنہوں نے معاہدے نہیں توڑے ان کے ساتھ معاہدے ختم نہیں کیے گئے جب تک ان کی معیاد پوری نہیں ہوئی۔ سن نو ہجری میں وہ تمام معاہدے مکمل ہو گئے تو اللہ کریم نے حکم دیا کہ آج کے بعد کوئی مشرک بیت اللہ میں یا مسجد میں داخل نہ ہو اور حج کے موقع پر اعلان فرما دیا گیا کہ کوئی مشرک آج کے بعد حرم میں داخل نہیں ہو سکے گا تو اس طرح مشرکین نے بھی کہا کہ ہم تو اگر حرم میں داخل ہوتے تھے تو حرم کی آبادی کا ہی سبب بنتے تھے اور تعمیر حرم میں حصہ لیتے، حاجیوں کی خدمت کرتے اور انتظام و انصرام کرتے تے تو ارشاد ہوا کہ مشرک کو زیب نہیں دیتا اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ کہ وہ مساجد کو آباد کریں۔ تو گویا نہ صرف بیت اللہ بلکہ تمام مساجد کے لیے فرما دیا گیا کہ مسجد کی آبادی کے لیے مشرکین کی ضرورت نہیں ہے۔

مساجد کی آبادی:

مسجد کی تعمیر سے لے کر اس میں عبادات، فرائض، نوافل، تعلیم و تعلم، قرآن کریم کا پڑھنا پڑھانا، صلوٰۃ، ذکر اذکار کرنا۔ اس کی مرمت اس کی تعمیر اس کی دیکھ بھال، ان میں آنے جانے والوں کی خدمت کا خیال رکھنا، ان کی ضروریات کا خیال رکھنا یہ سب چیزیں مسجد کی آبادی میں شامل ہیں اور یہ سب چیزیں عبادات میں شامل ہیں۔ اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اور یہ مشرکین کو زیب نہیں دیتا کہ وہ مساجد کو آباد کریں وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ (الجن:18) مساجد تو صرف اللہ کی ہیں تو مشرک جو اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے، اس کی توحید پر ایمان نہیں رکھتا اور کافر جو اللہ کا انکار کرتا ہے جب اللہ ہی کو نہیں مانتے تو اللہ کی مسجد کے ساتھ ان کا کیا رشتہ تعلق؟ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ یہ تو اپنے کفر پر خود گواہ ہیں۔ اِنَّمَا يَعْمُرُ اسی سے عمرہ نکلا ہے جو لوگ نفلی حج کے لیے جاتے ہیں یا

چھوٹے حج کے لیے جاتے ہیں تو اسے عمرہ کہتے ہیں جیسے حج تو فرض ہے عمرہ فرض نہیں ہے۔ نفلی عبادت ہے لیکن مسجد کی آبادی کا سبب ہے۔ اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ عمرہ بیت اللہ کی آبادی کا سبب بھی ہے۔ اللہ کی وحدت قائم کرنے کا سبب بھی ہے، قرب الٰہی کا سبب بھی ہے اور بیت اللہ شریف کی آبادی کا سبب بھی ہے۔ سنت کے مطابق اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق مساجد میں عبادت کرنا مساجد کی آبادی ہے جو اللہ ہی کو نہیں مانتے یا جو اللہ سے شرک کرتے ہیں وہ اللہ کے حکم کو کب مانیں گے اور اللہ کے حکم کے مطابق عبادت کب کریں گے لہٰذا انہیں وہاں داخلے کی اجازت ہی نہیں جب کہ وہ اپنے آپ پر، خود اپنے کفر اور شرک پر گواہ ہیں۔ اور اگر وہ کوئی نیکی بھی کرتے ہیں جیسے تعمیر مسجد یا مسجد میں چندہ دینا یا مسجد کی مرمت کرا دینا یا مسجد میں آنے جانے والوں کی خدمت کرنا یہ نیکی تو ہے لیکن فرمایا ان کی کسی نیکی کا آخرت میں کوئی اجر نہیں چونکہ ان کا اللہ پر ایمان نہیں اور جب اللہ پر ایمان نہیں ہے تو آخرت پر بھی ایمان نہیں ہے۔ تو جو کام اچھا بھی ہو، اللہ کے لیے نہ کیا جائے، اس کے حکم کے مطابق نہ کیا جائے آخرت کے لیے نہ کیا جائے تو ان کا اجر آخرت میں کیسے ہوگا؟ ان کا تو آخرت پر ایمان ہی نہیں۔ وَفِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۷﴾ انہیں تو ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہنا ہے۔

مساجد کی آبادی بہت بڑی نیکی ہے لیکن ضروری یہ ہے کہ عقیدہ درست ہو اور کردار صحیح ہو۔ عقیدہ بنیاد ہوتا ہے۔ عمل میں اگر کوتاہی بھی ہو تو اللہ کریم معاف فرمانے والے ہیں اور ان کی رحمت بہت وسیع ہے لیکن عقیدے کی کوتاہی ناقابل معافی جرم ہے اللہ کریم اسے معاف نہیں فرماتے کہ کوئی اللہ کے ساتھ شرک کرے۔ شرک جلی پر تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وعلیٰ الہ وسلم نے ایسی چوٹ لگائی کہ جسے کلمہ نصیب ہو جاتا ہے ظاہراً اللہ کا کوئی شریک بنانے کا تصور بھی نہیں کرتا اور یہ صدیوں سے ایک قانون بن گیا ہے کہ کلمہ جسے نصیب ہو جائے اللہ اسے شرک جلی سے پناہ دے دیتا ہے اور وہ اللہ کا شریک نہیں بناتا لیکن شرک خفی بہت خطرناک مرض ہے یہ کینسر کی طرح ہے اندر ہی اندر چلتا رہتا ہے۔ شرک خفی کیا ہے؟ کسی سے نفع کی امید پر اس کی اطاعت کرنا اللہ کے مقابلے میں۔ اللہ کا حکم توڑ کر اس کا حکم ماننا اس امید پر کہ اس سے مجھے نفع پہنچے گا یہ بھی شرک ہے۔ گویا ہم نے اسے وہ مقام دے دیا جو اللہ کا ہے۔ اس سے اگر ہم اندازہ کریں تو بااقتدار لوگوں سے امیدیں، اپنے پیروں سے امیدیں، بدمعاشوں سے امیدیں، دولت مندوں سے امیدیں یہ سارے بت بن جاتے ہیں اور نادانی میں ہم لوگ اللہ کی نافرمانی کر جاتے ہیں ان کی بات مان لیتے ہیں تو اس میں جو گناہ ہے سو تو ہے لیکن اس میں جو شرک ہے کہ ہم نے انہیں وہ منصب دے دیا جو اللہ کا تھا۔ گویا انہیں اللہ کا شریک بنا لیا کہ میری یہ مشکل دور کر دے گا میری یہ بیماری دور کر دے گا یہ مجھے پیسے دے دے گا یہ میری مصیبت دور کر دے گا۔ تو یہ ایک ایسا مرض ہے کہ

اسے اندر سے نکالنا ایک مجاہدہ طلب کام ہے۔ اس پر محنت کی جائے تو اسے نکالنے کے لیے محنت کرنے سے پہلے اسے جاننا شرط ہے۔ جو بندہ سمجھے گا نہیں، جانے گا نہیں وہ اسے کیسے دور کرے گا۔ اور غیر شعوری طور پر ہم اس کی پروا نہیں کرتے۔ امیدیں لوگوں سے وابستہ کر لیتے ہیں یا دولت سے وابستہ کر لیتے ہیں اس کے لیے ہر جھوٹ بولنے کو تیار ہو جاتے ہیں، ہر غلطی کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ اللہ کی عظمت کا خیال نہیں رہتا رسول اللہ ﷺ کی سنت کا خیال نہیں رہتا۔

احکام مساجد:

پھر مساجد کی آبادی میں یہ بھی داخل ہے کہ مسجد میں جو سنت کے خلاف کام ہیں انہیں روکا جائے۔ صاحب تفسیر مظہری نے چند چیزیں گنوائیں ہیں مثلاً کوئی مسجد میں بیٹھا ہے اور کاروبار کر رہا ہے تو اسے منع کیا جائے اگر کسی کی کوئی چیز گم ہوگئی ہو وہ اس کی گمشدگی کا اعلان مسجد سے کرواتا ہے یہ حرام ہے ناجائز ہے۔

اب یہ حال ہے کہ مسجد والے کہتے ہیں کہ اتنے پیسے دے دو ہم سپیکر آن کر کے اعلان کر دیتے ہیں وہ روپیہ دینا بھی حرام ہے اور اعلان کرنا بھی حرام ہے بلکہ ایک حدیث شریف کا مفہوم ہے کہ کوئی مسجد سے گم شدہ چیز کا اعلان کرے تو جو سنے اسے جواب دے کہ اللہ کرے تجھے یہ کبھی نہ ملے۔ یا مسجد میں شور کرنا یا دنیا کی باتیں شروع کر دینا یا جھگڑا کرنا یہ ساری چیزیں جو ہیں ان کو روکنا بھی مسجد کی آبادی میں شامل ہے۔ اور اب تو اللہ ہمیں معاف کرے اب تو ہم نے اتنی بدعات ایجاد کر لیں ہیں جن کی کوئی اصل متقدمین میں نہیں ملتی اور پھر ہم انہیں دین کے نام پر مساجد میں کرتے ہیں۔ تو بدعات کا، رسومات کا مساجد میں ادا کرنا بھی مساجد کی بربادی میں شامل ہے۔ مسجد کی خرابی میں شامل ہے اس سے روکنا مساجد کی آبادی میں شامل ہے۔

تو جو کچھ یہ مشرکین کرتے تھے اگرچہ یہ بیت اللہ کی تعمیر کا بھی لحاظ رکھتے تھے اس کے اخراجات کا، آنے والوں کی ضروریات کا بھی پاس رکھتے تھے لیکن ایسی رسومات کرتے تھے جن کا حکم نہ اللہ نے دیا نہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا تو فرمایا یہ تو مسجد کی آبادی نہیں بربادی کا کام کر رہے ہیں۔ یہ لوگ چونکہ شرک کرتے ہیں اور کفر کرتے ہیں تو ان کی کسی نیکی کا آخرت میں کوئی اجر نہیں۔ ہاں اللہ ایسے کریم ہیں کہ کافر کی نیکی بھی ضائع نہیں فرماتے۔ مثلاً کسی کافر نے ہسپتال بنا دیا، کس نے کنواں، تالاب بنا دیا تو ان کی نیکی ضائع نہیں فرماتے لیکن چونکہ کافر کا آخرت پر تو ایمان نہیں ہے وہ جو کچھ کرتا ہے دنیاوی فائدے کے لیے کرتا ہے دل میں، ذہن میں کوئی دنیا کا فائدہ ہوتا ہے، شہرت ہوتی ہے یا کسی مصیبت کے ٹل جانے کی امید ہوتی ہے یا مال کے آجانے کی

امید ہوتی ہے تو وہ اس کے لیے کرتا ہے تو وہ دنیاوی اجر اللہ اسے دے دیتے ہیں۔ آخرت میں کسی کافر کے عمل کا کوئی اجر نہیں ہوگا چونکہ کافر آخرت کو مانتا ہی نہیں آخرت کے لیے عمل ہی نہیں کرتا۔ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کا انکار کرتا ہے اس کی اطاعت نہیں ہیں کرتا تو عدم اطاعت میں نیکی کیسے ہوگی۔ یہ تو وہ لوگ ہیں وَفِي النَّارِ هُمۡ خٰلِدُوۡنَ۝ جنہیں ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہنا ہے۔ کفر و شرک ایک ایسی بیماری ہے کہ جس کا انجام ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم ہے۔

اِنَّمَا يَعۡمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمۡ يَخۡشَ اِلَّا اللّٰهَ یہاں پر قرآن کریم نے پانچ اوصاف گنوائے ہیں کہ کون لوگ ہیں جو مساجد کو آباد رکھتے ہیں؟ مسجد کی آبادی کا سبب کون لوگ ہیں اور کن لوگوں کو مسجد کو آباد رکھنا چاہیئے۔ اِنَّمَا يَعۡمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ جو لوگ مسجدوں کو آباد کرتے ہیں وہ لوگ وہ ہیں مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰهِ جن کا عقیدہ درست ہے جو اللہ پر یقین رکھتے ہوں۔ علامہ مرحوم نے کہا تھا:

بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے ناامیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے

کبھی صاحب اقتدار سے امید، کبھی دولت مند سے امید، کبھی کسی غنڈے سے امید، کبھی خود دولت سے امید اور اللہ کریم سے اب تمہیں کوئی امید نہیں رہی تو پھر اور کافری کیا ہوتی ہے۔ کفر اور کیا ہے۔ سو پہلی شرط صحت عقیدہ ہے جو اللہ کو مانے۔ یہ بڑی عجیب بات ہے کہ اللہ کی ذات کا انکار کوئی بھی نہیں کرتا۔ یعنی کسی نہ کسی نام سے کافر بھی مانتا ہے اور مشرک تو خود مانتا ہے تو شرک کرتا ہے۔ شرک تب ہی کرتا ہے کہ اللہ کو بھی مانتا ہے اور کسی اور کو بھی اللہ کے ساتھ شریک کرتا ہے تو شرک ہوتا ہے۔ کافر بھی کسی نام سے مانے یا کسی غیبی طاقت کے طور پر مانے، مانتا ہے لیکن وہ ماننا مقصود نہیں ہے اللہ کو وہ ماننا جس طرح اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم منواتے ہیں۔ اللہ کی ذات اور صفات کے بارے جس طرح اللہ کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم منواتا ہے اس طرح مانا جائے۔ اس طرح ماننا ایمان ہے۔ ہمارے فقہاء کرام اس میں بڑی تفصیل تک جاتے ہیں۔ فرماتے ہیں آپ جب بچے کو اللہ کا تصور دیتے ہیں جب وہ چار پانچ سال کا ہوتا ہے آپ اسے کلمہ سکھاتے ہیں یا اللہ کا تصور دیتے ہیں تو اسے یہ سمجھائیں میں اس اللہ کو مانتا ہوں جس کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے اور مبعوث ہوئے اور جو ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے گئے اللہ کے آخری رسول ہیں جس اللہ کو منواتے ہیں میں اس کو مانتا ہوں اور جیسا منواتے ہیں ویسا مانتا ہوں۔ یعنی ایمان باللہ کی شرط یہ ہے کہ اپنی مرضی سے اللہ کو نہ مانا جائے ویسا مانا جائے جیسا

ماننے کی تعلیم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی۔ تو پہلی صفت ایمان باللہ ہے۔ ایمان باللہ کے ساتھ جو اطلاع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی، اللہ کی کتاب نے دی کہ یہ دار دنیا وقتی ہے یہاں سے جانے کے بعد عالم آخرت حقیقی جہان ہے۔ یہ دنیا آزمائش گاہ ہے اس تھوڑے سے عرصے میں بندے کی پرکھ ہو جائے گی کہ وہ کس قابل ہے اور آخرت میں اسے اس کا انجام بھگتنا ہوگا۔ اگر نیکی کی ہوگی، اللہ پر ایمان ہے، عقیدہ درست ہے اعمال صحیح کئے ہیں تو اللہ جنت عطا فرمائیں گے اپنے بہترین انعامات سے نوازیں گے اور اگر اس نے یہاں غلطی کی ایمان درست نہ رہا، کردار صحیح نہ رہا تو سزا پائے گا۔ اگر کوئی آخرت کا انکار کرتا ہے تو یہ بھی ایسا ہی کفر ہے جیسا اللہ کی ذات کا انکار یا اللہ کے نبیؐ کا انکار ہے کہ یہ ضروریات دین میں سے ہے لہٰذا اللہ کریم پر بھی ایمان رکھتا ہو اور آخرت پر بھی یقین کامل رکھتا ہو۔ آخرت پر یقین کامل کا ہمارے پاس کیا نسخہ ہے، کیا معیار ہے، کس طرح ہم جان سکتے ہیں کہ میرا آخرت پر یقین ہے۔ بڑی آسان سی بات ہے کہ دنیا میں ہم جو کام بھی کرتے ہیں، تجارت کرتے ہیں، سیاست کرتے ہیں مزدوری کرتے ہیں یا ملازمت کرتے ہیں کسی سے لین دین کرتے ہیں کسی سے رشتہ کرتے ہیں تو سب سے پہلے ہم یہ سوچتے ہیں اس کام میں مجھے کیا ملے گا۔ کسی سے دوستی کرتے ہیں کسی سے دشمنی کرتے ہیں تو ہم یہ ضرور سوچ لیتے ہیں کہ اس میں مجھے کیا ملے گا اگر ہر کام کے ساتھ صرف دنیا نہ سوچی جائے یہ بھی سوچ لیا جائے کہ اس کا آخرت میں مجھے کیا ملے گا تو یہ ایمان بالآخرت کی دلیل ہے جب ہم کوئی کام کرتے ہیں۔ کاروبار کرتے ہیں کسی سے لین دین کرتے ہیں کسی سے دوستی کرتے ہیں کسی سے دشمنی کرتے ہیں تو یہ سوچنا چاہیے کہ یہ جو میں کرنے جا رہا ہوں اس کا نتیجہ آخرت میں کیا ہوگا اگر آخرت میں اس کا نتیجہ خراب ہے تو میں یہ کام نہ کروں جیسے دنیا میں ہم سمجھتے ہیں اگر دنیا میں مَیں نے یہ کام کیا تو میرا نقصان ہو جائے گا تو ہم وہ کام نہیں کرتے۔ اسی طرح اگر یہ سوچ ہمارے ساتھ رہے کہ دنیا کا فائدہ بھی ہو اور آخرت کا فائدہ بھی ہو تو بات بنتی ہے۔ اللہ ہمیں معاف کرے آج تو ہم نے دین کو مذاق بنا لیا ہے جیسے استخارہ کو تختہ مشق بنا رکھا ہے۔

استخارہ:

شریعت میں استخارہ کا حکم ملتا ہے بندہ اس وقت استخارہ کر سکتا ہے جب کسی جائز کام کرنے کی دو جائز صورتیں موجود ہوں اور ان میں سے ایک کا انتخاب کرنا ہو۔ کسی جائز کام کرنے یا نہ کرنے کے لیے استخارہ نہیں ہے۔ اس کے لیے شریعت کا حکم ہے کام شرعاً جائز ہے تو ضرور کریں، شرعاً جائز نہیں ہے تو نہ کریں اس میں کوئی استخارہ نہیں۔ یہ یاد رکھیں کہ کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا معیار حکم شرعی ہے اس کے لیے استخارہ نہیں لیکن اب اسے کھیل بنا لیا گیا ہے۔ معمولی معمولی باتوں پر اشیاء کی خرید و فروخت پر کہا جاتا ہے ٹی وی خریدوں کہ نہ

خریدوں۔ استخارہ کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کے لیے نہیں ہے۔ کرنے یا نہ کرنے کے لیے حکم شرعی شرط ہے اگر جائز ہے تو کریں کسی استخارے کی ضرورت نہیں۔ شرعاً جائز نہیں ہے تو نہیں کر سکتے۔ کسی استخارے کی ضرورت نہیں۔ ایک کام ہے وہ کرنا ہے اس کے دو طریقے ہیں دونوں شرعاً جائز ہیں۔ دو طرح سے ہوسکتا ہے اور دونوں شرعاً جائز ہیں تو اس میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا کہ استخارہ کرلو۔ دو نفل پڑھو اور اللہ سے دعا کرو کہ اللہ میری رہنمائی فرما دیجیئے گا کہ یہ کام میں کس طریقے سے کروں تو اللہ کریم شاید تمہیں کوئی خواب دکھا دیں یا کوئی رہنمائی فرما دیں اور تمہیں سمجھ آجائے کہ اس طریقے سے کروں تو بہتر ہے لیکن ہم یہ بھول جاتے ہیں کہ جن لوگوں کو حضور ﷺ نے یہ تعلیم دیا تھا وہ لوگ کون تھے؟ وہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تھے۔ ان کے دل روشن تھے۔ وہ پکے نمازی تھے۔ وہ ایک ایک لقمہ حلال کھاتے تھے۔ حرام نہیں کھاتے تھے۔ وہ جھوٹ نہیں بولتے تھے۔ وہ چوری نہیں کرتے تھے۔ وہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی نہیں کرتے تھے۔ یعنی استخارہ کرنے کے لیے پہلے وہ اوصاف بھی چاہیں جو مومن کے ہیں۔ اب جن لوگوں کا سارا معاشی نظام ہی سود کا ہے وہ استخارہ کیا کریں؟ گے ہمارے تو پہننے کے کپڑوں کی تاروں میں سود ہے۔ جاء نماز کی تاروں میں بھی سود ہے۔ ہر کارخانہ سود پر چل رہا ہے کہ جو کارپٹ مسجد میں بچھا ہوا ہے، جو سیمنٹ مسجد میں لگا ہوا ہے ان سب میں سود کا اثر شامل ہے کہ سارے کارخانے سود پر چل رہے ہیں جب ہمارے اوڑھنے بچھونے میں سود ہے تو ہمارا استخارہ کیا ہوگا؟ کھانے میں حرام ہے، گفتگو میں جھوٹ ہے۔ نماز یا تو کوئی ادا نہیں کرتا جو کرتا ہے وہ رسماً کرتا ہے۔ جسے رکعتیں یاد نہیں ہوتیں نماز میں کیا یاد ہوگا کہ اس کا مفہوم کیا ہے اور سجدے کا مفہوم کیا ہے؟ ہمیں تو رکعتیں یاد نہیں ہوتیں کہ ایک پڑھی ہے کہ دو پڑھیں ہیں تو اس طرح کے لوگ استخارے کے قابل نہیں ہیں۔

استخارے کے لیے ضروری بات یہ ہے کہ جسے ضرورت ہے وہ خود استخارہ کرے لیکن اب یہ کاروبار بن چکا ہے اتنے پیسے دیں تو آپ کو استخارہ کر کے بتا دیا جاتا ہے یا ٹی وی چینل چلانے کے لیے ایک ملاں وہاں بٹھا لیتے ہیں۔ آپ فون کر کے بتائیں وہ اسی وقت استخارہ کر کے بتا دیتے ہیں یہ دین کا مذاق اڑانا ہے، یہ درست نہیں ہے اور بنیادی بات یہ ہے کہ اس کی عقیدے پر زد پڑتی ہے کہ آپ حکم شرعی نہیں مانتے اور استخارے کراتے پھرتے ہیں۔ زیادہ تر استخارے شادی کے لیے ہوتے ہیں۔ میرے پاس بھی خطوط آتے ہیں کہ فلاں جگہ بچی یا بچے کا رشتہ کرنا ہے استخارہ کر کے بتائیں۔ میں جواب میں صرف اتنا لکھتا ہوں شرعی طریقہ یہ ہے کہ پہلے بندے کا عقیدہ دیکھیں عقیدہ صحیح ہے۔ عمل دیکھیں۔ اللہ کے ساتھ اس کے معاملات درست ہیں۔ دوسرے درجے میں دنیا دیکھیں کہ اس کا روزگار ہے، کاروبار ہے، کوئی زمین جائیداد ہے، بچوں کو پالنے کی اہلیت رکھتا ہے تو ضرور رشتہ

کریں۔ یہ چیزیں ظاہراً دیکھنے کی ہیں۔ ان کے لیے استخارے کی ضرورت نہیں اور یہ شرعی طریقہ ہے لیکن یہ بڑی عجیب بات ہے لوگ دیکھتے ہیں تو صرف دولت۔ گدھے کو بھی بیٹی بیاہ کر دے دیتے ہیں اگر اس پر سونا لدا ہوا ہو۔ صرف دولت دیکھتے ہیں یہ معلوم نہیں کرتے کہ اس کو اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی علم بھی ہے، اسے کلمہ بھی آتا ہے یا نہیں۔ کبھی اس نے نماز بھی پڑھی ہے یا نہیں۔ اس کا آخرت کے ساتھ کوئی تعلق بھی ہے یا نہیں؟ استخارے بھی دنیا کے لیے کراتے ہیں کہ اگر ہم رشتہ دیں گے تو یہ مالی طور پر آسودہ ہوں گے کہ نہیں۔ تو یہ چیزیں اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہیں اتباع شریعت کے خلاف ہیں اور یہ چیزیں ایمان پر زد ڈالتی ہیں۔ جب آپ کسی ملاں کے استخارے پر فیصلہ کرتے ہیں اور اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت پر نہیں کرتے تو یہ زد عقیدے اور ایمان پر پڑتی ہے لہٰذا ان رسومات کا خاتمہ بھی مساجد کی آبادی میں شامل ہے۔ فرمایا، مساجد تو وہ لوگ آباد کرتے ہیں جن کا عقیدہ درست ہو، جو آخرت کو مانتے ہوں اس آیت میں ایمان باللہ کو ایمان بالآخرت کے ساتھ جوڑ کر اس کی اہمیت بیان کی گئی ہے۔ اٰمَنَ بِاللّٰهِ کو صرف وَ سے یوم آخرت سے جوڑا گیا ہے کہ جیسا اللہ پر ایمان ہے ویسا ہی آخرت پر بھی ایمان ہے جس پختگی سے اللہ کی عظمت کے قائل ہیں اس کے قادر ہونے کے قائل ہیں اس کی ذات اور اس کی صفات کو جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم مانتے ہیں اس طرح یہ مانتے ہیں۔ اسی یقین سے آخرت کو، قیامت کو، حساب کتاب کو اور جنت دوزخ کو بھی مانتے ہیں اور جب یہ مانتے ہیں تو پھر ظاہر ہے وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ پھر وہ نماز کو قائم رکھنے والے ہوں گے۔ جس کا آخرت پر یقین ہے وہ نماز چھوڑ نہیں سکتا۔ بیماری میں چھوٹ گئی، کبھی غفلت میں چھوٹ گئی۔ ہوسکتا ہے سو گیا نہ اٹھ سکا قضاء کرلے گا لیکن عمداً چھوڑ دینا کہ خیر ہے پڑھی نہ پڑھی۔ نہیں فرصت نہیں پڑھتے فرمایا یہ جو نہ پڑھنے والی بات ہے اس کا نتیجہ اگر آپ پیچھے چلیں تو یہ پتہ چلتا ہے کہ اسے اللہ کی عظمت اور آخرت پر یقین نہیں ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پاک کا مفہوم ہے کہ مومن اور کافر میں فرق کرنے والی چیز نماز ہے۔ صلوٰۃ ہی مومن اور کافر میں فرق ظاہر کرتی ہے۔

ایک حدیث پاک کا مفہوم ہے کہ جس نے جان بوجھ کر ایک نماز چھوڑ دی اس نے کفر کیا۔ نماز کا چھوٹ جانا فسق ہے تو علماء محدثین جب ان حدیثوں کی شرح بیان کرتے ہیں اور ان پر بحث فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے ارشاد عالی سے مراد یہ ہے کہ جو جان بوجھ کر نماز چھوڑ دیتا ہے وہ ایسا کام کرتا ہے جو کافر کرتے ہیں۔ یعنی اس کا کردار کافروں جیسا ہو جاتا ہے۔ اس نے ایسا عمل کیا جو کافر کرتے ہیں۔ سو فرمایا اللہ پر ایمان ہو، آخر پر ایمان ہو اور نماز کی پابندی کرنے والا ہو وَاٰتَى الزَّكٰوةَ اور دولت کے لالچ میں دولت کا پجاری نہ بن گیا ہو بلکہ اللہ کی راہ پر خرچ کرتا ہو۔ زکوٰۃ جو فرض ہے وہ ادا کرتا ہو۔ زکوٰۃ کا نصاب مقرر ہے یعنی سو روپیہ آپ کے پاس ایک سال

آپ کی ضرورت سے زائد رہا جو سو روپیہ آپ کے پاس بچت میں رہا وہ آپ کی ضرورت سے زیادہ رہا۔ ایک سال آپ کے پاس رہا تو سال کے بعد ڈھائی روپے مستحقین کو زکوٰۃ دیں زکوٰۃ کے مصارف بھی مقرر ہیں۔ وہ صرف مستحقین کو دی جاسکتی ہے۔ ہر کسی کو نہیں، نفلی صدقہ ہر کسی کو دے سکتے ہیں، کافر کو بھی دے سکتے ہیں۔ زکوٰۃ صرف مسلمان کو دی جائے گی اور مستحق مسلمانوں کو دی جائے گی جس کے بارے قرآن میں مستحقین کی فہرست موجود ہے۔ سو مال کا اتنا دیوانہ نہ ہو کہ زکوٰۃ بھی نہ دیتا ہو بلکہ زکوٰۃ ادا کرتا ہو۔

خشیت :

اور پھر آخری بات وَلَمۡ يَخۡشَ اِلَّا اللّٰهَ اور اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرتا ہو۔ ڈر تو سانپ سے بھی لگتا ہے ڈر تو چور سے بھی ہے۔ یہ خشیت نہیں ہے۔ دشمن کا ڈر درندے کا ڈر، یہ خشیت نہیں ہے، یہ خوف ہے۔ یہاں مراد خشیت ہے۔ خشیت ایک کیفیت ہے جیسے آپ کی کسی سے دوستی ہے تو آپ کوئی ایسا کام کرنے لگتے ہیں جو اسے پسند نہ ہو تو آپ ڈر جاتے ہیں کہ یہ کام تو میں کرنے لگا ہوں میرا دوست ناراض نہ ہو جائے۔ یہ جو ڈر ہوتا ہے اسے خشیت کہتے ہیں۔ ایک ڈر فطرتاً ہوتا ہے مثلاً دشمن کا ڈر، سانپ دیکھا ڈر گئے، درندہ دیکھا ڈر گئے یا کوئی ڈاکو دیکھا ڈر گئے اسے خوف کہتے ہیں وہ خشیت نہیں ہوتی وہ خوف ہوتا ہے خشیت ہوتی ہے تعلق کی بناء پر۔ جب ہم اللہ کے علاوہ اللہ کے حکم کے خلاف کسی کی بات مانتے ہیں تو اس سے ہمارا جو تعلق ہوتا کہ اللہ ناراض ہوتا ہے ہوتا رہے یہ ناراض نہیں ہونا چاہیئے اس لیے ہم نے اللہ کی بات چھوڑ دی اس کی بات مان لی فرمایا نہیں ایسا بندہ نہیں چاہیے۔ ایسا بندہ ہو جو اللہ سے تعلق ٹوٹنے سے ڈرتا ہو باقی کوئی راضی رہتا ہے رہے، نہیں رہتا نہ رہے کسی سے نہ ڈرتا ہو۔ یعنی اللہ سے اس کا تعلق باقی سب تعلقات سے مضبوط ہونا چاہیے اور اسے اللہ سے تعلق ٹوٹنے کا اندیشہ باقی تعلقات سے زیادہ ہونا چاہیے۔ یہ تو بڑی نازک باتیں ہیں بڑی خاص باتیں ہیں۔ قلبی کیفیات کی باتیں ہیں۔ اب یہ ممکن نہیں ہے میں نہیں سمجھتا بلکہ میں یہ سمجھتا ہوں ہم نے یہ دیکھا ہے لوگوں کو برسوں اللہ اللہ بھی کرتے رہے۔ مشائخ کے پاس رہے، ذکر قلبی بھی کرتے رہے لیکن پھر بھی یہ چیزیں ان سے نہیں گئیں بلکہ بعض کو ہم نے دیکھا ہے کہ چیزیں رہ گئیں اور ذکر چھوٹ گیا۔ اللہ کی یاد چھوٹ گئی لیکن یہ دنیا کے لالچ میں کہ وہاں سے یہ مل جائے وہاں سے یہ مل جائے یہ خصلتیں رہ گئیں اور اس سے بڑی بدبختی کیا ہوگی۔ ہم دوسروں کا اندازہ لگاتے رہتے ہیں ہم اپنا اندازہ لگائیں تو ہمیں سمجھ آجائے گی کہ ہم اللہ سے تعلق ٹوٹنے سے کتنا ڈرتے ہیں اور دنیاداروں سے تعلق ٹوٹنے میں کتنا ڈرتے ہیں تو فرمایا ایسے لوگ مساجد کی آبادی کے قابل نہیں ہوتے۔

وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ ڈرتے بھی رہیں لیکن اللہ کی رضا میں جو اللہ کی رضا کے خلاف بات کرے وہ بگڑتا ہے تو بگڑ جائے ناراض ہوتا ہے تو ہو جائے اللہ ناراض نہ ہو یہ اوصاف ہو گئے کہ مسجد کی آبادی وہ لوگ کرتے ہیں جن کا اللہ سے ایمان درست ہو، قیامت اور آخرت پر ایمان درست ہو، نماز کو پابندی سے قائم کرنے والا ہو، زکوٰۃ دینے والا ہو، اور اللہ کے سوا کسی کے تعلق ٹوٹنے سے نہ ڈرتا ہو فَعَسٰٓى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ۞ امید ہے کہ یہ لوگ ہدایت پانے والوں میں سے ہوں گے۔

ہدایت یافتہ کون؟

جن لوگوں میں یہ پانچ اوصاف ہوں اللہ فرماتا ہے امید کی جاسکتی ہے کہ یہ ہدایت یافتہ ہوں گے۔ یہ ہدایت پاجائیں گے۔ حتمی فیصلہ نہیں دیا جاسکتا۔ حتمی فیصلہ وہ خود دے گا۔ میں اور آپ حشر کے قاضی نہیں ہیں۔ میں اور آپ طے نہیں کر سکتے۔ یہ وہ خود طے کرے گا لیکن فرمایا ایسے لوگوں سے امید کی جاسکتی ہے کہ یہ لوگ ہدایت پانے والوں میں سے ہوں گے۔ صحیح راستہ چلنے والوں میں سے ہوں گے۔ تو اب ہم دیکھیں کہ ہماری زندگیاں، سوچیں، ہمارا کردار کیا ہے، ہماری امیدیں کس ذات سے وابستہ ہیں؟ چونکہ جہاں امید وابستہ ہوتی ہے اطاعت وہیں کی جاتی ہے تو ہم کیا اللہ کی اطاعت کرتے ہیں یا اللہ کے نافرمانوں کی اطاعت کرتے ہیں۔

اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۞ غزوہ بدر میں حضرت عباسؓ نبی کریم ﷺ کے چچا تھے۔ اسیر ہوئے وہ بدر سے پہلے مکہ مکرمہ میں ایمان لاچکے تھے مکہ مکرمہ میں وہ بھی ان کی اہلیہ بھی اور بیٹے بھی لیکن انہوں نے اپنا ایمان پوشیدہ رکھا اور جب مشرکین نے بدر کی تیاری کی اور سب کو نکلنے کے لیے کہا تو مجبوراً انہیں بھی ساتھ جانا پڑا اور میدان بدر میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حکم دیا تھا کہ بنو ہاشم کے جو لوگ ہوں ان پر کوئی تلوار نہ چلائے چونکہ وہ مجبوراً آئے ہیں وہ خوشی سے ہمارے مقابلے میں لڑنے کیلئے نہیں آئے۔ یہ بھی ان کے ایمان پر حضور اکرم ﷺ کی گواہی تھی۔ بدر میں وہ قید ہو گئے مسلمانوں سے کہنے لگے کہ تم لوگ صرف ہماری خرابیاں دیکھتے ہو ہم پر عیب لگاتے ہو۔ ہم میں بھلائیاں بھی ہیں۔ ہم نے کعبۃ اللہ کو آباد کر رکھا ہے، ہم آنے جانے والوں کا خیال رکھتے ہیں۔ ہم ان کے لیے پانی پینے پلانے کا اہتمام کرتے ہیں، لباس کا اہتمام کرتے ہیں، ان کے آرام کا خیال رکھتے ہیں تو ہم نے بیت اللہ کو آباد بھی تو کر رکھا ہے تو اللہ کریم نے اس بات کا جواب ارشاد فرمایا کہ تم نے حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجد کو آباد رکھنا جو ہے اسے اس کے برابر سمجھ لیا ہے جو اللہ پر اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو اور اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہو۔ اگر ایمان نہیں ہے تو کوئی نیکی، نیکی نہیں

ہے اس میں بھی تمہارا کوئی دنیاوی فائدہ ہوگا کہ حاجیوں کی خدمت کرتے ہو تو فائدہ اٹھاتے ہو گے۔ بیت اللہ کی دیکھ بھال کرتے ہو تو اس سے کوئی تمہارا دنیاوی مقصد پورا ہوتا ہوگا۔ اللہ کو، آخرت کو جب مانتے نہیں ہو تو تمہاری نیکی اللہ اور آخرت کے لیے نہیں ہے۔ جہاد کرنے والوں اور بیٹھ رہنے والوں کا ایمان کا درجہ ایک جیسا نہیں۔ اگر عقیدہ بھی صحیح ہو اور ایمان بھی درست ہو، عمل بھی درست ہو اور رات دن مسجد میں بیٹھ کر نوافل ادا کرتا ہے تو اس کے برابر نہیں ہو سکتا جو سر میدان اللہ کی توحید منوا رہا ہے اور جان دے کر جہاد کر رہا ہے اور میدان عمل میں کھڑا ہے اس کے برابر تو نہیں ہے۔ لَا یَسْتَوٗنَ اس کے برابر نہیں ہو سکتے۔ تفسیر مظہری میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں کہ سب سے افضل عمل ذکر قلبی ہے۔ اس ضمن میں انہوں نے ایک حدیث نقل فرمائی ہے جو مسند احمد میں بھی ہے ترمذی میں بھی ہے۔ جس کا مفہوم ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تمہیں کوئی ایسا عمل نہ بتاؤں کہ تم ایمان لاؤ تم جہاد کرو تم مارے جاؤ تم شہید ہو جاؤ اس سے بھی بڑا درجہ تمہیں ملے ایسا عمل بتاؤں؟ عرض کی گئی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضرور فرمائیے فرمایا ذکر قلبی۔ یہ حدیث نقل کر کے قاضی ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں سب سے بڑا عمل ذکر قلبی ہے لیکن یاد رہے ہر درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ ذکر قلبی کا پھل یہ ہے کہ اس سے ایمان باللہ بھی مضبوط ہوتا ہے، ایمان بالآخرت بھی مضبوط ہوتا ہے، محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی نصیب ہوتی ہے اور میدان عمل میں اور میدان جہاد میں جانا بھی نصیب ہوتا ہے، ہجرت کی جرأت بھی نصیب ہوتی ہے، قتال بھی نصیب ہوتا ہے حتیٰ کہ ذکر قلبی وہ عمل ہے جو عین جہاد میں بھی فرمایا اِذَا لَقِیْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِیْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○ (الانفال:45) کفار سے مقابلہ آجائے جم کر لڑو ڈٹ کر لڑو اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرتے رہو۔ تو فرماتے ہیں افضل ترین کام اور افضل ترین علاج ذکر اللہ ہے اور اگر کسی کی اس سے بھی اصلاح نہیں ہوتی تو پھر باقی کیا بچتا ہے۔ یہ آخری علاج ہے جس طرح زندگی بچانے کی دوا ہوتی ہے اسی طرح ذکر قلبی ہے تو فرمایا تم نے یہ مسجد بنانا، مسجد کو لیپ پوت دینا، مسجد میں آنے والوں کو پانی پلانا یا مسجد کی ظاہری آبادی کا سبب بننا، اسے تم نے اس کے مقابل سمجھ لیا ہے کہ جو اللہ پر ایمان لے آئے اور آخرت پر ایمان لے آئے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرے۔ لَا یَسْتَوٗنَ یہ برابر نہیں ہو سکتے۔ عقیدہ درست نہ ہو تو نیکی، نیکی ہی کوئی نہیں اس کی کوئی حیثیت ہی نہیں فرمایا لَا یَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ اللہ کے نزدیک وہ برابر نہیں ہو سکتے اور یاد رکھو وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۹﴾ اللہ بے انصاف لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتے، ظالموں کو اللہ ہدایت نہیں دیتے۔ ظلم ہوتا ہے بے انصافی، غلط کاری۔ غلط کاروں کو اللہ ہدایت نہیں دیتے۔ اب آپ دیکھیں انہیں فخر تھا کہ ہم حاجیوں کی خدمت کرتے ہیں ہم بیت اللہ کی آبادی کا سبب ہیں۔ اللہ پاک فرماتے ہیں تم بے انصاف لوگ ہو۔ جہاں رضائے الٰہی مطلوب تھی وہاں بھی تم نے دولت پیدا کرنے کے لیے کام شروع کر رکھا ہے اللہ کو تو مانتے نہیں ہو اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کو نہیں مانتے تو کون سی نیکی ہے یہ تو ظلم ہے تو یہ سارے

قصے ہمیں کیوں سنائے جا رہے ہیں۔ نزول قرآن کو اب تو ساڑھے چودہ سو سال گزر گئے اب تو نہ وہ کفار رہے نہ وہ مشرکین رہے نہ وہ عہد رہا نہ وہ لوگ رہے ہمیں یہ اس لئے سنائے جا رہے ہیں کہ یہ معیارِ حق ہے ہم اپنے آپ کو اس میں پرکھ لیں۔ قرآن کریم ایک آئینہ ہے اس میں ہم اپنے آپ کو دیکھ لیں۔ کہیں ہمارے عمرے بھی شہرت کے لیے تو نہیں ہیں۔ کہیں ہمارے حج بھی پارسائی کا اشتہار تو نہیں ہیں۔ کہیں ہمارے سفر بھی محض دولت کے لیے تو نہیں ہیں۔ حج میں تجارت منع نہیں ہے لیکن تجارت کے لیے سفر پر جانا اور بہانے میں حج بھی کر لینا یہ درست نہیں۔ مقصد تجارت ہو تو حج نہیں ہوتا کہ آپ حج کے ویزے پر جائیں اور وہاں سے سونا لے آئیں اور واپس آ کر اس پر ناجائز حد تک منافع کمائیں۔ تو اگر نیت یہ ہو تو پھر حج نہیں ہوتا۔ تو فرمایا غلط کاروں کو یا بے انصاف لوگوں کو اللہ ہدایت نہیں دیتے انہیں کبھی ہدایت نصیب نہیں ہوتی۔

اللہ کریم ہمیں ہدایت نصیب فرمائے ہمارے گناہوں سے درگزر فرمائے اور ہماری عبادتیں قبول فرمائے۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ ⑳ اللہ کریم نے ان لوگوں کی تعریف ارشاد فرمائی ہے اور ان کے اجر آخرت اور انجام کی خبر ارشاد فرما دی ہے وہ خوش نصیب لوگ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم پر ایمان لائے اور جنہوں نے ابتدائے اسلام میں اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا اور پھر اس کے لیے ساری دنیا چھوڑنی پڑی تو چھوڑ دی، ساری دنیا سے مقابلہ کرنا پڑا تو کیا اور اللہ کی راہ میں مال بھی خرچ کئے اور جانیں بھی دیں۔ اللہ کریم ان کی تعریف فرماتے ہیں کہ وہ لوگ جو ایمان لائے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا مال سے بھی اور جان سے بھی۔ یعنی جن لوگوں نے اسلام قبول کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اور اس کی بہت بھاری قیمت ادا کی۔

ہم شاید ان کی عظمت کو نہ سمجھ سکیں اس لیے کہ ہم اگر اسلام پر عمل بھی کرتے ہیں نماز روزہ کرتے ہیں زکوٰۃ دیتے ہیں، صدقات دیتے ہیں تو ہم اپنی طرف سے قربانی نہیں کرنا چاہتے ہم تو یہ توقع رکھتے ہیں کہ میں نماز پڑھتا ہوں تو میرے بچے کا کاروبار چلنا چاہیے میں نماز پڑھتا ہوں تو مجھے بیمار نہیں ہونا چاہیے۔ مجھے کچھ ملنا چاہیے۔ یعنی ہم اگر نیکی کرتے ہیں یا دین پر عمل کرتے ہیں تو ہماری توقع یہ ہوتی ہے کہ میں دین پر عمل کرتا ہوں تو مجھے اس کے بدلے میں کچھ دنیاوی چیزیں ملنی چاہئیں۔ اب ہماری ذہنی حالت یا ذہنی پختگی اس طرح سے ہے ہم اُن لوگوں کو کیسے سمجھ سکیں گے جنہوں نے ایمان قبول کیا تو جو کچھ پاس تھا وہ بھی لٹا دیا۔ گھر بھی چھوڑنے پڑ گئے شہر بھی چھوڑنے پڑ گئے۔ رشتے ناطے دوستیاں تعلقات چھوڑنے پڑ گئے اس پر بھی بس نہ ہوا پھر جہاد کرنا پڑا جو مال

پاس بچ گیا تھا وہ اللہ کی راہ میں خرچ کیا جانیں لٹائیں شمشیر برہنہ لے کر میدان میں کھڑے ہو کر مقابلہ کیا، شہید ہوئے، زخمی ہوئے۔ بہت بڑا فاصلہ ہے سمجھنے کے لیے۔ شاید ہماری سمجھ بھی وہاں تک کام نہ کرے۔ ایک حدیث شریف کا مفہوم ہے کہ قیامت قائم ہو گی، صُور پھونکا جائے گا، لوگ اٹھیں گے۔ صحابہ کرامؓ کا ایک طبقہ اٹھے گا جن کے بدن زخموں سے چھلنی ہوں گے لباس تار تار ہوں گے، تلواریں ہاتھ میں ہوں گی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مفہوم عالی ہے کہ یہ لوگ جنت کے دروازے پر دستک دیں گے تو جنت کا داروغہ رضوان کہے گا کہ آپ قبر سے اٹھ کر سیدھے یہاں آ گئے ابھی تو بڑا لمبا کام باقی ہے۔ میدان میں جایئے وہاں حساب کتاب ہوگا، اعمال تولے جائیں گے وہاں فیصلہ ہوگا، پل صراط سے گزر کر آیئے گا اور وہاں سے آپ کو اجازت ملے گی تو پھر جنت حاضر ہے۔ آپ کیسے اٹھ کر یہاں آ گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں وہ متوجہ الی اللہ ہوں گے عرض کریں گے بار الٰہا ہم گمراہ تھے تو نے اپنا رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھیجا ہمیں نور ایمان نصیب ہوا۔ ہمارے پاس گھر تھے، ہم نے چھوڑ دیئے تیرے حبیب ﷺ کی خاطر تیری خاطر۔ ہمارے پاس مال تھا تیری راہ میں خرچ کر دیا لٹوا دیا۔ جان بچتی تھی وہ بھی لٹا دی اور ہمارے بدن کے پرخچے اڑ گئے تو ہمارے پاس تو کچھ نہیں بچا۔ اب یہ آپ کا فرشتہ حساب کی بات کرتا ہے ہم کس چیز کا حساب دیں۔ ہمارے پاس بچا کیا تھا جس کا حساب باقی ہے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ارشاد ہو گا ان کے لیے جنت کے سارے دروازے کھول دو۔ جہاں سے جی چاہے داخل ہوں اور جہاں انہیں پسند آئے وہاں رہیں۔

میں سمجھتا ہوں صحابہؓ کی عظمت کا اندازہ کرنا بھی ہمارے لیے مشکل ہے ہم تو دو دن نماز پڑھ لیں گے تو مطالبے شروع ہو جائیں گے۔ کتنے خطوط آتے ہیں کہ میں نماز بھی پڑھتا ہوں ذکر بھی کرتا ہوں میرا بیٹا بیمار ہو گیا۔ یعنی ہمیں توقع ہوتی ہے کہ ہم اگر ذکر کرتے ہیں نماز پڑھتے ہیں تو ساری دنیا کی آسانیاں ہمیں مل جائیں۔ ہم اس کا بدلہ اسی دنیا کی آسانیوں سے چاہتے ہیں ہماری سوچ کتنی کمزور اور کتنی سطحی ہے اور ان لوگوں کی سوچ ہی الگ تھی۔ حضرت خنساؓ صحابیہ تھیں اور بہت معروف شاعرہ تھیں۔ عربی ادب میں ان کے شعر اب بھی سند شمار کئے جاتے ہیں۔ ان کا ایک بھائی تھا جس کا نام صخر تھا وہ جوانی میں فوت ہو گیا تو انہوں نے اپنے بھائی صخر کا بہت درد ناک مرثیہ لکھا ان کا ایک شعر مجھے یاد رہ گیا ہے:

یذکرنی طلوع الشمس صخرا
واذکرہ بکل طلوع الشمس

کہ سورج طلوع ہوتا ہے تو مجھے اپنے بھائی صخر کی یاد دلاتا ہے اور میں اسے سارا دن یاد کرتی رہتی ہوں حتیٰ کہ سورج غروب ہوتا ہے تب تک میں اسے یاد کر رہی ہوتی ہوں۔ شاعر کا دل ویسے ہی بڑا احساس ہوتا ہے پھر

خاتون تھیں بھائی تھا تو انہوں نے اتنا دکھ محسوس کیا۔ جب نور ایمان نصیب ہوا اور شرف صحابیت سے مشرف ہوئیں تو اتنا انقلاب آ گیا کہ ایک جہاد میں ان کے چار بیٹے شریک تھے اور ضعیف العمر تھیں بال سفید تھے خود ساتھ تشریف لے گئیں۔ غزوات میں خواتین جاتی تھیں، فرسٹ ایڈ کرتی تھیں، پانی پلاتی تھیں۔ خیمے میں موجود تھیں تو اطلاع آئی کہ آپؓ کے چاروں بیٹے شہید ہو گئے۔ ایک بھائی کے مرنے پر تو اتنے مرثیے کہہ رہی تھیں۔ بڑھاپے میں جب چاروں بیٹوں کی شہادت کی خبر ملی تو خیمے سے باہر آ گئیں اور کہنے لگیں بار الہا تیرا مجھ پر اتنا کرم کہ میرے چاروں بیٹے قبول کر لیے۔ کتنا احسان ہے تیرا کہ میرا سارا سرمایہ تو نے قبول کر لیا۔

اب اس سے اندازہ لگائیں کہ ہم دو دن نماز پڑھ لیں تو سمجھتے ہیں ساری دنیا میرے لیے وقف ہو جانی چاہیے یا دنیا میں وہ ہونا چاہیے جو میں کہوں۔ ان کا عالم یہ تھا کہ جو نعمتیں اللہ نے انہیں دی تھیں وہ بھی لٹانا ان کی آرزو ہوتی تھی اور اس سے خوش ہوتے تھے۔ وہی تعریف یہاں اللہ کریم نے فرمائی: اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا جو لوگ میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے جنہوں نے دین قبول کیا وَھَاجَرُوْا پھر اس کی اتنی بھاری قیمت چکائی کہ انہیں ہجرتیں کرنا پڑیں۔ ماں باپ مال رشتہ دار قبائل دوستیاں، زمینیں، جائیدادیں، جاگیریں، باغات، گھر، مکان چھوڑ کر چلے گئے۔ حضرت عبداللہؓ ابن عمر مکہ مکرمہ میں تھے، ضعیف العمر ہو چکے تھے موت قریب آ گئی مرض الموت میں تھے تو بیٹے کو بلایا فرمانے لگے اگر میں یہیں مر جاؤں، میری موت واقع ہو جائے تو مجھے حد حرم میں دفن نہ کرنا حرم سے باہر جا کر دفن کرنا۔ انہوں نے کہا ابا جی حرم میں دفن ہونا تو لوگ سعادت سمجھتے ہیں فرمایا میں نے جب سے ہجرت کی ہے تب سے پھر یہاں گھر بنانے کو دل نہیں چاہتا میں مہاجر ہی رہنا چاہتا ہوں۔ یہ سوچ کا فرق ہے۔ کتنا فرق ہے کہ جب اللہ کے لیے چھوڑ دیا تو پھر چھوڑ دیا۔ سن آٹھ ہجری میں مکہ مکرمہ تو فتح ہو گیا۔ مہاجرین چاہتے تو اپنے گھر بھی واپس لے لیتے جاگیریں بھی لے لیتے لیکن سب نے مکہ مکرمہ میں نمازیں قصر پڑھیں کہ ہم یہاں مسافر ہیں۔ ہم تو ہجرت کر چکے نہ کسی نے مکان واپس لیا نہ گھر۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازیں قصر ادا فرمائیں۔ فرمایا یہ وہ لوگ تھے جو ایمان لائے اور پھر انہوں نے ہجرت کی وَجٰھَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِھِمْ پھر اللہ کی راہ میں انہوں نے جہاد کیا، مال بھی لٹوائے، جانیں بھی نچھاور کیں۔ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰہِ اللہ کے نزدیک ان کے بہت بڑے درجات ہیں، بہت بڑے مناصب ہیں، بہت بڑے مقام ہیں وَاُولٰٓئِكَ ھُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۲۰﴾ اور وہ لوگ ہیں جو پورے پورے کامیاب ہیں۔

اللہ کریم قیامت تک کے آنے والے نوع انسانی کے لوگوں کو جماعت صحابہؓ بطور مثال پیش فرما رہے ہیں کہ کامیابی چاہتے ہو، اللہ کا قرب چاہتے ہو، بڑے بڑے درجے چاہتے ہو تو پھر اللہ کی راہ میں قربانی دو، یہ ہیں قرآن کے مثالی مسلمان صحابہ کرامؓ۔ دین کے بدلے دنیا حاصل کرنا کافر کا دین ہے۔ آپ اگر کفار کے ادیان

کا، ادیان باطلہ کا مطالعہ کریں تو جتنی رسومات مذہب کے نام پر غیر مسلموں نے جاری کر رکھی ہیں ہر رسم کے نتیجے میں کوئی نہ کوئی دنیاوی چیز حاصل کرنے کی امید رکھتا ہے۔ تمام ادیان باطلہ میں یہ قدر مشترک ہے۔ یہ چیز سب میں پائی جاتی ہے کہ جتنی دینی رسومات انہوں نے بنا رکھی ہیں ہر رسم کی ادائیگی پر کوئی دنیاوی بدلہ چاہتے ہیں کہ آخرت پر تو ان کا ایمان و یقین نہیں ہے۔ اسی لیے حدیث شریف میں ارشاد ہے کہ کافر کا دین بھی دنیا ہے اور مومن کے لیے ارشاد ہے کہ مومن کی دنیا بھی دین ہے۔ مومن عبادت تو اللہ کے لیے، اللہ کی رضا کے لیے کرتا ہے لیکن جو دنیا کا کام کرتا ہے اس کا مقصد بھی رضائے الٰہی ہوتا ہے، اسے عبادت سمجھ کر کرتا ہے، تجارت کرتا ہے تو وہ یہ سمجھتا ہے کہ رزق تو اللہ نے دینا ہے۔ اس کی مزدوری بھی عبادت بن جاتی ہے تجارت بھی، عبادت بن جاتی ہے، بال بچوں کو کھلانا پلانا بھی عبادت بن جاتی ہے بچے پالنا بھی عبادت بن جاتی ہے تو وہ سارے کام اللہ کی رضامندی کے حصول کے لیے کرتا ہے۔ اسباب اختیار کرتا ہے کہ مجھے مالک نے سبب اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ روزی کتنی ہے وہ تو مالک نے دینی ہے جو نصیب میں ہے وہ ملے گی۔ تو مومن کی دنیا بھی دین بن جاتی ہے جب کہ کافر کا دین بھی دنیا ہوتی ہے تو ہم اس سطح سے اتنے نیچے گر گئے ہیں کہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اگر ہم اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے ہیں، اللہ کو مانتے ہیں، اللہ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہوتے ہیں تو پھر دنیا میں جو ہم چاہیں وہ ہونا چاہیے۔ اسلام یہ ہے کہ بندہ اپنے آپ کو اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا میں فناء کر دے کہ جو میرا رب چاہتا ہے میں اس پر راضی ہوں جو میرا حبیب صلی اللہ علیہ وسلم چاہتا ہے میں اس پر راضی ہوں۔ تو فرمایا وہ لوگ تو ایسے تھے جو اس مشکل ترین وقت میں ایمان لائے پھر انہیں ہجرتیں کرنا پڑیں، گھر بار، مال جان، جائیداد چھوڑ دی اور پھر اس پر بس نہیں کیا اللہ کی راہ میں مال اور جان سے جہاد کرتے رہے۔ ان کے مراتب بہت بلند ہیں۔ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ اب جس مقام، جس درجے کو اللہ کریم، اعظم یعنی بہت بڑا کہہ رہے ہیں وہ مقام کتنا بلند ہے؟ وہ اللہ ہی جانے اور فرمایا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۝۲۰ اور وہ تو جیت گئے پورے کامیاب ہو گئے ہم سب کی آنکھ بند ہو گی تو ہماری آنکھ کھلے گی۔ موت کے بعد ہمیں اندازہ ہو گا کہ میں نے کیا کیا اور میں کہاں پہنچا۔ ہمارے لیے تو قرآن نے ایک معیار ارشاد فرمایا ہے کہ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ؕ (ال عمران: 185) ہمارا معیار تو یہ ہے کہ اگر ہم دوزخ میں جانے سے بچ گئے تو ہم کامیاب ہو گئے۔ یعنی ہماری تو یہ بھی بڑی کامیابی ہے اللہ ہمیں توفیق دے کہ ہم دوزخ سے بچ جائیں فرمایا فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ جو دوزخ سے بچ گیا وہ یقینا کامیاب ہو گیا لیکن وہ لوگ تھے جو جنت کے بھی اعلیٰ ترین مقامات پر فائز تھے۔ فرمایا: يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ۝۲۱ اللہ انہیں خوشخبری دیتے

ہیں، بشارت دیتے ہیں۔ ان کے پروردگار انہیں اپنی رحمت، اپنی رضا کی اور اپنی جنت کی بشارت دیتے ہیں جو ان کے لیے ہے جس میں بے پناہ نعمتیں ہیں اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہیں خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَاۤ اَبَدًا ؕ اور وہ لوگ ہی اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے نہ نعمتیں ختم ہوں گی نہ ان لوگوں کی حیات ختم ہوگی نہ درجات ختم ہوں گے۔ اِنَّ اللّٰهَ عِنۡدَهٗۤ اَجۡرٌ عَظِيۡمٌ ﴿۲۲﴾ اور بات یہیں ختم نہیں ہو جاتی۔ یقیناً اللہ کے پاس بہت بڑا اجر ہے۔ جنت کی خود خصوصیت یہ ہے کہ اس کی نعمتیں ایسی ہوں گی جو نہ کسی آنکھ نے دنیا میں دیکھیں نہ کسی کان نے سنیں اور جو کسی نے سوچا بھی نہیں ہوگا کتنی عظیم نعمتیں ہوں گی اور اس قدر ہوں گی کہ جن کا کوئی حساب نہیں ہے اور پھر ہر نعمت میں ہر آن اس کی لذت اس کا ذائقہ بڑھتا چلا جائے گا۔ اہل جنت جو لقمہ بھی کھائیں گے ہر لقمے کا ذائقہ پہلے لقمے سے بہت اچھا ہوگا، جو لباس پہنیں گے وہ وہاں ہر آن نکھرتا چلا جائے گا وہ پہلے سے خوبصورت ہوتا چلا جائے گا اور فرمایا یہ ساری نعمتیں دے کر بھی اللہ کا خزانہ ختم نہیں ہوتا۔ اللہ کے پاس بے شمار نعمتیں ہیں۔ کب کتنی ہمیشہ ہمیشہ ان کو دیتا رہے گا یہ اللہ جانے اور اللہ کے وہ بندے جانیں جو جنت میں ہوں گے۔ یہ بات تو بڑی پرلطف ہوگئی، بہت خوبصورت ہوگئی۔ الحمد للہ لیکن اس کے لیے وہ تو ایک وقت تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت کرنا پڑی۔ ایک وقت تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ اسلام کے دفاع کے لیے لوگ میدان میں اترے۔ حالات بدل گئے، وقت بدل گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم چشم عالم سے پردہ فرما گئے۔ تو اب کیا کیا جائے؟ اب تو نہ وہ ہجرت رہی نہ وہ موقع رہا نہ وہ بات رہی۔ اب کیا ہو؟

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا تب سے اب تک کے لئے اصول بیان ہو رہا ہے فرمایا، اے وہ لوگو جو اللہ پر ایمان رکھتے ہو لَا تَتَّخِذُوۡۤا اٰبَآءَكُمۡ وَاِخۡوَانَكُمۡ اَوۡلِيَآءَ اِنِ اسۡتَحَبُّوا الۡكُفۡرَ عَلَى الۡاِيۡمَانِ ؕ کسی کا تو کہنا ہی کیا ہے رشتہ دار دوست، احباب، ماحول معاشرہ اس کی تو بات ہی چھوڑ دو اگر حقیقی والدین اور سگے بھائی بھی اسلام کے علاوہ کفر کو عزیز رکھتے ہوں تو تم ان کے ساتھ اپنی دوستی نہ رکھو۔ شریعت میں والدین کا بہت احترام ملحوظ رکھا گیا ہے۔ والدین کی عزت اور احترام کے لیے اللہ کریم فرماتے ہیں اگر وہ کافر بھی ہیں تو انہیں اف تک نہ کہیں۔ لحاظ کریں، جھڑکیں نہیں ان کی خدمت کریں لیکن جب اللہ اور اللہ کے دین کی بات ہے تو اس میں ان سے کوئی تعلق نہیں ہوگا۔ یہ نہیں ہوگا کہ میں اب تہجد کے لیے اٹھتا ہوں تو باپ ناراض ہوگا یا ماں ناراض ہوگی۔ اللہ کا ذکر کرتا ہوں تو بھائی روٹھ جائے گا۔ میں اگر رزق حلال کھاتا ہوں تو بھائی ناراض ہوں گے۔ نیکی کرتا ہوں یا جہاد پر جاتا ہوں یا زکوۃ ادا کرتا ہوں تو والدین ناراض ہوتے ہیں۔ ہوتے رہیں۔ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے مقابلے میں کسی کی کوئی حیثیت نہیں۔ ان کا احترام اپنی جگہ، ان کے حقوق اپنی جگہ لیکن اللہ اور اللہ کے

رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں کسی کی کوئی حیثیت نہیں ہوگی۔ یاد رکھیں محبت ایک فطری جذبہ ہے اور دنیا میں بقائے نسل کا ایک سبب بھی ہے۔ اگر ماں کے دل میں محبت نہ ہوتو بچے نہیں پالے جاسکتے۔ اگر باپ کے دل میں محبت نہ ہوتو بچے نہیں پالے جاسکتے۔ اگر بہن بھائیوں سے محبت نہ ہوتو معاشرہ قائم نہیں رہ سکتا۔ انسانوں کو انسانوں سے محبت نہ ہوتو معاشرہ بکھر جائے یہ ایک فطری جذبہ ہے جس پر یہ سارا نظام قائم ہے۔ وہ تو ہوگی لیکن وہ اتنی نہیں ہونی چاہیے کہ وہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مقابلے میں آ جائے۔ نہیں اتنی نہیں۔ سب سے زیادہ محبت اللہ اور اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوگی پھر کسی اور سے پھر ماں باپ سے، پھر بہن بھائی سے، پھر بیوی بچوں سے اگر ماں باپ یا بہن بھائی شریعت پر عمل نہیں کرتے، غیر شرعی امور سے محبت کرتے ہیں تو تمہیں ان سے محبت کرنے کا کوئی حق نہیں۔ ان سے تعلق رکھو ان کی خدمت کرو لیکن محبت نہیں ہوسکتی۔ محبت اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوگی۔ گناہ سے برائی سے محبت نہیں ہوسکتی۔ اگر وہ بھی گناہ چھوڑ دیں الحمدللہ۔ نہیں تو گناہگار سے محبت نہیں ہوسکتی اور جب ماں باپ اور سگے بھائیوں کا یہ معیار ہے کہ اگر وہ اسلام کی نسبت کفر کو پسند کرتے ہیں تو تم ان سے محبت نہ کرو تو پھر کافروں سے محبت کیسے کی جاسکتی ہے۔ دنیا میں تعلقات کافروں سے بھی ہوں گے۔ تجارت کافروں سے بھی کریں گے، لین دین بھی ہوگا، معاہدے بھی ہوں گے لیکن قلبی تعلق جسے محبت کہتے ہیں وہ مومن اور کافر میں نہیں ہوگی۔ اسلام کفر سے اور برائی سے نفرت کرتا ہے انسان سے نہیں۔ انسان کے لیے تو وہ محنت کرتا ہے کہ وہ کفر اور برائی چھوڑ دے اور اگر نہیں چھوڑتا تو پھر اس سے محبت نہیں کی جاسکتی۔ اب آپ اندازہ کیجئے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ ؕ اے ایمان والو اپنے والدین کو اپنے بھائیوں کو دوست نہ سمجھو عزیز نہ رکھو اگر وہ ایمان کی نسبت کفر سے دوستی رکھتے ہیں۔ اللہ کریم کسی سے یہ نہ ہوسکے مشکل کام ہے کوئی دوستوں کو نہ چھوڑ سکے کوئی رشتہ داروں کے ہاتھوں مجبور ہو فرمایا وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝٢٣ تم میں سے کوئی ان سے دلی دوستی رکھے گا تو ایسے لوگ ظالم ہیں۔ وہ ظلم کر رہا ہے وہ اپنے آپ کو تباہ کر رہا ہے۔ اپنے آپ پر زیادتی کر رہا ہے بہت بڑا غلط کار ہے جو ایسا کر رہا ہے یہ کوئی بات نہیں ہے کہ اللہ کے مقابلے میں یا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں کوئی بھی انسان خواہ کتنا قریبی عزیز ہو خواہ سگا والد ہو سگی ماں ہو، سگا بھائی ہو، اس کی بات نہیں مانی جائے گی۔ بات مانی جائے گی اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اور بات بھی وہ جو شریعت کے اندر کریں گے اس کی اہمیت ہوگی شریعت کے خلاف کسی کی بات نہیں مانی جائے گی اور اگر کوئی ایسا کرے گا تو وہ بہت زیادتی

کرنے والا ہوگا۔فرمایا قُلْ اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم اعلان فرما دیجیے تمام لوگوں کو واضح کر دیجیے۔اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ اے لوگو اگر تمہارے والدین، تمہاری اولادیں، تمہارے بھائی، تمہاری بیویاں اور تمہارے خاندان یا تمہاری وہ دولت جو تم نے بڑی محنت سے کمائی ہے وَاَمْوَالُ اقْتَرَفْتُمُوْهَا تمہارے وہ مال جو تم نے بڑی محنت سے کمائے ہیں وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا تمہارا وہ کاروبار جس میں نقصان سے تم ڈرتے ہو۔جس میں تمہیں نقصان کا اندیشہ ہو وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ تمہارے وہ خوبصورت گھر جو تمہیں بہت پسند ہیں۔اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ اگر وہ تمہیں اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ کی راہ میں جہاد سے زیادہ محبوب ہیں فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ تو پھر انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ خود اپنا حکم بھیج دیں اور فیصلہ کر دیں۔یعنی مفہوم یہ ہے کہ پھر اللہ تم سے نبٹ لیں گے۔ پھر اس وقت کا انتظام کرو جب تم اللہ کی گرفت میں آ جاؤ گے وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ۝۲۴ یہ فسق ہے، گناہ ہے، برائی ہے اور اللہ برائی کرنے والوں کو ہدایت نہیں فرماتے۔یعنی تمہارے گمراہ ہونے کے لیے یہی ایک فعل کافی ہے اور اس میں اللہ کریم نے بڑی وضاحت سے ساری چیزیں ارشاد فرما دیں کہ اے میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اعلان فرما دیجیے اگر تمہارے والدین تمہاری اولادیں تمہارے بھائی تمہاری بیویاں قبیلے کے لوگ یا وہ دولت جو تم نے محنت سے جمع کی ہے یا وہ تجارت جس میں تمہیں نقصان کا ڈر ہے یا وہ مکان یا گھر جو تم نے بڑی محنت سے بنائے ہیں اور جن سے تمہیں بڑی محبت ہے اور جسے تم پسند کرتے ہو اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں اگر وہ بھی رکاوٹ بن جائیں پھر ان کی محبت اللہ کی محبت پر غالب آ جائے اور پھر تمہیں یہ ڈر ہو کہ میں دین پر عمل کروں گا تو فلاں دوست چھوٹ جائے گا دین پر عمل کروں گا تو فلاں رشتہ دار چھوٹ جائے گا، بیوی ناراض ہو جائے گی کاروبار میں نقصان ہو جائے گا جن سے تجارت کرتا ہوں وہ سارے بے دین ہیں میں اگر اللہ اللہ کروں گا تو وہ مجھ سے کاروبار نہیں کریں گے میرا نقصان ہو جائے گا یا اللہ کی راہ میں جہاد سے اللہ کی راہ میں مجاہدہ کرنے سے اللہ کے دین کو پھیلانے سے، اللہ کے دین پر عمل کرنے سے دوستی چھوٹ جائے گی تو پھر اللہ کے فیصلے کا انتظار کرو۔

اللہ کی راہ میں نکلنا بھی مجاہدہ ہے اللہ کے دین کی تبلیغ بھی مجاہدہ ہے اللہ کے دین کو بڑھانا بھی جہاد ہے اور اللہ کی راہ میں مسلمان حکمران کے ساتھ مل کر میدان کارزار میں لڑنا بھی جہاد ہے تو اگر وہ تمہیں اللہ کی راہ سے یا اللہ کی راہ میں جہاد سے روکیں تم سمجھو کہ میں دین پر کام کروں گا تو فلاں رشتہ دار ناراض ہو جائے گا یا روٹھ جائے گا یا کاروبار میں گھاٹا پڑ جائے گا یا مکان چھن جائے گا تو فرمایا پھر انتظار کرو اس کا جب اللہ اپنا حکم فرما دے، اللہ فیصلہ فرما دے اور

یاد رکھو اللہ بدکاروں کو کبھی ہدایت نہیں دیتے۔ یعنی یہ انتہائی برائی ہے اور برائی کر کے کوئی اچھائی نہیں پا سکتا۔

عقلی محبت:

ایک محبت ہوتی ہے فطری اور ایک محبت ہوتی ہے عقلی۔ محبت کی یہ دو قسمیں ہیں ایک فطری جذبہ ہے۔ محبت کا ماں کو بچوں کے ساتھ باپ کو بیوی بچوں کے ساتھ گھر کے ساتھ بہن بھائیوں کے ساتھ اپنے والدین کے ساتھ ایک محبت ہوتی ہے۔ عقلی محبت میں سوچنا پڑتا ہے کہ میں یہ بات مانوں یا یہ بات مانوں اس سے تعلق رکھوں یا اس سے رکھوں۔ یہ جو عقلی محبت ہے یہ غالب ہونی چاہیے اس فطری محبت پر اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں۔ بندہ سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ کرے کہ میں اللہ اور اللہ کے حبیب کی اطاعت نہیں چھوڑ سکتا اس کے ساتھ جس کو میرے ساتھ رہنا ہے رہے جس کو نہیں رہنا وہ مجھے چھوڑ دے میں اسے چھوڑ دوں لیکن میں اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کو نہیں چھوڑوں گا تو یہ عقلی محبت جو ہے یہ غالب ہونی چاہیے اللہ کی اور اللہ کے حبیب کی۔ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا امتحان کیا ہے؟ اطاعت الٰہی اللہ سے محبت ہے اللہ کے حبیب ﷺ سے محبت ہے تو ان کی اطاعت کرے گا فان المحب لمن یحب مطیع. محبت کرنے والا جس سے محبت کرتا ہے اس کا فرمانبردار ہو جاتا ہے اس کی بات نہیں ٹالتا اسی کی بات مانتا ہے تو اگر زندگی میں یہ تبدیلی آ جائے کہ ہم ہر کام کرتے وقت یہ سوچ لیں کہ اس سے اللہ اور اللہ کا حبیب صلی اللہ علیہ وسلم راضی ہوں گے تو یہ محبت مطلوب ہے اور اگر وہ اس میں پھنس جائیں گے کہ اللہ کی اطاعت تو کروں گا تو لوگ ناراض ہو جائیں گے، رشتہ دار ناراض ہو جائیں گے یا کاروبار میں نقصان ہو جائے گا یا یہ گھر چھوٹ جائے گا تو فرمایا پھر تم مارے گئے پھر تمہارا بچنے کا کوئی امکان نہیں ہے چونکہ یہ چیزیں تو اللہ کی راہ میں رکاوٹ نہیں بن سکتیں۔ نہ کوئی رشتہ نہ مال نہ دنیا کی کوئی چیز اتنی قیمتی نہیں ہے جسے اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں لایا جائے۔ سو اعلان فرما دیجیے سب کو واضح بتلا دیجیے کہ ماں باپ ہوں، بہن بھائی ہوں، اولاد ہو، بیویاں ہوں، گھر ہو، دولت ہو، کاروبار ہو، مال و منال ہو سب کچھ رکھ سکتے ہو اطاعت الٰہی کے دائرے میں۔ جو اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے دائرے سے نکل جائے گا اس کے ساتھ تمہارا کوئی تعلق نہیں ہے تمہیں اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے ساتھ رہنا ہے۔ اللہ کریم ہمیں معاف فرمائے۔ میں سمجھتا ہوں اگر ہم اس آیہ کریمہ کو سامنے رکھ کر، اپنا تجزیہ کریں تو کافی ہے لیکن ہماری عادت ہے ہم تجزیہ دوسروں کا کرتے ہیں اپنا خیال نہیں کرتے ہم اپنا اپنا تجزیہ کریں تو ہمیں پتہ چل جائے گا کہ میں کتنا دین کی طرف ہوں اور کتنا دنیا کی طرف۔

اللہ ہماری خطائیں معاف فرمائے اور ہمیں دین پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اپنی اور اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت عطا فرمائے۔

سورۃ التوبہ رکوع 4 آیات 25 تا 29

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ
كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ
ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ۚ﴿۲۵﴾ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى
الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَذٰلِكَ
جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۶﴾ ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ
غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۷﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا
الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ
اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖٓ اِنْ شَآءَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۸﴾ قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا
يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا
يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ
وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ۠﴿۲۹﴾

یقیناً اللہ نے بہت مواقع (جگہوں) پر تمہاری مدد فرمائی اور حنین کے دن جب تم کو اپنی کثرت پہ ناز ہو گیا تھا پھر وہ کثرت تمہارے کچھ کام نہ آئی اور زمین تم پر اپنی فراخی کے باوجود تنگ ہونے لگی پھر تم پیٹھ پھیر کر پھر گئے ﴿۲۵﴾ پھر اللہ نے اپنے پیغمبر اور ایمان والوں پر اپنی طرف سے تسکین نازل فرمائی اور ایسے لشکر اتارے جو تمہیں نظر نہیں آتے تھے اور کافر لوگوں کو عذاب دیا اور یہی کافروں کی سزا

ہے ﴿۲۶﴾ پھر اس کے بعد اللہ جس پر چاہیں مہربانی سے توجہ فرمائیں (توبہ نصیب کریں) اور اللہ بخشنے والے مہربان ہیں ﴿۲۷﴾ اے ایمان والو بے شک مشرک ناپاک ہیں سو اس برس کے بعد وہ مسجد حرام کے پاس نہ آنے پائیں اور اگر تم کو افلاس کا ڈر ہو تو اللہ چاہیں گے تو تم کو اپنے فضل سے غنی کر دیں گے (محتاج نہ رکھیں گے) بے شک اللہ جاننے والے حکمت والے ہیں ﴿۲۸﴾ اہل کتاب سے جو نہ اللہ پر (پورا) ایمان رکھتے ہیں نہ آخرت کے دن پر اور نہ اس چیز کو حرام جانتے ہیں جس کو اللہ نے اور اس کے پیغمبر نے حرام کیا ہے اور نہ دین حق کو قبول کرتے ہیں خوب لڑائی کرو یہاں تک وہ ذلیل ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں ﴿۲۹﴾

تفسیر ومعارف

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ اے مسلمانو! اللہ کریم نے بہت سے مقامات پر تمہاری مدد فرمائی۔ باوجود افرادی قوت اور اسباب و ذرائع کے تمہیں فتح نصیب فرمائی اور تمہیں غالب فرمایا۔ اور پھر ایک وقت آیا وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ یعنی حنین کی جنگ ہوئی۔ غزوہ حنین ہوا اس میں ایک چھوٹی سی بات ہوئی اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ جب تمہیں اپنی کثرت پر ناز ہوا فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا تو وہ کثرت تمہارے کچھ کام نہ آئی وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ اور زمین اپنی تمام وسعتوں سمیت تم پر تنگ ہو گئی۔ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ۝ اور تم منتشر ہونے لگے۔ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰي رَسُوْلِهٖ پھر اللہ کریم نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر تسکین نازل فرمائی اور وَعَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ ایمان والوں پر بھی وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا اور ایسے لشکر اتارے جو نظر نہیں آتے تھے وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ اور کافروں کو سزا دی وَذٰلِكَ جَزَاۗءُ الْكٰفِرِيْنَ ۝ اور کافروں کی یہی سزا ہے ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰي مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ پھر اس کے بعد اللہ جسے چاہے اس پر مہربانی کر دے اس کی توبہ قبول فرمالے وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ کہ اللہ بخشنے والے رحم کرنے والے ہیں۔

غزوہ حنین:

آٹھ ہجری میں جب مکہ مکرمہ فتح ہوا اور مسلمان ابھی مکہ مکرمہ میں ہی تھے کہ حنین میں بنو ہوزان کے

مختلف قبائل جمع ہوئے۔حنین مکہ مکرمہ سے تقریباً دس میل کے فاصلے پر ہے اور مکہ مکرمہ سے لے کر اس وادی میں دور تک بنو ہوازن کے قبائل پھیلے ہوئے تھے۔طائف کے بنو ثقیف بھی بنو ہوازن کی ہی شاخ تھے۔یہ لوگ نہایت طاقتور، مضبوط اور جنگجو تھے۔ان سب نے جمع ہو کر فیصلہ کیا کہ قریش نے تو مسلمانوں کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے اور مکہ مکرمہ بھی فتح ہو گیا۔اب اس کے بعد یقیناً مسلمان ہماری طرف متوجہ ہوں گے اور اب ہماری ہی باری ہے ہم باقی بچے ہیں تو بہتر یہ ہے کہ اس سے پہلے کہ مسلمان ہم پر حملہ آور ہوں ہمیں مسلمانوں پر حملہ کر دینا چاہیے اور ان کی طاقت کو ختم کر دینا چاہیے۔اس میں بنو ہوازن کے کم و بیش سارے قبائل جمع ہوئے۔دو قبیلے بنو کعب اور بنو کلاب تھے یہ بھی بنو ہوازن ہی کی شاخیں تھیں لیکن وہ شامل نہ ہوئے اور انہوں نے کہا کہ یہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور ان کے ساتھ اللہ کی طاقت ہے تم تو اپنے قبائل جمع کر رہے ہو اگر ساری دنیا بھی جمع ہو جائے تو انہیں شکست نہیں دے سکے گی اس لیے کہ ان کے ساتھ اللہ کی قوت ہے یہ اللہ کے رسول ﷺ ہیں لہٰذا ہم اس جنگ میں شامل نہیں ہوں گے۔ان دو قبائل کے علاوہ باقی سارے قبائل جمع ہو گئے اور ایک بہت بڑا لشکر تیار ہو گیا جس کی تعداد کے بارے کچھ اختلاف ہے۔صاحب تفسیر مظہریؒ نے بڑے وثوق سے لکھا ہے کہ ان کی تعداد تیس ہزار تھی جس میں چوبیس ہزار بچے بوڑھے اور عورتیں تھیں اور چار ہزار جنگجو جوان تھے۔انہوں نے حضرت مالک بن عوفؓ کو جو اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے بعد میں بہت معروف مسلمان جرنیل ثابت ہوئے انہیں اپنا سردار بنایا اور انہوں نے یہ تجویز دی کہ جتنے لوگ جنگ میں شامل ہو رہے ہیں وہ اپنے بیوی بچے، اپنے مال مویشی بھی اور اپنا مال دولت بھی ساتھ لائیں۔اور ترتیب یہ رکھی کہ جنگی صفوں کے پیچھے بزرگ پھر بچے پھر خواتین اور ان کے پیچھے مال مویشیوں کو جمع کر دیا۔اس تدبیر سے ان کی مراد یہ تھی کہ کوئی میدان چھوڑ کر نہیں بھاگے گا آخر دم تک لڑیں گے۔آخر کوئی اپنے بیوی بچوں اور مال اسباب کو چھوڑ کر کہاں جائے گا تو آخر دم اور آخری آدمی تک ہر بندہ لڑے گا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پسند فرمایا کہ بجائے اس کے کہ وہ مکہ مکرمہ پر حملہ آور ہوں آگے بڑھ کر ان کا مقابلہ کیا جائے چنانچہ لشکر اسلام مکہ مکرمہ سے نکلا۔بارہ ہزار کا لشکر تھا کچھ دو ہزار نو مسلم جو مکہ مکرمہ سے ساتھ شامل ہو گئے تھے۔تو اس طرح مسلمانوں کی تعداد چودہ ہزار ہو گئی۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ سے نکل کر خیف بنی کنانہ پر پڑاؤ فرمایا۔خیف بنی کنانہ وہ مقام ہے جہاں جب مسلمانوں سے مقاطعہ کیا گیا تھا اور مسلمان شعب ابی طالب میں قید ہو گئے تھے، کوئی ان سے لین دین نہیں کرتا تھا، یہ حالت تین سال تک جاری رہی تو خیف بنی کنانہ وہ مقام ہے جہاں سرداران مکہ نے،

سرداران قریش نے جمع ہو کر یہ معاہدہ لکھا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ مکرمہ سے نکلے تو پہلا پڑاؤ اسی مقام پر فرمایا کہ فراغت اور خوشحالی کے دنوں میں اس وقت کو اس جگہ کو اس حال کو یاد رکھا جائے جس میں تکلیف یا مصیبت آئی تھی یہ بھی اللہ کے شکر ادا کرنے کا ایک سلیقہ ہے۔ عموماً آدمی پر جب فراخی آتی ہے تو وہ تنگدستی کے دنوں کو بھول جاتا ہے جب خوشحالی آتی ہے تو اسے غربت اور افلاس یاد نہیں رہتا لیکن صحیح طریقہ یہ ہے کہ اللہ کریم آسانیاں فرمائیں، فراخیاں دے دیں تو تنگی کے دنوں کو بھی یاد رکھا جائے کہ بندے کو اپنی حیثیت یاد رہے اور وہ اللہ کریم کا شکر ادا کرتا رہے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی جگہ پڑاؤ فرمایا ایک فاتح کی حیثیت سے جہاں کبھی مشرکین مکہ نے مسلمانوں کے خلاف بیٹھ کر معاہدہ لکھا تھا جس سے مسلمانوں کو بہت ایذا ہوئی تھی۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بہت تکالیف برداشت کی تھیں۔ جب لشکر کے بارے علم ہوا تو مسلمانوں میں سے کچھ ایسے لوگ بھی تھے جنہوں نے نیا نیا اسلام قبول کیا تھا لیکن تھے تو سب صحابہ کرامؓ اور صحبت نبوی سے سرفراز تھے تو کسی کے جتنے اعلیٰ مقامات اور اعلیٰ منازل ہوتے ہیں اس کے لیے معاملات میں اتنی ہی نزاکتیں ہوتی ہیں۔ اللہ کریم نے کسی کی تعین نہیں فرمائی لیکن کسی صحابیؓ کے لب مبارک سے یہ کلمہ نکلا یا بعض صحابہؓ کے دل میں یہ بات آئی فرمایا اِذۡ اَعۡجَبَتۡكُمۡ كَثۡرَتُكُمۡ جب تمہیں اپنی کثرت پر ناز تھا تم نے کہا کہ یہ چار ہزار کا لشکر ہمارے سامنے کیا حیثیت رکھتا ہے جب کہ ہماری تعداد دس ہزار ہے۔ وہ لشکر تھا جس نے مکہ فتح کیا پھر جب نکلے حنین کو تو چودہ ہزار ہو گئے تو ان کی حیثیت ہمارے سامنے کیا ہے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں کہ وہ بات اللہ کو پسند نہیں آئی۔ جو مقام و مرتبہ جو شرف صحابیت تمہیں حاصل ہے تمہیں ہر حال میں ہر کام اللہ کی طرف منسوب کرنا چاہیے ہر نعمت اللہ کی طرف منسوب کرنا چاہیے اپنی طاقت اپنی کثرت پر ناز کرنا تمہیں زیب نہیں دیتا تھا۔ اللہ کریم بڑے ستار العیوب ہیں۔ اللہ بہت بڑے کریم ہیں۔ انہوں نے کسی کا نام نہیں لیا لیکن ظاہر ہے کسی کے دل میں یہ بات آئی یا کسی کے لب سے یہ کلمہ نکلا کہ مخالفین کی ہمارے سامنے کیا حیثیت ہے جو اللہ کو پسند نہیں آئی۔ یاد رہے یہ ایک اصول ہے کہ کسی فرد کو جوں جوں منازل قرب نصیب ہوتے ہیں توں توں وہ رضائے الٰہی میں فنا ہوتا چلا جاتا ہے صحابیؓ ہونا تو وہ عظمت ہے کہ دنیا بھر کی ولایت جمع کر لی جائے تو ان کے قدموں کی خاک کو بھی نہیں پہنچتی تو ایک چھوٹی سی بات درمیان میں آ گئی کہ بھئی آج تو ہم لشکر جرار ہیں۔ چودہ ہزار ہیں تو ہمارا مقابلہ کون کر سکے گا۔ اللہ کریم کو وہ بات پسند نہیں آئی۔

ہم یہ سمجھتے ہیں کہ کسی ولی اللہ کے پاس جائیں تو کوئی دنیاوی فائدہ ہوگا۔ زندہ کو تو ولی اللہ ماننا بڑا مشکل کام ہے ہم زندوں کو تو نہیں مانتے ان میں تو عیب نکالتے رہتے ہیں۔ ہاں جو دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں، کسی کے

پاس سلوک کے منازل ہیں یا نہیں جس کی شہرت ہوگئی قبر بن گئی ہم طواف کرتے رہتے ہیں کہ سب کچھ ان کے اختیار میں ہے۔ہم یہ سمجھتے ہیں کہ صاحب قبر ساری مصیبتیں حل کر دے گا۔ حالانکہ اصول یہ ہے کہ جس کے جتنے منازل ہوتے ہیں وہ اتنا اللہ کی عظمت میں فنا ہوتا جاتا ہے اور وہ اللہ کی رضا پر راضی ہونے والا ہو جاتا ہے۔ جتنے منازلِ قرب کسی کو نصیب ہوتے ہیں اتنی اس کی زبان بند ہوتی چلی جاتی ہے وہ جو کہا گیا تھا:

کاں را کہ خبر شد، خبرش باز نہ آئید

جس کو خبر ہوگئی اس کی اپنی خبر واپس نہیں آتی۔ اس کا اپنا کوئی پتہ نہیں چلتا وہ اسی خبر میں فناء ہو جاتا ہے تو قرب الٰہی کا کمال یہی ہے کہ اسے معرفت الٰہی جتنی نصیب ہوتی ہے اتنا وہ اللہ کی رضا میں فناء ہوتا جاتا ہے۔ اتنا وہ اللہ کی رضا پر راضی ہوتا جاتا ہے۔ اتنا وہ اپنے آپ کو کچھ نہیں سمجھتا اور سب کچھ اللہ کو سمجھنا شروع کر دیتا ہے۔

راہِ اعتدال:

کسی نیک مقام پر دعا کرنا بڑا افضل ہے۔ سڑک پر دعا کرنا اور سڑک سے مسجد میں چلے آئیں تو یہاں دعا کرنے میں یقیناً فرق ہے۔ مسجد مبارک جگہ ہے، اللہ کا گھر ہے۔ باہر دعا کرنے کی بجائے مسجد میں کرنے میں فرق ہے۔ اسی طرح کسی نیک بندے کے مزار پر بیٹھ کے اللہ سے دعا کرنا تو بہت مبارک بات ہے۔ کسی زندہ نیک کی صحبت میں بیٹھ کر دعا کرنا بھی باعث برکت ہے۔ کسی ولی اللہ کے مزار پہ کسی نیک شخص کے مزار پر اللہ سے دعا کرنا بہت اچھی بات ہے لیکن دعا اللہ ہی سے ہوگی۔ اگر ہم کسی نیک کے قریب یا کسی مزار پر بیٹھتے ہیں تو اس کی برکات شامل ہو جائیں گی جیسے باہر کی بجائے مسجد میں بیٹھے ہیں تو مسجد کی برکات شامل ہو جاتی ہیں۔ ہمارے ہاں مسئلہ یہ ہے کہ جو منع کرتا ہے وہ اس میں اتنی شدت کرتا ہے جیسے بزرگوں کی قبریں ہی اکھیڑ دی جانی چاہئیں۔ اور جو مانتا ہے وہ اللہ کو بھول جاتا ہے قبر ہی سے مانگنا شروع کر دیتا ہے تو دونوں طرف دونوں انتہائیں صحیح نہیں ہیں۔ اعتدال صحیح ہے بزرگوں کے مزار پر جانا، زیارت کرنا، عام قبرستان پر جانا، وہاں پر فاتحہ پڑھنا اچھی بات ہے اور عبرت کا مقام ہے کہ میں کیا ہوں مجھ سے کتنے اچھے اچھے لوگ آج قبروں میں پڑے ہیں یہ مجھ سے ہمت میں، دولت طاقت میں، علم میں مختلف خوبیوں میں مختلف لوگ مجھ سے اعلیٰ تھے لیکن آج ایک مٹی کی ڈھیری نظر آ رہی ہے۔ اندر کیا ہے وہ اللہ ہی جانے ہم تو اندازے سے کسی ایک قبر پر چونا لگا دیتے ہیں تو اس کا ادب شروع ہو جاتا ہے باقی قبور کو پوچھتے بھی نہیں۔ ہر قبر کا احترام ہے اور ایک حدیث پاک کا مفہوم کہ اگر ایک طرف آگ ہو اور

ایک طرف مسلمان کی قبر ہو تو آگے سے گزر جاؤ قبر پر قدم نہ رکھوانا احترام ہے۔ اسی طرح قبر کو توڑنا اس کا پتھر گرانا یا اسے خراب کرنا جرم ہے تو ہم تو لوگوں کو دیکھتے ہیں قبرستان میں تب ہی جاتے ہیں جب کسی میت کو دفن کرنا ہو ورنہ محض فاتحہ پڑھنے کم ہی جاتے ہیں اور میت کو دفن کرنے جائیں تو بھی لوگ قبروں پر بیٹھے ہوتے ہیں یا ٹیک لگا کے بیٹھے ہوتے ہیں یا اوپر بیٹھ جاتے ہیں یہ ساری باتیں ناجائز ہیں ہر مسلمان کی قبر کا احترام ہے کہ اس پر پاؤں نہ رکھو اور اوپر مت بیٹھو اور کسی قبرستان یا قبر کے پاس سے گزر و تو سنت ہے کہ اسے السلام علیکم کہو۔ السلام علیکم یا اھل دار المومنین یغفر اللہ لنا ولکم اللہ ہمیں بھی بخش دے اللہ تمہیں بھی بخش دے تو اہل قبور کو سلام کہنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ جو اللہ کے کام ہیں انہیں ہم یہ سمجھیں کہ یہ قبور والے کر دیتے ہیں یہ درست نہیں ہے۔ جتنا جس کو قرب الٰہی نصیب ہوتا ہے اتنا وہ زیادہ ڈرتا ہے اور زیادہ اللہ کی رضا میں فنا ہو جاتا ہے اور زیادہ اتباع سنت کا پابند ہو جاتا ہے تو فرمایا تمہیں یہ زیب نہیں دیتا تھا کہ تم لشکر کی زیادتی پر ناز کرتے۔ تمہیں اللہ کی مدد پر ناز ہونا چاہیے تھا۔ بات یوں کرنی چاہیے تھی کہ اللہ ہمارے ساتھ ہے، اللہ کی نصرت ہمارے ساتھ ہے، ہمارا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ اِذۡ اَعۡجَبَتۡكُمۡ كَثۡرَتُكُمۡ تمہیں کثرت پر ناز ہوا اور تم نے یہ سوچ کہ بھئی آج تو ہم اتنا بڑا لشکر ہیں۔ بدر میں تو ہم تین سو تیرہ تھے احد میں بھی ہماری تعداد کم تھی۔ فتح مکہ ہم نے دس ہزار کے لشکر سے کر لیا تو آج تو ہم چودہ ہزار ہیں۔ اللہ کو یہ بات پسند نہ آئی اور تم پر اتنا مشکل وقت آیا وَضَاقَتۡ عَلَيۡكُمُ الۡاَرۡضُ بِمَا رَحُبَتۡ اپنی ساری وسعتوں کے باوجود تم پر زمین تنگ ہو گئی۔ جب جنگ شروع ہوئی، مقابلہ ہوا تو بنو ہوزان بڑے جان توڑ کر لڑے اور سیرت نگار لکھتے ہیں کہ اتنی شدت سے جنگ ہو رہی تھی اور اتنا گرد اڑ رہا تھا اور اس قدر طوفان تھا کہ رات کا سماں معلوم ہو رہا تھا حالانکہ دن کا وقت تھا لیکن ایسے لگتا تھا جیسے رات ہو گئی اور مسلمانوں پر اتنا دباؤ پڑا کہ ایک دفعہ ان کے قدم اکھڑ گئے۔ چند سو جاں نثاران ثابت قدم رہ گئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارد گرد باقی کے قدم اکھڑ گئے ثُمَّ وَلَّيۡتُمۡ مُّدۡبِرِيۡنَ ۟ۚ﴿۲۵﴾ پھر تم پیٹھ پھیر کے چل نکلے یعنی تمہارے قدم اکھڑ گئے، جنگی ترتیب ختم ہو گئی اور یوں پتہ چلتا تھا جیسے مسلمان بکھر جائیں گے لیکن اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ساتھ تھے، اللہ کی مدد ساتھ تھی ثُمَّ اَنۡزَلَ اللّٰهُ سَكِيۡنَـتَهٗ عَلٰى رَسُوۡلِهٖ جب یہ گھمسان کا رن پڑا اور چند سو جاں نثار حضور ﷺ کے ارد گرد رہ گئے تو اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رجز پڑھنا شروع کر دیا۔

انا النبی لا کذب انا ابن عبد المطلب میں اللہ کا نبی ہوں اور اس میں کوئی جھوٹ نہیں ہے۔ یہ

سچ ہے۔ اور میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رجز پڑھا اور پھر اپنے چچا حضرت عباسؓ سے فرمایا آواز دو کہاں ہیں جنہوں نے درخت کے نیچے بیعت کی تھی، کہاں ہیں بیعت عقبہ والے اور کہاں ہیں انصار و مہاجر؟ سو جب آواز لگائی گئی اللہ کی شان سارے لوگ پھر پلٹے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں میں نے تسلی نازل کر دی تھی اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر سکینہ نازل کر دیا، سکون نازل کر دیا، تسکین نازل کر دی تھی وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اور اپنے ایمان والے بندوں پر بھی۔ سب بندوں پر میں نے سکینہ نازل کر دی۔ سب کے قدم جم گئے۔ سب پھر پلٹ کر لڑے اور صرف سکینہ نازل نہیں فرمائی، تسکین ہی نازل نہیں فرمائی انہیں ثابت قدم ہی نہیں کیا بلکہ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا اور نہ نظر آنے والے غیر مرئی لشکر اتار دیئے۔ فرشتوں کے لشکر بھیج دیئے۔ یہ تو ان لوگوں کا مقام تھا کہ ان کی مدد کے لیے فرشتے آسمانوں سے آجاتے تھے اور پھر وہ حال ہوا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ کافروں کو سخت عذاب دیا وَذٰلِكَ جَزَاۗءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٢٦﴾ مسلمانوں کی طرف سے کافروں پر خوب دباؤ بڑھا اور کافروں کی یہی جزا ہے۔

بنو ہوازن کے جو لوگ مارے گئے تھے باقیوں کو بھاگتے ہی بنی۔ حضرت مالک بن عوف جو اس وقت مسلمان نہیں تھے خود بھاگ کھڑے ہوئے۔ اپنے بیوی بچوں کو چھوڑ کر خود بھی بھاگ گئے اور سوائے زخمیوں اور مرنے والوں کے میدان میں کوئی نہ رہا۔ تمام لوگ بھاگ گئے۔ بنو ہوازن کے قبائل شکست کھا کر بھاگ گئے اور کمال یہ ہے کہ سب کے بیوی بچے، سب کے ریوڑ، سب کے اونٹ سب کا مال و زر وہیں کا وہیں رہ گیا اور بے پناہ قیدی اور مال غنیمت مسلمانوں کے پاس جمع ہو گیا کوئی چوبیس ہزار اونٹ تھے، بتیس ہزار بھیڑ و بکریاں اور پتہ نہیں کتنے ہزار من چاندی وہ دولت جو ان کے پاس تھی پھر ان کے بیوی بچے بوڑھے جن کی تعداد چوبیس ہزار تھی وہ سارے قیدی ہو گئے اور حضور اکرم ﷺ نے آگے بڑھ کر طائف کا محاصرہ کر لیا۔ چونکہ بھاگ گئے کچھ منتشر ہو گئے کچھ طائف میں جا کر قلعہ بند ہو گئے تو پھر اندر سے تیر برساتے تھے جرأت نہیں پڑتی تھی کہ دروازے کھول کر باہر آ کر لڑیں۔ کم و بیش بیس دن کے قریب یہ محاصرہ رہا اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم محاصرہ اٹھا کر واپس ہوئے۔ لیکن دیکھیں کیسی عجیب بات ہے۔ یہ وہی طائف تھا جہاں نبی کریم ﷺ پر پتھر برسائے گئے تھے اور اللہ نے پہاڑوں پر متعین فرشتوں کو حکم دیا تھا کہ میرا نبی ﷺ اگر اجازت عطا فرمائے میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ لو وہ حکم دیں تو یہ پہاڑ اٹھا کر ان طائف کے لوگوں پر پھینک دو جنہوں نے میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر پتھر برسائے ہیں تو اس دن بھی حضور ﷺ نے طائف والوں کے لیے دعا فرمائی تھی کہ اللہ انہیں ہدایت دے دے تباہ

نہ کر۔ محاصرے کے دوران بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم طائف کے لیے دعا فرماتے تھے کہ اللہ انہیں ہدایت عطا فرمادے۔ بیس دن کے بعد محاصرہ اٹھا کر واپس ہوئے راستے میں پڑاؤ ڈالا مال غنیمت کی تقسیم اور قیدیوں کی تقسیم کا وقت آیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا کے صدقے اہل طائف کو یہ خیال آیا کہ ایمان قبول کر لینا ہی بہتر ہے ہم خوامخواہ کی ضد پر اڑے ہوئے ہیں۔ حق اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ ہے اللہ کا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سچا ہے تو ایمان لانا ہی بہتر ہے۔ چنانچہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پڑاؤ میں جلوہ افروز تھے تو طائف سے بنو ہوازن کے سردار جمع ہو کر وفد کی صورت میں آئے اور بنو ہوازن ہی کے وہ لوگ تھے جن کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بچپن گزرا تھا اور آپ نے مائی حلیمہ کا دودھ پیا اور پلے بڑھے تو آپ کے رضاعت کے رشتے سے ایک بچی بھی ان سرداروں کے ساتھ تھی۔ انہوں نے عرض کی ہم آپ کے دودھ شریک دار بھی ہیں ہم سے غلطی ہوگئی۔ ہم نے لڑ کر دیکھ لیا ہم توبہ کرتے ہیں۔ ہم آپ پر اور اللہ کی توحید پر ایمان بھی لاتے ہیں لہٰذا ہم سے رعایت کی جائے۔ ہمارے سارے بیوی بچے قید ہو گئے۔ ہمارا سارا مال و منال جو ہے وہ غنیمت میں چلا گیا۔ ہم ایمان بھی قبول کرتے ہیں آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے رب کو قبول کر کے اللہ کی عظمت کو قبول کرتے ہیں آپ ﷺ کی رسالت پر ایمان لاتے ہیں ہمارا آپ ﷺ کے ساتھ رضاعت کا رشتہ بھی ہے تو ہم پر مہربانی فرمائی جائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دیکھو یہ قیدی یہ مال غنیمت یہ میرا نہیں مسلمانوں کا ہے۔ اللہ نے ان پر حلال کیا ہے۔ یہ قیدی ان کے غلام ہیں۔ عورتیں بچے بوڑھے اور مال، مال غنیمت کا حصہ ہے۔ لیکن میں تمہارے ساتھ یہ رعایت کرتا ہوں کہ تم مال یا قیدیوں میں سے ایک کا انتخاب کر لو۔ میں اس کے لیے پھر ان سے بات کروں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں پھر مسلمانوں سے بات کروں گا کہ تو دو میں سے ایک چیز تمہیں لوٹا دی جائے تو انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے بیوی بچے اور بوڑھے جو قیدی ہو گئے ہیں وہ ہمیں عطا کر دیئے جائیں تو مال اللہ ہمیں پھر دے دے گا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو میرے حصے میں آتے ہیں وہ تو میں تمہیں عطا کرتا ہوں میں نے وہ آزاد کر دیئے لیکن جو مسلمانوں کے حصے میں آتے ہیں ان سے پوچھا جائے گا۔ میں تمہاری سفارش کروں گا چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو جمع فرما کے ارشاد فرمایا کہ انہوں نے اسلام بھی قبول کر لیا ہے۔ تمہارے بھائی میں میری ان سے رضاعت ہیں رشتہ داری بھی ہے اور یہ اب تم سے دو میں سے ایک چیز کے طالب ہیں کہ مال غنیمت تو مسلمانوں میں تقسیم کر دیا جائے لیکن ہمارے افراد بیوی بچے بزرگ جو قیدی ہو گئے ہیں وہ ہمیں دے دیئے جائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو میرے حصے میں

قیدی آتے ہیں انہیں میں نے آزاد کر دیا ہے لیکن مسلمانوں پر کوئی جبر نہیں ہے تمہارا حق ہے۔ تم اگر خوش دلی سے آزاد کر دو تو بہت اچھی بات ہے۔ تو تمام صحابہ کرامؓ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ سب آزاد کرتے ہیں ان کے بیوی بچے ان کے افراد انہیں واپس دے دیے جائیں اس پر بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام سردار جو مختلف جیش کے سردار تھے۔ ان کو جمع فرمایا اور فرمایا کہ اپنے ایک ایک فرد سے پوچھو یہ نہ ہو کہ میں نے کہا چھوڑ دو تو کسی نے رواروی میں کہہ دیا ہو اور دل سے اس کی مرضی نہ ہو تو ایسا نہیں کیا جائے گا۔ سب سے فرداً فرداً پوچھ کر، ایک ایک سپاہی سے پوچھ کر مجھے بتاؤ کہ سب دل سے راضی ہیں تب چھوڑے جائیں گے۔ یہ تھا نبی کریم ﷺ کا انداز حکمرانی۔ آپ ﷺ کے ایک اشارے پر صحابہؓ جان دینا جاں نثاری سمجھتے تھے اور سب نے برملا کہا کہ ہم سب آزاد کرتے ہیں۔ اپنے دست راست کو حکم دیا کہ اپنے ہر ہر بندے سے بات کر لو۔ خوش دلی سے اپنی پسند سے چھوڑ رہے ہیں۔ چنانچہ ان سب کے بیوی بچے، بزرگ جو قیدی ہو گئے تھے وہ ان کو واپس کر دیئے گئے اور مال غنیمت مسلمان مجاہدین میں تقسیم کر دیا گیا تو یہ تھا غزوہ حنین جس کے بارے یہاں ارشاد ہو رہا ہے کہ اللہ کریم نے مسلمانوں کی بہت مواقع بہت جگہوں پر تمہاری مدد فرمائی۔ ہر جگہ پر تمہاری مدد فرمائی اور حنین کے اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ روز تمہیں اپنی کثرت پر ناز ہونے لگا تھا تم نے سمجھا ہمارا لشکر بہت بڑا ہے اس فوج کے چار ہزار جنگجوؤں کی ہمارے سامنے حیثیت کیا ہے۔ یہ اس لیے ارشاد ہو رہا ہے کہ قیامت تک کے مسلمانوں کے لیے سبق رہے کہ کبھی اپنے اقتدار اپنی دولت یا اپنی طاقت پر ناز نہیں کرنا چاہیے بلکہ ہمیشہ اللہ کریم کی عظمت پر اور اس کی ذات پر بھروسہ کرنا چاہیئے اور اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت مقدم ہے اور اگر دولت عظمت شہرت حکومت اقتدار اختیار نصیب ہو جائے تو برے دنوں کو یاد رکھنا چاہیے اور اللہ کا شکر ادا کرتے رہنا چاہیئے۔ سو فرمایا اس خیال کی وجہ سے جو شاید کسی کے دل میں بھی گزرا یا وہ کلمہ کس کی زبان سے ادا ہوا کسی ایک بندے کی زبان سے نکلا لیکن مصیبت سب کو دیکھنا پڑی۔ فرمایا زمین اپنی ساری وسعتوں سمیت تم پر تنگ ہو گئی اور تم منتشر ہونے لگے اور تمہارا شیرازہ بکھرنے لگا پھر اللہ نے کرم فرمایا اس نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر سکینہ نازل فرمائی تسلی نازل فرمائی ثابت قدمی نازل فرمائی اور تمام مسلمانوں پر سکینہ نازل فرما دی سب ثابت قدم ہو گئے۔ سب مڑ کے پھر لڑے وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا اور فرشتوں کے لشکر بھیج دیئے جو لوگوں کو نظر نہیں آتے تھے۔ غیر مرئی تھے یعنی فرشتے تھے اور اس طرح سے کافروں کو عذاب میں مبتلا کر دیا جو کبھی غالب آنے کی سوچ رہے تھے ان پر عذاب نازل ہو گیا اور انہیں تباہ کر دیا اور کفر کی یہی جزا ہے۔ سو یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ دنیاوی

کامیابی کے لیے بھی جو راستہ ہے وہ نیکی سے ہو کر جاتا ہے برائی کر کے کوئی دنیا میں بھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ یہ جو ہمارے ہاں سوچ پائی جاتی ہے کہ ہم چالاکی کر کے، جھوٹ بول کر، ہوشیاری کر کے، دھوکا دے کر، لوٹ مار کر کے کامیاب ہو جائیں گے فرمایا یہ بربادی کا راستہ ہے اور گناہ کر کے کوئی بھی کامیاب نہیں ہوتا۔ خطا کامیابی کی طرف نہیں لے جاتی نیکی اور اللہ، اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت وہ راستہ ہے جو دنیاوی کامیابی بھی دیتا ہے اور اخروی کامیابی بھی عطا فرماتا ہے۔ سو اللہ کریم نے کرم فرمایا تم پر سکینہ نازل فرمائی اور تمہارے دل جم گئے ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ۭ اور یہی طریق کار ہے کہ اللہ جب چاہے جس پر چاہے اپنا کرم فرمادے اور اس کی توبہ قبول فرمالے اور اس پر مہربانی فرمادے اور اسے کامیاب کردے وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۷﴾ اللہ بہت بخشنے والے، بہت بڑے مہربان ہیں۔ عجیب بات ہے کہ انسان انتہائی کمزور اور انتہائی عاجز مخلوق ہے لیکن بدنصیبی یہ ہے کہ اسے ہمیشہ اپنے آپ پہ اپنی طاقت پہ کبھی اپنی دولت پہ کبھی اپنے علم پہ کبھی اپنی سیاست پہ ناز رہتا ہے اور اس کا نتیجہ آپ نے دیکھ لیا بڑے بڑے فخر کرنے والوں کا کیا انجام ہوا۔ بڑے بڑے طاقتور حکمرانوں کی قبروں کا آج نشان نہیں ملتا۔ اور بڑے بڑے قلعے جنہوں نے بنائے اور بڑے مقبرے جن کے بنائے ان کی قبروں کو لوگوں نے تفریح گاہ بنا رکھا ہے اور بے شمار ایسے ہیں جن کی قبروں کے نشان نہیں رہے، جن کی آبادیوں کے نشان نہیں رہے۔ کائنات میں عظمت الٰہی ہی ایسی شئے ہے جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی اور فرمایا پھر اللہ بہت بڑا بخشنے والا بہت بڑا رحم کرنے والا ہے۔ یہ انسان کی بدنصیبی ہے کہ وہ توبہ نہیں کرتا۔

شیبہؓ بن عثمان خود بیان کرتے ہیں کہ بدر میں میرے والد اور بھائی مارے گئے تھے۔ میں اپنے مقتولوں کے انتقام کے لیے حنین گیا۔ میں اس غرض سے گیا تھا کہ جب گھمسان کا رن پڑے گا تو میں نبی کریم ﷺ پر حملہ کر دوں گا۔ تو فرماتے ہیں میں دائیں طرف سے گیا تو حضرت عباسؓ اس طرف تھے۔ دوسری طرف ابوسفیانؓ بن حارث تھے حضور ﷺ صحابہ کرامؓ کے گھیرے میں تھے تو میں نے سوچا شاید پشت سے میرا کام ہو جائے۔ میں پیچھے سے گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے آواز دی، شیبہ آگے آجاؤ۔ فرماتے ہیں میں لرزاں اور ترساں تھا۔ سمجھ گیا کہ یہ اللہ کا نبی ﷺ ہے اور انہوں نے میرے دل کی بات جان لی ہے اور فرمایا ادھر میرے سامنے آجاؤ۔ میں سامنے چلا گیا۔ فرمایا میرے قریب آؤ۔ میرے سینے پر دست مبارک رکھا اور فرمایا اے اللہ اس کی خطائیں معاف کر اور اس کو صبر و ہمت عطا کر۔ فرماتے ہیں وہ لمحہ تھا کہ میری رگ رگ میں محبت پیغمبر ﷺ بجلی کی طرح دوڑنے لگی اور پیوست ہو گئی مجھے روئے زمین پر کوئی ہستی حضور ﷺ سے زیادہ عزیز نہ رہی جب میری یہ

کیفیت ہوگئی تو حضور ﷺ نے فرمایا جاؤ جا کر کافروں سے جہاد کرو اور میں مڑ کر کافروں پر ٹوٹ پڑا۔ تو یہ تو اس کا کرم ہے جب چاہے، جسے چاہے دے دے اسی کو توجہ کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے توجہ فرمائی۔ اس کا حال کیا تھا حضور ﷺ نے اسے طلب فرمایا اور اس کے قلب پر توجہ فرمائی اور دست اقدس سینے پر پھیرا تو ساری کیفیت بدل گئی اور دشمنی کی جگہ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے لے لی۔ کہاں عداوتِ رسول تھی کہاں عشقِ رسول ﷺ قلب میں در آیا۔ فرماتے ہیں مجھے سب کچھ بھول گیا اور دنیا میں روئے زمین پر عزیز ترین ہستی صرف حضور ﷺ کی نظر آنے لگی تو حضور ﷺ نے فرمایا اب جاؤ جا کر کافروں سے لڑو تو میں پلٹ کر لشکر کفار پر ٹوٹ پڑا تو اللہ بہت بڑا کریم ہے۔ انسان بدنصیب ہے کہ پھر اس کی بارگاہ میں نہیں جاتا توبہ نہیں کرتا، اللہ کی طرف رجوع نہیں کرتا۔ مختلف آسروں مختلف سہاروں پر رہتا ہے۔ میری دولت میرا سہارا ہے۔ بہت سے لوگ میرے پیچھے ہیں۔ وہ میرا سہارا ہیں۔ میرے پاس اقتدار ہے، طاقت ہے۔ فلاں وزیر میرا دوست ہے، فلاں سفیر میرا دوست ہے۔ یہ ساری باتیں اپنی جگہ، اصل طاقت اللہ کی ہے اور اصل قوت معیت باری کی ہے رحمت الٰہی کی ہے اور اللہ بہت بڑا بخشنے والا بہت بڑا رحم کرنے والا ہے۔ ہمارے گناہ اس کی رحمت کو عاجز نہیں کر سکتے اور وہ جس کی چاہے توبہ قبول کر لے۔ بہترین راستہ اللہ کے آگے توبہ کر کے اللہ کی اطاعت اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت۔ دنیا کی کامیابی اور آخرت کی کامیابی دونوں کا راستہ ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ قرآن کریم میں تین طرح کے خطابات ہیں انسانوں کے لیے يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اے اولاد آدم اے بنی آدم اے انسانو۔ یا ایھا الکفار جہاں بھی یہ خطاب آتا ہے اس کے آگے غضب اور کڑک اور گرج ہوتی ہے عذاب سے ڈرایا جاتا ہے اور اس کے آگے وعیدیں ہوتی ہیں۔ تیسرا خطاب ہے يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو۔ اس میں لطف وکرم ہوتا ہے اس میں جود و عطا ہوتی ہے اور اس میں ہدایت اور رہنمائی ہوتی ہے۔ وہ جو شاعر نے کہا تھا

دل دانند و محبوب ندارم

کہ لوگوں کے پاس دل تو ہیں۔ اللہ نے دل تو دیئے ہیں لیکن کوئی ان کا دلدار نہیں ہے، کوئی محبوب نہیں ہے۔ کوئی ایسی ہستی نہیں ہے جس پہ وہ دل کو نچھاور کر دیں۔ اس سے محروم ہیں۔ اس کی لذت کے لیے وہ کیفیت چاہیے کہ رب جلیل آپ کا محبوب ہو دلدار ہو اور ایسا محبوب جو سارے جہانوں سے بڑھ کر پیارا ہو جس پر جان لٹانے کو جی چاہتا ہو جس پر قربان ہونے کا دل کرتا ہو۔ وہ محبوب اگر اپنے طالب سے اپنے چاہنے والے سے

خطاب فرمائے اور انتہائی محبت بھرے انداز میں خطاب فرمائے تو اس کی لذت کو وہی جان سکتا ہے جس کے پاس دل بھی ہو اور اس کا دلدار بھی ہو۔ تو فرمایا یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اے ایمان والو دنیا میں وہ لوگ بھی ہیں جو مجھے چھوڑ کر اپنی امیدیں دوسروں سے وابستہ رکھتے ہیں۔ جنہیں میری رضا کی پروانہیں ہے کوئی مختلف ہستیوں سے، کوئی بتوں سے، کوئی خواہشات نفس سے، کوئی اپنی آرزؤں سے اپنی امیدیں وابستہ کر لیتا ہے۔ فرمایا یہ لوگ شرک کرتے ہیں۔ میرے ساتھ دوسروں کو شریک بناتے ہیں۔ یاد رکھیں ہر مشرک اللہ کو مانتا ہے اللہ کی ذات کا انکار نہیں کرتا۔ اگر انکار کرتا تو پھر شریک کس کو بناتا۔ لیکن جو توقعات اللہ رب العالمین سے وابستہ کرنی چاہییں اللہ کو مانتے ہوئے وہ توقعات دوسروں سے وابستہ کر لیتا ہے اور یہی شرک کی اصل ہے۔ ضروری نہیں کہ اس کے لیے کوئی پتھر کا بت تراشا جائے۔ ضروری نہیں کہ اس کے لیے کوئی زندہ یا مردہ انسان کو سامنے لایا جائے۔ ضروری نہیں کہ اس کے لیے فرشتوں کا انتخاب کیا جائے۔ ضروری نہیں کہ اس کے لیے آگ کی پوجا کی جائے بلکہ جس کسی سے بھی اللہ کی ذات کے علاوہ امیدیں وابستہ کی جائیں گی وہی شرک ہو جائے گا۔ ایک اور بڑا احساس سا مقام ہے کہ اللہ کا حکم ہے اس کے خلاف کسی دوسرے کی کوئی بات ہے کسی حکمران کی، کسی صاحب اثر کی، کسی دینی عالم کی، کسی کو ہم پیر سمجھتے ہیں اس کی، وہ بات اللہ کے حکم کے خلاف ہے اب اللہ کے حکم کو چھوڑ کر جب کسی دوسرے کی بات مانی جائے گی تو یہ بھی شرک ہوگا۔ عبادت اطاعت ہے اور جب اللہ کی اطاعت چھوڑ کر غیر اللہ کی اطاعت کی جائے گی تو ہم نے اس کی عبادت کی، شرک کیا اور سب سے مشکل بات سب سے گہرا شرک یہ ہے اَفَرَءَیۡتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ (الجاثیہ:23) آپ نے ان لوگوں کو دیکھا کہ انہوں نے اپنی خواہشات کو معبود بنالیا ہے۔ خواہشات کے سامنے کوئی سجدہ ریز تو نہیں ہوتا خواہشات کے سامنے کوئی کھڑا ہو کر باوضو نمازیں تو نہیں پڑھتا، خواہشات کو کوئی پکارتا بھی نہیں، آواز بھی نہیں دیتا بات صرف یہ ہوتی ہے کہ اطاعت الٰہی کو چھوڑ کر اپنی خواہشات کے پیچھے لگ جاتا ہے تو اللہ کریم فرماتے ہیں کہ اس نے تو اپنا معبود اپنی خواہشات کو بنالیا ہے اور یہ وہ شرک ہے جو سب سے آخر میں بندے سے نکلتا ہے۔ اللہ کریم جسے توفیق دے دے۔

ایمان یہ ہے کہ اطاعت الٰہی کے باہر کوئی خواہش بھی نہ ہو۔ دنیا میں رہنا ہے خَلَقَ لَكُمۡ مَّا فِی الۡاَرۡضِ جَمِیۡعًا ۚ (البقرہ:29) دنیا میں جو کچھ ہے تمہارے لیے ہی پیدا کیا ہے۔ دولت کماؤ، اچھا کھاؤ، اچھا پہنو، اچھا گھر بناؤ، اولاد کی اچھی تربیت کرو، خوشحالی سے رہو لیکن اطاعت الٰہی کی حدود کے اندر رہ کر جائز وسائل کو اختیار کر کے۔ اطاعت الٰہی کو چھوڑو گے تو پھر لوٹ مار مچے گی، رشوت کھاؤ گے، چوری کرو گے، ڈاکہ کرو گے

دوسروں کے حقوق چھینو گے جبکہ یہ سب کام حرام ہیں تو بڑا خوبصورت راستہ اللہ کریم نے دیا ہے جو بین بین ہے۔ فرمایا جو کچھ زمین پر ہے تمہارے لیے ہے۔ تمہاری خدمت کے لیے ہے، اتنی مخلوق تمہاری خدمت میں لگی ہوئی ہے جسے تم جانتے بھی نہیں ہو تمہیں علم بھی نہیں ہے۔

کاشتکاروں کو ایک مسئلہ ہوتا ہے کہ جب فصلیں آتی ہیں تو پھر چڑیوں کے غول کے غول آ جاتے ہیں اور فصلیں خراب کرتی ہیں تو چین والوں نے ایک دفعہ یہ تجربہ کیا کہ فصلوں کے موسم میں کوئی چڑیا نہ آنے پائے اس کے لیے انہوں نے مختلف کامیاب تجربے کئے۔ وہ قوم ایسی ہے کہ جو ٹھان لیتے ہیں اس کے پیچھے لگ جاتے ہیں۔ چڑیاں تو چڑیاں انہوں نے مکھیاں بھی ماریں اور اتنی ماریں کہ ٹرک بھر بھر کر انہوں نے باہر پھینکے۔ انہوں نے چڑیوں کی تعداد تو قابل ذکر حد تک کم کر دی۔ نہ ہونے کے برابر کر دی لیکن فصلوں کا نقصان پہلے سے زیادہ ہو گیا۔ یہ کیسے ہوا؟ تو پتہ چلا کہ چڑیاں صرف فصل نہیں کھاتیں وہ کیڑے مکوڑے بھی کھا جاتی تھیں جو فصلوں کا نقصان کرتے ہیں۔ چڑیاں کم نقصان کرتی تھیں۔ جب چڑیاں نہیں آئیں تو کیڑوں نے زیادہ نقصان کر دیا۔ یعنی بظاہر کاشتکار یہ کہتا تھا کہ یہ میرا نقصان کر رہی ہیں لیکن دراصل وہ اس کی خدمت بھی بہت کرتی تھیں۔ چند دانے لے لیتی تھیں تو وہ شاید ان کی خدمت کا معاوضہ بھی پورا نہیں ہوتا تھا کہ ایک ایک کیڑے کو کہاں کوئی تلاش کر کے ایک ایک تنکے سے مارے گا۔ تو اللہ کریم کا ایسا نظام ہے، ہوائیں چلتی ہیں بارشیں برستی ہیں، پھول کھلتے ہیں، سبزہ اگتا ہے۔ یہ ساری چیزیں ہمارا کیا کیا کام کر رہی ہیں، خدمت کر رہی ہیں ہمیں خبر بھی نہیں تو فرمایا اس بات پر قائم ہو جاؤ کہ تم ایماندار ہو تمہارا مرنا جینا میری رضا ہے۔ تم میری رضا کے چاہنے والے ہو۔

یہ بات یاد رکھو اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ جو میرے ساتھ دوسروں کو شریک کرتے ہیں وہ نجس ہیں ناپاک ہیں۔ دیکھو کیسی عجیب بات ہے۔ ایک ناپاکی ہوتی ہے جسمانی غلاظت لگ گئی جسم ناپاک ہو گیا یہ طاری ہوتی ہے جسم پر طاری ہوتی ہے دھونے سے نہانے سے غسل کرنے سے صاف کرنے سے چلی جاتی ہے۔ ایک ناپاکی ہوتی ہے جو جسم میں ساری ہو جاتی ہے، رواں ہو جاتی ہے، روئیں روئیں میں چلی جاتی ہے۔ وہ ہوتی ہے عقیدے کی ناپاکی تو فرمایا مشرک نجس ہے، ناپاک ہے، نظریئے اور عقیدے کی وجہ سے اس کے روئیں روئیں میں ناپاکی چلی گئی ہے فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ اس سال کے بعد مسجد حرام کے قریب بھی نہ آئیں۔ فتح مکہ سے پہلے تک مشرکین بیت اللہ پر قابض رہے آٹھ ہجری میں اللہ کریم نے مسلمانوں کو غلبہ دیا تو دس ہجری تک حضور ﷺ کے مشرکین کے ساتھ معاہدے چل رہے تھے تو وہ سال بھی اللہ کریم نے انہیں

مہلت دے دی جب وہ معاہدے ختم ہوئے تو اللہ کریم نے منع کر دیا کہ مزید معاہدے بھی نہ کئے جائیں اور آج کے بعد مشرکین کو حرم میں داخل نہ ہونے دیا جائے۔ اس سے علماء نے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ دنیا بھر کی مساجد وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ (الجن: 18) مسجدیں اللہ کے لیے ہیں۔ لہٰذا مشرک اور کافر کسی مسجد میں جانے کا استحقاق نہیں رکھتے۔ حرم تو صرف مسجد حرام ہی نہیں ہے۔ حرم کی حدود دور دور تک ہیں تو کوئی مشرک و کافر بے دین۔ حدِ حرم میں داخل نہیں ہو سکتا اور یہ حکم قیامت تک کے لیے ہے۔ لیکن دوسری مساجد میں علماء نے یہ جواز حاصل کیا ہے کہ کسی دوسرے کام سے مثلاً کوئی الیکٹریشن ہے اور وہ غیر مسلم ہے بجلی کا کام کرنے کے لیے آتا ہے یا اور کسی مرمت کے لیے یا کام کے لیے آتا ہے تو اس کو کام کرنے کی اجازت ہے۔ نبی کریم ﷺ کے پاس بنوثقیف کا وفد آیا تھا۔ وہ غیر مسلم تھے اور جنگی قیدیوں کو چھڑوانے کے لیے حاضر ہوئے تھے تو حضور ﷺ نے انہیں مسجد میں ٹھہرایا تھا۔ حرم کی تو اجازت ہی نہ رہی حرم کے علاوہ جو دنیا میں مساجد ہیں ان میں کسی خاص کام سے جو ان کے متعلق ہو جو ان کے بغیر نہ ہوتا ہو تو اس کے لیے کافروں کو آنے کی اجازت دی گئی اس وفد کے حوالے سے علماء نے یہ اخذ فرمایا۔

یہ بات طے ہوگئی کہ شرک بہت بری بات ہے اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ○ (لقمان: 13) یہ لوگ نجس ہو جاتے ہیں اور ان کی نس نس میں، ایک ایک سیل میں نجاست چلی جاتی ہے۔ یہ نجاست طاری نہیں ہوتی ساری ہوتی ہے۔ یہ نجاست طاری کی طرح نہیں ہوتی جسے دھویا، پاک ہو گیا یہ ساری ہوتی ہے۔ نس نس کے اندر چلی جاتی ہے لہٰذا مشرک مسجد حرام کے قریب بھی نہ آئے۔ اب مسئلہ یہ پیدا ہو گیا کہ سارے عرب تو تجارت پیشہ تھے اور تجارت کرنے والوں کی اس وقت کثرت مشرکین کی تھی۔ اس طرح وہ حرم میں آتے تھے۔ اپنی رسومات ادا کرتے تھے۔ سیٹیاں بجاتے تھے۔ اچھل کود کرتے تھے جو کچھ بھی کرتے تھے لیکن ان کے آنے سے یہ ایک تجارتی مرکز بھی بنا ہوا تھا، بڑی بڑی منڈیاں، بڑے بڑے بازار لگتے تھے اور معیشت کا بہت بڑا انحصار ان منڈیوں کے لگنے پر تھا تو اگر مشرکین کا آنا رک جائے گا تو وہ منڈیاں اور بازار ویران ہو جائیں گے اور آمدن کا کوئی ذریعہ نہیں رہے گا تو فرمایا وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖٓ اِنْ شَآءَ۔

رازق صرف اللہ ہے:

رزق دینا اللہ کریم کا کام ہے اگر ان کے آنے سے تمہارا تجارتی خسارہ ہوگا تو جو ذریعہ ان مشرکین کے آنے کے باعث تھا اللہ اس کی جگہ کوئی دوسرا سبب بنا دیں گے وہ مسبب الاسباب ہیں اور اسباب میں اثر بھی وہ خود پیدا کرتے ہیں لہٰذا اس بات سے نہ گھبرانا کہ معاشی تنگی ہو جائے گی نہیں۔ اللہ تمہیں ان شاء اللہ غنی کر دیں گے

کسی دوسرے ذرائع سے رزق عطا کر دیں گے۔ یہاں سے علماء نے یہ مسئلہ بھی لیا ہے کہ کوئی ایسا کاروبار کرنا جس سے دین کا نقصان ہوتا ہو اور دنیا کی آمدن بڑھتی ہو وہ جائز نہیں۔ اس میں ہمارے وہ برخوردار اور عزیز بھی آجاتے ہیں جو بھاگ بھاگ کر یہاں میرے پاس بھی آتے ہیں دعا کرو میرا ویزا لگ جائے لیکن وہاں جا کر دین بھی کھو بیٹھتے ہیں حرام کھانے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

• برائیاں اپنا لیتے ہیں تو رزق کی خاطر دین کو خراب کرنا یہ جائز نہیں۔ ہاں وہ معاملات کافر و مشرک سے بھی جائز ہیں جن سے دین کا نقصان نہ ہوتا ہو۔ تو اگر باہر ملکوں میں کام کرنے کے لیے جاتا ہے۔ ضرور جائے، کرے لیکن وہاں کسی کو مسلمان نہ کر سکے تو خود کافر نہ ہو۔ اگر ان میں کوئی اچھی عادت پیدا نہ کر سکے تو ان کی بری عادتیں نہ اپنائے تو پھر مبارک ہے کہ کسی کفر کی سرزمین پہ رہ کر اللہ کی بارگاہ میں سجدہ کرے اس کا ذکر کرے اس کے قرآن کی تلاوت کرے۔ جائز ذرائع سے کمائے۔ جائز مقامات پر خرچ کرے تو پھر تو اچھی بات ہے لیکن نمک کی کان میں جا کر نمک ہی ہو جائے تو بھوکا رہنا دال کھانا بہتر ہے، غربت اور افلاس اچھا ہے جو ایمان کو بچا لے۔

تو فرمایا اگر تم افلاس سے ڈرتے ہو وَاِنۡ خِفۡتُمۡ عَيۡلَةً اگر تمہیں افلاس کا، غریبی کا ڈر ہے کہ کاروبار ختم ہو جائے گا، لوگ آنا بند ہو جائیں گے، منڈیاں اجڑ جائیں گی تو ہم روزی کہاں سے حاصل کریں گے، کھانا کدھر سے کھائیں گے فرمایا فَسَوۡفَ يُغۡنِيۡكُمُ اللّٰهُ اللہ قادر ہے وہ تمہیں غنی کر دے گا دوسرے ذرائع سے رزق دے دے گا اور ذرائع پیدا فرما دے گا۔ ذرائع اور اسباب از خود نتائج پیدا نہیں کرتے اسباب میں بھی نتائج اللہ رب العالمین ہی پیدا فرماتا ہے ایک ذریعہ ختم ہو گا وہ دوسرے ذرائع دے دے گا اور تاریخ گواہ ہے اس بات کی کہ اس کے بعد مسلمانوں پر غناء کا دور آیا اِنَّ اللّٰهَ عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ ۲۸ بے شک اللہ کریم ہر شئے کو جانتے ہیں اور وہ دانا تر ہیں۔ اللہ کا کوئی حکم بھی کسی طرح بھی تمہاری بہتری کے خلاف نہیں ہے اللہ کے ہر حکم میں تمہاری بہتری پنہاں ہے اور اس کے خلاف تمہارا نقصان ہے یہ بنیادی بات فرمایا یاد رکھو کہ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ اللہ ہر بات سے باخبر ہے، علم رکھتا ہے۔ اسے تمہاری ضرورتوں کا بھی علم ہے، تمہاری تشویش کا بھی علم ہے، تمہارے اسباب کا بھی علم ہے، تمہاری طاقت و قوت کا بھی علم ہے، مشرکوں کی دولت کا بھی، ساری باتوں کا۔ ہر ذرہ ذرہ سے وہ ذاتی طور پر واقف ہے جانتا ہے اور دانا تر ہے۔ اس کا ہر حکم اس کی حکمت کے مطابق ہوتا ہے لہٰذا ساری بہتری اطاعت الٰہی میں ہے۔ اللہ کی نافرمانی میں کوئی بہتری نہیں۔ ہم جو امیدیں لگائے رکھتے ہیں کہ ڈاکے سے اتنے پیسے لے لوں گا، ناجائز ذرائع سے لے لوں گا وہ شاید بندہ کسی حد تک لے بھی لیتا ہے لیکن جب اسے دینے پڑتے ہیں تو تب اسے پتہ چلتا ہے۔ رسوائیاں، ذلتیں، بیماریاں، دکھ تکلیفیں اس کے نتائج دنیا میں

دیکھنے پڑتے ہیں اور سب سے بڑی بات اس سے بڑی بات اس سے جو آخرت تباہ ہوتی ہے اس کا کوئی اندازہ ہی نہیں۔ رہی یہ بات کہ کافروں پہ مشرکین پر ہم انحصار کریں فرمایا انحصار تو دور کی بات ہے قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ کافروں پر انحصار کس بات کا، کافروں سے خیرات کیسی، کافروں سے قتال کرو، جہاد کرو اس لیے کہ چار باتیں یہاں قرآن کریم نے بتائیں۔ پہلی بات ان کا جرم یہ ہے کہ وہ اللہ پر ایمان نہیں لاتے آخرت پر ایمان نہیں لائے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ نے جو حرام کیا ہے اسے حرام نہیں سمجھتے جو حلال کیا ہے اسے حلال نہیں سمجھتے چوتھی بات وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ دین حق کو قبول نہیں کرتے یہ چار اوصاف گنوائے کافروں کے اللہ کریم نے کہ اللہ کے جہان میں بستا ہے اللہ کی نعمتیں استعمال کر کے ایمان نہیں لاتا۔ پھر آخرت کو نہیں مانتا۔ آخرت کا ماننا کیوں ضروری ہے۔ آخرت کو مانے بغیر دنیا میں کوئی بھلا کام ہو نہیں سکتا۔ ہر اچھے کام میں یہ بنیادی بات ہوتی ہے بندہ اس امید پر کرتا ہے کہ اس سے مجھے اللہ کی رضا نصیب ہوگی اور میری آخرت بھی بنے گی تو جو آخرت کو مانتا ہی نہیں وہ اگر بھلا کام بھی کرتا ہے تو دنیاوی لالچ میں آ کر کرتا ہے شہرت کی خاطر کرتا ہے یا کسی دنیاوی فائدے کی خاطر کرتا ہے آخرت کو تو مانتا نہیں آخرت کے لیے کیوں کرے گا۔ تو یہ آخرت کو نہیں جانتے تیسرا جرم ان کا یہ ہے کہ جو چیزیں اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ نے حرام کی ہیں یہ انہیں حرام نہیں سمجھتے۔

عظمت حدیث:

یہاں دیکھ لیجئے وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ جو چیزیں اللہ نے حرام کی ہیں یا اللہ کے رسول ﷺ نے حرام کی ہیں تو اس کا معنی یہ ہے کہ جو عظمت قرآن حکیم کی ہے وہی عظمت حدیث رسول ﷺ کی ہے جس طرح قرآن کا منکر کافر ہے اسی طرح حدیث کا منکر کافر ہوتا ہے چونکہ یہاں کوئی فرق نہیں رکھا گیا اللہ نے جو حرام فرمایا اللہ کے رسول ﷺ نے حرام فرمایا حدیث جو ہے یہ بھی وحی الٰہی ہے وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝ (النجم) میرا حبیب ﷺ اپنی رائے سے کوئی حکم ارشاد نہیں فرماتا کوئی خطاب نہیں فرماتا مَا يَنْطِقُ کلام نہیں فرماتے جب تک اللہ کا حکم نہ ہو تو انسانی معاملات یا سارے دینی معاملات عقائد، اعمال، حلال حرام جو حدیث شریف میں آیا ہے وہ بھی وحی الٰہی ہے اس کا ماننا اتنا ہی ضروری ہے جتنا قرآن کریم کا ماننا ضروری ہے۔

آج تو ہر کوئی کہتا ہے دکھاؤ قرآن میں کہاں ہے؟

فوری سوال یہ ہوتا ہے کہ یہ قرآن میں کہاں ہے دکھاؤ کوئی ان سے پوچھے تمہیں قرآن کہاں سے ملا بنی

نوع انسان میں سے کوئی دوسرا گواہ نہیں ہے کہ حضور ﷺ جو فرمار ہے ہیں یہ وحی میں نے بھی سنی تھی، ہے کوئی ایسا؟ یہ صرف محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات ہے جو امین بھی ہے الصدق الصادقین بھی ہے۔ جو آپ ﷺ نے فرما دیا یہ قرآن ہے وہ قرآن ہے۔ اسی زبان حق ترجمان نے جس نے ہمیں قرآن دیا اسی نے قرآن کی تشریح اور تفسیر دی جسے حدیث کہتے ہیں تو آپ کیوں بھاگتے ہیں کہ قرآن میں دیکھو حدیث کیوں نہیں پوچھتے۔ قرآن نے تو حکم دے دیا نماز ادا کرو۔ کیسے پڑھیں، کیا پڑھیں، کس وقت پڑھیں، کتنی رکعت پڑھیں، قیام کیا ہوگا، رکوع کیا ہوگا، سجود کیا ہوگا، قیام میں کیا پڑھنا ہے، تکبیریں کتنی ہیں، تسبیحات کتنی ہیں، رکعات کتنی ہیں کیا قرآن بتاتا ہے؟ یہ ساری کیا ہے؟ یہ ساری تفصیل حدیث میں ہے تو پھر پٹکا باندھنے کی بات قرآن فرمائے گا یا محمد رسول اللہ ﷺ فرمائیں گے۔ دوپٹہ لینے کی بات قرآن بتائے گا یا حضور ﷺ بتائیں گے۔ ستر عورت کی بات قرآن کی تشریح میں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں آئے گی۔ احکام کی تفسیر، ان کا نفاذ، ان کے کرنے کا طریقہ، سارا حدیث پاک میں آئے گا۔

تو یہاں دیکھ لیں وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اللہ کریم نے کوئی فرق نہیں رکھا جو چیز اللہ نے حرام کردی اسے حرام نہیں سمجھتے جو اللہ کے حبیب ﷺ نے حرام کردی اسے حرام نہیں سمجھتے۔ ویسا ہی کفر ہے وہ بھی کہ جو چیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام کردی اسے حرام نہ سمجھا جائے وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ اور دین حق کو قبول نہیں کرتے تو پھر ان کے ساتھ لڑا کیوں جائے قتال کیوں کیا جائے اس لیے کہ جو ان چیزوں کو قبول نہیں کرتا وہ دوسروں کے حقوق پر ڈاکہ مارتا ہے دوسروں کے حقوق چھینتا ہے۔ لڑا اس لیے نہیں جائے گا کہ یہ کافر کیوں ہے لڑا اس لیے جائے گا کہ یہ لوگوں کے حقوق پر ڈاکہ نہ مار سکے اور اگر وہ امن سے رہنا چاہے تو پھر شرط یہ ہوگی حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ۝۲۹ تمام ریاست کو ٹیکس ادا کریں اس کے تابع ہو کر رہیں جو ریاستی قوانین ہیں ان کی پیروی کریں اور ریاست میں فساد برپا نہ کریں۔ اس میں اللہ کریم نے مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ان کے ساتھ ان لوگوں کو بھی فرمادیا جن کو کتاب دی گئی تھی۔ یہود و نصاریٰ جو اہل کتاب ہیں وہ بھی ان کے ساتھ شامل ہیں اس لیے کہ یہودیوں نے عزیزؑ کو اللہ کا بیٹا بنا کر شرک کیا عیسائیوں نے عیسیٰؑ کی پوجا شروع کردی اور انہیں اللہ کا بیٹا قرار دے کر ان کی عبادت شروع کردی اور شرک کیا تو ان سب کے ساتھ جہاد کیا جائے گا جب تک وہ امن سے رہنا پسند نہیں کرتے اور ریاست اسلامی سے سرنگوں ہو کر نہیں رہتے ریاست اسلامی میں رہ سکتے ہیں امن سے رہ سکتے ہیں لیکن ریاست اسلامی کے تابع۔

قرآنی اصول، اصلاح کے ضامن:

یہ تو وہ معیار ہے جو قرآن بتا رہا ہے لیکن اگر ریاست نام کی اسلامی ہو اور اس کے سارے قانون کافروں کے بنائے ہوئے ہوں تو پھر کون کس سے جہاد کرے گا؟ یعنی جہاد کرنے کے لیے محض بندوق اٹھا لینا ضروری نہیں ہے جہاد کرنے کے لیے محض دھماکے کرنا یا بم دھماکے کرنا ضروری نہیں ہے جہاد کرنے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے اپنی ریاست، اپنے اختیارات جہاں تک ہیں وہاں تک اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے احکام کو نافذ کریں جن چیزوں کو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ نے حرام کیا ہے ان پر پابندی لگاؤ جن کے کرنے کی اجازت دی ہے ان کو کرو یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا پہلے اپنے آپ کو ایمان کے حصار میں لے آؤ تو فرمایا پھر کافروں کو گھسنے نہ دو۔ اور اگر ہم ریاست کے قوانین ہی کافروں کے سپرد کر دیں اور ہمارے قانون وہ بنائیں یا کافر جو بنا کر دے گئے ہیں انہیں کو گھسیٹتے رہیں تو کیا ہوگا؟ اللہ کریم فرماتے ہیں کہ تم یہ خطرہ محسوس نہ کرو کہ کافر چلے گئے تو تجارت رک جائے گی بھوک کے ڈر سے یہ خطرہ محسوس نہ کرو وہ تو وہ لوگ تھے ہم الحمد للہ ہیں تو مسلمان لیکن کافروں سے مانگ کر کھاتے ہیں۔ تجارت کرنے والا تابع نہیں ہوتا ایک حد تک لحاظ ضرور کرتا ہے لیکن اس کی اپنی بھی ایک حیثیت ہوتی ہے مانگ کر کھانے والا کیا ہوتا ہے؟ مانگ کر کھانے والا تو سوائے دعا دینے کے کچھ بول نہیں سکتا۔ ہمارا کیسا ایمان ہے کہ ہم خود کو مومن بھی کہتے ہیں اور ایمان کے دعویدار ہیں اور ہماری گزر بسر کافروں سے مانگ کر کھانے میں ہے۔ اللہ ہمیں عقل دے، سمجھ دے، شعور دے۔ وطن عزیز میں نام ہوتا ہے امداد کا انگریزی میں (aid) ایڈ کہتے ہیں اردو میں امداد کہتے ہیں یہ امداد کیا ہوتی ہے؟ سو روپیہ آپ کو دیں گے اس پر ستر روپے بیس روپے سود لیں گے۔ وہ جو سود ہے وہ ہمیشہ کے لیے گلے پڑ جاتا ہے اور جو پہلی قسط دیتے ہیں وہ سو نہیں دیتے یہ بڑی عجیب بات ہے۔ اگر بیس روپے سود ہے تو وہ پہلے آپ کو اسی روپے دیں گے کہ پہلی قسط تو وصول ہوگئی آپ کو سو نہیں ملے گا آپ کو سود اس اسی پر لینا پڑے گا۔ بیس تو وہ پہلے رکھ لیں گے کہ یہ تو ہمیں پہلی قسط آگئی۔ پھر کہتے ہیں اس گورکھ دھندے پر کام کرنے والے ماہرین کی تنخواہیں بھی اس میں سے ہمیں واپس کر دیں۔ ہم تنخواہ ان کو کیا اپنے پلے سے دیں گے؟ کرتے کراتے آپ کے پاس بیس ہی بچتے ہیں جو پھر اگلی قسط آپ نے سود دے دینا ہے اس طرح وہ امداد (aid) وہیں کی وہیں چلی جاتی ہے یا حکمرانوں کی عیاشیوں کی نذر ہو جاتی ہے۔ عوام تک نہیں پہنچتی جیسے کوئی نیچے ایک ذرہ کوئی ایک قطرہ پہنچتا ہے؟ وہ تو اونچی شاخوں پر اور تناور درختوں پر بہت اونچے درختوں پر چار چار سوفٹ اونچے درختوں پر وہ برسات ہوتی ہے کوئی قطرہ گرتا ہے تو ان کے نیچے بھی

چٹانیں جذب کر لیتی ہیں زمین پر بسنے والی مخلوق تو محروم ہی رہتی ہے۔ آج تک کسی غریب آدمی کو امریکی امداد کا کوئی پائی پیسہ پہنچا؟ نہیں بلکہ اس کی کھال اتاری جارہی ہے۔ اس کا خون چوسا جارہا ہے۔ پٹرول بڑھادو، بجلی ہے نہیں ریٹ بڑھادو، مہنگی کردو، پٹرول ملتا نہیں اسے مہنگا تو کردو، کپڑا ملتا نہیں پر اس پر ٹیکس لگادو، دال روٹی مہنگی کردو یعنی غریب سے بھی لیا جارہا ہے اور ادھر سے بھی مانگا جارہا ہے درمیان میں کوئی غرقاب لگا ہوا ہے کہ چیزیں کہاں غرق ہوتی جارہی ہیں، کون سی مسلمان ریاست، کہاں کا مسلمان حکمران؟ اس سارے تجزیے کا مقصد قرآنی اصولوں کی روشنی میں اپنی اصلاح کرنا مقصود ہے۔

جو باتیں قرآن بتارہا ہے وہ بتانا تو ہماری مجبوری، ہماری ذمہ داری ہے۔ وہ تو ہم بتائیں گے چاہے کوئی خوش ہو یا ناراض۔ چونکہ لوگوں کی خوشنودی کے لیے نہیں، اللہ کی رضا کے لیے اللہ کا قرآن بیان کرنا ہے۔ اللہ کی رضا کے لیے اللہ کے نبی ﷺ کے ارشادات بیان کرنا ہے اور یہی علماء کا حق ہے۔ یہی ذمہ داری ہے اہل علم کی کہ اللہ جنہیں یہ علم دے وہ دوسروں تک پہنچائے۔ اب ہر بندے کا معاملہ اللہ رب العالمین کے ساتھ ہے۔ وہ مانتا ہے، نہیں مانتا، اللہ اس سے خود پوچھ لے گا۔ ہم تو کہتے ہیں یا اللہ انہیں کو ہدایت دے دے ہمیں ا، ب، ج سے کوئی غرض نہیں۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ انہیں کو ہدایت دے دے اور معاملات سدھر جائیں تو ہر چار وجوہات ہیں۔ ہم ان کو حکمرانوں پر سیاستدانوں پر دوسروں پر تو لاگو کر رہے ہیں لیکن سب سے پہلے اپنی ذات کو دیکھنا چاہیے کہ قرآن حکیم کے مطابق ماننا کیا ہے؟ لَا يُؤْمِنُوْنَ مشرک بھی اللہ کو تو مانتا ہے پھر لَا يُؤْمِنُوْنَ کہاں سے آگیا۔ اپنی مرضی سے اللہ کو ماننا ماننا نہیں ہے اللہ کو ماننا وہ ہے جیسا اللہ کا رسول ﷺ منواتا ہے ان صفات کے ساتھ اللہ کی ذات کو ماننا ہی ماننا ہے۔ اللہ کو ایسے مانو جیسے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منواتے ہیں تو یہ ایمان ہے اس کے علاوہ مانتے رہو اپنی پسند سے تو وہ ایمان نہیں ہے۔ پہلی بات اللہ کے ساتھ ایمان، دوسرا آخرت کا یقین۔ ہمیں خود سوچنا ہوگا کہ میں دن بھر جو محنت کرتا ہوں جو میری دوستیاں دشمنیاں ہیں کیا اس میں مجھے یہ خیال ہے کہ اس میں میرا اخروی نتیجہ کیا ہوگا، قیامت میں میرے لیے بہتر ہے کہ نہیں۔ اگر یہ خیال ہے تو الحمدللہ پھر اسلام ہے اور اگر یہ ساری محبتیں محض دنیاوی لالچ کے لیے ہیں تو پھر یہ محبتیں نہیں ہیں یہ ناجائز کاروبار ہے ناروا کاروبار ہے کہ اپنے مفادات کی توقعات دوسروں پر رکھتے ہو۔ یہ توقع تو اللہ سے رکھنی چاہیے تھی پھر جسے اللہ نے حرام کیا اللہ کے رسول ﷺ نے حرام کیا لَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ اسے حرام جانے حرام کو حرام مانتے ہوئے کسی نے کھالیا تو اس نے گناہ کیا لیکن جس نے حرام کھالیا اور کہا کوئی حرج نہیں ہے تو اس نے کفر کیا یعنی حرام کو حلال سمجھنا اور اس پر عمل کرنا صریح کفر ہے۔ رشوت کو حلال سمجھ کے کھانا کفر ہے دوسرے کا مال حلال سمجھ کے کھاجانا کفر ہے اور حرام کو حرام سمجھ کر کھانا فسق ہے گناہ ہے۔

وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ اور اللہ کے دین کو، حق کو اس طرح نہیں مانتے جس طرح ماننا چاہیے۔ کہتے ہیں میں مسلمان ہوں لیکن دین پر عمل کرنے کے بجائے رسومات پر کرتے ہیں۔ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ اس لیے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ دین پر عمل کرنے سے سبکی ہوگی۔ رسومات پر عمل کرنے سے معاشرے میں عزت ملے گی تو یاد رہے قرآن اعلان کر رہا ہے۔ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ (المنافقون: 8) حقیقی عزت اللہ کے لیے ہے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اور ان لوگوں کے لیے ہے جو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتے ہیں۔

فرمایا: کافروں سے اور اہل کتاب سے جنہوں نے کتاب کے ہوتے ہوئے شرک کا راستہ اپنایا۔ سب سے جہاد کرو تا کہ وہ اسلامی ریاست کے مقابلے میں کمزور پڑ جائیں اور اگر ریاست اسلامی میں رہتے ہیں تو جزیہ اور ٹیکس دے کر رہیں یہاں سے علماء نے یہ بھی اخذ فرمایا ہے کہ جو قوم جزیہ دیتی ہے اس کی حفاظت مسلمانوں کی ذمہ داری ہے پھر اسے فوج میں رکھنا سپاہی بنانا، جرنیل بنانا یا اسے اسمبلی میں رکھنا یا اس کے ممبر بنانا اسے وزیر بنانا جائز نہیں ہے ان کے مسائل حل کرنا مسلمانوں کا کام ہے جو جزیہ لے رہے ہیں وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿۲۹﴾ اور اسلام اور اسلامی ریاست کے مقابلے میں سرنگوں ہو کر رہیں۔ اب تو یہ باتیں افسانوی لگتی ہیں کہ جو ریاستیں ہم دیکھ رہے ہیں جو اپنے آپ کو مسلمان ریاست کہلواتے ہیں وہ کافروں سے بھیک مانگ کر گزارا کرتے ہیں اور پاؤں کے جوتے سے لے کر عینک اور سر کے بالوں کی بناوٹ تک ان کی مشابہت کافروں سے ہے۔ آپ ہندو، عیسائی، یہودی، مسلمان وزراء امراء کو اکٹھا بٹھا دیں الا ماشاء اللہ نیچے نام بھی لکھ دیں کوئی نہیں پہچانے گا مسلمان کون ہے، ہندو کون ہے، یہودی کون ہے، نصاریٰ کون ہے ہم کہاں پہنچ گئے ہیں، کہاں کی باتیں کرتے ہیں، یہ ہمارے انہیں کرتوتوں کی سزا ہے کہ بھائی بھائی کو قتل کر رہا ہے مسلمان مسلمان کو قتل کر رہا ہے اس لیے کہ ہم مسلمان بھی بناوٹی ہو گئے ہیں۔ اصلی مسلمان رہے نہیں نہ وہ یقین اللہ کے ساتھ ہے نہ آخرت کے ساتھ ہے نہ حرام حلال کی تمیز ہے نہ دین حق پر یقین ہے اور اس پر ثمرات یہی تباہی بربادی ہوگی ہم اس کا علاج گولیوں پر مزید گولیاں برسا کر دہشت گردوں پر فوج چڑھا کر کر رہے ہیں وہ سحر انصاری نے کہا تھا:

نئے دستور ہیں نئے زمانے کے لیے
آگ ہی لائی گئی آگ بجھانے کے لیے

ہم ایک گولی پر دس گولیاں برسا کر اس کا علاج کر رہے ہیں۔ علاج یہ نہیں ہے۔ اس کا علاج اجتماعی توبہ ہے۔ خلوص سے دین کو اپنائیں۔ نیکی کا راستہ اختیار کریں تو سارے بچ سکتے ہیں اللہ ہمیں اس کی توفیق بھی عطا فرمائے اور سمجھ بھی دے۔

سورۃ التوبہ رکوع 5 آیات 30 تا 37

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ۨابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ
قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ يُضَاهِـُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ؕ قٰتَلَهُمُ
اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿٣٠﴾ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ
وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا
هُوَ ؕ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿٣١﴾ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى
اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿٣٢﴾ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ
بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ﴿٣٣﴾
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ
النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ
وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿٣٤﴾ يَّوْمَ
يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ
وَظُهُوْرُهُمْ ؕ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ﴿٣٥﴾
اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ فَلَا
تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ

كَآفَّةً ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۶﴾ اِنَّمَا النَّسِيْٓءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّيُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا لِّيُوَاطِـُٔوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَيُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ ؕ زُيِّنَ لَهُمْ سُوْٓءُ اَعْمَالِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۷﴾

اور یہود نے کہا عزیر (علیہ السلام) اللہ کے بیٹے ہیں اور نصاریٰ نے کہا مسیح (علیہ السلام) اللہ کے بیٹے ہیں یہ ان کے منہ کی باتیں ہیں پہلے کافر بھی اسی طرح کی باتیں کرتے تھے یہ بھی ان لوگوں کی سی باتیں کرنے لگے اللہ ان کو غارت کریں یہ کہاں بھٹک رہے ہیں ﴿۳۰﴾ انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے علماء اور مشائخ کو اپنا پروردگار بنا رکھا ہے اور مسیح ابن مریم (علیہم السلام) کو بھی حالانکہ ان کو یہ حکم کیا گیا تھا کہ فقط ایک معبود (برحق اللہ) کی عبادت کریں جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں وہ ان کے شرک سے پاک ہے ﴿۳۱﴾ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور (دین اسلام) کو اپنے منہ سے (پھونک مار کر) بجھا دیں حالانکہ اللہ اپنے نور کو پورا کیے بغیر رہنے کے نہیں اور خواہ کافروں کو برا ہی لگے ﴿۳۲﴾ وہی ذات ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت (کا سامان یعنی قرآن) اور سچا دین دے کر بھیجا تا کہ اس کو تمام دینوں پر غالب کر دے اور اگرچہ کافر کتنے ہی ناخوش ہوں ﴿۳۳﴾ اے ایمان والو بے شک (اہل کتاب کے) اکثر علماء اور مشائخ لوگوں کا مال ناجائز طریقے سے کھاتے ہیں اور اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع رکھتے ہیں (لالچ کی وجہ سے) اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے سو ان کو دردناک سزا کی خبر سنا دیجیے ﴿۳۴﴾ جس دن وہ (سونا چاندی) دوزخ کی آگ میں گرم کیا جائے گا پھر اس سے ان لوگوں کی پیشانیوں اور ان کے پہلوؤں اور ان کی پشتوں کو داغا جائے گا (اور کہا جائے گا) یہ ہے وہ جو تم نے اپنے لیے جمع کر کے رکھا تھا سو اپنے جمع کرنے کا مزہ چکھو ﴿۳۵﴾ بے شک مہینوں کی گنتی اللہ کے نزدیک

اللہ کی کتاب میں بارہ مہینے ہیں جس روز سے اس نے آسمان اور زمین پیدا فرمائے ان میں چار مہینے حرمت (خاص ادب) کے ہیں یہی دین کا سیدھا راستہ ہے سو ان میں (ناحق جنگ کر کے) اپنے آپ پر زیادتی نہ کرو اور تم سب اکھٹے ہو کر مشرکوں سے لڑو جس طرح وہ سب اکھٹے ہو کر تم سے لڑتے ہیں اور جان لو کہ اللہ پرہیز گاروں کے ساتھ ہیں ﴿۳۶﴾ یقیناً یہ ہٹا دینا (امن کے مہینوں کو آگے پیچھے کر دینا) کفر میں اور زیادتی ہے جس سے کفار گمراہ کیے جاتے ہیں وہ اس کو (حرمت کے مہینے) کو کسی سال حلال کر لیتے ہیں اور کسی سال اس کو حرام کر لیتے ہیں تا کہ اللہ نے جو مہینے حرام کیئے ہیں صرف ان کی گنتی پوری کر لیں پھر اللہ کے حرام کیے ہوئے مہینے کو حلال کر لیتے ہیں ان کی بداعمالیاں ان کو بھلی معلوم ہوتی ہیں اللہ ایسے کافروں کو ہدایت نہیں فرمایا کرتے ﴿۳۷﴾

تفسیر و معارف

وَقَالَتِ الْیَهُوْدُ عُزَیْرُ ابْنُ اللّٰهِ یہود کے پاس اللہ کے اولوالعزم رسول تشریف لائے۔ انہیں براہ راست کلام باری نصیب ہوتا تھا۔ کتاب عطا ہوئی اور اس کے بعد یہ دنیاوی لالچ میں پڑ گئے اور ایسے بھٹکے کہ حضرت عزیرؑ کو اللہ کا بیٹا کہہ دیا، شرک میں مبتلا ہو گئے اور عجیب بات یہ ہے کہ یہ سارا کفر اور شرک انہوں نے دین کے نام پر ایجاد کر لیا۔ نصاریٰ کے پاس عیسیٰؑ تشریف لائے صاحب کتاب نبیؑ تھے خود ان کی تعلیمات کا حاصل یہ تھا کہ اللہ وحدہ لاشریک ہے۔ اللہ کی عبادت کرو اور اس کے حکم کے مطابق کرو لیکن انہوں نے عیسیٰؑ کو ہی اللہ کا بیٹا کہہ دیا وَقَالَتِ النَّصٰرَی الْمَسِیْحُ ابْنُ اللّٰهِ ؕ نصاریٰ کہنے لگے کہ عیسیٰؑ ہی اللہ کے بیٹے ہیں۔ اب یہاں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ یہود نے عزیرؑ کو جو اللہ کے نبیؑ تھے اللہ کا بیٹا کہا یعنی انہوں نے اللہ کو مانا اور اس کے ساتھ نبیؑ کو اللہ کا بیٹا مانا۔ اسی طرح نصاریٰ نے عیسیٰؑ کو اللہ کا بیٹا قرار دیا۔ اس کا مطلب ہے اللہ کو وہ بھی مانتے ہیں اور اللہ کے نبیؑ کو اللہ کا بیٹا بھی مانتے ہیں۔ اسی طرح نصاریٰ نے عیسیٰؑ کو اللہ کا بیٹا قرار دیا۔ اس کا مطلب ہے اللہ کو وہ بھی مانتے ہیں اور اللہ کے نبیؑ کو اللہ کا بیٹا بھی مانتے ہیں تو حاصل یہ ہوا کہ اللہ کو محض ماننا مقصد نہیں ہے کہ اپنی پسند سے مانا جائے اللہ کو ویسا ماننا ضروری ہے جیسے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم منواتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ

کی ذات کا اور جن صفات کا مطالبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ کو اس طرح مانا جائے، اللہ کو اس طرح ماننا اسلام ہے اور اپنی پسند سے ماننا اور اس کے ساتھ مختلف چیزوں کی نسبت کر دینا یہ دین میں اپنی مرضی کرنا ہے اور اپنی مرضی سے ماننا نہ ماننے کے برابر ہے، یہ کفر ہے۔ انسان کی بدنصیبی ہے کہ وہ دین سے بھٹک جائے لیکن عموماً اس کی بڑی وجہ دنیا کی محبت ہوتی ہے۔ دنیا کی دولت، ذاتی اقتدار، لوگوں سے اپنی بزرگی منوانے کا شوق، اپنے آپ کو بڑا بنانے کا شوق، عام آدمیوں سے بالاتر ہو کر اپنی پارسائی کے اعلان کرنے کا شوق ہوتا ہے۔ دنیا سے بے جا محبت، اپنی بڑائی کی محبت، دنیاوی مفادات کا لالچ، دنیاوی دولت اور وسائل سے پیار یہ چیزیں راہ راست سے بھٹکا دیتی ہیں۔

فرمایا پھر وہی لوگ جن کے پاس کتاب بھی موجود تھی جن کے پاس نبیؑ بھی تشریف لائے انہوں نے اللہ کے نبیوں کو اللہ کا بیٹا تجویز کر دیا۔ اس لیے کہ اس فلسفے پر اس نام پر وہ دولت کماتے تھے، چندے کرتے تھے، دنیا لیتے تھے اپنا احترام کرواتے تھے ان کی دیکھا دیکھی نصاریٰ نے بھی نعرہ لگا دیا کہ عیسیٰؑ اللہ کے بیٹے ہیں اور اب تو نصاریٰ اس جگہ پہنچ چکے ہیں کہ عیسیٰؑ کو ہی معبود مانتے ہیں انہوں نے اپنی عمومی زندگی میں اپنے نبیؑ کو الوہیت کا درجہ دے دیا ہے لیکن ان سب کی حقیقت کیا ہے؟ فرمایا ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ یہ محض ان کی اپنی کہی ہوئی باتیں ہیں۔ ان کی کوئی اصل نہیں ہے، اس کی کوئی نقلی دلیل نہیں ہے۔ کہیں یہ نہیں ملتا کہ کسی پہلی کتاب میں یہ حکم آیا ہو یا ان کے نبیؑ نے انہیں یہ بات بتائی ہو یا خود ان کی کتابوں میں یہ بات ہو ہرگز ایسا نہیں ہے بلکہ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ یہ ان کی اپنی گھڑی ہوئی باتیں ہیں ان کی کوئی حیثیت نہیں يُضَاهِـُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ۭ اور ان سے پہلے جو کافر، مشرک اور بت پرست تھے جو مختلف دیوی دیوتاؤں کو اللہ کا شریک مانتے تھے، مختلف بتوں کو مختلف امور پر لگا رکھا تھا کہ فلاں بارش برساتا ہے، فلاں بت اولاد دیتا ہے، فلاں زندگی دیتا ہے وہ جو کافروں کی باتیں تھیں یہ انہی باتوں کو دہرا رہے ہیں۔ ان کی کوئی شرعی دلیل نہیں ہے یہ بات کسی نبیؑ کی تعلیمات میں نہیں ہے کسی آسمانی کتاب اور صحیفے میں نہیں ہے بلکہ ان سے پہلے جو مشرکین و کفار گزرے جس طرح وہ بتوں کو اللہ کا شریک بناتے، فرضی ناموں سے مختلف معبودوں کو پوجتے شرک کرتے اور طرح طرح کی خرافات ایجاد کرتے اسی طرح یہود و نصاریٰ نے اللہ کے نبیوں کو اللہ کا شریک بنا دیا تو اللہ نے فرمایا قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اللہ انہیں تباہ کرے۔

ہر کام کے دو انداز ہوتے ہیں جب آدمی غلطی کرتا ہے۔ دین کے خلاف عمل کرتا ہے تو اس میں دو جہتیں

ہوتی ہیں ایک جہت تو یہ ہوتی ہے کہ دنیا کے لالچ میں آ کر کوئی کہیں سے سے ناجائز پیسہ لے لیتا ہے یا کوئی ناروا کام کرتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ جو میں کر رہا ہوں یہ غلط ہے اور جو اللہ کے دین کا حکم ہے وہ صحیح ہے تو اس کا یہ عمل گناہ ہے۔ لیکن اس سے اس کا ایمان ضائع نہیں ہوتا البتہ گناہ لازم آتا ہے۔ لیکن وہی کام جو خلاف شریعت ہے اسی کو شریعت کا جامہ پہنا دیا جائے اسی کو اسلام کا نام دے دیا جائے اسی کو مذہب کا نام دے دیا جائے اور مذہب کی آڑ میں وہ گناہ کیا جائے تو اس سے ایمان ضائع ہو جاتا ہے۔ اور وہ کفر میں چلا جاتا ہے کیونکہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے حلال کردہ کو حرام کہنا کفر ہے اور اللہ اللہ کے رسول ﷺ کے حرام کردہ کو حلال کہنا بھی کفر ہے۔ ہمارے ہاں یہ طریقہ نئے انداز سے ہے۔ مثلاً اللہ نے سود کو حرام قرار دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات میں سود قطعی حرام ہے اور سود بھی ان حرام چیزوں میں سے ہے جس کی متعلقہ چیزیں بھی حرام ہیں۔

حرام کے متعلقات بھی حرام ہیں:

سود، شراب اور خنزیر یہ تین حرام چیزیں ایسی ہیں جن کے ساتھ جو چیزیں متعلق ہیں وہ بھی حرام ہیں۔ خنزیر کو پالنا بھی حرام ہے خنزیر کی حفاظت کرنا بھی حرام ہے کسی نے خنزیر پال رکھے ہیں کوئی ان کو مزدوری پر لاد کے لے جاتا ہے اس کی مزدوری بھی حرام ہے کسی کے پاس خنزیروں کی رکھوالی کے لیے ملازم ہو جاتا ہے تو وہ تنخواہ بھی حرام ہے۔ یعنی ان کے ساتھ جو متعلقہ چیزیں ہیں وہ بھی حرام ہیں۔ اسی طرح شراب حرام ہے تو اس کے متعلقات بھی حرام ہیں۔ شراب کے متعلق حکم ہے فَاجۡتَنِبُوۡهُ (المایدہ:90) اس سے دور رہو یعنی اس کے متعلقات کے قریب بھی مت جاؤ کہ شراب بنانے والے کارخانے کے قریب بھی مت جاؤ اور مزدوری پر شراب کی پیٹی اٹھا کر نہ لے جاؤ۔ جو چیزیں ان سے متعلق ہیں وہ بھی حرام ہیں۔ اسی طرح سود کے جو متعلقات ہیں وہ بھی حرام ہیں جو سود دیتا ہے اس کے ساتھ کوئی بندہ گواہی دیتا ہے وہ گواہی دینا بھی حرام ہے۔ کوئی تنخواہ پر لکھتا پڑھتا ہے وہ لکھنا پڑھنا بھی حرام ہے ان کے مبادیات بھی حرام ہیں لیکن ہوتا یہ ہے کہ ہمارے یہاں لوگوں نے کہا سود کا نام مارک اپ رکھ دو۔ ایک چیز حرام ہے کیا نام بدلنے سے وہ حلال ہو جائے گی؟ یہی کام تو یہود و نصاریٰ بھی کرتے تھے کہ جو اپنی خواہش ہوئی اس پر مذہب کا لیبل لگا دیا چیزوں کے نام بدل دیے، دنوں کے نام بدل دیے مہینوں کے نام بدل دیے۔ نام بدلنے سے چیز کی حقیقت تو نہیں بدلتی وہ تو وہی ہوتی ہیں۔ تو فرمایا قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اللہ ایسے لوگوں کو تباہ کرے جو برائی کو دین کا لیبل پہناتے ہیں۔ بت پرستی کو توحید کا، اسلام کا نام دیتے ہیں۔ بدکاری اور برائی کو دین کے نام پر حلال کرتے ہیں سود کھانے کے لیے دین کا سرٹیفکیٹ دے دیتے ہیں اَنّٰى يُؤۡفَكُوۡنَ۝ یہ حقیقت

سے کتنی دور چلے گئے اور ان کا حقیقت سے دور جانے کا سبب کیا ہوا، کیوں یہ لوگ گمراہ ہو گئے؟ فرمایا ان کے جو مذہبی رہنما تھے وہ گمراہ ہو گئے۔ ان کے جو بڑے بڑے پیر خانے تھے اور جو بڑے بڑے علمی مراکز تھے وہاں جو لوگ براجمان تھے وہ دنیا کی محبت میں آ گئے پھر اپنی خواہشات کی تکمیل کے لیے ناجائز ذرائع سے دولت حاصل کی اور اس پر اللہ کا، اسلام کا اور دین کا لیبل لگا دیا اور اسے دین کے نام پر حلال کر لیا اور انہوں نے اپنے علماء کو ہی پروردگار بنا لیا۔ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے علماء و مشائخ کو اپنا رب، اپنا پروردگار بنا لیا۔ یہ سمجھتے ہیں کہ ہماری ساری حاجت روائی یہی کرتے ہیں۔

رب کا معنیٰ ہے ضرورتیں پوری کرنے والا، پالنہار۔ اپنی ساری مخلوق کی ہر ضرورت ہر وقت ہر جگہ پوری کرنے والا رب کہلاتا ہے۔ انہوں نے اپنے پیروں کو، علماء کو، مشائخ کو، دین کے ٹھیکیداروں کو اپنا رب سمجھ لیا کہ ہماری ساری حاجات یہ پوری کرتے ہیں جب انہیں اپنا حاجت روا سمجھ لیا تو پھر جو کچھ انہوں نے کہا اسے قبول کرتے چلے گئے انہیں ان سے ایسی عقیدت ہو گئی کہ وہ یہ سمجھنے لگے کہ اس کے کہنے سے مجھے رزق ملتا ہے، اس کے چاہنے سے میری اولاد پھلتی پھولتی ہے، اس کے چاہنے سے یا اس کے کرنے سے میرا کاروبار ترقی کرتا ہے یاد رہے کسی کی بات اللہ کے حکم کے خلاف مانی جائے تو یہی شرک ہے۔ اور اگر کوئی اللہ کی بات بتاتا ہے تو وہ تو عالم دین ہے۔

کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات ہم تک پہنچاتا ہے تو اس کا ہم پر احسان ہے وہ عالم دین ہے اس کی عزت واجب ہے اس کا احترام واجب ہے۔ یعنی عالم کا کام یہ ہے کہ وہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بات عوام تک پہنچائے جو ایسا کرتا ہے وہ دینی عالم ہے، واجب الاحترام ہے خوش نصیب ہے اور قابل عزت ہے۔

لیکن جو دین کے نام پر گمراہی پھیلاتا ہے اور اس سے مقصد چندے جمع کرنا، پیسے جمع کرنا، اپنا اقتدار بنانا، لوگوں کو اکٹھا کر کے اپنے لیے ایک مقام بنا لینا، لوگوں میں اپنی حیثیت منوا لینا، اغراض دنیاوی کے لیے دین کو استعمال کرتا ہے تو فرمایا یہ بہت بڑی گمراہی کا سبب بنتا ہے اور جب لوگ ایسے لوگوں کی بات مانتے ہیں تو پھر وہ گمراہ ہو جاتے ہیں پھر وہ اللہ کے احکام کی پروا نہیں کرتے لیکن ان لوگوں کی بات مانتے ہیں گویا انہوں نے اپنا پالنہار اللہ کی جگہ ان لوگوں کو بنا لیا ہے۔ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ اور مسیح ابن مریم یعنی عیسیٰؑ کی بھی انہوں نے پوجا شروع کر دی اور یہ نہ دیکھا کہ انہوں نے پیغام کیا پہنچایا تھا۔ حضرت عیسیٰؑ سے جو پیغام پہنچایا تھا وہ یہ تھا وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ انہوں نے ان کو حکم یہ دیا تھا کہ صرف اللہ واحدہٗ لاشریک کی عبادت کرو۔

ان آیات مبارکہ میں دو چیزیں خاص طور پر نمایاں کی گئی ہیں۔ فرمایا انہوں نے اپنے مشائخ اور علماء کو اپنا پروردگار بنا لیا ہے اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اللہ کو چھوڑ کر انہیں رب بنا لیا ہے۔ یعنی اللہ کے علاوہ کسی ہستی سے یہ

توقع وابستہ کر لینا کہ میری حاجت روائی، میری ضرورتوں کو پورا کرنا اس کا کام ہے تو گویا آپ نے اللہ کے علاوہ اس کو رب مان لیا ہے۔ پھر جسے رب مان لیا اس کی بات تو مانی گئی اور جو خود کو رب منوا لیتا ہے اس سے بڑا گمراہ کون ہے حالانکہ وہ جانتا ہے وہ خود مخلوق ہے۔ ظاہر ہے وہ اپنی پسند کی باتیں بتائے گا جس سے اس کو دولت ملتی ہے اقتدار ملتا ہے، پیسہ ملتا ہے۔ ہمارے ہاں تو اب یہ مثالیں عام ہیں کسی نہ کسی نام پر دولت جمع کی جارہی ہے، چندے جمع کئے جارہے ہیں، ڈھول باجے بجائے جارہے ہیں دین کے ساتھ مذاق ہو رہا ہے اور اسے ثواب اور نجات کا سبب سمجھا جارہا ہے۔

اطاعت ہی عبادت ہے:

تمام انبیاؑ نے اور حضرت عیسیٰؑ نے توحید باری کا حکم دیا تھا لیکن انہوں نے نبیؑ کو اللہ کا بیٹا مان لیا۔ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا حالانکہ اس کے سوا انہیں کوئی حکم نہیں دیا گیا کہ اس وحدہٗ لاشریک معبود کی عبادت کرو۔ گویا بات ماننا ہی عبادت ہے۔ اس میں یہ نکتہ بھی آ گیا کہ عبادت کیا ہے؟ عبادت اطاعت ہے۔ اگر اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق نماز ادا کرتے ہیں تو عبادت ہے۔ اسی طرح اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق باقی سارے کام بھی ہم سنت کے مطابق کرتے ہیں تو وہ سارے عبادت ہو جاتے ہیں حلال روزی جائز طریقے سے کمانا عبادت ہے۔ اپنے بیوی بچوں کی پرورش کرنا عبادت ہے۔

اپنے لیے گھر بنانا عبادت ہے، اپنا لباس بنانا عبادت ہے، حلال کما کر اچھا کھانا بھی عبادت ہے، سوتے وقت سونا عبادت ہے اور صلوٰۃ کے وقت صلوٰۃ ادا کرنا عبادت ہے، روزے کے وقت روزہ عبادت ہے، افطار کے وقت افطار عبادت ہے، روزے کے وقت کچھ نہ کھانا عبادت ہے، افطار کے وقت کھانا عبادت ہے عبادت کسی ایک فعل کا نام نہیں ہے بلکہ عبادت زندگی کے تسلسل کا نام ہے کہ جہاں اللہ کی اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت ہوگی وہاں عبادت ہوگی اور جہاں اللہ معاف کرے خدانخواستہ اللہ اور اللہ کے رسول کے علاوہ کسی دوسرے کی اطاعت آجائے گی تو یہ غیر اللہ کی عبادت ہوگی ایک ہوتی ہے حاکم کی یا حکومت کی وہ بات ماننا جو شرعاً بھی درست ہے، کسی بڑے کی یا استاد یا ماں باپ، دوست کی وہ بات ماننا جو شرعاً درست ہے وہ ماننا درست ہے۔ لیکن کوئی بھی ہو اس کی وہ بات ماننا جو شریعت کے خلاف ہے یہ گویا ہم اس کی عبادت کر رہے ہیں یہاں سے شرک بھی شروع ہو گیا اور کفر بھی اس میں داخل ہو گیا کہ اللہ کے حکم کو چھوڑ کر کسی دوسرے کی بات مانی جائے تو گویا آپ نے اسے اپنا رب اور پروردگار مان لیا ہے اور آپ گمراہی میں پڑے گئے حالانکہ حکم یہ ہے کہ اللہ وحدہٗ

لاشریك کی عبادت کی جائے اس لیے کہ لا الہ الا ھو اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق ہے ہی نہیں۔ یعنی سادہ سی بات ہے ایک ہستی اللہ کریم کی ہے جو عبادت کے لائق ہے جس کا حق ہے کہ اس کی ساری مخلوق اس کی اطاعت کرے اور اس کی اطاعت ہی عبادت ہے۔ سورج کی عبادت طلوع وغروب ہے، چاند کی عبادت چاندنی بکھیرنا ہے، بادلوں کی عبادت بارش برسانا ہے، ہوا کی عبادت چلنا ہے۔ ہر ذرہ اس کے حکم کی اطاعت کر رہا ہے اس کی عبادت کر رہا ہے۔ بندے کے لیے یہ بات مسئلہ بن گئی ہے کہ اسے فیصلہ کرنے کا اختیار دے دیا گیا ہے اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا (الدھر:3) اللہ کریم فرماتے ہیں تمہارے پاس مہلت ہے فرصت ہے اور اجازت ہے۔ چاہو تو شکر کا راستہ اپناؤ، چاہو تو ناشکری کا۔ زندگی ختم ہو جائے گی موت آجائے گی، حساب کتاب شروع ہو جائے گا۔ شکر کرو گے اس کا اجر پاؤ گے ناشکری کرو گے اس کی سزا پاؤ گے۔ اب یہ تھوڑا سا جو وقت زندگی کا ہے بلوغت سے لے کر موت تک اس میں وقت بہت تھوڑا ہے۔ کچھ عمر بچپن لڑکپن میں عمر گزر گئی اس کا کچھ ہوش ہی نہیں۔ جب بالغ ہوئے آدھی عمر راتوں میں سوتے بسر ہو گئی بقیہ آدھی بچی وہ مصیبتیں جھیلنے اور روزی تلاش کرتے گزر گئی تو اس تھوڑے سے وقت میں زندگی کا ہر کام کرنے کی اجازت ہے۔ روزی کمائے، گھر بنائے، شادی کرے، اولاد پالے، دوستی دشمنی کرے جہاں لڑنا ہو لڑے، جہاں صلح چاہے صلح کرے، سارے کام کرے لیکن اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے اندر رہ کر کرے تو پھر سارے کام عبادت ہو جاتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کا مفہوم ہے کہ مومن کی دنیا بھی دین ہے مومن جو دنیا کے کام کرتا ہے وہ بھی اس کا دین ہے اس لیے کہ وہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق کرتا ہے اور اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہی تو دین ہے اور کافر کا دین بھی دنیا ہے یعنی کافر نے جو چند رسومات دین کے نام پر بنا رکھی ہیں ان کی ہر رسم کے ساتھ بھی اس نے نتھی کر رکھا ہے کہ یہ کروں گا تو صحت ملے گی، یہ رسم کروں گا تو اولاد ملے گی، یہ رسم کروں گا تو لوگوں میں مشہور ہو جاؤں گا، دولت ملے گی۔ یعنی کافر نے جو کچھ دین بنا رکھا ہے۔ وہ بھی دنیا ہے اور مومن کی دنیا بھی دین ہے۔ شرط یہ ہے کہ وہ دائرہ اطاعت کے اندر ہو۔ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی جائے تو پھر دنیا بھی دین ہے اور بنیادی بات جو ہر نبیؑ ہر رسولؑ نے ہر امت کو بتائی وہ یہ ہے کہ ان کو صرف یہ حکم دیا گیا تھا کہ لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا اللہ واحد کی عبادت کرو اور خلوص دل سے اللہ کی اطاعت کرو لا الہ الا ھو اس کے علاوہ کوئی ایسی ہستی نہیں ہے جس کی غیر مشروط اور ہمہ وقت اطاعت کی جائے۔ اللہ کے سوا کسی کو حق نہیں کہ اس کی عبادت کی جائے۔ اللہ کے علاوہ ساری کائنات مخلوق ہے۔ مخلوق کا کام عبادت کرنا ہے۔ اپنی عبادت کروانا نہیں ہے۔ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۳۱﴾ اور اس کی ذات پاک

ہے۔ بہت بلند ہے جو لوگ شرک کرتے ہیں ان کے شرک کرنے کا وبال خود ان پر آتا ہے اللہ کی توحید پر حرف نہیں آتا۔ اس کی شان میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔ اس کی شان ان کے شرک کرنے سے کم نہیں ہوتی۔ اس کی شان میں کوئی داغ نہیں آتا وہ پاک ہے، واحد ہے، لاشریک ہے اور ان کی باتوں سے بالاتر ہے۔ جو شرک کرتے ہیں وہ اپنے لیے مصیبت پیدا کر رہے ہیں اور اس کا اثر ان پر ہی آتا ہے۔

قرآن کریم کے نزدیک سب سے بڑی بیوقوفی سب سے بڑی جہالت یہ ہے کہ اللہ اور اللہ کے رسول صلیٰ اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی جائے۔ کوئی خواہ کتنے علوم پڑھا ہوا ہو، کتنا فاضل ہو، کتنی کتابیں یاد کر رکھی ہوں، کتنی ڈگریاں اور سندیں لے رکھی ہوں، جب وہ اللہ کی نافرمانی کرتا ہے تو اللہ کے نزدیک وہ بیوقوف ہے، جاہل ہے بلکہ علماء کے نزدیک ہر گناہ جہالت ہے خواہ کرنے والا کتنا پڑھا لکھا ہو اللہ کریم فرماتے ہیں میں نے انہیں عقل بخشی تھی شعور بخشا تھا یہ ایسے عقل و شعور سے عاری ہو گئے کہ **يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ** یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور یعنی دین اسلام کو پھونک مار کر بجھائیں۔ ان کا کردار، ان کے افکار، ان کی تحریریں، ان کی تقریریں، ان کے بیان، ان کے من گھڑت نظریئے، ان کے ایجاد بندہ قسم کے عقائد یہ سب دنیا کمانے کے لالچ میں، اپنی شہرت کے لالچ میں بدعات پھیلانے کا طریقہ ہے۔ یہ چاہتے ہیں کہ ان کی بنائی ہوئی انگل پچو چیزیں، دین پر غالب آجائیں اور اللہ کا نور دب جائے، نور اسلام دب جائے، اللہ کا دین ختم ہو جائے **يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ** یہ اللہ کے نور کو پھونک مار کر بجھانا چاہتے ہیں۔ دین میں بدعت داخل کرنا بھی ایسا ہی جرم ہے۔ دین کے مقابل ہے۔ یاد رہے جہاں بھی کوئی بدعت پیدا ہوتی ہے وہ کسی سنت کو گرا کر بنائی جاتی ہے۔ کام کرنے کا جو طریقہ سنت کے مطابق تھا اسے ختم کر کے وہاں بدعت کی بنیاد رکھی جاتی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **کل بدعۃ ضلالۃ** ہر بدعت گمراہی ہے **و کل ضلالۃ فی النار او کما قال** رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر گمراہی دوزخ میں لے جاتی ہے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں کہ یہ کیسے عجیب لوگ اور عقل سے عاری لوگ ہیں جنہیں یہ سمجھ نہیں کہ دین اسلام تو اللہ کا نور ہے یہ کوئی دیا، یا کسی تیل کا چراغ نہیں کہ پھونک مارنے سے بجھ جائے یہ تو اللہ کا نور ہے۔

نور اللہ:

اللہ واحد لاشریک ہے۔ قرآن پاک اس کا ذاتی کلام ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ آپ ﷺ کے ارشادات بھی وحی الٰہی ہے **وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝**

(النجم: 3-4) آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو ارشاد فرماتے ہیں وہ اللہ کی طرف سے وحی ہوتا ہے اس کے علاوہ حضور ﷺ کچھ نہیں فرماتے۔ وحی الٰہی تو اللہ کا نور ہے اس کی صفت ہے، اس کا کلام ہے تو اللہ کے نور کو تم پھونک مار کر کیسے بجھا دو گے۔ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کو تم رسوم و رواجات اور بدعات سے کیسے مٹا دو گے، یہ کیسے ممکن ہے؟ وَيَأْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ حالانکہ اللہ کا فیصلہ یہ ہے کہ وہ اپنے نور کو پورا فرمائے ویابی اللہ ان یتمہ نورہ اور اللہ پاک اپنے نور کو پورا کئے بغیر نہ رہیں گے۔ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ﴿۳۲﴾ خواہ یہ بات کافروں کو کیسی ہی بری لگے اللہ کا نور باقی رہے گا اور پورا ہو گا۔ اللہ کا دین باقی رہے گا، اللہ کا نور باقی رہے گا، اللہ کا نور اللہ کا دین تو لوح محفوظ میں باقی ہے، مسلمانوں میں باقی ہے تو پھر باقی رکھنے سے کیا مراد ہے؟ اس سے مراد ہے کہ اللہ نے اسے زمین پر باقی رکھنا ہے بلکہ بنی نوع انسان میں باقی رکھنا ہے تو کچھ انسان صحیح العقیدہ ہوں گے تو عقیدہ باقی رہے گا۔ کچھ انسان صحیح العمل ہوں گے تو عمل باقی رہے گا۔ کچھ انسان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرنے والے ہوں گے تو باقی رہے گا۔ تو کتنے ہی خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کو صحیح عقیدہ اور توفیق عمل نصیب ہے کہ اللہ نے ان لوگوں کو اسلام کی بقاء کا سبب بنا دیا کہ اسلام کو تو باقی رکھنا ہے۔ اپنے نور کو باقی رکھنا ہے۔

یہ وہم چھوڑ دیں کہ مغرب نے یہ کر دیا تو اسلام مٹ جائے گا یہ خطرہ دنیا داروں کو ہے۔ ہمارے ہاں جب ہمارے دنیا دار علماء کو کوئی مصیبت آتی ہے یا آمدن میں کمی محسوس ہوتی ہے یا کوئی اقتدار میں شریک نہیں کرتا تو پھر بڑا شور ہوتا ہے کہ اسلام خطرے میں ہے۔ یعنی وہ اپنے اقتدار، اپنے وقار، اپنے چندوں کو ہی اسلام کی حیات کا ذریعہ سمجھتے ہیں اور جو لوگ دین سے متعلق نہیں ہیں کُلی طور پر دنیا دار ہیں ان کے اقتدار پر حرف آتا ہے تو وہ شور کرتے ہیں کہ پاکستان خطرے میں ہے۔ گویا ان کا اقتدار میں رہنا پاکستان کی بقاء ہے اور انہیں اقتدار نہ ملے تو پاکستان خطرے میں ہے یہ تو دونوں جھوٹ ہیں۔ اللہ پاکستان کو بھی باقی رکھے گا۔ کسی فرد کے اقتدار میں آنے یا آنے سے اس کے باقی رہنے کا کوئی تعلق نہیں۔ اسے اللہ نے رکھنا ہے تو رہے گا اور دین کے متعلق تو یہ حتمی فیصلہ ہے کہ یہ ہمیشہ موجود رہے گا اور غالب رہے گا۔ دین پر عمل کرنے والے دنیا بھر کے مظالم برداشت کر لیں گے دین کا دامن نہیں چھوڑیں گے دین پر عمل کرتے رہیں گے اور مثالیں قائم کرتے رہیں گے۔ جانیں دیتے رہیں گے، مال خرچ کرتے رہیں گے، کوشش کرتے رہیں گے اور محنت کرتے رہیں گے۔ مشرکین تو ایسے بیوقوف لوگ ہیں یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو پھونک مار کر بجھا دیا جائے حالانکہ اللہ اپنے نور کو پورا فرمائے گا۔ خواہ کافروں کو کتنا ہی ناگوار گزرے یہ بات اس لیے کہ اللہ وہ ہے هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى اللہ وہ ہستی ہے جس نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ھُدٰی کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ ھُدٰی کے ساتھ بھیجا۔

ھُدیٰ کیا؟

ہر کام کے صحیح طریقے کو ھُدٰی کہتے ہیں۔عقیدہ صحیح ہو تو ھدیٰ، عمل صحیح ہو تو ھدیٰ۔ اسے یوں بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ ایک صفحے پر دو نقطے لگائے جائیں پھر مختلف خط کھینچ کر ان نقطوں کو ملایا جائے تو ان ساری لائنوں میں، ان سارے خطوط میں ایک خط، خطِ مستقیم ہوگا جو دونوں نقطوں کے درمیان سیدھا خط ہوگا باقی سب منحنی ہوں گے، ٹیڑھے ہوں گے بالکل سیدھا خط جس میں کوئی کجی نہیں ہوگی وہ صراط مستقیم ہوگا اور ہر کام کو کرنے کا صحیح طریقہ صراط مستقیم ہی ہے اور یہی ھدیٰ ہے ھدیٰ کو چھوڑ کر کسی بھی طریقے کو اپنائیں گے تو وہ طریقہ مشکل بھی ہوگا، لمبا بھی ہوگا غلط بھی ہوگا، اور جرم بھی ہوگا۔ تو گویا زندگی کا ہر وہ عمل صراط مستقیم ہے، خط مستقیم ہے، ھُدیٰ ہے جو حضور ﷺ کی سنت کے مطابق کیا جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے کے بغیر ہوگا وہ ھُدیٰ نہیں ہے وہ برائی ہے۔ اگر ہم اپنے ایک دن کا جائزہ لے لیں، اپنے معمولات کو دیکھیں تو ہم اندازہ کر سکتے ہیں کہ جتنے کام ہم نے کئے ان میں کتنے ھُدیٰ تھے کتنے گمراہی تھے۔ جتنی گفتگو ہم نے دن بھر کی ان میں ہدایت کتنی تھی۔ اور گمراہی کتنی تھی ایک بزرگ سے کسی نے عرض کی کہ حضرت مجھے اپنی اصلاح کا کوئی مجرب طریقہ، صحیح ترین، آسان ترین طریقہ بتا دیجیے میں چاہتا ہوں میری اصلاح ہو جائے انہوں نے فرمایا قلم اور کاپی لے لو۔ علی الصبح جب سو کر اٹھو جو کرو وہ لکھ لو جو بولو وہ لکھ لو رات سونے تک جو کام کرو وہ بھی اس پر لکھ دو جو بات کرو وہ بھی لکھ لو تو حساب کر کے دیکھ لینا کہ کتنے کام شریعت کے دائرے کے اندر کئے اور کتنے کام شریعت سے باہر نکلے ہوئے تھے۔ خلاصہ یہ کہ حضور ﷺ کی بعثت عالی کا مقصد ہی یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا دین تمام ادیان باطلہ پر غالب آئے۔ اس لیے کہ اسلام غالب ہو کر ہی رہتا ہے فرمایا، اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ھُدیٰ اور دین حق کے ساتھ مبعوث فرمایا لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ کہ تمام ادیان باطلہ پر اسے غلبہ نصیب ہو وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ۝۳۳ خواہ یہ بات مشرکین کو ناگوار ہی لگے۔

غلبہ اسلام دائمی ہے:

غلبہ اسلام دو طرح سے ہے۔ ایک ہے مادی غلبہ جیسے حکومت حاصل کر لی قبضہ کر لیا، طاقت حاصل کر لی۔ یہ آنے جانے والی چیزیں ہیں امتداد زمانہ سے ان میں تبدیلیاں آتی رہتی ہیں۔ بڑے بڑے فاتحین گزرے پھر ان کی اولادوں کے ہاتھوں سے ملک نکل گئے۔ بڑی بڑی سلطنتیں لوگوں نے بنائیں اور پھر طوائف

المللوکی کا شکار ہوکر ختم ہوگئیں ان کی جگہ کوئی اور آ گیا۔تو یہ جو مادی غلبہ ہے یہ بدلتا رہتا ہے ان میں تبدیلیاں آتی رہتی ہیں۔حقیقی غلبہ وہ ہے جو دلائل کے میدان میں حق و باطل کے میدان میں ہو۔اثبات حق کا وہ غلبہ دائمی اور ابدی ہوتا ہے۔وہ اپنے دلائل پر قائم ہوتا ہے اور دلائل ہمیشہ کے لیے قائم ہوتے ہیں تو قرآن کریم یا اسلام کے غلبے سے یہ بھی مراد لیا جاسکتا ہے کہ اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے لے کر قیامت تک حق کے ذریعے، اثبات حق کے ذریعے، دلائل کے ذریعے یہی واحد دین ہے جو غالب رہے گا۔اس کا مطلب ہوا کہ کسی نئے دین کی، کسی نئے نبی کی، کسی نئی کتاب کی ضرورت پیش نہیں آئے گی اور یہ بہت عظیم بات ہے۔اسلام سے پہلے انبیاء علیہم السلام جتنے بھی تشریف لائے وہ حق کے ساتھ تشریف لائے جتنی کتابیں اور صحیفے آسمان سے نازل ہوئے وہ حق کے ساتھ نازل ہوئے اور وہ حق رہے لیکن ان کی معیاد، ان کے اوقات معین تھے ان کے افراد بھی معین تھے۔انبیاء قوموں کی طرف مبعوث ہوتے اور ان کی مخاطب وہی قوم ہوتی اور اس مخصوص قوم کے حالات کے مطابق انہیں دلائل عطا فرمائے جاتے۔وقت گزرتا، قومیں دنیا سے نابود ہوجاتیں، ختم ہوجاتیں، کمزور ہوجاتیں، دوسری اقوام آجاتیں ان کی طرف دوسرے انبیاء آتے اور دوسری کتاب آجاتی وہ پھر اس قوم کے حالات کو زیر بحث لاتی اور یہ دلائل دیتی کہ کس طرح سے حق ثابت کیا جائے اور باطل کو نامراد یا ناکام کیا جائے لیکن جب نبی ﷺ مبعوث ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت عالی کسی خاص قوم یا کسی خاص وقت یا زمانے کے لیے نہیں تھی۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم ساری نوع انسانی کی طرف مبعوث ہوئے اور ہمیشہ کے لیے ساری نسل انسانی کے نبی اور رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔اب ہزاروں انقلاب آئیں کوئی قوم غالب آئے، کوئی قوم مغلوب ہوجائے کسی کی حکومت آئے، کسی کی گر جائے، نسل انسانی تو وہی ہے اور جب تک دنیا اللہ نے قائم رکھنی ہے جب تک وہ چاہے گا وہ رہے گی۔تو آیہ کریمہ سے مراد یہ ہے کہ ہم نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دو واضح چیزیں عطا فرما کر مبعوث فرمایا ایک ھُدٰی ہر کام کرنے کا صحیح طریقہ وہ کام عقائد ہوں عبادات ہوں یا معاملات ہوں۔معاملات کی آگے بڑی تفصیل ہے۔اس میں سیاسیات بھی آجاتی ہیں اقتدار و اختیار بھی آجاتا ہے، کاروبار بھی آجاتا ہے، تعلقات بھی آجاتے ہیں اور معاملات بھی آجاتے ہیں یہاں یہی فرمایا گیا کہ محمد رسول اللہ ﷺ زندگی کے ہر کام کو کرنے کا صحیح طریقہ لے کر مبعوث ہوئے ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری انسانیت کو سکھانا ہے یہ قیامت تک کے آنے والے انسانوں کے لیے ہے۔یہیں سے یہ بھی ثابت ہوا کہ کسی نئی نبوت یا نئی کتاب کی ضرورت باقی نہ رہی اس آیہ مبارکہ میں دوسری چیز دین حق بتائی گئی۔

دین حق کی بنیاد:

دین حق کی بنیاد کیا ہے؟ دین کی بنیاد عقیدہ ہے اور عقیدے کی سچائی ہوتی ہے عمل۔ یعنی حضور اکرم ﷺ نے صحیح عقیدہ بھی ارشاد فرمایا اور صحیح اعمال بھی عطا فرمائے کہ عبادات تو دین ہیں ہی دنیا کے کام یعنی معاملات بھی دین بن گئے وَدِيْنِ الْحَقِّ یعنی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت جس شعبے میں بھی کرے گا وہ سیاست میں ہو یا کاروبار تجارت میں، وہ دوستی دشمنی میں ہو یا تعلیم و تعلم میں۔ زندگی کے ہر شعبے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت عبادت شمار ہوئی اور دین حق قرار پائی۔ تیسری بات ارشاد فرمائی گئی کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت اور اسلام کا ظہور اس لیے ہوا ہے کہ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وہ تمام طرح کے مختلف ادیان جو لوگوں نے بنا رکھے ہیں ان پر اس کو غالب کر دے اور بحمد للہ روز اول سے قیامت تک غالب ہے اور غالب رہے گا۔ دنیا کا، انسانوں کا بنایا ہوا کوئی دین و مذہب اس کے مقابلے میں نہیں تھا اور نہیں ہے اس کے دلائل قطعی اور حتمی ہیں اور اس کی ضمانت اللہ کریم نے دی کہ یہ ہی غالب ہوگا وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ۝ خواہ وہ لوگ جو اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک بناتے ہیں ان کو یہ بات کتنی ہی ناگوار گزرے، کتنی ہی ناخوشگوار گزرے لیکن ایسا ہوگا، ایسا ہوا، ایسا ہو رہا ہے اور قیامت تک ہوتا رہے گا۔

ہمارے ہاں عموماً یہ نعرہ لگا دیتے ہیں کہ دین خطرے میں ہے یہ بنیادی طور پر غلط ہے۔ دین کی بقاء اور غلبے کی ضمانت تو اللہ نے دے دی۔ اس کا اللہ ضامن ہے اسے کون سا خطرہ ہے۔ خطرے میں ہم ہوتے ہیں کہ جب تک ہم دین کے ساتھ وابستہ و پیوستہ رہتے ہیں تو ہم بھی اس ضمانت سے فائدہ حاصل کرتے ہیں اور ہماری بقاء اسی سے قائم ہوتی ہے۔ جب ہم دین سے الگ ہوتے ہیں تو وہ ضمانت تو دین کے ساتھ دی گئی ہے جب ہم دین کو چھوڑ کر رسوم و رواجات میں کھو جاتے ہیں تو ہماری بقاء کی ضمانت باقی نہیں رہتی۔ ہم رسوا ہو جاتے ہیں، کمزور ہو جاتے ہیں، دوسروں کے غلام بن جاتے ہیں، کافروں کے دست نگر بن جاتے ہیں کافروں کے غلام ہو جاتے ہیں۔ تو خطرہ دین کو نہیں خطرہ ہمیں ہے کہ ہم دین کو چھوڑیں گے تو تباہ ہو جائیں گے۔ آج کا پڑھا لکھا طبقہ یہی سوال کرتا ہے کہ قرآن کہتا ہے اسلام غالب رہے گا لیکن مسلمان تو ساری دنیا میں رسوا ہو رہے ہیں۔ بظاہر تو یہ بڑا وزنی سوال ہے لیکن بالکل بچوں والا سوال ہے اسلام کو غالب رکھنے کی ضمانت، اسلام کو غالب رکھنے کی ضمانت، قرآن میں آئی ہے۔ اللہ کریم نے ضمانت دی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ضمانت دی ہے لیکن اسلام کو دی ہے کسی فرد، کسی نام، کسی انسان، کسی نسل یا کسی قوم کو نہیں۔

پریشانیوں کا سبب غیر اسلامی کردار:

اب اگر مسلمان کہلوانے والے اپنا نظام ہی وہ بنالیں گے جو غیر اسلامی ہے۔معاشی نظام غیر اسلامی ہو گا تو دولت کے معاملے میں غیر حقیقت پسندی آئے گی۔حصول انصاف میں ظلم در آئے گا۔ارتکاز دولت ہوگا۔ چند خاندان، چند لوگ امیر ہو جائیں گے،عوام غریب ہو جائیں گے،افلاس ہوگا۔اسی طرح اگر سیاسی عمل میں اسلام کو چھوڑ کر غیر مسلموں کی پیروی کی جائے گی تو حکومت عملاً اسلام سے باہر ہوگی۔جبکہ حکومت عوام کے تحفظ کے لیے ہے بنیادی طور پر حکومت کا کام ہی یہ ہے کہ ہر فرد کے حقوق کا تحفظ کرے۔بلکہ حکومت ذمہ دار ہوتی ہے کہ مسلم یا غیر مسلم کوئی بھی جو ملک کا شہری ہے اس کے حقوق متعین ہیں لہٰذا ہر ایک کے حقوق کا تحفظ کرے لیکن جب وہ اپنا انداز غیر اسلامی اپنالے گی تو اپنا کام نہیں کر سکے گی۔وہ جو ادارے انصاف کے لیے بنتے ہیں ان سے ظلم ہونا شروع ہو جائے گا۔آج کی تاریخ اور اپنے حالات کو دیکھیں تو جتنی پریشانیاں ہماری ہیں ان کا سبب ہمارا کردار ہے۔اسلام آج بھی غالب ہے۔اسلام ہمیشہ غالب رہے گا۔تو اس کا علاج آج بھی یہی ہے کہ ہم خود کو اسلام میں لے آئیں غلبہ ہمارا پھر مقدر ہو جائے گا ہم بھی غالب ہو جائیں گے ہم بھی خوشحال ہو جائیں گے۔

اقوام کی تباہی کا سبب:

پہلی قوموں کے پاس جو ادیان آئے وہ بھی تو حق تھے پھر وہ کیوں تباہ ہو گئیں فرمایا یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اے ایمان والو اس کی وجہ بھی سن لو جب قومیں تباہ ہوتی ہیں تو بنیادی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ان کے دینی رہنما تباہ ہوتے ہیں، سیاسی حکمران بعد میں تباہ ہوتے ہیں دینی رہنما پہلے تباہ ہوتے ہیں وہ عقائد میں، نظریات میں آمیزش کرتے ہیں وہ احکام و شرائع میں آمیزش کرتے ہیں تو فرمایا ان قوموں کی تباہی کا سبب یہ تھا کہ اِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَ الرُّهْبَانِ لَیَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَ یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ ان کے جو علماء و مشائخ تھے ان کے جو مذہبی رہنما تھے وہ بھٹک گئے۔اور وہ آخرت کی بجائے دنیا کی حرص میں مبتلا ہوئے۔دین بنیادی طور پر سبق دیتا ہے کہ ہم جو کام کر رہے ہیں اس میں آخرت کو مدنظر رکھیں۔روزی کما رہے ہیں تو خیال کریں میں کسی کا حق نہ چھینوں کہ میری آخرت تباہ نہ ہو جائے۔اپنا جائز رزق حاصل کروں۔تجارت سے کروں، مزدوری سے کروں، ملازمت سے کروں، کھیتی باڑی کروں معروف ذرائع سے رزق حاصل کروں کہ مجھے دنیا میں بھی آسانی ہو اور اس سے میری آخرت بھی سنور جائے۔لیکن آخرت کا تصور چھوڑ کر دنیا کی حرص میں مبتلا ہو جائے اور دینی رہنما عالم یا مشائخ یا علماء اس بات پر آجائیں کہ ہم دولت جمع کرتے رہیں خواہ جائز ملے یا

ناجائز ملے۔فرمایا یہ جو قومیں تباہ ہوئیں ان کے اکثر علماء و مشائخ جو تھے وہ لوگوں کا مال ناجائز طریقے سے کھا لیتے تھے جیسے دور حاضر میں رسومات ایجاد کر کے چندے جمع کئے جاتے ہیں، جلسے، جلوس کر رہے ہیں، عرس کر رہے ہیں گیارہویں کر رہے ہیں ان رسومات کے نام پر کروڑوں جمع کر لیے چند دیگیں پکا لیں، چند لوگوں کو کھلا دیں باقی خود رکھ لیا۔فتویٰ فروشی پر آ گئے۔

وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ کوئی راستہ پوچھنے آتا ہے تو بجائے اسے صحیح راستہ بتانے کے اس سے پیسے لے کر اسے غلط فتویٰ دے دیتے ہیں۔اب غلط فتویٰ دینا ایسا ہی ہے جیسا اللہ کی راہ سے روکنا اور کسی کو نیکی سے ہٹا کر غلط کام پر لگا دینا۔ان پہلی قوموں کے علماء و مشائخ میں یہ بیماری پیدا ہو گئی تھی کہ ان کا مقصد دولت دنیا بن گئی تھی۔وہ لوگوں سے جائز ناجائز طریقے سے پیسے لیتے، نذرانے جمع کرتے، رسومات میں چندے جمع کرنا ان کا مقصد بن گیا تھا کہ بس دولت جمع کرنی ہے کوئی مسئلہ پوچھنے آتا اس سے پیسے لے کر اسے حلال کر دیتے جو نہ دیتا اسے نہ دیتے تو گویا دو باتیں ان میں آ گئیں۔سب ہی ایسے نہیں تھے لیکن اکثریت ایسی ہی تھی كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ ان کے علماء و مشائخ کی اکثریت لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ لوگوں کا مال ناجائز طریقوں سے کھانے لگے وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اور اللہ کی راہ سے لوگوں کو روکنے لگے یعنی دولت لے کر دین بیچنے لگے، فتویٰ فروشی کرنے لگے اور حرام کو حلال اور حلال کو حرام کرنے لگے جس طرف سے پیسے ملے اس طرف کے جواز کا فتویٰ دے دیا تو جب دین کو چھوڑ کر بے دینی کو دین کا نام دے دیا گیا تو دو جرم ہوئے اللہ کا مجرم ٹھہرا اور مخلوق کو بھی اللہ کے دین سے روک دیا۔تو یہ ایسا جرم تھا جو اکثریت کا تھا لہٰذا قومیں تباہ ہو گئیں۔انہوں نے اتنا بڑا جرم کیا دولتیں جمع کر کے مر گئے۔حکمران تھے یا علماء تھے یا مشائخ تھے یا صاحب اقتدار تھے رشوت لی لوگوں کے حقوق پر ڈاکہ مار کر لاکھوں روپے جمع کر لیے سونے چاندی کے ڈھیر لگا لیے منوں ٹنوں کے حساب سے جمع کر لیا۔یاد رہے جو بندہ حصول زر کے ناجائز طریقے اپناتا ہے اس سے یہ امید نہیں رکھنی چاہیے کہ وہ دولت جائز طریقے سے خرچ کرے گا ایک اصولی بات ہے کہ جب وہ کمانے میں حلال حرام کی تمیز نہیں رکھتا تو خرچ کرنے میں وہ یہ تکلف کیوں کرے گا، پھر اس سے زکوٰۃ کیوں دے گا، پھر وہ یہ کیوں سوچے گا کہ اسے ناجائز کاموں پر خرچ کیوں نہ کروں۔ناجائز جگہوں پر خرچ بھی کرے گا یا جمع کر کے چھوڑ کے مر جائے گا۔جسے یہ خیال ہو کہ میری آخرت ضائع نہ ہو وہ دولت کمانے میں بھی جائز اور حلال وسائل اختیار کرے گا اور خرچ کرنے میں بھی اس کے مدنظر رضائے الٰہی ہو گی۔ایسی جگہ پر خرچ کروں اور اس طریقے سے خرچ کروں کہ

دولت کا ضیاع نہ ہو۔ فرمایا وہ جمع کر کے سونے چاندی کے ڈھیر چھوڑ کر مر گئے۔ وَلَا يُنۡفِقُوۡنَهَا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ ۙ جو حرام ذرائع سے حاصل کرتے ہیں وہ اسے پھر اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے اپنی مرضی سے خرچ کرتے ہیں ناجائز اور ناروا طریقوں سے خرچ کرتے ہیں تو ایسے لوگوں کے لیے فرمایا ۙ فَبَشِّرۡهُمۡ بِعَذَابٍ اَلِيۡمٍ ۝ اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم ایسا کرنے والے لوگوں کو دردناک عذاب کی خوشخبری دے دیجئے۔ بشارت کا لفظ طنزاً فرمایا گیا کہ انہیں یہ مبارک ہو انہیں بہت دردناک عذاب ہوگا۔ عذاب نام ہی تکلیف دکھ درد کا ہے۔ اس کے ساتھ دردناک کا اضافہ یہ انسان کو جھنجھوڑنے کے لیے کافی ہے کہ اس کے ساتھ دردناک عذاب ہوگا اور اس طرح سے ہوگا کہ ایک دن آئے گا يَّوۡمَ يُحۡمٰى عَلَيۡهَا فِىۡ نَارِ جَهَنَّمَ سونا چاندی دولت کے انبار اسے دوزخ کی آگ میں تپا کر فَتُكۡوٰى بِهَا اسے اس گرم سونے چاندی سے داغا جائے جِبَاهُهُمۡ ان کے چہرے ان کی پیشانیاں وَجُنُوۡبُهُمۡ اور ان کے پہلو وَظُهُوۡرُهُمۡ ؕ اور ان کی پیٹھ پر لگایا جائے گا یعنی وہ جو ناجائز اور ناروا دولت تھی اور جسے جمع کرتے کرتے مر گئے۔ اسلام دولت کمانے سے منع نہیں کرتا، حلال ذرائع سے دولت آئے اور ضرورت سے زائد جمع ہو جائے اسلام منع نہیں کرتا۔ منع کرتا تو اس پر زکوٰۃ کیوں ہوتی۔ زکوٰۃ اس دولت پر ہے جو آپ کے پاس ایک سال تک محفوظ رہی اور آپ کی ضرورت میں نہیں آئی جو آپ کے پاس اپنی ضرورت سے زائد سرمایہ ہے وہ ایک سال پڑا رہا تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔ یعنی اسلام ارتکاز دولت کے مخالف ہے۔ دولت ایک جگہ جمع ہو جائے تو اس کا چالیسواں حصہ اللہ کی راہ میں دینا فرض ہے۔ اگر وہ مسلسل پڑی رہی اور چالیس برس تک آپ نے خرچ نہ کی تو وہ تو آہستہ آہستہ ساری غرباء میں بٹ جائے گی۔ دنیا کے کسی معاشی نظام میں جمع شدہ سرمائے کو واپس معاشرے میں ایک نظم وضبط سے واپس لانے کا اور دولت کی گردش کا کوئی طریقہ موجود نہیں سوائے اسلامی معاشی نظام کے کہ حلال وسائل سے دولت کمائے اس کے پاس جمع ہو جائے، اس کی ضرورت سے زائد ہو تو اس پر سال گزرتے ہی اس کا چالیسواں حصہ غرباء میں تقسیم کرے تو یوں ارتکاز دولت نہیں ہوگا۔

حیثیت کے مطابق رہنا ادائے شکر ہے:

اگر دولت جمع کرنا منع ہوتی تو زکوٰۃ فرض کیوں ہوتی؟ دولت ناجائز وسائل سے جمع کرنا حرام ہے، چھین کر جمع کرنا حرام ہے ہمارے ہاں رواج بن گیا ہے کہ بندے اپنی پارسائی ظاہر کرنے کے لیے خواہ ان کے پاس پیسے ہوں بھی تو لباس ایسا رکھیں گے جو معمولی ہوگا، میلے جوتے پہن لیں گے، روکھا سوکھا کھائیں گے تاکہ

لوگ سمجھیں کہ یہ بہت پارسا ہیں یہ کوئی پارسائی نہیں ہے اللہ نے جتنی حیثیت دی ہے اس کے مطابق لباس سے نظر آنا یہ بھی اللہ کا شکر ادا کرنے کا طریقہ ہے فرمایا: وَاَمَّا بِنِعۡمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثۡ ﴿۱۱﴾ (الضحیٰ: 11) اللہ نے جو نعمتیں تمہیں دی ہیں وہ بیان کرو، وہ ظاہر کرو۔ یہ بھی اللہ کا شکر کرنے کا ایک طریقہ ہے۔ اگر نہیں ہے تو جو ہے اس سے مت گھبراؤ کپڑا سستا ہے تو صاف تو کر سکتے ہو۔ دھو کر پہن لو۔ جو چیز سستی ہے ٹھیک ہے لیکن ضروری تو نہیں ہے کہ اس پر کیچڑ لگا ہوا ہو۔ اسی کو صاف کر کے تو آپ پہن سکتے ہیں۔ اب تو ہر چیز میں دکھاوا ہے۔ آج کل رواج ہو گیا ہے کہ جس بندے کے پاس ایک لاکھ روپیہ ہو وہ اپنا حلیہ ایسا بناتا ہے جیسا ارب پتی ہے یعنی وہ ایسا نظر آنا چاہتا ہے جو وہ نہیں ہے یہ بھی حرام ہے اور صاحب حیثیت ہو کر مفلسی ظاہر کرنا یہ بھی حرام ہے جو حیثیت اللہ کریم نے دی ہے اس کے مطابق رہو۔

یہ جو لوگ ناجائز ذرائع سے پیسے جمع کرتے رہے ایک تو یہ قوموں کی تباہی کا سبب بنے، ان کی گمراہی کا سبب بنے آخرت میں وہ دولت دوزخ کی آگ میں گرم کر کے ان کی پیشانیوں پر ان کے پہلوؤں پر ان کی پیٹھوں پر داغا جائے گا اور یہ کہا جائے گا هٰذَا مَا كَنَزۡتُمۡ اس سے گھبراؤ نہیں یہ دولت ہی ہے یہ تم نے خود جمع کی۔ اپنے لیے یہ سارے اسباب تم نے جمع کیے كَنَزۡتُمۡ لِاَنۡفُسِكُمۡ تم نے اپنی جان کے لیے جمع کی تھی فَذُوۡقُوۡا مَا كُنۡتُمۡ تَكۡنِزُوۡنَ ﴿۳۵﴾ اب اس کا مزہ چکھو جو جمع کرتے رہے اس کا مزہ لو۔ یہ اس لیے بتایا جا رہا ہے، مقصد یہ ہے کہ اے مسلمانو! تم بھی ان جرائم میں ملوث نہ ہو جانا۔ تم بھی یہ نہ کرنا کہ تمہارے پیران عظام اور مشائخ کرام اور علماء کرام دولت جمع کرنے پر لگ جائیں۔ حلال حرام جہاں سے آئے پیسہ لیتے رہو جمع کرتے رہو اور لوگوں کو ناجائز فتوے دیتے رہو۔ جانتے بوجھتے ناجائز فتوے دیتے رہو اور دین بیچ کر دولت جمع کرتے رہو۔ تو یہ دو جرم ہوں گے۔ ایک تو تم قوم کو تباہی کی طرف لے جاؤ گے۔ قوم گمراہ ہو گی اللہ کے غضب کا شکار ہو گی اور آخرت تباہ ہو گی۔ اور اسی قوم کے سامنے تمہیں آخرت میں عذاب دیا جا رہا ہو گا۔ پھر وہاں تمہاری عزت اور آبرو کہاں جا رہی ہو گی جو بھرم تم نے آج بنا رکھا ہے اور رنگ برنگے لباس اور جبے اور ٹوپی پر پگڑی، پگڑی پر ایک چادر اور کیا کیا حلیے بنا رکھے ہیں۔ ان کا کیا ہو گا یہ تقدس کی علامتیں کہاں جائیں گی اور دوسرا یہ بڑی فکر کی بات ہے کہ علماء اور مشائخ دولت کے لالچ میں آ کر دین سے ہٹیں گے تو حکمران ان سے پہلے ہٹ جائیں گے کیونکہ انہوں نے ہی حکمرانوں کو جواز کے فتوے دینے ہیں اور پھر دین کے نام پر بے دینی اور بے حیائی آ جائے گی۔ یہ قومی تباہی کا سبب بنے گی۔ قوم کو زوال میں لے جائے گی۔ عذاب الٰہی کا شکار کر دے گی۔

زبوں حالی کا علاج:

قرآن حکیم جہاں معاشرے کی زبوں حالی کی نشاندہی کرتا ہے وہاں اس کا علاج بھی بتاتا ہے۔ اقوام عالم کے حالات بتا کر، ان کے قصے سنا کر، ان کی بدکرداری کا تجزیہ کر کے مسلمانوں کو عبرت دلاتا ہے، تنبیہ کرتا ہے کہ تم ان گناہوں سے بچ کر رہو اور اگر غلطی ہو جائے تو اصلاح کا راستہ دکھاتا ہے کہ توبہ کر لو۔ جو غلطیاں کر چکے ہو ان کی تلافی کر لو، اصلاح احوال کر لو اللہ حالات میں بہتری کر دے گا لیکن لوگ اس طرف نہیں آتے۔ ہر ایک کا مرکزی سوال یہ ہوتا ہے کہ اب اس کی اصلاح کی صورت کیا ہے، وہ بات بتاؤ جس سے اصلاح احوال ہو سکے۔ شہروں میں بدامنی ہے تو قیام امن کی صورت کیا ہے۔ ملک میں بدامنی ہے، اغوا برائے تاوان ہو رہا ہے، بم پھاڑے جا رہے ہیں، خودکش حملے ہو رہے ہیں جگہ جگہ لوگوں کو چن چن کر مارا جا رہا ہے تو یہ قتل عام جو ہو رہا ہے اس کا حل کیا ہے؟ سادہ سا حل ہے آج توبہ کر لو۔ آج اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نظام کو اپنا لو، آج انصاف کرنا شروع کر دو، آج عدل پر آ جاؤ، آج اپنا حق لو دوسروں کا حق چھیننا چھوڑ دو، آج کایا پلٹ جائے گی آج امن قائم ہو جائے گا۔ اور اگر ہم یہ چاہیں کہ جو ہم کر رہے ہیں یہی کچھ کرتے بھی رہیں اور امن قائم ہو جائے یہ کیسے ممکن ہے؟ حل تو بڑا سادہ اور سیدھا سا ہے لیکن یہ حل نہ کوئی بتانا چاہتا ہے نہ کوئی سننا چاہتا ہے۔ یہ بڑی عجیب بات ہے جب بندہ بیمار ہوتا ہے تو اس کے منہ کا ذائقہ بدل جاتا ہے اسے دودھ دیں تو وہ کہتا ہے کڑوا ہے۔ اسے کوئی پھل دیں تو وہ کہتا ہے یہ کڑوا ہے۔ مجھے پسند نہیں، مجھے قے آ جائے گی، میرا اس سے دل گھبرا رہا ہے تو دودھ میں یا اس پھل میں خرابی نہیں ہوتی وہ خرابی تو اس کے منہ کے ذائقے میں اس کے مزاج میں ہوتی ہے۔ ہم بھی اب اس جگہ پر پہنچ گئے ہیں کہ جب ہمیں توبہ کا کہا جائے تو ہمیں یہ بات کڑوی لگتی ہے کہتے ہیں تم یہ کیا پرانی باتیں لے بیٹھتے ہو، یہ کیا بات ہوئی، یہ کون سا حل ہے؟ لیکن مجبوری یہ ہے کہ اس کے علاوہ اور کوئی حل ہے ہی نہیں۔

ایک اعتراض:

ایک بڑی زوردار دلیل پیش کی جاتی ہے کہ بھئی وہ ممالک جو اللہ کو نہیں مانتے، جو رسول اللہ ﷺ پر ایمان نہیں لائے، جو قرآن کو نہیں مانتے ان ممالک میں تو یہ عالم نہیں ہے۔ وہ آسودہ حال بھی ہیں۔ ان کا ہر بندہ آسودہ حال بھی ہے اور وہاں اگرچہ جرائم تو ہوتے ہیں لیکن انصاف بھی ملتا ہے، عدالتیں بھی ہیں سب کچھ ہوتا ہے تو میری گزارش یہ ہے کہ ہر عمل کے دو نتیجے ہوتے ہیں ایک نتیجہ دنیا میں نظر آتا ہے دوسرا آخرت میں ملے گا ہم بات کرتے ہیں، پانی پیتے ہیں، کھانا کھاتے ہیں، کسی کو بھلا برا کہتے ہیں، کسی کو دعا دیتے ہیں اس سب کا ایک نتیجہ

دنیا میں سامنے آجاتا ہے ایک وہ ہے جو قیامت کے دن سامنے آئے گا۔ یہ جو فوری نتیجہ ہے اس کے لیے ایمان شرط نہیں ہے اگر کافر کو پیاس لگی ہے اسے ٹھنڈا پانی پلاؤ تو اس کی پیاس ختم ہو جائے گی۔ مومن نے پیا وہ بسم اللہ شریف پڑھ کر پیئے گا وہ پی کر الحمد للہ کہے گا اس نے پیاس بھی بجھائی، لذت بھی لی اور اس میں ثواب بھی لیا۔ اب کافر کا آخرت پر ایمان نہیں ہے اس کو آخرت میں کچھ نہیں ملے گا لیکن دنیاوی فائدہ اس کو ہوگا۔ یہ اقوام عالم جو آپ کو خوشحال نظر آتی ہیں انہوں نے اسلام سے یہ اصول لے کہ اپنے معاشرے میں نافذ کر دیئے۔ ان کی خوشحالی اسلام کے اصولوں کی مرہون منت ہے ورنہ ظہور اسلام سے پہلے ان اقوام کی تاریخ پڑھیں تو مورخ انہیں وحشی اور تہذیب سے عاری لکھتا ہے اقوام عالم نے مسلمانوں کی تاریخ پڑھی انہوں نے تلاش کیا کہ مسلمانوں کے عروج کا سبب کیا تھا چنانچہ وہ امور جو انہیں دنیاوی غلبے کا سبب نظر آئے وہ انہوں نے اسلام سے لے کر اپنا لیے۔ ورنہ یورپ والوں کو تاریخ The Cave man لکھتی ہے۔ غاروں میں رہنے والے لوگ امریکہ اور مغربی دنیا کو The wild wild west لکھتی ہے یعنی وحشی، جنگلی، تہذیب سے بے بہرہ اور اسے تاکیداً دو بار دہراتی ہے۔ اب اگر ان کی عدالتوں میں انصاف ہوتا ہے تو انصاف انہوں نے کہاں سے سیکھا؟ مدینہ منورہ سے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ اگر وہ رشوت نہیں لیتے ہر ایک کا کام جائز طریقے سے کر دیتے ہیں تو یہ طریقہ انہوں نے اسلامی اقدار سے سیکھا۔ تو جہاں جہاں وہ ترقی کر رہے ہیں وہاں وہاں انہوں نے اسلامی اقدار اپنالی ہیں۔ وہ انہیں آخرت میں فائدہ دیں نہ دیں دنیاوی فائدہ تو دیں گی۔ میرا ایک عزیز سترہ برس برطانیہ میں رہا۔ اکاؤنٹس کا آدمی تھا اکاؤنٹس کے شعبے میں رہا۔ برطانیہ ویلفیئر سٹیٹ ہے تو ویلفیئر کے جتنے ان کے قوانین ہیں کہ غریبوں کی مدد کی جائے، بے گھر بندے کو گھر دیا جائے، مجبور انسان کا علاج معالجہ کیا جائے، بے روزگار کو پنشن دی جائے جب تک اسے روزگار نہیں ملتا بیروزگاری الاؤنس دیا جائے ان کے بارے وہ یہ کہتا تھا کہ ہم اسے اپنی دفتری زبان میں Omer's law کہتے تھے۔ ان قوانین کو وہ حضرت عمرؓ کی طرف منسوب کرتے تھے کہ یہ حضرت عمرؓ کے قوانین ہیں جو ہم نے اپنا رکھے ہیں۔ تو جہاں جہاں انہوں نے اسلامی اقدار کو اپنایا ہے وہاں وہاں دنیا میں تو وہ خوشحال ہوں گے۔ اب یہ جو چرچل کا مقولہ مشہور ہے کہ لندن شہر تباہ ہو گیا تھا اور وہ زیر زمین ریلوے میں گھسنے پر مجبور ہو گئے تھے کہ شہر میں کوئی عمارت سلامت نہیں رہی تھی۔ چرچل کو وزیر اعظم بنایا گیا تو اسے کسی نے کہا کہ بھئی برطانیہ تو ختم ہونے کو ہے تو اس نے کہا ایک بات بتاؤ کیا ہماری عدالتیں انصاف کر رہی ہیں؟ اس نے کہا بیشک اس نے کہا برطانیہ پھر ختم نہیں ہوتا۔ جب تک انصاف ہے یہ قائم رہے گا۔ لیکن یہ انصاف

انہوں نے کہاں سے لیا؟ بعثت آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت برطانیہ کہاں تھا اور یورپ کہاں تھا؟ انہیں تو تاریخ لکھتی ہے ''غاروں میں رہنے والے لوگ'' یہ پہاڑوں میں غاریں کھود کر ان میں رہتے تھے۔ انہیں نہ لباس کا شعور تھا نہ مکان بنانے کا شعور تھا۔ انصاف کہاں سے آجائے گا۔ تو ہمارے نام نہاد دانشوروں کو ایسے سوال کرنے سے پہلے یہ دیکھ لینا چاہیے کہ وہ قومیں صرف اس شعبے میں خوشحال ہیں جہاں انہوں نے اسلامی اقدار اپنائی ہیں اور جہاں انہوں نے اسلامی اقدار نہیں اپنائیں وہاں وہ بھی ذلیل ہورہے ہیں۔ ان کا معاشی نظام سودی ہے وہ ارتکاز دولت کو نہیں روک سکتے۔ برطانیہ اور امریکہ کے بڑے بڑے شہروں میں لندن اور نیو یارک میں بھی میں نے دیکھا ہے کہ آدھے سے زیادہ آبادی تو فٹ پاتھوں پر سوتی ہے پارکوں میں رات کو پڑی ہوتی ہے ان کے پاس مکان تک نہیں اور آدھوں کے پاس اتنی دولت ہے کہ انہیں پتہ ہی نہیں۔ اسی طرح اسلام نے شراب کو حرام کیا وہ شراب کی تجارت کرتے ہیں اس معاملے میں انہیں کیا ملا ہے اب وہ دیکھ رہے ہیں کہ وہ اس کے ہاتھوں تباہ ہورہے ہیں اسے روک نہیں سکتے۔ مرد و عورت کے تعلقات کے بارے انہوں نے اسلامی قوانین کو نظر انداز کیا تو اب نہ کسی کی آبرو ہے نہ کسی کی عزت ہے نہ کسی کا گھر ہے نہ باپ ہے نہ بیٹی ہے نہ بہن ہے نہ بھائی ہے معاشرے میں یا صرف مرد ہیں یا عورتیں ہیں کوئی کسی کا کچھ نہیں لگتا۔ جہاں جہاں انہوں نے اسلامی اقدار کو چھوڑا ہے وہ خوار ہیں بلکہ ایک مغربی مفکر کا قول ہے کہ بڑی بڑی قوموں کے بیڑے عورتوں کے ہاتھوں شراب کے مٹکے میں ڈوب گئے۔ یعنی اپنے اس کردار کے نتیجے تک وہ خود بھی پہنچ گئے ہیں کہ جہاں جہاں انہوں نے عملی زندگی میں اسلام کا دامن چھوڑا ہے وہاں وہ بھی دنیا میں ذلیل و رسوا ہورہے ہیں۔ تو جہاں جہاں انہوں نے بھی خلاف اسلام اقدار بنائی ہیں وہاں وہاں وہ بھی ذلیل و رسوا ہورہے ہیں لیکن ہمارے دانشوروں کی نظر ادھر نہیں جاتی انہیں اسلام پر طنز کرنے میں لذت آتی ہے جس طرح شراب ایک انتہائی بدبودار اور غلیظ چیز ہے اس کا ذائقہ تلخ اور نہایت کڑوا ہوتا ہے لیکن شراب پینے والوں کو اس میں لذت ملتی ہے۔

شرابیوں کو وہ کڑوا ذائقہ بھی مزا دیتا ہے اور وہ بدبو بھی برداشت کر جاتے ہیں جب مزاج مسخ ہو جاتے ہیں تو برائی اچھائی لگنے لگ جاتی ہے، اچھائی برائی لگنے لگ جاتی ہے، کڑواہٹ میٹھی لگ جاتی ہے اور وہ بدبو انہیں اچھی لگنے لگ جاتی ہے۔ مزاج بدل جاتے ہیں مزاج تباہ ہو جاتے ہیں۔

اللہ کریم نے یہ نقشہ کشی اس لیے فرمائی کہ اے مسلمانو علماء و مشائخ کا مقام یہ ہے کہ وہ سفیر ہیں محمد رسول اللہ ﷺ کے۔ یہ بہت بڑا اعزاز ہے۔ کسی ملک کا کوئی سفیر اپنی حکومت کی منشاء کے خلاف کام نہیں کر سکتا بارگاہ رسالت کے سفیر ہیں تو جو ان کے منہ سے نکلے جو عمل یہ کریں اس کی سند بارگاہ رسالت سے ملنی چاہیے

اور اگر یہ ایسا نہ کریں تو تم اللہ کا خوف کرو شخصیت پرستی میں نہ لگ جاؤ حق پرستی پر رہو۔ کوئی بڑے سے بڑا بزرگ بنتا ہے لیکن وہ خلاف شریعت عمل کرتا ہے یا کرنے کو کہتا ہے تو چھوڑ دو صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات مانو چونکہ سفیر ہوتا ہے کہ اپنے آقا یا اپنے امیر کی بات آگے پہنچائے اپنی مرضی سے نہیں کرسکتا۔ علماء و مشائخ سفیر ہوتے ہیں اگر تم لوگ بھی ان کی غلط باتیں ماننے لگ جاؤ گے تو پھر تباہ تم ہی نے ہونا ہے انہیں اور حوصلہ مل جائے گا یہ اور کھل کھلیں گے اور تمہاری تباہی کا سبب بن جائیں گے۔ ارشاد فرمایا کہ پھر نتیجہ بھی سن لیں اللہ کی مخلوق کو گمراہ کرنے کا اور ناجائز وسائل سے دولت جمع کرنے کا پھر انجام بھی سن لیں کہ رہنے کو جہنم ملے گا۔ اور جہنم میں عذاب اور جلنا وہ سب کچھ ہوگا اس کے علاوہ اس ناجائز و ناروا دولت کو اور سونے چاندی کے ڈھیروں کو گرم کرکے اس سے انہیں داغا بھی جائے گا اور ساتھ یہ کہا جائے گا کہ مزے کرو اب اس دولت کا مزا لو جو تم نے ناجائز وسائل سے جمع کی تھی۔ اس میں ہمارے لیے سبق ہے کہ ناجائز وسائل سے پیسے جمع کرتے ہیں تو ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ ہم کتنا بڑا ظلم کررہے ہیں دوسرے کا حق چھین رہے ہیں۔ دوسروں کی گمراہی کا سبب بن رہے ہیں۔ اللہ کی راہ سے لوگوں کو روکنے کا سبب بن رہے ہیں۔ **الامان والحفیظ** یہ ایسے جرائم ہیں۔ بعض جرائم ایسے سخت ہوتے ہیں کہ ان سے توبہ کی توفیق بھی سلب ہو جاتی ہے۔

اللہ کریم ہمیں معاف فرمائے۔ اپنی اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی توفیق عطا فرمائے ہمیں، ہمارے بڑوں کو، علماء کو، حاکموں کو سب کو ہدایت پر رکھے۔ آمین

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ؕ فرمایا، بے شک مہینوں کی گنتی اللہ کے نزدیک اللہ کی کتاب میں بارہ ماہ ہے ایسا تب سے ہے جب سے اللہ نے زمین و آسمان بنائے ان میں سے چار مہینے خاص ادب کے ہیں۔

گزشتہ آیت میں احبار و رہبان کی بات چل رہی تھی کہ یہ رسومات ایجاد کرتے دین سے دنیا کمانے کا حیلہ کرتے جو لوگوں کی گمراہی کا سبب بن جاتا۔ لوگ انہیں اپنا حاجت روا اپنا مشکل کشا سمجھ لیتے اور اللہ کو چھوڑ دیتے ہیں جب دین میں بدعات خرافات آجاتی ہیں تو دین رخصت ہو جاتا۔ پھر ان بدعات و رسومات کو دنوں اور مہینوں سے جوڑ لیتے کہ یہ رسم اس ماہ میں ہوگی، یہ رسم فلاں دن کو ہوگی، یہ فلاں رات کو ہوگی۔ تو فرمایا مہینوں کی تعداد جب سے اللہ کریم نے کائنات تخلیق کی ہے بارہ مقرر کی ہے۔ یہ نہیں کہ اس امت میں بارہ مہینے ہیں اور پہلی کسی امت میں تیرہ تھے۔ فرمایا جب سے کائنات تخلیق فرمائی، جب سے سورج چاند زمین کی گردش وجود میں آئی ہے، جب سے سورج طلوع ہو رہا ہے، جب سے زمین گردش کر رہی ہے تو ان کی گردش کو ایسے انداز سے متعین

فرمایا گیا ہے کہ سال کا عرصہ بارہ مہینوں پر تقسیم ہو گیا ہے اور لوح محفوظ میں بھی بارہ مہینے ہی درج ہیں۔

انسانی تخلیق بہت بعد میں ہوئی زمین پر پہلے جنات آباد رہے یا جانور رہے۔ پھر جب انسان آیا تو مہینوں کی یہ تعداد اس کے آنے سے پہلے سے تھی۔ اس تعداد کا تعلق گردش ارضی وسماوی یا سیارگان کی گردش سے ہے۔ زمین کی گردش سے یہ دن رات بنے، دن اور راتیں شمار ہو کر ہفتے اور ہفتے مہینوں میں تبدیل ہوئے تو فرمایا جب سے اللہ کریم نے یہ کائنات تخلیق فرمائی ہے تو سورج چاند زمین ان کی گردش ان کی رفتار تب سے ایسی مقرر کی گئی ہے کہ سال کی تقسیم بارہ مہینوں میں ہو جاتی ہے اور یہی لوح محفوظ میں بھی درج ہے۔

تخلیق کائنات کا مقصد:

مہینوں، دنوں کے شمار میں بھی تخلیق انسانی کا مقصد پنہاں ہے کہ تخلیق بعد میں ہوئی اور کائنات کے پورے نظام کا فیصلہ اس کی تخلیق سے پہلے کر دیا گیا تھا۔ حدیث شریف میں بعض جگہ اس طرح کے ارشادات ملتے ہیں کہ جو کچھ تھا، جو ہونا ہے، جو ہوگا سب کچھ لکھ دیا گیا اور سیاہی خشک ہو گئی۔ تخلیق انسانی یا تخلیق کائنات سے پہلے اللہ کریم نے یہ پورا پروگرام لوح محفوظ میں درج فرما دیا کہ سورج کیا ہوگا، اس سے حاصل کیا ہوگا، چاند کیا ہوگا، ستارے سیارے کیا ہوں گے، زمین کیا ہوگی، اس پر روئیدگی کیا ہوگی، اس پر کب تک انسان پیدا ہوگا، وہ کب تک رہے گا؟ ایک ایک فرد کی ایک ایک جزوی بات درج کر دی گئی۔ فرمایا تب سے مہینوں کی تعداد بھی بارہ مقرر کر دی گئی تھی۔ اور اجرام فلکی اور سماوی اسی طرح سے گردش کرتے ہیں کہ سال کے بارہ مہینے چل رہے ہیں۔ اب ان مہینوں میں **مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ** ؕ چار مہینے حرمت والے ہیں یعنی خاص ادب والے ہیں۔ یہاں سے یہ نکتہ بھی نکلتا ہے کہ کائنات کی تخلیق کا مقصد اپنی شاہکار تخلیق انسان کی خدمت ہے اور تخلیق انسانی کا مقصد معرفت الٰہی ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد باری ہے **وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ**۝ (الذریت:56) ہم نے انسانوں اور جنات کو اپنی معرفت کے لیے پیدا فرمایا۔ حدیث قدسی میں آتا ہے ارشاد باری ہے کنت کنزا مخفی میں ایک پوشیدہ خزانہ تھا۔ **فاحبت ان اعرف** مجھے یہ بات پسند آئی کہ کوئی مجھے جاننے والا بھی ہو۔ میری مخلوق میں کوئی مخلوق ایسی بھی ہو جو مجھے پہچانے جانے اور جان پہچان کر اپنی پسند سے میری اطاعت کرے۔ یوں تو کائنات کا ذرہ ذرہ اس کے حکم کا پابند ہے۔ ساری مخلوق پیدا ہونے، مرنے، صحت، بیماری، قد کاٹھ، طاقت، علم قل شعور میں سب میں حکم الٰہی کی پابند ہے۔ ساری کائنات میں اللہ کے نزدیک عقل وشعور بھی ہے۔ ہر ذرہ اللہ سے بات کرتا بھی ہے، بات سنتا بھی ہے، اللہ کی اطاعت کرتا بھی ہے۔ سورج، چاند، ستارے

زمین آسمان وعرش، جنت دوزخ ہر چیز اللہ سے تو بات بھی کرتی ہے، اللہ کی بات سنتی بھی ہے اور اپنی جو ذمہ داری اللہ نے دی ہے وہ ادا بھی کرتی ہے۔ لیکن ساری مخلوق فرشتوں سمیت حاکم کی اور اس کے حکم کی اطاعت کرتی ہے۔ اور یہ سوال نہیں کر سکتی کہ حاکم کون ہے اور کیسا ہے؟ یہ ان کی جرأت سے باہر ہے۔ یہ سوال مخلوق میں سے کوئی نہیں کر سکتا۔ اللہ کریم فرماتے ہیں میری ذات ایسی تھی جیسے کوئی پوشیدہ خزانہ ہوتا ہے۔ حکم کی اطاعت تعمیل ارشاد ہو رہی ہے لیکن حکم کس کا ہے وہ ہستی کیسی ہے اس کی شان کیا ہے اس کی ذات کیسی ہے اس کی صفات کیا ہیں اس کی جرأت کسی کو نہیں تھی فاجبت ان اعرف میں نے یہ بات پسند فرمائی کہ مخلوق میں کوئی ایک تو ایسی مخلوق ہونی چاہیے جو مجھے پہچانے یہ ساری مخلوق پتا پتا ذرہ ذرہ بغیر مجھے جانے میرے حکم کی اطاعت کر رہا ہے تو ایک مخلوق ایسی بھی ہونی چاہیے جو مجھے پہچانے میری عظمت سے آشنا ہو اور پھر اس کا دل فیصلہ کرے کہ نہیں اس ہستی کے سامنے سر بسجود ہونا چاہیے اس کی نافرمانی نہیں کرنی چاہیئے اس کا حکم بسر چشم قبول کرنا چاہیے۔ ایسی مخلوق بھی ہو خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ تو میں نے ایسی مخلوق کو پیدا کر دیا انسان کو پیدا کر دیا۔ انسان میں معرفت الٰہی کی استعداد کو اجاگر کرنے کے لیے نبیؑ بھیجے۔ نبوت نسل انسانی کو عطا کی گئی۔ نبوت میں سارے کمالات اللہ کی طرف سے آتے ہیں۔ نبیؑ اپنے عہد کا سب سے بڑا عالم ہوتا ہے۔ سب سے بڑا محقق، سب سے بڑا سائنسدان، سب سے بڑا حکمران، سب سے بڑا سیاسی لیڈر، یعنی نبیؑ اپنے عہد کا بہترین انسان ہوتا ہے ساری صفات اس ایک ہستی میں آ کر جمع ہو جاتی ہیں اور کمال یہ ہے کہ اللہ کا نبیؑ اللہ کے علاوہ کسی سے کچھ نہیں سیکھتا دنیا میں اس کا کوئی استاد نہیں ہوتا۔ کسی فرد سے کچھ حاصل نہیں کرتا۔ نبوت چیز ہی ایسی ہے کہ نبوت میں سب کچھ وہبی طور پر اللہ کی طرف سے عطا ہوتا ہے۔ ہر نبیؑ جس قوم یا جس مخلوق کی طرف مبعوث ہوتا ہے ان کی ساری مادی اور روحانی ضروریات سے واقف ہوتا ہے ہر نبیؑ کو جس قوم کی طرف یا جتنے لوگوں کی طرف مبعوث فرمایا جاتا ہے ان کی ساری ضروریات کا اور ان ضروریات کو پورا کرنے کا علم دیا جاتا ہے۔ ہر نبیؑ کے پاس اپنی ذمہ داری کا پورا علم ہوتا ہے۔ نبیؑ پر اگر صحیفہ یا کتاب آتی ہے تو اللہ کی طرف سے آتی ہے اس کو سنتا صرف نبی ہے۔ اس کو بتاتا صرف نبیؑ ہے اور اس کا مفہوم بھی صرف نبیؑ متعین فرماتا ہے۔

انسان کو معرفت الٰہی نبوت کے طفیل ملی:

تو یہ جو نبوت انسانوں میں آئی اس کے طفیل تمام نسل انسانی میں یہ استعداد آ گئی کہ اللہ کی ذات اور اس کی صفات کو پہچانے۔ نبیؑ اللہ کو اس طرح پہچانتا ہے جیسا پہچاننے کا حق ہے لیکن نبیؑ کے طفیل ہر انسان میں یہ

خصوصیت ودیعت ہوگئی کہ جب نبوت انسانوں میں آئی تو انسانوں میں معرفت الٰہی کی استعداد پیدا ہوگئی۔اب جو امتی اپنے نبیؐ کے دامن کو تھام لے گا اور برکات نبوی حاصل کرلے گا اسے اللہ کی معرفت نصیب ہوجائے گی، اس کی ذات اس کی صفات کو اپنی حیثیت کے مطابق پہچاننے لگے گا۔یہ یادرہے کہ ہر فرد کی استعداد اپنی ہوتی ہے وہ اپنی حیثیت کے مطابق اسے پہچانتا ہے ہیرے کو ایک عام آدمی اپنی نظر سے دیکھتا ہے اور ایک جوہری اپنی جوہر شناس نگاہ سے دیکھتا ہے۔عام آدمی کو ہیرا بھی کانچ کا ٹکڑا لگتا ہے۔کسی دوسرے کو ہیرا ایک نہایت قیمتی جواہر لگتا ہے اور جوہری اس کی کوالٹی اس کی اقسام، اس کی تمام نزاکتوں اور باریکیوں سے واقف ہوتا ہے۔

اسی طرح معرفت الٰہی بھی ہر فرد کو اس کی اپنی استعداد کے مطابق نصیب ہوتی ہے۔ایک عام آدمی کی معرفت اور ہے ایک عالم کی معرفت اور ہے ایک ولی اللہ کی معرفت اور ہے اور نبیؐ کی معرفت کامل اور مکمل ہے۔لیکن معرفت میں حصہ تمام انسانوں کو مل سکتا ہے ہرامت نے اپنے نبیؐ کے دامن سے لینا ہے۔اب اس کے لیے اللہ کریم نے دو طریقے مقرر فرمائے ہیں۔اوقات بھی تقسیم فرمادیئے اور کام بھی تقسیم فرمادیئے اور دونوں کا حاصل معرفت الٰہی ہے۔اوقات تقسیم فرمادیئے جیسے سال کے بارہ مہینوں میں سے چار مہینے قابل احترام ہیں ان مہینوں میں جنگ نہ کی جائے۔اگر ہورہی ہے تو جنگ روک دی جائے اور میں معرفت الٰہی کے حصول کے لیے ان مہینوں میں کثرت سے عبادت کی جائے، صدقات دیئے جائیں۔مہینوں کے بعد ہفتے اور دن آئے۔جمعۃ المبارک کا دن مقرر کردیا کہ جمعۃ المبارک ہو تو جمعۃ المبارک کی تیاری کی جائے۔بڑی تیاری کے ساتھ خطبہ پڑھا جائے۔عظمت الٰہی بیان کی جائے فضائل پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام پر بات ہو اور اللہ کے کلام کی بات کی جائے اور دو خطبے پڑھیں جائیں۔یہ دو خطبے ظہر کی چار رکعتوں کے قائم مقام ہوتے ہیں۔اسی لیے یاد رکھیں جب خطبہء جمعہ شروع ہوجائے تو سنتوں کی نیت نہیں کرنی چاہیے جمعہ ادا کرکے اگر سنتیں رہ جائیں تو بعد میں ادا کرلے۔کوئی پڑھ رہا ہے اور خطبہ شروع ہوگیا تو اور بات ہے۔اگر خطبہ شروع ہوگیا تو سنت کی نیت نہ کرے کہ یہ نماز کی دو رکعتوں کے قائم مقام ہیں۔اس ایک دن کو ہفتے میں افضل قرار دیا۔اس کی عبادت کا ثواب بھی زیادہ ہے۔حکم ہے کہ جب جمعہ کے لیے بلایا جائے تو کاروبار بند کردو اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ؕ (الجمعۃ:9) کاروبار چھوڑ دو اور اللہ کی یاد کی طرف دوڑو، جلدی سے آجاؤ۔اسی طرح دن میں پانچ وقت خاص کردیئے گئے فجر، ظہر، عصر، مغرب، عشاء کہ ہر دن میں یہ پانچ وقت اللہ کو سجدے کئے جائیں اور معرفت الٰہی کے جو پودے لگے ہیں انہیں رحمت الٰہی کا پانی دیا جائے یہ سارا حیلہ کس لیے ہے معرفت

الٰہی کے حصول کے لیے ہے لیکن انسان نے صرف عبادت تو نہیں کرنی اس نے زندگی گزارنی ہے۔ اللہ کریم نے اسے کھانے پینے کا محتاج بنایا، بیوی بچوں کا محتاج بنایا، ماں باپ کا محتاج بنایا، بہن بھائیوں دوستوں کا محتاج اور ضرورت مند بنا دیا اسے خرید و فروخت کا پابند کر دیا۔ اسے دنیا کے کام بھی کرنے ہیں تو فرمایا ان سب کاموں کے کرنے کا سلیقہ تمہیں میرا نبی بتائے گا۔

یاد رکھیں حصول رزق کے معروف ذرائع صرف چار ہیں۔ کھیتی باڑی، مزدوری، تجارت اور ملازمت۔ یہ چار معروف ذرائع ہیں جن سے رزق حلال حاصل کیا جاتا ہے ان سے باہر کوئی طریقہ جائز نہیں ہوگا۔ جائز طریقے سے روزی پیدا کرنا عبادت شمار ہوتا ہے۔ اس سے بھی معرفت الٰہی نصیب ہوتی ہے۔ حلال کھانا طیب پاکیزہ طریقے سے تیار کرتا ہے، تیار کرنے پر معرفت نصیب ہوتی ہے۔ کھاتا ہے تو اس سے معرفت نصیب ہوتی ہے۔ حلال کماتا ہے، جائز جگہ پر خرچ کرتا ہے اس سے معرفت الٰہی نصیب ہوتی ہے۔ حلال کماتا ہے ماں باپ کی خدمت کرتا ہے بیوی بچوں کو کھلاتا ہے اس سے معرفت الٰہی نصیب ہوتی ہے۔ گویا اس کا ہر کام عبادت بن جاتا ہے اگر وہ اپنے نبی کی سنت کے مطابق کرے۔ گویا زندگی کے ہر وقت میں اور ہر کام میں حصول معرفت الٰہی کو پوشیدہ کر دیا گیا۔ اب یہ انسان پر ہے کہ وہ اپنی زندگی کو کس ڈھب پر گزارتا ہے۔ اگر وہ نبی کی اطاعت چھوڑتا ہے تو وہ جو اس کی استعداد معرفت ہے اس کا نقصان ہوگا جسے عام طور پر کہا جاتا ہے کہ اطاعت چھوڑ دی تو پھر کیا ہو گیا۔ معرفت الٰہی سے دل میں نور آتا ہے نافرمانی اور گناہ سے ظلمت آتی ہے تو اس طرح سے جس طرح سے دن کے اوقات تقسیم کئے گئے، جس طرح ہفتے میں ایک دن جمعہ مقرر کیا گیا اسی طرح سال میں چار مہینے ایسے رکھے گئے جن میں جنگ و جدل چھوڑ دیا جائے، امن ہو اور ہر بندہ عبادات میں کوشاں رہے۔ سال میں یہ چار مہینے ہیں شوال، ذی قعدہ اور ذوالحج یہ تین حرمت کے مہینے اکٹھے ہیں اور رجب چوتھا مہینہ ہے جو ان سے الگ ہے۔ یہ اللہ کی اپنی حکمت اس نے تین مہینے یکجا رکھے ایک الگ رکھا۔ اگر یہ چار مہینے عبادت نصیب ہو جائے تو گویا سال بھر عبادت کی توفیق ارزاں ہو جاتی ہے۔ ان چار میں پھر ایک رمضان شریف رکھا جو سب سے افضل ہے۔ پھر رمضان کے بعد دنوں کی تقسیم آئی۔ پھر جمعۃ المبارک رکھا۔ پھر دن کی بات آئی تو اس میں نماز کے اوقات رکھ دیئے تو گویا اوقات میں بھی اور مہینوں اور دنوں کے شمار میں بھی تخلیق انسانی کا مقصد پنہاں ہے۔

فرمایا: ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۬ یہ بالکل سیدھا راستہ ہے۔ یہی اسلام ہے، یہی صراط مستقیم ہے، یہی دین القیم ہے۔ بالکل مستقیم سیدھا راستہ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ ان میں زیادتی نہ کرو۔ ان مہینوں میں زیادتی نہ کرو۔ اب ایک بندہ سال کا تیسرا حصہ زیادتی سے بچتا ہے تو اسے اللہ باقی مہینوں میں بچنے کی توفیق دے دیتا ہے۔ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ یہ بڑی خوبصورت بات قرآن حکیم نے بتائی فرمایا، جنہوں نے اپنے آپ

پر زیادتی نہ کی۔

جو بندہ گناہ کرتا ہے دوسرے پر تو زیادتی کرتا ہی ہے کسی کا حق مارتا ہے کسی کا پیسہ چھینتا ہے کسی کی عزت لوٹتا ہے کسی کی جان لے لیتا ہے اس پر تو زیادتی کرتا ہی ہے لیکن فرمایا گناہ گار اپنے آپ پر بہت زیادتی کرتا ہے کسی کے ساتھ زیادتی کرنا تو زیادتی ہے ہی یہ اپنے آپ کے ساتھ بھی بڑی زیادتی ہے۔ تو فرمایا ان مبارک مہینوں میں اپنے آپ کے ساتھ زیادتی نہ کرو اور یہ بھی نہیں ہے کہ تم ہاتھ پاؤں باندھ کر بیٹھ جاؤ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً مشرکین اگر دین کو مٹانے کے لیے یا ظلم کا نظام رائج کرنے کے لیے یا لوگوں کے حقوق چھیننے کے لیے جنگ پر آمادہ ہیں تو جس جوش سے وہ لڑ رہے ہیں اس سے زیادہ جوش سے تم لڑو۔ اور یہ اجازت صرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو دی گئی۔ پہلی امتوں میں یہ اجازت نہیں تھی لیکن اس امت میں اللہ کریم نے یہ قانون دیا کہ تم از خود جنگ شروع نہ کرو۔ ہو رہی ہے تو روک دو لیکن اگر مشرک باز نہ آئیں تو پھر تمہیں بھی اجازت ہے کہ حرمت کے مہینوں میں بھی ان کا مقابلہ کرو یہ نہیں کہ امت قتل ہو جائے اور آپ حرمت کا مہینہ دیکھتے رہیں۔ اگر مشرک زیادتی کریں تو پھر تم بھی ان سے مقابلہ کرو اور ان سے زیادہ شدت سے کرو لیکن ایک بات یاد رکھو کہ اس اجازت کو استعمال کرتے ہوئے تقویٰ کا دامن تھامے رکھنا۔ اسلام نے جنگ ختم کر دی، قتال کو جہاد کا نام دیا۔

جنگ کی فلاسفی یہ ہے کہ مخالف قوت کی افرادی قوت بھی توڑ دی جائے معاشی قوت بھی توڑ دی جائے ان کے پاس کوئی ایجادات یا سائنس یا ٹیکنالوجی ہے تو وہ قوت بھی توڑ دی جائے اور انہیں اس طرح کر دیا جائے کہ وہ سر نہ اٹھا سکیں۔ اللہ کریم نے، آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے، قرآن کریم نے فلسفہ جہاد دیا۔ جہاد نام ہے اس کوشش کا جو ظلم کو روکنے کے لیے کی جائے۔ فرمایا: اگر مشرکین و کفار زیادتی کر رہے ہیں تو پوری قوت سے اس زیادتی کا دفاع کرو لیکن اگر ہتھیار پھینک دیں تو انہیں مت مارو۔ یعنی انہیں قتل کرنا یا ان کی طاقت ختم کرنا مقصد نہیں ہے۔ ان کو زیادتی سے روکنا مقصد ہے۔ فرمایا: قتال کی اجازت دی جا رہی ہے لیکن فرمایا وَاعْلَمُوْٓا۔ وَاعْلَمُوْٓا کا معنیٰ ہوتا ہے خبردار پورے غور سے جان لو وَاعْلَمُوْٓا اچھی طرح جان لو اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ﴿۳۶﴾ معیت الٰہی اہل تقویٰ کو نصیب ہوتی ہے یعنی جنگ میں بھی تقویٰ کا دامن نہ چھوڑو۔ جو حدود اللہ کریم نے مقرر کی ہیں ان سے مت بڑھو۔ دشمنی میں بھی کسی پر زیادتی نہ کرو۔ جس حد تک جانے کی شریعت نے اجازت دی ہے اس حد تک لڑو۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حدود جنگ متعین فرما دیں تھیں کہ جنگ میں بھی کسی ایسے شخص پر تلوار نہیں اٹھائی جائے گی جو جنگ میں حصہ نہ لے رہا ہو۔ ضعیفوں کو نہیں مارا جائے گا۔ عورتوں اور بچوں کو نہیں مارا جائے گا۔ جو لوگ عبادت خانوں میں بیٹھے ہوئے ہیں خواہ وہ بتوں کی پوجا کر رہے ہیں ان کی عبادت

میں خلل نہیں ڈالا جائے گا فصلیں نہیں اجاڑی جائیں گے، پھل دار درخت نہیں کاٹے جائیں گے، کسی کے رزق کے وسائل تباہ نہیں کئے جائیں گے خوامخواہ شہروں کو آگ نہیں لگائی جائے گی۔ یہ ساری چیزیں ان ضوابط میں آ گئیں کہ جنگ کرتے وقت بھی اللہ کی عظمت کا خیال رکھو۔ کافر بھی اللہ کی مخلوق ہے۔ اگر وہ زیادتی سے باز آ جائے تو اس کے ساتھ زیادتی نہ کرو چہ جائیکہ مسلمانوں کو بے دردی سے ذبح کیا جائے، مساجد میں بم پھینکے جائیں، غریبوں مزدوروں کو گلیوں بازاروں میں گولیوں سے بھون دیا جائے یہ تو اسلام نہیں۔ اسلام تو میدان جنگ میں مقابلے پر آئے ہوئے کافر کے ساتھ زیادتی کرنے سے روک رہا ہے۔ فرما رہا ہے جائز حد تک مقابلہ کرو۔ اگر وہ تمہیں قتل کرنا چاہتا ہے تم غالب آ گئے تو قتل کر دو لیکن یہ نہیں کہ اس کے ساتھ زیادتی کرو۔ اب آپ دیکھ لیں کہ جو کچھ ہمارے ساتھ ہو رہا ہے یا جو روزانہ ہو رہا ہے کیسی عجیب اسلامی ریاست ہے کہ بندوقوں کے سائے میں نماز ادا ہوتی ہے ورنہ مسجد میں بھی خطرہ ہے۔ کیا بات ہے۔ تو یہ ساری باتیں صریحاً اسلامی تصور حیات کے خلاف ہیں۔ اسلام نے ہر فرد اور ہر چیز کے حقوق کا حکم دیا ہے۔ جانوروں کے حقوق کے تحفظ کا حکم دیا ہے کہ جانور رکھتے ہو تو جتنا وہ بوجھ اٹھا سکتا ہے اتنا بوجھ اس پر ڈالو۔ جتنی اس کی ضرورت ہے اتنی خوراک بھی اسے دیا کرو۔ جانوروں کے بھی حقوق ہیں انسان تو انسان ہیں تو فرمایا یہ چار مہینے حرمت کے ہیں ان میں جنگ نہ کرو فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ ان میں اپنے آپ پر ظلم نہ کرو۔ کسی کے ساتھ زیادتی نہ کرو کہ کسی کے ساتھ زیادتی کرنا اپنے آپ پر ظلم کرنا ہوتا ہے۔ قرآن کی آپ فلاسفی دیکھیں کہ جو ظلم کرتا ہے آخر اس کا انجام تو خود اس نے بھگتنا ہے۔ سزا تو خود اس نے بھگتنی ہے تو قرآن کا انداز بیان ہی ایسا پیارا ہے کہ فرمایا اپنے آپ کے ساتھ زیادتی نہ کرو یعنی کسی کے ساتھ زیادتی کرو گے تو وہ اپنے آپ پر ظلم کرنا ہوگا اور اگر مشرک قتال کریں تو وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ جم کر لڑو ڈٹ کر لڑو جیسا وہ تم سے ڈٹ کر لڑتے ہیں لیکن یاد رہے حرمت کے مہینوں میں دفاعی جنگ ہوگی۔ اگر کافر جنگ مسلط کرتے ہیں تو پھر مقابلہ کرو لیکن ایک بات یاد رکھو وَاعْلَمُوْٓا اچھی طرح جان لو اللہ کی مدد اہل تقویٰ کے ساتھ ہوگی اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿٣٦﴾

اہل تقویٰ کون؟

اہل تقویٰ وہ ہوتے ہیں جو اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت خلوص دل سے کرتے ہیں۔ خلوص دل سے وہی اطاعت کرتے ہیں جن کا اللہ اور اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا رشتہ استوار ہو جائے کہ انہیں یہ فکر لاحق رہے کہ میری بات سے یا میرے کام کرنے سے کہیں میرا اللہ اور میرے حبیب ﷺ ناراض نہ ہو جائیں یہ کیفیت تقویٰ کہلاتی ہے اس کے بارے فرمایا کہ اللہ اہل تقویٰ کے ساتھ ہے، اللہ کی مدد ان لوگوں کے ساتھ ہے جو خلوص دل سے اللہ کے طالب ہوتے ہیں۔

اِنَّمَا النَّسِیْٓءُ زِیَادَةٌ فِی الْکُفْرِ یُضَلُّ بِهِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فرمایا: یقیناً یہ بات کفر میں زیادتی کا باعث ہے کہ اللہ کے متعین کردہ حرمت کے مہینوں کو آگے پیچھے کر دیا جائے۔ یہی وہ زیادتی ہے جس سے کفار گمراہ کئے جاتے ہیں۔ اس آیہ مبارکہ میں ان لوگوں کا تذکرہ ہے جو بعض ناجائز چیزوں کو مختلف حیلوں بہانوں سے جائز کرنے کی کوشش کرتے ہیں جس کا مقصد اپنی خواہشات نفس کی تکمیل کرنا ہوتا ہے اور اس کو جائز قرار دینے کے لیے حوالے بھی دین سے ہی تلاش کرتے ہیں۔ یہی وہ جرم تھا جو اہل کتاب کے علماء کیا کرتے تھے کہ جب کسی قوم سے جنگ چھڑی ہو اور آگے حرمت کا مہینہ آ جائے تو وہ اس ماہ کی جگہ کسی اور ماہ کو حرمت کا مہینہ قرار دے دیتے اور جنگ طویل ہو جاتی تو حرمت کے مہینوں کا احترام کرنے کے بجائے سال کے وہ دو ماہ ہی کم کر دیتے۔ اسی پر فرمایا کہ مہینوں کو ان کی اصل جگہ سے ہٹا دینا، آگے پیچھے کر دینا کفر میں زیادتی کا سبب بنتا ہے۔ یہ مزید کفر میں پڑتے جا رہے ہیں، تاریکی پر تاریکی بڑھاتے جا رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی متعین کردہ راہ میں من مانی کے راستے نکالنا گمراہی ہے۔ جس طرح جن مہینوں کو اللہ نے حرمت والا کہا ہے انہیں ماننا ہی دین ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں کو حرام اور حلال کردہ چیزوں کو حلال ماننا ہی دین ہے۔ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حلال کردہ کو حرام کہنا کفر ہے اور حرام کو حلال کہنا بھی کفر ہے۔ اگر کوئی حرام چیز کو حرام سمجھ کر کھاتا ہے تو بہت بڑا گناہ کرتا ہے لیکن اسے حلال سمجھ لے تو یہ کفر ہے یہ ایسا جرم ہے جس کے نتیجے میں آدمی کا کفر بڑھنا شروع ہو جاتا ہے۔ کفر غضب الٰہی کی دلیل ہے یہ رویہ غضب الٰہی کو دعوت دیتا ہے۔ کفر پر اللہ ناراض ہوتے ہیں اور ایسا کرنے والا کفر میں آگے ہی آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔

آج اس بیماری نے لوگوں کو کس طرح اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے آج سود کو منافع کا نام دے کر کھایا جاتا ہے اگر سود کو حرام کہتے اور استعمال کرتے ہوئے یقین رکھتے کہ یہ حرام ہے تو ایمان بچ جاتا۔ گناہ کا وبال باقی رہتا لیکن جب اس کا نام بدل کر اسے عملاً جائز قرار دے لیا تو پھر ایمان ختم ہو گیا۔ خنزیر کا نام دنبہ رکھ لیا جائے یا بکرا وہ خنزیر ہی رہتا ہے نام بدلنے سے وہ نہیں بدلتا۔ ایسا کرنے والے بھی کفر میں آگے ہی بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ فرمایا: یُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّیُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا کسی حرمت والے مہینے کو کسی سال کے لیے حرام کر دیتے ہیں اور کسی حلت والے مہینے کو کسی سال کے لیے حرام کر دیتے ہیں۔ یہ کفر میں زیادتی کا باعث ہے جو مہینہ حرمت والا نہیں تھا اسے ان لوگوں نے حرمت والا قرار دے دیا اور جو حرمت والا تھا اسے حلال قرار دے دیا تو انہوں نے دو طرح کا کفر کیا۔ حرام کو حلال کیا اور حلال کو حرام کیا۔ لِّیُوَاطِئُوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَیُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ۔

اس لیے یہ طریقہ اختیار کرتے کہ حرمت والے مہینوں کی بس گنتی پوری کرلیں۔ کوئی سے بھی چار مہینے حرمت والے ہوجائیں اور اللہ نے جن مہینوں کو حرمت والا قرار دیا انہیں حلال کرلیتے۔ دوسرے مہینوں کو حرمت والا قرار دے کر بس مہینوں کی گنتی پوری کرلیتے۔

اللہ کی ناراضگی کا اثر:

اللہ کے غضب کو دعوت دینے والوں کا مزاج مسخ ہوجاتا ہے۔ اللہ کی ناراضگی کا ایک عجیب کیفی اثر ہوتا ہے۔ اللہ کریم جس سے ناراض ہوجائیں تو اس کی کیفیات ایسے بدل جاتی ہیں جس طرح کسی بیمار کے منہ کا ذائقہ بدل جاتا ہے۔ اسے میٹھی چیزیں تلخ لگتی ہیں اسی طرح جب اللہ کریم ناراض ہوتے ہیں تو بدکاروں کو برائی میں حسن نظر آتا ہے۔ وہ گناہ پر فخر کرتا ہے، اسے اپنا کمال سمجھتا ہے یہ عذاب الٰہی کی ایک صورت ہے جس میں بری چیزیں بھلی لگنے لگ جاتی ہیں اور بھلی چیزیں بری لگتی ہیں۔ فرمایا: زُيِّنَ لَهُمْ سُوٓءُ اَعْمَالِهِمْ ؕ یہ اللہ کا عذاب ہے کہ وہ اپنے برے کاموں کو اچھا سمجھنے لگتے ہیں۔ ان کے لیے وہ حسین کردیئے جاتے ہیں، انہیں خوبصورت نظر آتے ہیں۔ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ۝ اور جو لوگ کفر کرتے ہیں ایسے لوگوں کو اللہ ہدایت نہیں دیتے۔ ان کی یہ کیفیت ان کی گمراہی کا سبب بن جاتی ہے۔ جو شخص برائی کو اچھا کام سمجھنے لگ جائے وہ اسے کیوں چھوڑے گا؟ اس طرح گمراہی میں بڑھتا ہی چلا جائے گا۔ قلبی کیفیت کی یہ تبدیلی اللہ کی ناراضگی کی وجہ سے ہے، اللہ کا عذاب ہے۔ اللہ کے واضح اور ہدایت کے راستے کو چھوڑ کر دین میں اپنی مرضی داخل کرنا ایسا جرم عظیم ہے جو اللہ کے عذاب کو دعوت دیتا ہے اور ایسوں کو اللہ ہدایت نہیں دیتے۔

سورۃ التوبہ رکوع 6 آیات 38 تا 42

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ
اِلَى الْاَرْضِ ۭ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ
الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ﴿٣٨﴾ اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ
وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ شَيْــــًٔا ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٣٩﴾
اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا
فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ
عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ۭ
وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِىَ الْعُلْيَا ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٤٠﴾ اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا
وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ
كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿٤١﴾ لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيْبًا وَّسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوْكَ وَلٰكِنْۢ
بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ۭ وَسَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا
مَعَكُمْ ۚ يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿٤٢﴾

اے ایمان والو تم کو کیا ہوا ہے جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں (جہاد کے لیے) نکلو تو تم زمین کو لگے جاتے ہو کیا تم نے آخرت کے عوض دنیا کی زندگی پر قناعت کر لی سو دنیا کی زندگی کا فائدہ آخرت کے مقابلے میں بہت قلیل ہے (کچھ بھی نہیں) ﴿۳۸﴾ اگر تم نہ نکلو گے تو وہ (اللہ) تم کو سخت عذاب دیں گے اور تمہاری

جگہ دوسری قوم کو پیدا فرما دیں گے اور تم اس کا کچھ بگاڑ نہ سکو گے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہیں ﴿۳۹﴾ اگر تم ان (حضور اکرم ﷺ) کی مدد نہ کرو گے تو یقیناً اللہ نے ان کی مدد فرمائی جب کافروں نے ان کو جلاوطن کر دیا تھا جب دو میں ایک آپ (ﷺ) تھے جس وقت کہ دونوں غار میں تھے جب اپنے دوست (ساتھی) سے فرماتے تھے کہ (میرا) غم نہ کرو یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہیں سو اللہ نے آپ پر اپنی طرف سے تسکین نازل فرمائی اور ان کی ایسے لشکروں سے مدد فرمائی جو تم کو نظر نہ آتے تھے اور کافروں کی بات کو نیچا کر دیا (وہ ناکام رہے) اور اللہ ہی کا بول بالا رہا اور اللہ زبردست حکمت والے ہیں ﴿۴۰﴾ نکل پڑو تھوڑے سامان سے ہو یا زیادہ سامان سے اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کرو تمہارے لیے یہ بہتر ہے اگر تم علم رکھتے (جانتے) ہو تو ﴿۴۱﴾ اگر کچھ (مالِ غنیمت) آسانی سے ملنے والا ہوتا اور سفر بھی معمولی سا ہوتا تو یہ (منافق) ضرور آپ کے ساتھ ہو لیتے ولیکن ان کو تو سفر ہی دور دراز معلوم ہونے لگا اور ابھی اللہ کی قسمیں کھائیں گے کہ اگر ہمارے بس کی بات ہوتی تو ہم ضرور آپ کے ساتھ چلتے یہ اپنے آپ کو ہلاک کر رہے ہیں اور اللہ جانتے ہیں کہ یقیناً یہ جھوٹے ہیں ﴿۴۲﴾

تفسیر و معارف

یہ آیات مبارکہ غزوہ تبوک کے بارے میں ہیں جب مکہ مکرمہ فتح ہو گیا، معرکہ حنین برپا ہو چکا اور جزیرہ عرب کے لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہوئے اور جزیرہ نمائے عرب پر اسلام اور اسلامی حکومت کا دور دورہ ہوا تو عرب میں رہنے والے یہود اور نصرانیوں نے قیصر روم سے گزارش کی کہ دیکھتے دیکھتے ان چند سالوں میں مسلمان عالمی قوت بن گئے ہیں۔ عرب میں ہماری شان و شوکت ملیا میٹ ہو چکی ہے اب یہ آپ کے لیے بھی خطرہ ہیں۔ یہ اتنی بڑی طاقت بن چکے ہیں کہ یہ آپ کے لیے بھی چیلنج بن جائیں گے تو قیصر روم نے فیصلہ کیا کہ ریاست اسلامی پر حملہ کیا جائے اور اسے ختم کیا جائے۔ مورخین لکھتے ہیں کہ اس نے اسلامی لشکر پر حملہ کرنے کے لیے ایک بڑا لشکر تیار کیا اور انہیں ایک سال کی پیشگی تنخواہ دی اور اس لشکر جرار کو اپنی سرحد پر جمع کر لیا۔ آپ ﷺ کو

فوجوں کی نقل وحرکت کی اطلاع پہنچی، تحقیق پر پتہ چلا کہ قیصر روم کی فوجیں سرحد پر جمع ہو رہی ہیں تو حضور اکرم ﷺ نے فیصلہ فرمایا کہ بجائے اس کے کہ دشمن مدینہ منورہ پر حملہ آور ہوں اور اسلامی سرحدوں کے اندر آئیں، ان کا مقابلہ سرحد پر کیا جائے گا۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تیاری کا حکم دے دیا۔ یہ ایسا زمانہ تھا کہ کئی سال سے فصلیں کم ہوتی آ رہی تھیں، قحط سالی برداشت کرنا پڑی تھی۔ موسم سخت گرم تھا اور کئی سالوں کے بعد اس سال کھجور کی فصل اچھی آئی تھی جو پک کر تیار تھی۔ تنگی اتنی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اسے سَاعَةِ الْعُسْرَةِ (التوبہ: 117) فرمایا ہے یعنی تنگی کا سال۔ ان حالات میں مخلص مسلمانوں کی روش کیا تھی اور منافقین کا رویہ کیا تھا، اس کا تذکرہ ان آیات میں آیا ہے۔ اللہ کریم نے قرآن حکیم میں مسلمانوں کو دنیا میں کامیابی سے جینے کا سلیقہ سکھایا ہے اور کامیابی بھی ایسی جس کے ساتھ آخرت کی کامیابی بھی نصیب ہو۔ جس کا واحد ذریعہ خلوص دل سے نبی کریم ﷺ کی فرمانبرداری ہے اور جس کی بہترین مثال صحابہ کرامؓ ہیں۔

منافقانہ سوچ:

جب حضور ﷺ نے جہاد کی تیاری کا حکم فرمایا تو منافقین نے پراپیگنڈا شروع کر دیا کہ رومی تو اپنے ملک میں اپنی سرحدوں پر جمع ہو رہے ہیں، اسلامی سرحد سے تو انہوں نے چھیڑ چھاڑ نہیں کی اور نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ ہم سینکڑوں میل کا سفر طے کر کے تبوک جائیں جبکہ موسم اتنا گرم ہے، سفر اتنا لمبا ہے معاشی تنگی ہے۔ اس حال میں لوگوں کے لیے سواری اور کھانے پینے کا اہتمام کیسے ہوگا؟ اور پھر کئی سالوں کی قحط سالی کے بعد کھجوروں پر اس مرتبہ پھل آیا ہے، فصل پک کر تیار کھڑی ہے، جنگ پر چلے گئے تو واپسی تک کھجوریں گر گرا کر ضائع ہو چکی ہوں گی لہٰذا جب تک دشمن چھیڑ چھاڑ نہ کرے خوامخواہ جانے کی کیا ضرورت ہے؟

یہ فلاسفی وہ منافقانہ سوچ ہے جو ارشادات نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلاف آدمی اپنی عقل سے سوچتا ہے۔ ہمارے ہاں آج ایسے بے شمار دانشور ہیں کہ شرعی احکام کو اپنی ناقص عقل کے ساتھ سوچتے ہیں ان میں نقائص نکالتے، ان پر تنقید کرتے اور اعتراضات کرتے ہیں۔

یاد رہے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے ارشادات کے سامنے عقل انسانی کی کوئی حیثیت نہیں اور یہ اصول بھی، یاد رکھیں کہ جو حکم اللہ کی طرف سے آتا ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے آتا ہے عین عقل کے مطابق ہوتا ہے۔ جو اسے عقل کے خلاف سمجھ رہے ہوتے ہیں ان کی اپنی عقلیں خراب ہوتی ہیں۔ صحیح عقل و دانش کے مطابق وہی حکم ہوتا ہے جو اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم عطا فرماتے ہیں۔ ارشاد ہوا يَاأَيُّهَا

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ۔ ارشاد باری ہوا کہ اے ایمان والو جب تمہیں حکم دیا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے نکلو تو کیا تمہارے پاؤں زمین میں گڑ جائیں گے کیا تم رک جاؤ گے؟ کیا یہ ہوسکتا ہے کہ تم ایمان لانے کے بعد ارشادات نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقابلے میں منافقین کی رائے کو اہمیت دو، یہ کیسا ایمان ہے؟

اتباع رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں حصول آخرت ہے:

ایمان کا تقاضا تو یہ ہے کہ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی غیر مشروط اطاعت کی جائے۔ کسی نفع و نقصان کی دلیل کے بغیر کی جائے کہ اتباع رسالت میں حصول آخرت ہے اور آخرت کی کامیابی اللہ کی رضامندی کی دلیل ہے۔ جیسا کہ غزوہ تبوک کے موقع پر مخلصین کا عمل تھا کہ جیسے ہی اعلان جہاد ہوا فوراً تیار ہو گئے۔ پورے ذوق سے حصہ لیا، بڑھ چڑھ کر ایثار کیا اور سخت تنگی کے زمانے میں اتنے بڑے لشکر کے لیے سامان جنگ، راشن اور سواریوں کا بندوبست ہو گیا اور پہلی مرتبہ تیس ہزار کا لشکر جرار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں سرحد کی طرف، تبوک کی طرف روانہ ہوا۔ منافقین نے بہانے تراشے تو یہ اصول بتا دیا گیا کہ اتباع رسالت میں کوئی عذر، معذرت قابل قبول نہیں۔ فرمایا: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ۔ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ اے ایمان والو، تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں کوچ کرو تو تم زمین پر گرے پڑتے ہو، کیا تم نے آخرت کے بدلے دنیا کو پسند کر لیا ہے کہ دنیا کا نقصان نہ ہو، آخرت کا ہوتا ہے تو ہوتا رہے۔

یہ آیہ کریمہ آج بھی ہماری رہنمائی کر رہی ہے کہ جب تم دنیا کو آخرت پر ترجیح دو گے، جب تمہاری عقل یہ فیصلے کرے گی کہ دنیاوی نقصان نہ ہو، آخرت جاتی ہے تو جائے تو تم نے آخرت کے بدلے دنیا کو چن لیا حالانکہ قرآن حکیم نے دنیا میں کامیابی کے ساتھ جینے اور آخرت میں سرخرو ہونے کے انداز بتا دیئے ہیں۔

قرآن حکیم اللہ کی آخری کتاب ہے، اتنی جامع اور اتنی مکمل کہ اس کے بعد کسی کتاب کی ضرورت نہیں اور نبوت کی تکمیل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت پر ہو گئی۔ ختم نبوت سے یہی مراد ہے۔ بہتر ہو کہ ختم نبوت کے بجائے تکمیل نبوت کہا جائے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد نبوت کی ضرورت ہی باقی نہ رہی۔ جیسے لوگ راتوں کو روشنی کے لیے چراغ جلاتے ہیں، ستاروں کی روشنی میں سمت متعین کرتے ہیں، چاند نکل آئے تو خوش ہو جاتے ہیں کہ راستہ اور واضح ہو گیا لیکن جب سورج نکل آئے تو پھر کسی چراغ، ستارے یا چاند کی ضرورت

باقی نہیں رہتی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آسمان نبوت کا وہ سورج ہیں جو کبھی غروب نہیں ہوگا۔

افلت شموس الاولین والشمسنا

ابداً علیٰ افق علیٰ لاتغرب

سارے انبیاؑ نے سورج کی طرح روشنی بکھیری، ہر نبیؑ اپنی امت کے لیے سورج ہی تھا لیکن ان کے وقت معین تھے، قومیں مقرر تھیں، علاقے متعین تھے۔ وقت پورا ہوا سورج غروب ہو گئے۔ دنیا سے تشریف لے گئے۔ ان کی کتابیں ناقابل عمل ٹھہریں ان کے احکام ختم ہوئے۔ نیا سورج آ گیا نئے احکام آ گئے، نئی روشنی آ گئی والشمسنا لیکن ہمارا سورج محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ وہ سورج ہے جو کبھی غروب نہ ہوگا

ابداً علیٰ افق علی لا تغرب

افق علیٰ سے روشنیاں بکھیرتا رہے گا کبھی غروب نہ ہوگا۔ اگر سورج غروب نہ ہو تو روشنی کے لیے پھر کسی لالٹین، دیئے، کسی وسیلے کی ضرورت نہیں رہتی تو ختم نبوت سے بھی یہی مراد ہے کہ کسی نئے نبیؑ کی ضرورت ہی نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ابدالآباد تک قائم ودائم ہے۔ اور نبوت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ انسان کی دنیا اور آخرت دونوں کے لیے ہر ضرورت کا جواب مہیا کرے۔ اس کا مطلب ہے قیامت تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا زندہ معجزہ قرآن کریم ہے جو لفظ بلفظ موجود ہے۔ یہ وہ الفاظ ہیں جو اللہ کی ذات کے ذاتی الفاظ ہیں۔ یہ وہ الفاظ ہیں جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لب ہائے مبارک سے ادا ہوئے۔ قرآن حکیم کی تلاوت کا ثواب بھی اسی لیے ہے کہ یہ اللہ کریم کا کلام ہے۔ اس کی تلاوت میں لذت ہے۔ اس لذت کا راز اسی میں ہے کہ یہ ذات باری کے اپنے الفاظ ہیں یہ وہ الفاظ ہیں جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ادا ہوئے، دنیا نے سنے اور وصول کیئے۔ ان الفاظ میں اللہ کا نور ہے اور نور نبوت بھی ہے۔ ان کے دہرانے سے دل میں روشنی جلاء اور نور پیدا ہوتا چلا جاتا ہے۔ اس کے معنی آتے ہوں تو نور، علی نور ہے۔ اس کے احکامات پر عمل کرنا مقصود ہے لیکن محض تلاوت بھی کرے تو دل کی کیفیت بدلتی جاتی ہے۔ اس میں قیامت تک کے سوالوں کا جواب موجود ہے۔ یہ ہر حال میں اور ہر قوم کو ہمیشہ رہنمائی فراہم کرتا رہے گا۔

مسلمانوں کو تذبذب اور سستی سے بچانے کے لیے فرمایا آخرت کے مقابلے میں دنیا کی کوئی حیثیت نہیں فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ۳۸ کیا تم دنیا کے مال ومنال کو آخرت پر ترجیح دو گے جبکہ آخرت کے مقابلے اس کی پرکاہ حیثیت نہیں۔ کوئی کتنی ہی دولت جمع کر لے، کھائے گا وہی جو اس کے نصیب

میں ہے اور کوئی جمع بھی کر لے تو ساتھ لے کر نہیں جائے گا۔ آخرت وہ دولت ہے جو جسے نصیب ہوگی نہ کوئی اس سے چھین سکے گا نہ یہ کم ہوگی۔ بڑھتی ہی چلی جائے گی اور آخرت کی کم سے کم دولت بھی جسے نصیب ہوگی اس کو ساری دنیا کی تمام دولتیں جمع کر لیں تو اس سے زیادہ ہی ہوگی۔ کسی بادشاہ کا واقعہ ہے کہ وہ بہت ظالم تھا۔ اس کی رعایا غریب تھی، فوج کو تنخواہیں نہیں مل رہی تھیں، حالات ابتر تھے اور وہ دولت جمع کیے جا رہا تھا تو کسی دوسرے بادشاہ نے اس سے حکومت چھین لی اور حکم دیا کہ ظالم بادشاہ کو ایک کمرے میں بند کر دیا جائے اس کا دانہ پانی بند کر کے تمام سونا، ہیرے جواہرات اور ساری دولت اس کے سامنے ڈھیر کر دی جائے اور اسے کہا جائے کہ اس دولت کے لیے تم نے ملک ضائع کیا اسے کھاؤ، پیئو اور زندہ رہو۔

یہ ہے اس دولت کی حقیقت جو اللہ کی نافرمانی کر کے حال کی جائے یا جس کے لالچ میں اللہ کی نافرمانی کی جائے۔ پھر ایک قانون ارشاد فرمایا: اِلَّا تَنۡفِرُوۡا يُعَذِّبۡكُمۡ عَذَابًا اَلِيۡمًا ۙ اگر تم اللہ کی راہ میں نہ نکلو گے تو اللہ تمہیں بڑا دردناک عذاب دے گا۔ اللہ کی راہ میں نکلنے کی بہت سی صورتیں ہیں۔ سب سے پہلا جہاد اپنی ذات کے ساتھ ہے کہ حلال کھائے، حرام سے اجتناب کرے فرائض و واجبات کو فرض اور واجب سمجھ کر ان کے وقت کے مطابق شرعی طریقے کے مطابق ادا کرے۔ یعنی عبادات پہ بھی پابندی کرے یہ بھی جہاد ہے۔ معاملات میں پابندی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑا جہاد کہا ہے۔ تلوار سے جنگ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوٹا جہاد کہا ہے۔ اپنے آپ کو دین پر قائم رکھنا، حلال کمانا، جائز طور پر خرچ کرنا اسے جہاد اکبر فرمایا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جہاد سے واپس آئے تو فرمایا رجعنا من الجهاد الاصغر الى الجهاد الاكبر (البیہقی) اوکما قال رسول اللہ ﷺ کہ ہم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف پلٹ آئے۔ گھر رہ کر دین پر عمل کرنا جہاد اکبر ہے پھر اس کے بعد ریاست اسلامی میں، اسلامی ضابطہ حیات کی بقاء کی کوشش کرنا جہاد ہے۔ جتنا جس کے بس میں ہے اتنا کرنے کا وہ مکلف ہے جو بندے کے اختیار میں نہیں اس کا وہ مکلف نہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَهَا ؕ (البقرہ:286) لیکن جو اختیار میں ہے بندہ اس کا مکلف ہے۔ یہ اس کی ذمہ داری ہے جیسے ووٹ دیتے ہیں تو حکومت بنتی ہے اس میں جہاد یہ ہے کہ کسی دیندار کو تلاش کر کے اسے ووٹ دیں لیکن اس وقت تو سیاسی مفادات یاد آ جاتے ہیں ووٹ لینے والے بھی مادی مفادات کے لیے کثیر رقم خرچ کر کے سامنے آتے ہیں اور مزید کمانے کے لیے خرچ کرتے ہیں۔ جہاد یہ ہے کہ اس نظام کی تبدیلی کا شعور اجاگر کیا جائے، اسلامی نظام کے نفاذ کا مطالبہ کیا جائے لیکن اس کی ابتداء اپنی ذات پر نفاذ اسلام سے ہوگی۔ جہاد یہ ہے کہ حق کو

اپنایا جائے، حق کا راستہ اپنایا جائے اور دنیاوی مفادات کے لیے بکنا چھوڑ دیا جائے۔

فرمایا: اگر آخرت کی نسبت دنیا کو پیارا کر لیا اور جہاد نہ کیا تو تمہیں بڑا دردناک عذاب دیا جائے گا جو آخرت کا عذاب ہوگا۔ اللہ معاف کرے اس کی بات تو آخرت میں ہوگی، دنیا میں اس عذاب کی صورت کیا ہوگی؟ وَيَسۡتَبۡدِلۡ قَوۡمًا غَيۡرَكُمۡ تم پر غیروں کو مسلط کر دیا جائے گا وَلَا تَضُرُّوۡهُ شَيۡـًٔا اور تم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکو گے وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ۝۳۹ جب تم اللہ کی راہ میں مجاہدہ نہیں کرو گے، جہاد نہیں کرو گے، گھر بیٹھ جاؤ گے تو وہ تم پر کفار کو، بے دینوں، چوروں، فریبیوں کو مسلط کر دے گا۔

قرآن حکیم کی آیات ہر زمانے کے مسائل کی نشاندہی بھی کرتی ہیں اور ان کا حل بھی بتاتی ہیں آج امت مسلمہ پر کیوں اغیار مسلط ہیں، مسلمان ممالک کے عوام مسلمان ہیں اور ان پر غیر اسلامی نظام نافذ ہے، ان کے حکمران غیر مسلموں کے غلام ہیں۔ ایسا کیوں ہے؟ خود کو تلاش کریں۔ کیا ہم نے چند ٹکے اللہ کی رضا سے زیادہ عزیز نہیں کر لیے، ہم چند روپوں پر بک نہیں جاتے، ہم چھوٹے چھوٹے مفادات کے لیے جھوٹ نہیں بول لیتے، ہم دنیاوی مفادات کے لیے در در پر جبہ سائی نہیں کرتے، ہم دنیاوی مفادات کے لیے آخرت کو بھولے ہوئے نہیں ہیں؟ یہ تو تب پتہ چلے گا جب سچ کی عدالت لگے گی جب اللہ قادر مطلق کا اعلان ہوگا لمن الملك اليوم سے کسی کو اپنی حکومت و سلطنت کا دعویٰ؟ اور واحد و قہار کی طرف سے ہی جواب آئے گا لله الواحد القهار (سورۃ مومن: 16) آج اللہ اکیلے کی حکومت ہے جو واحد و قہار ہے۔ اس وقت جب میزان میں سجدے بھی رکھے جائیں گے قیام اور رکوع بھی رکھے جائیں گے تو سمجھ آئے گی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جنتیوں کو کوئی حسرت نہیں ہوگی۔ اللہ کریم اتنا دیں گے کہ وہ سنبھال نہیں پا رہے ہوں گے اتنے خوش ہوں گے انہیں سمجھ نہیں آ رہی ہوگی اتنی دولت اتنی نعمتیں اتنے انعامات میں کیا کروں اس کے باوجود ایک حسرت جنت میں بھی ہوگی کہ کاش میں نے ایک سجدہ اور کر لیا ہوتا۔ کاش میں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں کچھ اور کر لیا ہوتا۔ میں نے اللہ کی اطاعت میں کچھ اور کر لیا ہوتا۔ یہ حسرت جنت میں بھی ہوگی چونکہ وہاں اندازہ ہو جائے گا کہ قیمت کس چیز کی ہے یہاں تو ہم دکان پر جائیں، اپنے کھیتوں میں جائیں، کاروبار پہ جائیں، ملازمت پر جائیں تو پوری تندہی سے کام کرتے ہیں۔ مسجد میں آئیں تو رکعتیں ہی یاد نہیں رہتیں دو پڑھی ہیں یا تین پڑھی ہیں۔ وضو بھی صحیح نہیں کرتے، جلدی جلدی چھینٹے اڑائے، کوئی جگہ خشک رہ گئی، کوئی جگہ تر ہو گئی، اٹھے بیٹھے، قیام پورا نہیں کیا، رکوع میں گئے تو واپس وہیں سے سجدے میں چلے گئے اسی لاپروائی سے صلوٰۃ مکمل کی۔ اس طرح ہم نے عبادات میں خانہ پری کر رکھی ہے۔ معاملات دنیا میں ہر

جگہ جھوٹ کا دور دورہ ہے۔ ہمارا عدالتی نظام غیر مسلموں کا بنایا ہوا ہے جو نوآبادیات کے لیے بنایا گیا تھا۔ ہمارا تعلیمی نظام اچھا کارکن تو بنا سکتا ہے لیکن اپنی شناخت نہیں دیتا۔ یہ نہیں سکھاتا کہ تمہارا عقیدہ کیا ہے، تمہاری اصل اساس کیا ہے، تمہاری بنیاد کیا ہے؟ یہ ساری خرابیاں مل کر ہمیں اس طرف لے گئی ہیں کہ ہم چند سکوں کے لیے ساری عاقبت چھوڑ دیتے ہیں۔

فطرت کا قانون ہے جب مزاج بگڑتے تو برائی اچھی لگتی ہے اور بھلائی بری لگتی ہے۔ قومی مزاج کی خرابی یہ ہے کہ قوم اللہ کا راستہ چھوڑ دے، اللہ کی راہ میں جہاد نہ کرے اس کا نتیجہ اغیار کی غلامی ہوگی۔ لہٰذا اس کا علاج یہی ہے کہ سب سے پہلے اپنی ذات کی اصلاح کی جائے پھر جہاں تک جس کا دائرہ اختیار ہے وہاں تک دین پر عمل کروائے۔ والدین، بیوی، بچے، عزیز رشتہ دار پڑوسی، دوست احباب ہر کا ایک حق ہے۔ آپ کا اپنا ایک حق ہے۔ اپنا حق ضرور حاصل کریں اور دوسروں کا حق دوسروں تک پہنچائیں۔ اگر کوئی اپنی ذات میں ہی پورا نہیں۔ نہ نمازیں پوری ہیں، نہ کھانے میں حلال، حرام کی تمیز ہے، وہ معاشرے میں کیا مثبت تبدیلی لائے گا، وہ باہر کیا جہاد کرے گا؟ افراد اپنی اصلاح کریں ان سے قوم بنے گی۔ قوم قومی فرائض میں وہ طریقہ اختیار کرے جو اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بحیثیت مسلمان قوم کے عطا فرمایا ہے۔

بہرطور اس آیہ مبارکہ کے ذریعے یہ قانون واضح کر دیا گیا کہ جو جہاد سے جی چرائے گا وہ غیر مسلموں کی غلامی اپنائے گا۔ دنیا کی زندگی کو آخرت کی زندگی پر ترجیح دو گے تو اس کی سزا ہوگی، دردناک عذاب ہوگا اور دنیا میں اس دردناک عذاب کی صورت یہ ہوگی وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ غیر لوگوں کو تم پر مسلط کر دیا جائے گا وَلَا تَضُرُّوْهُ شَيْـًٔا ۭ اور تم اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکو گے۔ اس لیے کہ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ منافقین نے تو کوشش کی لیکن مسلمانوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اعلان پر جانیں نچھاور کر دیں یہی غزوہ تبوک ہی کی تیاری ہے جس میں سیدنا ابوبکر صدیق ؓ جو کچھ ان کے گھر میں تھا سب لے آئے حتیٰ کہ لباس، جوتے، کھانا پکانے کے برتن جو کچھ تھا سب لے آئے۔ ایک کمبل کو درمیان میں سے سوراخ کر کے سر کو گزار کر جسم مبارک پر پہن لیا اور سلائی بھی نہیں کی کانٹے لے کر اس میں پرو دیئے۔ جو سوئی دھاگہ تھا وہ بھی لے آئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا گھر میں کیا ہے؟ فرمایا گھر میں اللہ اور اللہ کا رسول ﷺ ہے۔ گھر میں کیا چھوڑا فرمایا اللہ اور اللہ کا رسول چھوڑ آیا ہوں۔ سیدنا فاروق اعظم ؓ نے اپنا آدھا مال دیا۔ حضرت عثمان ؓ نے اپنا اتنا مال دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان درہم و دینار کو پلٹتے تھے اور فرماتے تھے عثمان کے لیے جنت واجب ہوگئی اس کے بعد کوئی نیکی نہ بھی کرے تو یہی اس کے لیے کافی۔ غرض جو کچھ جس کے پاس تھا

لے آیا بلکہ ابتدائی تاریخ اسلام میں سب سے بڑا لشکر تبوک کے لیے تیار ہوا جس میں تیس ہزار مجاہدین تھے۔ تیس ہزار کا لشکر پہلی دفعہ تیار ہوا منافقین کے اس سارے شور شرابے اور پراپیگنڈے کے باوجود مسلمانوں نے نہ گرمی کی پروا کی نہ قحط سالی کی پروا کی نہ فصلوں کے پکنے کی پروا کی بلکہ جو کچھ پاس تھا وہ بھی وہاں نچھاور کر دیا اور تیس ہزار بندوں کے اخراجات سواریاں اسلحہ راشن بھی پورا کیا اور اپنی جانیں بھی لے کر خدمت عالی کے ساتھ روانہ ہو گئے۔ لشکر اسلامی کا وہ دبدبہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب تبوک میں پہنچے اور قیصر کو اطلاع ملی کہ مسلمانوں کا لشکر آن پہنچا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود اس کی کمان فرما رہے ہیں لوگ سرحد پر آ گئے ہیں، تبوک پہنچ گئے ہیں تو وہ لرز گیا۔ اس نے اپنے لشکر کو واپس آنے کا حکم دے دیا۔ اس نے کہا کہ نہیں ہم ان سے نہیں لڑ سکتے یہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ہم مانیں یا نہ مانیں ان کے ساتھ اللہ کی طاقت ہے۔ لشکر کو واپس بھیج دیا یعنی صحابہؓ نے تو حق ادا کر دیا کہ غیر ان پر مسلط نہ ہو سکیں۔ اگر کوئی یہاں صحابہ کرامؓ کی جاں نثاری پر اعتراض کرنا چاہے تو اسے یہ سوچنا ہو گا کہ اگر وہ سستی کرتے تو اس وقت قیصر روم غالب آ گیا ہوتا۔

لمحہ فکریہ

آج اگر ہم پر کافر مسلط ہیں تو اس کی وجہ یہی ہے کہ ہم نے آخرت کے بجائے دنیا کو پسند کر لیا ہے۔ جب آخرت کے بدلے دنیا پسند کر لی جائے تو یہی سزا دی جاتی ہے کہ غیر ان پر مسلط کر دیئے جاتے ہیں۔ سامنے تو ملکی حکمران نظر آتے ہیں لیکن ان کی ڈور پیچھے کافروں کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ آج بھی ہم پر تسلط تو کفار ہی کا ہے اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ہم نے دنیا کو آخرت کے مقابلے میں عزیز سمجھ لیا ہے۔ فرمایا: اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ اگر تم اللہ کی راہ میں نہیں نکلو گے۔ یاد رکھیں جہاد سب سے پہلے اپنے آپ سے شروع ہوتا ہے اپنے گھر سے شروع ہوتا ہے اپنے دائرہ اختیار سے شروع ہوتا ہے جہاں تک آپ کا دائرہ اختیار ہے وہاں تک دین کے مطابق عمل اختیار کریں اولاد کے ساتھ، بیوی بچوں کے ساتھ، والدین کے ساتھ، اپنے پڑوسیوں کے ساتھ، قوم کے ساتھ۔ ہر ایک کا ایک حق ہے۔ آپ کا اپنا ایک حق اپنا حق ضرور حاصل کریں۔ دوسروں کا حق دوسروں تک بھی جانے دیں۔ تو جو گھر میں ہی پورا نہیں۔ اپنی ذات میں ہی پورا نہیں، اپنی نمازیں پوری نہیں، اسے کھانے میں حلال حرام کی تمیز نہیں، جائز ناجائز کا احساس نہیں وہ باہر جا کر کیا کرے گا۔ وہ میدان میں جہاد کرنے کیا جائے گا۔ جہاد فرد کی ذات سے شروع ہو کر اوپر قوم تک جاتا ہے۔ افراد اپنی اصلاح کریں ان سے قوم بنے۔ قوم قومی فرائض میں اپنی اصلاح کرے اور وہ طریقہ اختیار کرے جو اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے

بحیثیت مسلمان قوم کے عطا فرمایا ہے۔ اگر ایسا نہیں کرو گے تو اللہ کریم تمہیں دردناک عذاب دیں گے اور اس کی صورت دنیا میں یہ ہوگی وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وہ تمہاری جگہ دوسری قوم کو پیدا فرمادیں گے۔ تمہیں تبدیل کردیں گے تمہاری جگہ تم پر غیر قوم حاکم ہوجائے گی۔ مسلمانوں کے علاوہ غیر سے مراد ہے مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلم تم پر مسلط ہوجائیں گے اور تم اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکو گے اس لیے کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

کچھ مخلصین بھی اس میں پیچھے رہ گئے تھے جن میں پانچ حضرات کے نام ملتے ہیں۔ حضرت سعد بن مالکؓ حضرت ہلال بن امیہؓ حضرت ہرارہ بن ربیعؓ حضرت ابوخشیمہؓ، حضرت ابوذر غفاریؓ یہ پانچ حضرات محض کوتاہی اور سستی کی وجہ سے رہ گئے۔ ان پانچ میں سے آخر الذکر دو حضرت ابوخشیمہؓ اور حضرت ابوذر غفاریؓ کو جب احساس ہوا کہ لشکر تو روانہ ہوگیا اور ہم رہ گئے تو انہوں نے فوراً سواریوں کا بندوبست کیا اور پیچھے چل نکلے اور تبوک پہنچتے پہنچتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوگئے اور لشکر میں شامل ہوگئے۔ یہ تین اشخاص جو مخلصین میں سے پیچھے رہ گئے تھے ان کی توبہ کا ذکر قرآن کریم میں موجود ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے مقاطعہ کا حکم دے دیا تھا یہ حضرات آتے تھے، مسجد نبوی میں نماز پڑھتے تھے لیکن کوئی ان سے سلام دعا نہیں کرتا تھا۔ کوئی ان سے بات نہیں کرتا تھا۔ نہ کوئی ان کی خیریت پوچھتا تھا۔ ان کی بیویوں کو بھی ان سے الگ کردیا گیا کہ کھانا تو بنا کردو لیکن میاں بیوی کا رشتہ ان سے نہ رکھو اور غالباً اٹھائیس دن یا اس کے قریب وقت گزرا تو پھر اللہ کریم کی طرف سے ان کی معافی اور توبہ کا حکم نازل ہوا۔ میں یہ اس لیے عرض کررہا ہوں کہ ہم آج کے مسلمان اندازہ کریں۔ قحط سالی کے بعد فصلوں کا سال تھا، سخت گرمی تھی، بہت لمبا سفر تھا، بہت بڑے لشکر سے مقابلہ تھا۔ یعنی سارے جو دنیاوی اسباب تھے وہ مشکل تھے لیکن اطاعت کا حق یہ ہے کہ مخلصین میں سے جو تین رہ گئے حضور ﷺ نے ان سے بھی مقاطعہ کا حکم دے دیا۔ کوئی ان سے بات نہیں کرتا تھا ماں، باپ، بہن، بھائی، بیوی، بچے دوست احباب کوئی بات نہیں کرتا تھا۔ جب تک کہ ان کی توبہ قبول نہیں ہوئی۔ ان میں سے ایک ہستی نے تو خود کو مسجد نبوی کے ستون سے باندھ لیا تھا۔ نماز کا وقت ہوتا، آپ کو کھولتے، نماز ادا کرلیتے لیکن پھر بندھوا لیتے اور توبہ قبول ہونے تک کا عرصہ وہ ستون سے بندھے کھڑے رہے۔ ایک میدان جنگ میں جو سینکڑوں میل دور تھا حضور ﷺ کے اتباع میں نہ جانے سے اللہ اور اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مخلصین کے ساتھ اتنی سختی کی گئی اور ایک ہم مسلمان ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں نماز بھی ادا نہیں کرتے جبکہ نماز پنجگانہ فرض ہے۔ جس وقت یہ لوگ رہ گئے تھے اور یہ واقعہ ہوا تھا تو یہ کوئی تصور نہیں تھا کہ کوئی مسلمان صلوٰۃ چھوڑ دے۔ تصور نہیں تھا کہ مسلمان ہو اور نماز ادا نہ کرے۔ اب ذرا آپ ہم اپنا اندازہ لگائیں کہ اگر ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے

مطابق نماز ادا نہیں کر سکتے تو ہم کون سا جہاد کریں گے؟ یہ ان لوگوں کا ذکر ہے جو ساری رات ذکر اذکار کرتے تھے۔ ایسے لوگ بھی تھے جو ایک رکعت میں تیس سپارے پڑھ لیتے تھے۔ خلوص کے ساتھ سجدے کرتے تھے، شرف صحابیت سے سرفراز تھے۔ کتنے غزوات میں جاں نثاری دکھا چکے تھے۔ ایک غزوۂ تبوک میں سستی اور کاہلی سے یہ تین حضرات پیچھے رہ گئے تو وہ اللہ کریم کو پسند نہیں آیا۔

سستی عذر نہیں ہے:

اطاعت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم میں کوئی بہانہ کارگر نہیں ہے سوائے معذوری کے کوئی معذور ہے، بیمار ہے، لاچار ہے وہ عذر شرعی ہے اس کے علاوہ کوئی کہے کہ میری مصروفیت ہے، میرے پاس وقت نہیں ہے، میرا کاروبار ہے۔ ایسا کوئی بہانہ قابل قبول نہیں ایک جنگ میں سستی دکھانے سے اتنے اکابر صحابہؓ جن سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی پیار فرماتے تھے کو تنبیہ ہوئی جب تک اللہ کریم کی طرف سے باقاعدہ ان کی معافی کا اعلان نہیں ہوا ان سے کوئی رابطہ نہیں کرتا تھا اگر آج کا مسلمان بارگاہ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام میں پیش کیا جائے جس پر سجدہ بھی گراں ہے۔ اندازہ کریں کیا کیفیت ہوگی دراصل ہم نے آخرت سے آنکھیں بند کر لی ہیں اور۔۔۔ ہم صرف دنیا کی سہولتیں، دنیا کا آرام، دنیا کی لذتیں سمیٹنے میں لگے ہوئے ہیں اور ہمیں یہ احساس بھی نہیں ہے یہ سانس کی آمد وشد کچے دھاگے کی ڈور ہے، کبھی بھی ٹوٹ سکتی ہے۔ دنیا جتنی ہوگی ساری یہیں رہ جائے گی۔ ساتھ تو وہ ایمان اور اعمال ہی جائیں گے۔ تو اعمال میں اگر کوئی بندہ پنجگانہ نماز بھی ادا نہیں کرتا تو اس سے مزید کس نیکی کی توقع رکھی جائے گی وہ کیا نیکی کرتا ہوگا۔ اس میں بھی اس کی مصروفیات آڑے آتی ہیں ناسازیٔ طبع آڑے آتی ہے۔ عجیب طبیعت ہے جس پر اللہ کا سجدہ بھی گراں گزرتا ہے۔ قرآن کریم یہ واقعات اس لیے بیان فرماتا ہے کہ ہم یہ آئینہ سامنے رکھ کر اپنی اصلاح کی فکر کریں ابھی ہم عالم عمل میں ہیں دارالعمل میں ہیں توبہ قبول ہو سکتی ہے، توبہ کی قبولیت کا وقت ہے، ہمارے پاس فرصت ہے جب موت نے یہ راستے بند کر دیئے تو پھر کیا ہوگا۔

پھر دوسری بات کی طرف توجہ دلائی کہ لوگو اگر تم میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ نہ دینا چاہو تو ان کی مدد کو اللہ کافی ہے تمہاری وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام نہیں پھیل رہا تمہاری وجہ سے دین قائم نہیں ہے وہ جس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے وہ اس کا معاون بھی ہے، رکھوالا بھی ہے، مددگار بھی ہے۔ اور جس نے یہ دین نازل فرمایا ہے وہ خود اس دین کا محافظ بھی ہے اور پھیلا بھی رہا ہے اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اگر تم محمد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تعاون نہیں کرنا چاہو گے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد نہیں کرنا چاہو گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت عالی میں اپنی خدمات پیش نہیں کرو گے۔ اگر تم تعاون نہیں کرو گے فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ تو وہ وقت یاد کرو جب اللہ نے ان کی مدد فرمائی جب مشرکین مکہ نے انہیں شہر سے نکلنے ہجرت پر مجبور کر دیا إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا جب کفار نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنا مجبور کر دیا کہ آپ ﷺ نے ہجرت فرمائی تو اللہ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خود مدد فرمائی۔ اس وقت بھی مدد فرمائی جب مکہ کے سردار آپ کی جان لینے کے درپے تھے پھر سفر ہجرت میں کس کس طرح اللہ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد فرمائی۔ اس سے پہلے جب مکہ مکرمہ میں کفار و مشرکین کے مظالم بڑھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو دو بار حبشہ ہجرت کرنے کی اجازت عطا فرمائی پھر اللہ نے انصار مدینہ کو قبول اسلام کا شرف بخشا۔ مدینہ منورہ کے انصار نے اسلام قبول کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ آنے کی دعوت دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف صحابہؓ کو مدینہ منورہ ہجرت کرنے کی اجازت دے دی۔ سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے بھی کئی دفعہ اجازت چاہی۔ فرمایا نہیں، ابھی نہیں۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی وہاں رہے۔ تا آنکہ مشرکین نے اپنی ایک مجلس قائم کی کہ اس قصے کو کسی طرح نبٹایا جائے اسے ختم کیا جائے۔ یہ دن بدن بڑھ رہا ہے اور اگر مسلمان یہاں سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ جا رہے ہیں یا حبشہ جا رہے ہیں تو یہ بات ختم تو نہیں ہو گی یہ جہاں بھی جائیں گے وہاں بھی لوگ ان کے ہم نوا بن جائیں گے اور یہ بات پھیلے گی لہٰذا اسے ختم کیا جائے۔ اکثر مفسرین کرام یہ واقعہ لکھتے ہیں کہ جب یہ مجلس دارالندوہ اکٹھی ہوئی تو وہاں انسانی شکل میں ابلیس خود شریک ہوا ایک تجویز یہ پیش کی گئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی جس طرح مسلمان ہجرت کر رہے ہیں شہر بدر کر دیا جائے جہاں تک قریش کا دائرہ اختیار ہے وہاں سے باہر نکال دیا جائے۔ جب اس پر رائے لی گئی تو شیطان جو ایک بوڑھے بزرگ آدمی کی شکل میں تھا اور خود کو نجد کا شیخ کہتا تھا کہنے لگا تم انہیں یہاں سے تو نکال دو گے لیکن جو دعوت وہ یہاں دے رہے ہیں جہاں جائیں گے وہاں بھی دیں گے تو جو دین وہ لائے ہیں وہ پھیلنا شروع ہو جائے گا۔ تمہارے شہر سے نکالنے کا فائدہ کیا ہو گا وہ تو بات اور پھیلنا شروع ہو جائے گی اور پھر ایک وقت آئے گا کہ ان کے پاس اتنی طاقت ہو جائے گی کہ تم سے شہر بھی لے لیں گے۔ انہوں نے کہا اس بزرگ کا مشورہ صحیح ہے کوئی دوسرا طریقہ سوچو۔ پھر سوچا گیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی ایک گھر میں قید کر دیا جائے صبح و شام کھانا دے دیا جائے کوئی بندہ نہ ان کے پاس آنے پائے نہ ملنے پائے تو یوں حضور ﷺ کی جو عمر باقی ہے وہ قید تنہائی میں گزر جائے تا آنکہ آپ دنیا سے رخصت ہو جائیں اور یہ قصہ ختم ہو جائے۔ اکثر لوگوں نے اس پر بھی اتفاق کیا لیکن جب اس شیخ نجدی سے پوچھا گیا تو وہ کہنے لگا تم لوگ اس بات کو

سمجھ نہیں رہے ہو جب اس کے ماننے والے کچھ لوگ حبشہ چلے گئے ہیں کچھ مدینہ منورہ چلے گئے ہیں تو وہ محنت تو کرتے رہیں گے اور تم قید بھی کرو گے تو ایک وقت ایسا آئے گا کہ ان کے جاں نثار تم سے لڑ کر اسے چھڑا لے جائیں گے تو یہ تو کوئی حل نہیں ہے۔ یہ بات بھی ان کے دلوں کو لگی۔ کہنے لگے یہ بھی بات تو ٹھیک ہے پھر کیا کیا جائے چونکہ مشرکین عرب کے متفرق قبائل تھے لہٰذا طے ہوا کہ ہر قبیلے کا ایک نوجوان لیا جائے جو فنون جنگ کا ماہر ہو تو یہ سارے جوان مل کر اس مہم میں شامل ہوں جب حضور استراحت فرمائیں تو آپ کے گھر کو گھیرے میں لے لیں۔ صبح جب حضور بیدار ہو کر گھر سے نکلیں تو شہید کر دیئے جائیں۔ اب ہر قبیلے کا ایک سردار ہوگا بیس پچیس لوگ ہوں گے کچھ پتہ نہیں چلے گا کہ کس کی تلوار سے حضور شہید ہوئے۔ تو ظاہر ہے ان سارے قبیلوں سے بنو ہاشم بدلہ تو نہیں لے سکیں گے بات خون بہا تک آجائے گی۔ تو جو بھی خون بہا ہوگا سارے قبیلے مل کر ادا کر دیں گے اور بات ختم ہو جائے گی۔ تو اس پر شیطان بھی متفق ہوا کہ یہ ٹھیک بات ہے۔

اللہ کی قدرت دیکھیں اللہ نے اس وقت بھی اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مدد فرمائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرمانے چلے گئے مشرک نوجوانوں نے گھر مبارک کو گھیرے میں لے لیا، تلواریں سونت لیں تب اللہ نے حکم دیا میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم اب ہجرت کرو۔ اللہ کو اپنی شان بھی دکھانا تھی کہ میں اپنے حبیب ﷺ کا رکھوالا ہوں، انسانوں کا محتاج نہیں ہوں۔ انسانی دنیا اور وسائل میں تو اتنا ہی تھا جتنا مشرک کر چکے۔ جب وہ سب کچھ کر چکے تو حکم ہوا میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم اب ہجرت کر جاؤ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم تھا آپ کو تیاری کا حکم مل چکا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بتا رکھا تھا۔ انہوں نے سانڈھنیوں کا، راشن کا اور ہر طرح کا انتظام کر رکھا تھا۔ جو سرمایہ موجود تھا وہ ساتھ تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منتظر تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ میں اور تم اکٹھے ہجرت کریں گے۔ جب مشرکین بڑے مستعد ہو کر گھر کے باہر کھڑے ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے حضرت علی کرم اللہ وجہہ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مقیم تھے کو فرمایا کہ آپ رضی اللہ عنہ میرے بستر پر آرام فرمائیں۔ میرے پاس مشرکین کی اور ان کفار کی جو میرے قتل پر تیار ہیں امانتیں ہیں یہ رکھ لو جب صبح اٹھو گے میری طرف سے انہیں لوٹا دینا اور تم بھی ہمارے پاس مدینہ منورہ آجانا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں یہ خوشخبری موجود تھی کہ آپ رضی اللہ عنہ کا بھی کچھ نہیں بگڑے گا آپ رضی اللہ عنہ خیریت سے اٹھیں گے، امانتیں عطا کریں گے اور پھر خدمت عالی میں مدینہ منورہ پہنچ جائیں گے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا آپ نکل کھڑے ہوئے اور سورہ یٰسین کی آیات کی تلاوت فرماتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے باہر تشریف لائے۔ مشرکین کے پہرہ داروں کے درمیان سے گزر گئے۔ انہیں کچھ سمجھ نہیں آئی۔ سیدھے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

کے گھر کو رونق بخشی۔ وہاں سے دونوں حضرات روانہ ہوئے۔

علامہ باذل ایک ایرانی عالم ہوئے ہیں شاعر بھی بہت پائے کے تھے۔ انہوں نے ایک تاریخ اسلام لکھی ہے جو فارسی میں ہے اور منظوم ہے، کافی بڑی کتاب ہے، اس کا نام ہے حملہء حیدری۔ وہ اس عہد کی تاریخ ہے۔ اس میں علامہ باذل بھی لکھتا ہے۔ ابوبکر صدیقؓ نے پہلے سے تیاری کر رکھی تھی ان کے غلام کو بھی پتہ تھا۔ طے یہ ہوا کہ غار ثور میں جا کر شب بسر فرمائیں گے آگے رہنما کا انتظام کیا گیا تھا جو وہاں سے مدینہ منورہ کے راستے کی رہنمائی کرے گا۔ وہ بھی غیر مسلم تھا اسے اجرت پر لیا گیا۔ دو اچھی سانڈھنیاں تیار تھیں آپؓ کی بچیوں نے کھانا بنایا۔ حضرت اسماؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کھانا اور جو سرمایہ سیدنا صدیق اکبر کا تھا وہ دو پوٹلیاں باندھیں تو آپؓ کا جو دو پٹہ تھا اسے آپؓ نے پھاڑ کر دو ٹکڑے کر کے ان سے باندھا۔ اسی روز سے ان کا لقب ذوالنطاقین دو دو پٹوں والی پڑ گیا۔ وہاں سے جب مدینہ منورہ کی طرف چلے تو مکہ مکرمہ کے پہاڑ بڑے سنگلاخ اور زمین بڑی سخت ہے جن لوگوں کو اللہ کریم نے مکہ مکرمہ حاضری کی یہ سعادت بخشی ہے وہ جانتے ہیں کہ نرم سے نرم جوتا بھی پہن کر مکہ مکرمہ کی سنگلاخ زمین پر چلتے رہو تو پاؤں کے تلووں میں خون جم جاتا ہے تو علامہ باذل کہتا ہے:

چوں رفتم چندیں بدامان دشت
قدوم فلک سایہ مجروح گشت

کہ بیابان میں پہاڑی علاقے میں تھوڑا ہی سفر کرنے کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدوم مبارک زخمی ہو گئے' قدوم فلک سایہ مجروح، گشت، سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے تو پاؤں مبارک زخمی ہو گئے ہیں تو آپ میرے دوش پر تشریف لے آئیں۔ علامہ باذل لکھتا ہے:

ابوبکر آنگہ بدوشش گرفت
ولے ایں حدیث است جائے نہ ہفت

ابوبکر نے آپ کو کندھوں پر بٹھا لیا لیکن یہ بات بندے کو حیرانگی میں ڈال دیتی ہے کہ کسی شخص میں اللہ نے اتنی طاقت بھر دی کہ نبوت کا بوجھ اٹھا کر اس پہاڑ پر جا رہا ہے۔

کہ در کس چناں قوت پدید
کہ بار نبوت توانت کشید

فرمایا، کافروں نے سارے دنیاوی اسباب مکمل کیے لیکن کیا میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کو روک سکے؟ نہیں روک سکے کچھ نہیں بگاڑ سکے۔ اس وقت تم ساتھ تو نہیں تھے جو غزوہ تبوک میں پیچھے رہ گئے ہو۔ نہ تم ساتھ تھے نہ یہ تیس ہزار کا لشکر ساتھ تھا لیکن اللہ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت فرمائی۔ فرمایا اِلَّا تَنْصُرُوْهُ اگر تم مدد نہیں بھی کرو گے فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ تو اللہ نے پہلے بیشمار دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد فرمائی۔ اور وہ موقع یاد کرو جب اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا کافروں نے آپ کو شہر چھوڑنے پر ہجرت پر مجبور کر دیا تھا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی اللہ سب کو لے جائے۔ غار ثور پر کھڑے ہو کر نیچے نظر کریں۔۔۔ تو نیچے بڑی لمبی بڑی مشکل اونچی پہاڑی ہے۔ آج جہاں سے حاجی چڑھتے ہیں وہاں تو راستہ بنا ہوا ہے۔ جدھر سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے وہ دشوار گزار ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیقؓ کے کاندھے پر سوار تھے اور نہ صرف یہ کہ راستہ پتھریلا تھا بلکہ رات کی تاریکی بھی تھی لیکن جہاں اللہ کی رہنمائی ہو سارے کام ہو جاتے ہیں۔ یہ لمحات وہ تھے کہ وجودِ اقدس کا تعلق دوش ابوبکرؓ سے تھا اور زمین بھی ابوبکرؓ کے پاؤں چوم رہی تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک زمین پر بھی نہیں تھے۔ یہ عجیب سعادت ہے کہ وہ ہستی جو کائنات کے لیے، سارے جہانوں کے لیے باعث سعادت ہے، وہ ہستی جو اللہ کا آخری پیغام لانے والی ہے، ختم الانبیا، امام الانبیا امام الرسل صلی اللہ علیہ وسلم ہے تمام رسولوں کی امام ہے وہ ساری برکات ابوبکر صدیقؓ کے کندھوں پر تھیں اور کائنات کو بھی اگر برکات مل رہی تھیں تو وہ ابوبکر صدیق کے پاؤں مبارک سے مل رہی تھیں کیسے عجیب لمحات تھے۔

صبح مشرکین مکہ نے جب دیکھا تو بستر پر حضرت علیؓ کو پایا تو پوچھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہاں ہیں آپؓ نے فرمایا پہرے پر تم تھے، تمہیں پتہ ہونا چاہیے کہاں ہیں۔ میں تو سو رہا تھا ننگی تلواریں لیے باہر تو تم پہرے دیتے ہو ساری رات جاگتے رہے ہو اب مجھ سے پوچھتے ہو؟ وہ شرمندہ ہوئے اور پھر انعام مقرر کیے کہ جو بتائے گا یا پکڑوائے گا اتنے اونٹ دیں گے۔ خود مشرکین مکہ اور روساء نے کھوجی لیے اور نقشِ کف پا کی تلاش میں چل پڑے۔ عرب میں کھوجی اب بھی بہت ہوتے ہیں اب بھی پولیس کی مدد کرتے ہیں۔ عرب کے کھوجی بہت مشہور ہیں۔ وہ اس حد تک اندازہ لگا لیتے ہیں کہ اس بندے کے سر پر بوجھ بھی ہے، اس کی ایک آنکھ میں نظر کم ہے ایسی عجیب چیزیں وہ آج بھی تلاش کر لیتے ہیں۔

دشمنانِ اسلام اپنے ساتھ کھوجی بھی لیے گئے اور صبح کھرا تلاش کرتے کرتے غار کے دروازے پر پہنچ

گئے ۔ سیدنا ابوبکر صدیقؓ فرماتے ہیں میں بیٹھا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میری گود میں سر مبارک رکھ کر آرام فرما رہے تھے ۔ لیٹے ہوئے تھے ۔ مجھے گھٹنوں تک مشرکین کی ٹانگیں سامنے نظر آ رہی تھیں اور ان کی باتیں سنائی دے رہی تھیں ۔ یہ دیکھ کر میں پریشان ہوا۔ جیسا کہ سیرت میں موجود ہے حضرت صدیق اکبرؓ کی پریشانی نبی کریم ﷺ کی حفاظت کے پیش نظر تھی اسی لیے اللہ کریم نے ان کی جاں نثاری اور اخلاص کا انعام ''ثانی اثنین'' دیا۔ ارشاد باری ہوا اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ دو میں کا دوسرا دونوں جب غار میں جلوہ افروز تھے ۔

ثانی اثنین، صدیق اکبرؓ:

دنیا میں صرف دو ہستیاں ایسی ہیں جو تمام عالم سے الگ شان رکھتی ہیں ۔ گروہ انبیاء میں امام الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور امتیوں میں سے ابوبکر صدیقؓ ثانی اثنین ہیں ۔ علامہ مرحوم نے صدیق اکبرؓ کی شان میں کہا کہ آپؓ وہ ہستی ہیں جنہوں نے ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے زیادہ خدمت کی حضرت ابوبکر صدیقؓ کے محاسن میں یہ واقعہ بھی ملتا ہے کہ وصال سے چند روز پہلے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں جلوہ افروز ہوئے اور فرمایا کسی نے مجھ سے کچھ لینا دینا ہو تو طے کر لے اور فرمایا لیکن ایک شخص کا حساب میں چکا نہیں سکتا وہ ابوبکرؓ ہیں اس کو معاوضہ اللہ کریم ہی دیں گے کہ اس کا مال اس کی جان بے دریغ استعمال ہوا، اسلام پر ہی سارا خرچ ہو گیا۔ انہوں نے اس طرح قربان کیا ہے کہ اس کا معاوضہ اللہ ہی دے ۔ اسی بات کو علامہ مرحوم نے منظوم کیا ہے ۔

آں امن الناس ہر مولائے ما
آں کلیم وادی سیناء ما
دولت او کشت ملت راچوں ابر
ثانی اثنین و غار و بدر و قبر

کہ دو میں کا دوسرا بھی ابوبکرؓ، غار کا ثانی دوسرا بھی ابوبکرؓ بدر کا ثانی بھی ابوبکرؓ، اور قبر مبارک کا ثانی بھی ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں انبیاؑ میں ابراہیمؑ نبیؑ اسحاق نبی یعقوبؑ نبیؑ یوسفؑ نبیؑ چار پشتیں مسلسل نبوت رہی ۔ ابوبکر صدیقؓ خود صحابیؓ والد صحابیؓ بیٹے بیٹیاں صحابیؓ پوتے صحابیؓ چار پشت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت یافتہ ہے ۔ کوئی ایک ولی کامل ہو تو مشائخ فرماتے ہیں کہ سات پشتوں تک اس کی اولاد کے خون میں تاثیر جاتی ہے ۔ بگڑ

بھی جائیں تو بے دین نہیں ہوتے۔ اللہ اللہ نہ بھی کریں تو کچھ اللہ کی عظمت کا احساس باقی رہتا ہے۔ اس کے خون میں جینز (Genes) سفر کرتی ہے۔ جس کی چار پشتیں صحابی ہوں ان کی فضیلت کے کیا کہنے اِذۡ يَقُوۡلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحۡزَنۡ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے غار کے دہانے پر جب مشرکین کو دیکھ لیا تو گھبرائے کہ آپ ﷺ کی حفاظت کیسے ہوتو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تسلی دیتے ہوئے فرمایا میرا غم نہ کرو۔ حزن سے مراد ہے محبوب کے لیے رنج کرنا اور اپنی ذات کی فکر کے لیے لفظ خوف استعمال ہوتا ہے۔ حزن کی مثال سیدنا یعقوبؑ کے قصے میں ملتی ہے جب آپؑ حضرت یوسفؑ کے غم میں اتنا روئے کہ آنکھیں سفید کر دیں تو اللہ کریم فرماتے ہیں وَابۡيَضَّتۡ عَيۡنٰهُ مِنَ الۡحُزۡنِ (یوسف:84) اتنا پیار تھا کہ یوسفؑ کے رنج میں حزن میں، رو رو کر آنکھیں سفید ہو گئیں۔ یہاں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر صدیقؓ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا لَا تَحۡزَنۡ میری فکر نہ کریں کہ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ یقیناً اللہ ہم دونوں کے ساتھ ہے۔

معیت باری:

قرآن نے فرمایا دو میں کا دوسرا کہ صرف دو ہستیاں ہیں جن میں ایک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ستودہ صفات ہے اور دوسرے ابوبکر صدیقؓ۔ یہ دونوں اکٹھے تھے ان دونوں کی کیا خاص خصوصیت ہے؟ کہ ان دونوں کو اللہ کی ذاتی معیت نصیب ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی شان کے مطابق اور ابوبکر صدیقؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص اُمتی ہونے کی شان کے مطابق۔ معیت عمومی ہر ذرہ کائنات کو حاصل ہے۔ معیت ہی کا شعبہ خالقیت ہے کہ پیدا فرماتا ہے۔ معیت ہی کا شعبہ ہے کہ مختلف چیزوں کو مختلف تاثیریں عطا کرتا ہے۔ ایک وقت تک اسے حیات عطا کرتا ہے پھر اسے فنا کرتا ہے یا باقی رکھتا ہے یہ سارے کرشمے معیت ہی کے ہیں اور یہ معیت عمومی ہے۔ سو فرمایا وَهُوَ مَعَكُمۡ اَيۡنَ مَا كُنۡتُمۡ ؕ (الحدید:4) تم جہاں کہیں بھی ہو اللہ تمہارے ساتھ ہے۔ ہر معیت ہر ذرے کو حاصل ہے۔ شجر و حجر کو حاصل ہے، چرند و پرند، سبزے اور گھاس پھول و پھل، دریا و سمندر، زمین و آسمانوں و عرش کو حاصل ہے۔ ہر اس چھوٹے سے چھوٹے ذرے کو جس کو اللہ نے تخلیق فرمایا ہے اسے یہ معیت عمومی حاصل ہے۔ کافر کا وجود بھی تو اللہ کا دیا ہوا ہے۔ اللہ ہی نے باقی رکھا ہوا ہے۔ یہ بھی اسی کی معیت کا ہی حصہ ہے۔ ملائکہ فرشتے، نوری مخلوق یہ بھی اسی کی مخلوق ہے۔ اب اس سے اوپر ایک معیت ہے جو صرف مومن کو نصیب ہے۔ مومن کو جو معیت نصیب ہے اس سے اس پر معرفت باری کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ اللہ کو پہچاننے، اللہ کو ماننے، اللہ کا اقرار کرنے، اللہ کی نافرمانی سے بچنے، اللہ کی اطاعت کرنے کے دروا ہو

جاتے ہیں۔ اس سے ایک درجہ اوپر معیت خاصہ ہے وہ اہل اللہ کو حاصل ہے۔ ہمارے ساتھ ہی کھاتے، پیتے، رہتے بستے ہیں لیکن انہیں اللہ کا ساتھ ایک خاص طریقے سے نصیب ہوتا ہے۔ ان کے دلوں میں نور ہوتا ہے، ان کے دلوں میں تجلیات باری ہوتی ہیں جیسے فرمایا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ (الفتح 29:) فرمایا ان کے چہروں پر اللہ کی تجلیات رقصاں ہوتی ہیں۔ یہ معیت خاصہ ہوتی ہے لیکن یہاں ایک قید لگ گئی۔ ولی اللہ کو معیت خاصہ تو نصیب ہوتی ہے لیکن اس میں اللہ کریم کی طرف سے معیت ذاتی ہوتی ہے اور ولی کی طرف سے یا انسان کی طرف سے اس کا وصف ہوتا ہے، کوئی صفت ہوتی ہے جیسے اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ○ (البقرہ 153:) اللہ صابرین کے ساتھ ہے اِنَّ اللّٰهَ مَعَ ادھر ذاتی معیت ہے الصّٰبِرِيْنَ ادھر صفت انسانی ہے۔ صبر ہے یعنی نیکی پر قائم رہنا اور گناہ کے قریب نہ جانا فرمایا ایسے لوگوں کو میری معیت ذاتی نصیب ہے۔ یہی ولایت ہے، ایسی صفت کے حامل لوگوں کو ہم ولی اللہ کہتے ہیں۔ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ○ (العنکبوت 69:) اس میں بندے کی طرف سے صفت احسان ہے اُدھر معیت ذاتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ خدانخواستہ وہ صفت ضائع ہو جائے، صبر ضائع ہو جائے یا احسان ضائع ہو جائے تو وہ معیت سے محروم ہو جائے گا۔ اس سے اوپر معیت کا درجہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا ہے چونکہ انبیاء معصوم عن الخطاء ہوتے ہیں انبیاء سے گناہ کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، غلطی کا امکان نہیں ہوتا ان کی نیکی دائمی اور ورع وتقویٰ مثالی ہوتا ہے تو انہیں دائمی معیت حاصل ہوتی ہے لیکن اللہ کی طرف سے معیت صفائی ہو جاتی ہے۔ جیسے موسیٰؑ نے فرمایا اِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ○ (الشعراء 62:) میرے پاس میرا رب ہے۔ اللہ کی طرف رب کی صفت آ گئی اسی طرح جب فرمایا فرعون کے ساتھ بات کرو اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰى○ (طٰہٰ 46:) تو فرمایا میں تمہارے ساتھ ہوں، سن رہا ہوں، دیکھ رہا ہوں یعنی نبیؑ کو اللہ کی دائمی معیت نصیب رہتی ہے لیکن اللہ کی طرف سے صفائی ہوتی ہے۔ ذاتی نہیں۔ قرآن کریم میں جہاں بھی دیکھ لیں تو وہاں معیت کے ساتھ کہیں ربّ کا لفظ آیا، کہیں دیکھنے سننے کا، کہیں مدد کرنے کا۔ معیت ذاتی نہیں معیت صفاتی ہو جاتی ہے لیکن جب بات آتی ہے ان دو ہستیوں کی تو انبیاء میں محمد رسول اللہ ﷺ اور غیر انبیاء میں آدم علیہ السلام کی اولاد سے لے کر قیامت تک آنے والی انسانیت میں غیر انبیاء میں ابوبکر صدیقؓ یہ دو ہستیاں منفرد ہیں جن کو معیت ذاتی حاصل ہے یعنی نہ ادھر صفت ہے نہ اُدھر صفت ہے اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا اللہ ہم دونوں کے ساتھ ہے۔ ذات الٰہی ذات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے اور ذات صدیق اکبرؓ کے ساتھ ہے۔ نہ ایک طرف کسی صفت کا ذکر ہے نہ دونوں ہستیوں کی طرف کسی صفت کا تذکرہ ہے۔ پوری کائنات میں ان دو ذوات مقدسہ کو ذاتی طور پر اللہ جل

شانہٗ کی ذات کی معیت حاصل ہے۔

فرمایا: فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ اللہ کریم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی طرف سے سکینہ نازل فرمادی اس وقت جب دشمن تلاش کرتے کرتے غارِ ثور کے پاس پہنچ چکے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ دیکھ رہے تھے کہ اگر مشرکین نے اندر جھانک لیا تو وہ ان کو دیکھ لیں گے۔ اس لمحے اللہ کریم نے ایسی تسکین، ایسا سکون قلب اور اعتماد الی اللہ نازل فرمادیا جس نے دنیاوی اسباب کے خوف اور دنیوی مصائب کی فکر سے آزاد کردیا۔ نہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی فکر رہی نہ سیدنا ابوبکر صدیقؓ کو۔ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا اور اللہ کریم نے ایسے لشکروں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد فرمائی جو عمومی طور پر نظر نہیں آتے یعنی فرشتوں کے لشکر۔

اس وقت مشرکین کی پوری قوت بالمقابل تھی انہوں نے بے شمار انعامات کا اعلان کردیا تھا کہ جو کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطلاع دے گا اسے بیش قیمت انعام دیا جائے گا اور بہت لوگ انعام کے لالچ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے تھے۔ ابوجہل اپنے ساتھ جوشیلے نوجوان اور ماہر کھوجی لے کر نکلا ہوا تھا۔ کھوجی تلاش کرتے کرتے غارِ ثور پر پہنچ چکے تھے لیکن اللہ کریم کے اپنے کام ہیں اور وہ ہر چیز ہر وقت قادر ہے۔ اس نے حفاظت کا ایسا انتظام فرمایا کہ مشرکین مکہ کی پوری قوت کے آگے بند باندھ دیا۔

قدرت کاملہ کا ظہور:

قرآن کریم میں آگے سورۃ العنکبوت میں ہے وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ۔ (العنکبوت: 41) مکڑی کا گھر جو ہوتا ہے تمام گھروں سے کمزور ہوتا ہے تو غارِ ثور پر اللہ نے مکڑی کو حکم دیا کہ تم سامنے اپنا جالا تن دو۔ دو جہاں کے سردار اندر ہیں، مشرکین مکہ تلاش میں ہیں، پاگل ہو رہے ہیں، قتل کرنا چاہتے ہیں شہید کرنا چاہتے ہیں، صفحہ ہستی سے مٹا دینا چاہتے ہیں۔ اور اللہ نے سکون اور تسکین نازل فرمادی، قلوب کو سکینہ سے بھر دیا حفاظت کے لئے ملائکہ کے لشکر نازل فرمادیئے بظاہر سبب بنادیا اس کو جو کمزور ترین چیز ہے یعنی مکڑی کے جالے کو۔ وہ کیسا قادر ہے کہ دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت کو مکڑی کے جالے سے بھی روک سکتا ہے اور دنیا کے سب سے بڑے خزانے کی حفاظت ایک جالے سے بھی فرما سکتا ہے۔ کوئی دنیا کا خزانہ ذاتِ اقدس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ کوئی دنیا کا مادی خزانہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی آپ کے خادم سیدنا ابوبکر صدیقؓ کی ذات کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ تو دونوں ذوات کا تحفظ اللہ کریم نے اس طرح فرمایا کہ ان کے دلوں کو سکون سے بھر دیا وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا اور ایسے لشکروں سے ان کی مدد

فرمائی جو مادی طور پر آنکھوں سے دیکھے نہیں جا سکتے یعنی فرشتوں کا ایک لشکر نہیں کئی لشکر نازل فرما دیئے۔ مشرکین ناکام لوٹے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو شب وہاں قیام فرمایا اور پھر ایک بدوی کو راستہ بتانے والا جو پہلے سے ہی سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے کرائے پر لے رکھا تھا اور سانڈھنیاں بھی کھڑی کر رکھیں تھیں تو وہ آگے آگے چلا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر صدیقؓ مدینہ منورہ کو روانہ ہو گئے۔ اب بظاہر صحرا میں ایک بدو کی رہنمائی میں صرف دو ہستیاں مدینہ منورہ کو رواں ہیں۔ ظاہری آنکھ کے علم میں یہی کچھ ہے لیکن اللہ کریم فرماتے ہیں وہ دونوں تنہا تو نہ تھے میں نے تو ان کی حفاظت اور ان کی رفاقت کے لیے فرشتوں کے کئی لشکر نازل فرمائے تو ساری کوشش ساری قوت سارے وسائل خرچ کرنے کے بعد مشرکین مکہ ان کا کچھ بگاڑ نہ سکے نہ روک سکے نہ گرفتار کر سکے۔ ہر راستے پر انہوں نے شہسوار دوڑا دیے کہیں سے کوئی خبر لائے جو اونٹوں کا انعام بھی لے اور شہرت بھی پائے کہ میں نے انہیں گرفتار کرایا۔

ایک ہستی حضرت سراقہ بن مالک بڑے مضبوط آدمی تھے۔ سفر ہجرت میں وہ ایک ہستی ایسی تھی جو حضور ﷺ کی تلاش میں آپ کے قریب جا پہنچی۔ سیدنا ابوبکر صدیقؓ متفکر ہوئے تو حضور ﷺ نے تسلی دی۔ اس بات کو علامہ باذل یوں لکھتا ہے

ببیں قدرتِ قادرِ ذوالجلال کہ چوں می کند دفع بما،

کہ اللہ کریم قادر ہے آپ اس کی قدرت کا مشاہدہ کیجئے اور دیکھیں کہ ان کے شر سے انہیں کس طرح بچاتا ہے۔ تو وہ جب قریب پہنچے تو زمین نے اس کے گھوڑے کو جکڑ لیا اور گھوڑے کا پیٹ زمین سے لگ گیا ٹانگیں زمین پر تو بہت گھبرایا کہ یہ تو بہت عجیب بات ہو گئی تو اس نے پکار کر عرض کی کہ میں معافی چاہتا ہوں آپ میرے لیے دعا کریں اللہ مجھے اس مصیبت سے نجات دے دے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے توجہ فرمائی زمین نے گھوڑا چھوڑ دیا۔ پھر اسے خیال آیا اتفاق بھی ہو سکتا ہے زمین پر کوئی غار ہو گا یا نیچے کوئی ایسی نرم جگہ ہو گی جہاں میرے گھوڑے کے پاؤں دھنس گئے تو میں خوامخواہ ڈر گیا اس نے پھر گھوڑا دوڑایا جب قریب آیا تو پھر زمین نے گھوڑا جکڑ لیا تو اس نے کہا میں نے غلطی کی آپ معاف فرما دیں آپ تو کریم ہیں میں ایک خطا کار انسان ہوں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سراقہ میں تجھے اس دن کی خبر دیتا ہوں اس دن تجھے کیسا لگے گا جب ایران کے شہنشاہ کسریٰ کے سونے کے کنگن تمہارے بازوؤں میں ہوں گے تو وہ حیران ہو گیا کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے آج سپر پاور کہلوانے والے ملک کا صدر لوگوں کو بہت مضبوط نظر آتا ہے لیکن اس عہد میں کہلوانے والے آج سے زیادہ مضبوط تھے تلوار سے جنگیں ہوتی تھیں ان کے گورنروں کے پاس ڈیڑھ ڈیڑھ لاکھ سپاہ ہوتی تھیں ایران کی

سلطنت بہت بڑی اور عظیم سلطنت تھی مورخین لکھتے ہیں کہ جب نوح کی اولاد زمین پر آباد ہوئی اور شہنشاہیت بنی تو ایران کی بادشاہت وہ بادشاہت تھی جو نوح کے بعد بنی اور مسلمانوں کے ہاتھوں آ کر برباد ہوئی۔ ایک ہی خاندان میں اتنا عرصہ بادشاہت چلتی رہی۔

حضور ﷺ کا سفر ہجرت دیکھیں تو بظاہر دیکھیں تو دو مسافر ہیں جو مشرکین کے دباؤ پر مجبور ہو کر اپنا شہر اپنا گھر چھوڑ کر دوسرے شہر ہجرت کر کے جا رہے ہیں ان کے شر سے بچنے کے لیے دنیاوی اعتبار سے دیکھیں تو کتنی کمزوری لگتی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اہل مکہ کی اکثریت نے قدر نہ کی جنہوں نے قدر کی وہ ساتھ ہجرت کر گئے اس سے بہرہ اندوز ہوئے اور جنہوں نے قدر نہ کی وہ مارے گئے بعد میں جب مکہ فتح ہوا تو سب کو ایمان بھی نصیب ہو گیا اور آپ نے انہیں آزاد بھی فرما دیا لیکن ذات پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے رخصت ہو گئی سفر ہجرت سے بہت پہلے انصار مدینہ نے مکہ جا جا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ حضور ﷺ آپ ہمارے ہاں تشریف لے آیئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے استفسار فرمایا کہ مجھے دعوت دے رہے ہو لیکن مجھے دعوت دینے کا مطلب بھی سمجھتے ہو؟ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالکل سمجھتے ہیں کہ روئے زمین کے سارے اور زمین پر چھائی ہوئی تمام کافر طاقتوں سے ہمیں لڑنا پڑے گا لیکن ہمیں یہ منظور ہے ہم جانیں دیں گے، گھر لٹوائیں گے، قربان کر دیں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کا حق ادا کر دیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کا حق ادا کریں گے ہمیں یہ سودا منظور ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہمیشہ کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت مدینہ منورہ کے حصے میں آئی۔ آج بیت اللہ شریف مکہ مکرمہ میں ہے اور علماء حق فرماتے ہیں کہ دنیا میں افضل ترین جگہ وہ ہے جہاں بیت اللہ شریف ہے حطیم بیت اللہ شریف کا حصہ ہے اور بیت اللہ شریف عالم امر سے ایک طرف لے کر دوسرے طرف تجلیات باری سے گھرا ہوا ہے لیکن فرماتے ہیں جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما ہیں اور جو خاکِ پاک مدینہ منورہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود عالی سے مس ہو رہی ہے وہ بیت اللہ کی زمین سے افضل ہے تو بظاہر تو مشرکین مکہ نے یہ سمجھا کہ ہم نے ہجرت پر مجبور کر دیا لیکن یہ نہ سمجھا کہ ہم تو سعادت سے محروم ہو رہے ہیں، رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو کھو رہے ہیں۔ آج جو بھی مکہ مکرمہ عمرہ کرتا ہے پھر مدینہ منورہ جانا اس پر واجب ہو جاتا ہے اسے ضرور حاضر ہونا ہے تو جو چیزیں ظاہری آنکھ دیکھتی ہے وہ کچھ اور ہوتا ہے اور حقائق کچھ اور ہوتے ہیں۔ چیزیں نظر آنے کے اعتبار سے کمزور ہوتی ہیں اور اپنے نتائج کے اعتبار سے کچھ اور ہوتی ہے۔

فرمایا: وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى اللہ نے کافروں کی بات کو خاک میں ملا دیا ان کی ساری کروفر اور ان کے انعامات کے اعلان سارے خاک میں ملا دیئے اور وہی سراقہ جو تلاش کرتا ہوا پہنچا تھا بعد

میں جب کسریٰ کا پایہ تخت مداین فتح ہوا اس کے کنگن مالِ غنیمت میں آئے تو سیدنا فاروق اعظمؓ نے حضرت سراقہؓ کو طلب فرمایا اور فرمایا یہ تو ہجرت کے روز تمہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا کر دیئے آج بازو آگے کرو میں خود تمہیں پہناؤں۔ فاروق اعظمؓ نے خود ان کے ہاتھوں میں وہ کنگن پہنائے جو سرکاری طور پر کسریٰ کے شاہی لباس کا حصہ تھے تو اللہ کا اپنا نظام ہے۔ بظاہر ظاہری آنکھ یہ دیکھ رہی ہے نبی کریم ﷺ کو، ابوبکر صدیقؓ کو، مسلمانوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام خدام کو، مشرکین مکہ نے دیس نکالا دے دیا ملک سے شہر سے گھر سے نکال دیا۔ عالم یہ ہے کہ اس عالم میں بھی وہ اس وقت کو سپر پاور کے بادشاہ کے وجود کا جو زیور ہے وہ بھی مالِ غنیمت میں تقسیم فرما رہے ہیں۔

حقائق کیا ہوتے ہیں ظاہری آنکھ کیا دیکھتی ہے اور اللہ دل کی آنکھ دے تو پھر حالات کا مشاہدہ دل سے کیا جائے لیکن وہ دل جو اللہ کی ذات سے زندہ ہو۔ اگر یادِ الٰہی سے دل زندہ نہ ہو تو وہ دل، دل نہیں ہے وہ ایک پمپنگ مشین ہے خون پمپ کرتی رہتی ہے بات ختم ہو جاتی ہے۔ شیطان کا گھر بن جاتا ہے خطرناک جگہ بن جاتی ہے نقصان دہ بن جاتی ہے جس کے دل میں ہوتا ہے اسی کو تباہ کرتا رہتا ہے۔ اللہ کریم نے کافروں کی بات خاک میں ملا دی وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ؕ اور ہمیشہ اللہ ہی کا بول بالا ہے۔ ہوتا وہی ہے جو وہ چاہتا ہے اس لیے کہ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ اللہ زبردست جو چاہیں کر سکتے ہیں۔ کرنے کس انداز سے ہیں یہ ان کی اپنی حکمت ہے وہ دانا تر ہیں۔ انسان کی کیا بساط ہے کہ وہ حکمتِ الٰہی کو سمجھ سکے وہ اپنی حکمت اپنی پسند اپنی مرضی کے مطابق امور انجام دیتے ہیں یہ نہیں کہ اللہ کریم کی کوئی مجبوری ہے وہ غالب ہے وہ عزیز ہے اور حکیم ہے۔ ہجرت کرانے میں اس کی کیا کیا حکمتیں تھیں، غارِ ثور میں بٹھانے میں اس کی کیا حکمتیں تھیں۔

ایک رات نبی کریم ﷺ حجرہ مبارکہ کے صحن میں آرام فرما تھے آسمان شفاف اور ستاروں سے بھرا ہوا تھا اُم المومنین عائشہ الصدیقہؓ نے آسمان دیکھ کر عرض کی یا رسول اللہ ﷺ کسی کے نامہ اعمال میں اس طرح نیکیاں ہوں گی جس طرح اس شب تار میں آسمان ستاروں سے مزین ہے اور کوئی گن نہیں سکتا اور ہر ایک کی الگ الگ چمک اور روشنی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا بیشک عمرؓ کی نیکیاں ان کے اعمالنامے میں اسی طرح ہیں تو انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میرے والد کی نیکیاں کیسی ہیں؟ فرمایا: ابوبکرؓ کی بات نہ کرو اسے تو ثور کی جو تین راتیں مل گئی تو ثور کی ایک رات ان نیکیوں پر کئی گنا بھاری ہے صبح ہی یہ بات سیدنا فاروق اعظمؓ کے پاس پہنچی کہ حضور ﷺ نے رات کو یہ فرمایا ہے تو آپؓ سیدنا ابوبکر صدیقؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ عرض کی ایک سوال لایا ہوں، آپ سے کچھ چاہیے۔

میرے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کو یہ فرمایا ہے کہ جس طرح بادل صاف ہوا اور آسمان ستاروں سے بھرا ہوا اس طرح عمرؓ کے اعمال نامے میں نیکیاں ہیں فرمایا مبارک ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا۔ الحمدللہ پھر تو بڑی بات ہے کہنے لگے لیکن میں آپ کی خدمت میں اس لیے حاضر ہوا ہوں کہ یہ ساری نیکیاں آپ لے لیں ثور کی ایک رات کا اجر مجھے دے دیں انہوں نے فرمایا ایسا نہیں ہو سکتا۔ وہ لمحے جو محبوب کا سر گود میں رکھ کر بیتے ہوئے ہوں وہ دیے نہیں جاسکتے، وہ دینے کی چیز نہیں ہے۔ اللہ آپ کی نیکیاں آپ کو مبارک کرلے۔ لیکن معیت رسالت کے وہ لمحے میں کیسے دے دوں۔ آپ شب بھر کی بات کرتے ہیں اس کا تو ایک لمحہ نہیں دیا جاسکتا۔

ان کیفیات کو سمجھنے کے لیے الفاظ کافی نہیں ہوتے وہ کیفیات چاہئیں وہ عشق چاہیے وہ تعلق چاہیے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو آج کی بات کرلو آج کسی کو خواب میں لمحہ بھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہو جائے تو علماء حق لکھتے کہ خواب میں کسی کو لمحہ بھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہو جائے اور وہ زیارت حضور ﷺ ہی کی ہو تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس بندے کی نجات ہو جائے گی اس کی نجات کے لیے یہ کافی ہے اس کی بخشش کا سامان ہو گیا۔ صدیوں بعد خواب میں ایک لمحہ صورت اطہر نظر آجائے تو فرمایا اس کی نجات کی دلیل ہے اس کا خاتمہ ایمان پر ہوگا اور وہ نجات پائے گا تو ذرا اس موقعے کی بات سوچیں جب خود ذات نبی کریم ﷺ ہو اور گود میں آرام فرما ہو راتیں اور دن پر ہو رہے ہوں تو اس کی لذت کون جانے اس کی کیفیات اور اس کے مدارج کون جانے حامد شاہ ایک واعظ ہوا کرتے تھے وہ بڑے لہک لہک کر اس موضوع پر یہ شعر پڑھا کرتے تھے:

دلبر ہے دل میں الحمد للہ
سب کچھ ہے گھر میں الحمد اللہ

کہ محبوب گود میں آرام فرما رہا ہے تو دونوں جہانوں کی دولت ہے۔ محبوب کے ساتھ گزارے ہوئے وقت کو ان بیتے ہوئے لمحات کو وہی جان سکتا ہے جسے اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق کا کوئی ذرہ نصیب ہو۔ ہم بہت نیچے چلے گئے ہیں ہماری نگاہوں میں مادی چیزیں قیمتی ہو گئی ہیں ہمارے عشق بھی مادی چیزوں کے ساتھ دولت کے ساتھ ہے، اقتدار کے ساتھ ہے دنیا کے ساتھ ہے۔ یہ مادی عشق عشق نہیں ہے یہ کاروبار ہے، لین دین ہے اور اس میں نقصان بھی ہوتے ہیں۔ نفع موہوم ہوتا ہے نقصان یقینی ہوتا ہے۔ عشق الٰہی میں نقصان کا تصور نہیں ہے۔ عشق پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم میں نقصان کا تصور ہی نہیں ہے لیکن کوئی وہ دل تو لائے پھر اس دل کو اتنا پاک کرے اس کو اتنا دھوئے اس کا زنگ اتارے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لکل شی

صقالۃٌ و مقالۃُ القلوب ذکر اللہ اوکمال قال رسول اللہ ﷺ ہر چیز کی پالش ہوتی ہے دلوں کا زنگ اتارنے کی دوا ہے اللہ کا ذکر۔ ذکر قلبی نصیب ہو وہ کیفیات نصیب ہوں دل میں وہ بات آئے۔ بہرحال شاید ہم الفاظ الفاظ میں اشارتاً کچھ پالیں۔ یہ گہری چیزیں ہیں، سمجھ بھی آتے آتی ہے وہ بھی آج کے دور میں ہمارے جیسے لوگوں میں وہ خلوص کہاں ان میں وہ کیفیات کہاں جو ان چیزوں کو سمجھ سکیں پاسکیں لیکن فرمایا یہ بھی یاد رکھو بہرحال اللہ کریم غالب ہے۔ ہر چیز پر قادر ہے جو چاہتے ہیں وہ کرتے ہیں۔ کفر کی طاقتیں کچھ نہیں بگاڑ سکتیں اور وہ حکیم ہیں اپنی حکمت کے مطابق امور انجام دیتے ہیں۔ کافروں سے نہ ڈرو بشرطیکہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ سے وفا کرو۔ اگر کافروں سے ڈر کر تمہاری وفائیں اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے تبدیل ہوگئیں پھر منافع وہاں سے بھی نہیں ہوگا کہ جس کے ساتھ اللہ کی رحمت نہیں ہوتی اس کی دستگیری کوئی نہیں کرتا اس کی مدد کوئی نہیں کرتا۔ ہم شائد ان چیزوں کو سمجھ ہی نہیں سکتے اس لیے کہ ہمارا تو مدار حیات کافروں سے مانگ کر کھانے پر ہے۔ ہمارا ملکی بجٹ بن رہا ہے متفکر ہوتے ہیں کون سے کافر ملک سے بھیک ملے گی۔ ہماری سمجھ سے تو یہ باتیں بالاتر ہیں۔

اسلام اور کفر ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ کفر میں ظلم ہے اسلام حقوق دینے کا نام ہے۔ جہاد بھی اسی لیے ہے مدنی حیات مبارکہ میں اسی سے زائد غزوات وسرایہ ہوئے سب کے سب لوگوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے ظالم کو ظلم سے روکنے کے لیے ہوئے۔ یاد رہے غزوات ان جنگوں کو کہتے ہیں جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس شریک ہوئے اس جنگ کو کہتے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر کی گئی لیکن اس میں کسی اور کو امیر بنا کر بھیجا گیا کسی ایک غزوہ یا سریہ میں مسلمان حملہ آور نہیں ہیں۔ حملہ آور کفار ہیں مسلمانوں نے دفاعی جنگ لڑی ہے پھر اس کے بعد خلافت راشدہ میں تین چوتھائی دنیا کا حصہ فتح ہو گیا لیکن قیصر نے سرحد پر فوجیں جمع کر کے دباؤ ڈالا اور مسلمانوں کو دفاع کرنا پڑا۔ پھر کسریٰ نے مسلمانوں پر دباؤ ڈالا حملہ آور کسریٰ تھا دفاع کرتے کرتے مسلمانوں نے کسریٰ کی ساری سلطنت لے لی تو ساری جنگیں مسلمانوں نے زمین پر قبضہ کرنے کے لیے نہیں دین کے دفاع اور اسلام کے دفاع اور اسلامی سلطنت کے دفاع میں لڑیں:

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن
نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی

مومن کو نہ دولت کی ضرورت ہے نہ زمینوں پر قبضہ کرنے کی بلکہ اسے تو اللہ کی راہ میں جان دینے کی ضرورت ہے اللہ کی قدرت کا بیان ہو رہا ہے کہ دیکھو اللہ نہ کسی کا محتاج ہے نہ اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سوا کسی کا محتاج ہے۔ ہجرت کے وقت کون سی فوج آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھی اللہ نے مدد فرمائی فرشتوں

کے لشکر اتارے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ ابرہہ بڑا طاقتور تھا۔ عرب میں ہاتھیوں کی فوج بھی لے آیا۔ عربوں نے ہاتھی دیکھے بھی نہیں تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا حضرت عبدالمطلب کا زمانہ تھا۔ حضرت عبدالمطلب اپنے وقت کے سچے پکے اور کھرے مسلمان تھے، موحد تھے۔

یاد رہے حضور کی بعثت سے پہلے توحید باری پر یقین رکھنے والا مسلمان تھا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان نبوت فرمایا تو پھر ضروری ہو گیا کہ توحید و رسالت دونوں پر ایمان لایا جائے چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا اور والدین کریمین اپنے زمانے کے موحد تھے اس لیے نہایت پکے مسلمان تھے تو یہ جو نور نامے اور اس طرح کی چھوٹی چھوٹی کتابیں لکھی گئی ہیں جن میں عجیب عجیب باتیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین اور دادا کے بارے عجیب باتیں ہیں یہ ساری خرافات ہیں ابرہہ کے واقعے سے اندازہ ہوجاتا ہے کہ حضرت عبدالمطلب کا ذات باری تعالیٰ پر کیسا عظیم الشان اعتقاد اور بھروسہ تھا کہ جب ابرہہ اور اس کے لشکری شہر میں داخل ہو گئے تو انہوں نے اہل مکہ سے کہا کہ ہم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے لہٰذا شہر چھوڑ کر پہاڑوں میں چلے جاؤ۔ ان کے کچھ اونٹ ابرہہ کے لشکر لے گئے تو آپ ان کے لشکر میں تشریف لے گئے۔ اسے بتایا گیا کہ اہل مکہ کے سردار عبدالمطلب تشریف لائے ہیں اس نے کہا اندر بلاؤ۔ آپ خیمے میں تشریف لائے اس نے پوچھا فرمایئے آپ کیا کہنا چاہتے ہیں انہوں نے کہا میرے کچھ اونٹ تھے جو آپ کے لشکری لے آئے ہیں میں چاہتا ہوں مجھے میرے اونٹ واپس کر دیئے جائیں۔ وہ بڑا حیران ہوا اس نے کہا میں اتنا سفر کر کے اتنی بڑی فوج کے ساتھ آیا ہوں کہ تمہارا یہ خانہ کعبہ گرا دوں اور میں نے اپنے ملک میں ایک بیت اللہ تعمیر کیا ہے کہ لوگ وہاں کا حج کریں اور تم اونٹوں کی بات کرتے ہو؟ میں تو سمجھا تھا تم مکہ کے رئیس ہو اور مجھ سے اس ضمن میں کوئی بات کرو گے تو انہوں نے فرمایا دیکھ اللہ نے اونٹ مجھے دیے ہیں ان کی ملکیت میرے پاس ہے میں اس کی بات کرتا ہوں وہ گھر جسے تو گرانا چاہتا ہے اس کا بھی ایک مالک ہے وہ واحد و لاشریک ہے وہ ہر چیز پر قادر ہے ہمارے بس میں تیرے خلاف لڑنا نہیں ہے اس لیے ہم نے اس سے عرض کر دیا ہے کہ تو اپنے گھر کی حفاظت خود کر لے لہٰذا وہ معاملہ تجھ سے اس گھر کا مالک کرے گا۔ وہ بڑا حیران ہوا اس نے اونٹ دلوا دیئے تو ابرہہ نے جب لشکر کو کوچ کا حکم دیا ہاتھیوں اور جانبازوں اور شہسواروں کو حملہ آور ہونے کے لیے کہا تو اللہ نے کمزور ترین پرندہ ابابیل بھیج دیئے ایک کنکر ان کی چونچ میں ہوتا تھا چھوٹی چھوٹی کنکریاں پنجوں میں وہ اوپر سے چھوڑتے تھے جسے سر میں لگتی تھیں پاؤں تک دو ٹکڑے کر دیتی تھی جس ہاتھی کو لگتی تھیں اسے چیر دیتی تھیں اور ان میں تعفن پیدا ہونا شروع ہو جاتا تھا فوراً چھالے بن جاتے تھے یوں پورا لشکر تہس نہس ہو گیا۔ اللہ نے بڑے بڑے ہاتھیوں کا مقابلہ کرنے کے لیے چھوٹے چھوٹے ابابیل بھیج دیئے۔

تو وہ قادر ہے وہی ہوگا جو وہ چاہے گا۔

مسلمانوں کو ان کی ذمہ داری بتاتے ہوئے فرمایا: اِنۡفِرُوۡا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوۡا بِاَمۡوَالِكُمۡ وَاَنۡفُسِكُمۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ‌ؕ ذٰ لِكُمۡ خَيۡرٌ لَّـكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۴۱﴾ تمہارے پاس تھوڑا سامان ہے۔ سامان جنگ کم ہے، راشن کم ہے، سواریاں کم ہیں، افرادی قوت کم ہے تو بھی اللہ کی راہ میں نکل پڑو۔ وَّثِقَالًا اگر تمہارے پاس قوت طاقت زیادہ ہے، افرادی قوت بھی ہے مال بھی ہے، اسلحہ بھی ہے تب بھی تم اللہ کی راہ میں نکلو یعنی جو وسائل پاس ہیں کم ہیں یا زیادہ ہیں ہر حال میں وَّجَاهِدُوۡا بِاَمۡوَالِكُمۡ وَاَنۡفُسِكُمۡ اپنے مال سے بھی اور اپنی جان سے بھی اللہ کی راہ میں جہاد کرو فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ‌ؕ کسی سے بدلہ لینے کے لیے نہیں، کسی کو شکست دینے کے لیے نہیں، اللہ کی راہ میں حق کے قائم کرنے اور ظلم کو مٹانے کے لیے، باطل کو روکنے اور حق کے تحفظ کے لیے، غریبوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے، ظالم کو ظلم سے روکنے کے لیے اللہ کی راہ میں مال بھی خرچ کرو جان جاتی ہے تو جان بھی خرچ کرو یہ جہاد ہے۔ یہ جہاد نہیں ہے کہ مسجد میں بم پھینک کر نمازیوں کو ماردو۔ حکومت سے ناراض ہو تو گلیوں میں جاتے لوگوں کو گولیوں سے ہلاک کردو۔ احتجاج کرنا ہے تو سڑک پر جاتے مسافروں کی گاڑیاں توڑ دو یا دکانیں جلا دو اور دفتر توڑ دو اور دفتر میں جو لوگ بیٹھے ہیں ان کو مارو۔ یہ کون سا جہاد ہے ان لوگوں کا کیا قصور ہے، مسافروں کا کیا قصور ہے، غریب آدمی کا کیا قصور ہے کہ مار رہے ہو۔ یہ آوارگی ہے۔ جہاد بہت خوبصورت نام ہے جو اپنی ذات سے شروع ہوتا ہے۔ اصل جہاد یہ ہے کہ اپنے آپ کو دین کے تابع کرو اپنی برائیوں سے توبہ کرو انہیں چھوڑو پھر تمہارے بس میں تمہارے اردگرد جو برائی ہے اسے مٹاؤ، مٹا نہیں سکتے تو اس سے الگ ہو جاؤ۔ پھر جا کر قومی اور ملکی سطح کی بات آتی ہے۔ جب ملکی سطح کی بات آتی ہے تو فرمایا اسباب پر بھروسہ مت کرو مسبب الاسباب پر بھروسہ کرو۔ تمہارے پاس وسائل زیادہ ہیں تو بھی کم ہیں تو بھی اللہ کی راہ میں نکل پڑو ذٰ لِكُمۡ خَيۡرٌ لَّـكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۴۱﴾ اگر تم بات سمجھ سکو تو یہ صورتحال تمہارے لیے سب سے بہتر ہے سارا بھروسہ وسائل پر ہی نہ رکھو جو پاس ہے خلوص سے اللہ کی راہ میں نکل پڑو جان جائے چلی جائے مال جائے چلا جائے، فائدہ تمہارا ہی ہوگا جان ہی کی قیمت لگ جائے گی اور اتنی لگ جائے گی کہ تم سوچ نہیں سکتے۔ مال کا بھی بدلہ مل جائے گا اور اتنا مل جائے گا جو تم سوچ نہیں سکتے ذٰ لِكُمۡ خَيۡرٌ لَّـكُمۡ تمہارے لیے یہی بہترین راستہ ہے اِنۡ كُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۴۱﴾ ہاں بات، بات کو جاننے کی ہے اگر تم سمجھ سکو، جان سکو۔

گزشتہ آیات میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہجرت فرمانے کی بات ہوئی، جہاد کی بات ہوئی۔ اللہ کریم نے مجاہدین کی تعریف فرمائی ان کے بلند درجات کی بات ہوئی۔ اب ایک ایسے طبقے کی بات ہو رہی ہے

جسے منافق کہا جاتا ہے۔ منافق کی تعریف یہ ہے کہ بظاہر وہ دعویٰ ایمان کا کرے، لوگوں کو دکھانے کے لیے نماز روزہ اور اعمال میں بھی حصہ لے لیکن اس کے دل میں اللہ کی توحید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر یقین نہ ہو دنیاوی فائدے کے لیے مسلمان بنا رہے ایسے لوگوں کی بات ہو رہی ہے کہ جب غزوۂ تبوک میں جہاد کا وقت آیا تو یہ لوگ بہانے بنانے لگے۔ اس بات سے ڈر گئے کہ دشمن بہت طاقتور تھا اور حالات انتہائی سخت تھے۔ اللہ کی راہ میں ایثار کرنے کا وقت تھا یہ جان و مال بچانے کی فکر میں تھے تو اللہ کریم فرماتے ہیں لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيبًا وَّسَفَرًا قَاصِدًا اگر مال غنیمت کے آسانی سے مل جانے کی بات ہوتی، یہ خیال ہوتا کہ مال غنیمت آسانی سے ہاتھ آ جائے گا اور سفر بھی کم ہوتا لَّاتَّبَعُوكَ تو یہ لوگ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرتے، آپ کے ساتھ جاتے وَلَٰكِنۢ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ۚ لیکن ان سے مشقت برداشت نہیں ہو رہی انہیں تو سفر ہی دور دراز معلوم ہونے لگا وَسَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ اور یہ اس پر اللہ کی قسمیں بھی کھائیں گے لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ ۚ کہ اگر ہمارے بس کی بات ہوتی تو ہم ضرور آپ کے ساتھ چلتے يُهْلِكُونَ أَنفُسَهُمْ ۚ یہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال رہے ہیں اپنے آپ کو ہلاک کر رہے ہیں وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿٤٢﴾ اللہ کریم جانتے ہیں کہ یہ تو جھوٹ بولتے ہیں۔

اپنا جائزہ لیں:

یہ آیہ مبارکہ نفاق کی علامات بتا رہی ہے کہ منافق کا کردار کیسا ہوتا ہے۔ اگر ہم جاننا چاہیں کہ نفاق کیا ہے تو ہمیں دوسروں کی جستجو نہیں کرنا چاہیے۔ اپنی ذات کو سامنے رکھ کر اس آیہ مبارکہ کے آئینے میں خود کو تلاش کرنا چاہیے اس لیے جو شخص جہاد بالسیف کرتا ہے وہ پہلے اپنے نفس سے جہاد کرتا ہے کہ ہر حال میں شریعت پر عمل کرنا ہر لمحے کا جہاد ہے۔ جہاد بالسیف یعنی مسلح ہو کر جنگ کرنا اپنی جگہ مُسلّم اور شریعت کا جزو ہے لیکن اس کی اپنی شرائط ہیں۔ جب وہ صورت حال ہو تو عین جہاد میں بھی نماز تو فرض ہے۔ نمازیں تو جہاد میں بھی پڑھی جاتی ہیں تو اپنے آپ کو دیکھنا چاہیے کہ اگر بندہ دن میں فرائض نمازوں کے لیے تکلف نہیں کر سکتا کہ میری مجبوریاں ہیں میرے اور بہت سے کام ہیں میرا دفتری کام بہت سا ہے، مجھے بچوں کو سکول سے لینا ہے میرا باپ بیمار ہے، میری ماں کی طبیعت ٹھیک نہیں، مجھے فرصت ہی نہیں ملتی، میرے پاس وقت ہی نہیں ہوتا تو یہ بات بتاتی ہے کہ اس کے دل میں ایمان میں کمی ہے۔ میرے پاس بھی ایسے خطوط آتے ہیں کہ مجھے طرح طرح کے خیالات آتے ہیں، مجھے ڈر لگتا ہے، مجھے وہم آتے ہیں کہ مجھے فلاں بیماری تو نہیں ہو گئی اور ان پریشانیوں کی وجہ سے مجھ سے ذکر بھی چھوٹ گیا اور

نمازیں بھی چھوٹ گئی ہیں۔ کیسی عجیب بات ہے آپ ایک بندے سے مدد چاہ رہے ہیں۔ ایک اپنی جیسی مخلوق کو خط لکھ رہے ہیں کہ اس میں میری مدد کرو اور خالق کو چھوڑ دیا ہے۔ بھلا مخلوق تمہاری کیا مدد کرے گی۔ اگر کوئی مجھے یہ لکھتا ہے اور یہ سمجھ کر لکھتا ہے کہ یہ دعا کرے گا تو میں دعا کس سے کروں گا؟ جس کو آپ چھوڑ چکے ہیں۔ یعنی اس دعا میں کیا تاثیر ہوگی کہ آپ کہتے ہیں میری مصروفیات اتنی ہیں کہ میں رب کا فرض سجدہ بھی نہیں ادا کرسکتا۔ تو میں اگر دعا کروں تو اپنی رب العالمین سے کروں گا تو وہ فرمائے گا تو نہیں جانتا میں اس بندے کو جانتا ہوں۔

ہم سارا وقت دوسروں کا جائزہ لیتے رہتے دوسروں کو اللہ کے سپرد کریں اور دوسروں کے لئے اللہ سے دعا کریں۔ سب مسلمانوں کے لئے دعا کریں۔ اللہ انہیں ہدایت پر قائم رکھیں۔ پہلے اپنا جائزہ لیں۔ آپ کی مصروفیات اگر آپ سے فرائض نمازیں چھڑا رہی ہے تو سوچیں کہ اگر آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہوتے، جہاد کا اعلان ہوتا تو کیا آپ پھر جہاد پر جاتے؟ آپ کی مصروفیت تو آپ کو سجدہ کرنے کی فرصت نہیں دے رہی تو پھر جہاد پر کون جاتا۔

یہی حال منافقین کا ہے۔ ارشاد ہو رہا ہے کہ اگر آسان کام ہو اور کوئی دنیاوی فائدہ ملنے کی امید ہو کہ آرام سے مل جائے گا اور سفر بھی زیادہ نہیں ہے لَّاتَّبَعُوْكَ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیتے۔ آپ ﷺ کا اتباع کرتے آپ کے ساتھ ہوتے لیکن یہ لمبا سفر یہ محنت ومجاہدہ اور پھر ایک طاقتور دشمن سے مقابلہ ان پر شاق ہے۔ مال غنیمت اگر ملتا تو آسانی سے تو نہیں ملے گا دشمن کی فوج کو شکست دے کر ملے گا تو ان چیزوں نے مل کر انہیں بددل کر دیا ہے لہٰذا کہتے ہیں اس مصیبت میں پڑنے کے بجائے ہم کیوں نہ اپنے گھر کے کام کریں۔ اس کے ساتھ خود کو مومن بھی ظاہر کرنا چاہتے ہیں تو فرمایا عنقریب یہ اللہ کی قسمیں کھائیں گے اگر ہمارے بس میں ہوتا تو ہم ضرور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے اور آپ کا ساتھ دیتے اور آپ کے ساتھ جاتے۔ حالانکہ ان کے بس میں کیا نہیں تھا۔ اس سارے کا نتیجہ کیا ہے فرمایا: يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۚ اپنے آپ کو تباہی میں ڈال رہے ہیں۔ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۴۲﴾ اللہ کریم جانتے ہیں کہ یہ جھوٹ بول رہے ہیں۔ ان کا جانے کا ارادہ ہی نہیں تھا۔ یہ جانا چاہتے ہی نہیں تھے۔ یہ خود کو مشقت میں ڈالنا نہیں چاہتے تھے ان کا رویہ یہ تھا کہ یہ اس مجاہدے میں پڑنا نہیں چاہتے تھے کہ یہ مشکل کام ہے چھوڑو جان بچاؤ اور اب جھوٹی قسمیں کھا کھا کر یقین دلانے کی کوشش کر رہے ہیں حالانکہ یہ جھوٹے ہیں۔

سورۃ التوبہ رکوع 7 آیات 43 تا 59

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ
الْكٰذِبِيْنَ ﴿٤٣﴾ لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ
يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿٤٤﴾ اِنَّمَا
يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ
فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ ﴿٤٥﴾ وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّلٰكِنْ
كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿٤٦﴾ لَوْ خَرَجُوْا
فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّلَاَاوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ ۚ
وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿٤٧﴾ لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ
قَبْلُ وَقَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ حَتّٰى جَاۗءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿٤٨﴾
وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ ۭ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ۭ وَاِنَّ
جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿٤٩﴾ اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۚ وَاِنْ تُصِبْكَ
مُصِيْبَةٌ يَّقُوْلُوْا قَدْ اَخَذْنَآ اَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَيَتَوَلَّوْا وَّهُمْ فَرِحُوْنَ ﴿٥٠﴾ قُلْ
لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰىنَا ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ
الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿٥١﴾ قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ ۭ وَنَحْنُ
نَتَرَبَّصُ بِكُمْ اَنْ يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖٓ اَوْ بِاَيْدِيْنَا ڮ
فَتَرَبَّصُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ ﴿٥٢﴾ قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ
مِنْكُمْ ۭ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿٥٣﴾ وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ

نَفَقٰتُهُمْ اِلَّآ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ وَلَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ
كُسَالٰى وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ۝٥٤ فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ
اَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ
اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ۝٥٥ وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ ؕ وَمَا هُمْ
مِّنْكُمْ وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ ۝٥٦ لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً اَوْ مَغٰرٰتٍ اَوْ مُدَّخَلًا
لَّوَلَّوْا اِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُوْنَ ۝٥٧ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ ۚ فَاِنْ
اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَاِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَآ اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ ۝٥٨ وَلَوْ اَنَّهُمْ
رَضُوْا مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۙ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ
فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗٓ ۙ اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ۝٥٩

اللہ نے آپ کو معاف فرما دیا (لیکن) آپ نے ان کو اجازت کیوں دی جب تک کہ آپ کے سامنے سچے لوگ ظاہر نہ ہو جاتے اور جو جھوٹے ہیں وہ بھی معلوم ہو جاتے ﴿۴۳﴾ جو لوگ اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں وہ اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کرنے کے بارے آپ سے رخصت نہ مانگیں گے اور اللہ پرہیزگاروں کو خوب جانتے ہیں (سے واقف ہیں) ﴿۴۴﴾ بے شک آپ سے وہی لوگ رخصت چاہتے ہیں جو اللہ پر ایمان نہیں لائے اور نہ آخرت کے دن پر اور ان کے دلوں میں شک پڑے ہوئے ہیں سو وہ اپنے شک میں ڈانواں ڈول ہو رہے ہیں ﴿۴۵﴾ اگر وہ نکلنے کا ارادہ کرتے تو اس کے لیے سامان تیار کرتے ولیکن اللہ نے ان کے جانے کو پسند نہ فرمایا پس ان کو روک دیا اور حکم ہوا اپاہج لوگوں کے ساتھ تم بھی بیٹھے رہو ﴿۴۶﴾ اگر یہ لوگ تمہارے ساتھ ہو کر نکلتے تو تمہارے لیے خرابی میں اضافہ ہی کرتے اور تمہارے درمیان فساد ڈلوانے کی کوشش کرتے اور تم میں (اب بھی) ان کے جاسوس موجود ہیں اور اللہ ان ظالموں

سے خوب واقف ہیں ﴿۴۷﴾ یقیناً انہوں نے تو پہلے بھی فتنہ برپا کرنا چاہا تھا اور
بہت سی باتوں میں آپ کے لیے الٹ پھیر کرتے رہے یہاں تک کہ حق آ پہنچا اور
اللہ کا حکم غالب ہوا اور ان کو ناگوار ہی گزرتا رہا ﴿۴۸﴾ اور ان میں بعض لوگ ایسے
ہیں جو کہتے ہیں مجھے اجازت دیجیئے اور مجھے خرابی میں نہ ڈالیے جان لو یہ خرابی میں تو
پڑ ہی چکے اور بے شک دوزخ (سب) کافروں کو گھیرے ہوئے ہیں ﴿۴۹﴾ اگر
آپ کو کوئی اچھی حالت پیش آتی ہے تو ان کو دکھ ہوتا ہے اور اگر آپ پر مصیبت آتی
ہے تو (خوش ہو کر) کہتے ہیں ہم نے تو پہلے ہی احتیاط کا پہلو اختیار کر لیا تھا اور وہ
خوشیاں مناتے لوٹ جاتے ہیں ﴿۵۰﴾ فرما دیجیے کہ ہم پر ہرگز کوئی مصیبت نہیں
آ سکتی سوائے اس کے جو اللہ نے ہمارے لیے مقدر فرما دی ہے۔ وہ ہمارا مالک ہے
اور ایمان والوں کو اللہ پر ہی بھروسہ رکھنا چاہیۓ ﴿۵۱﴾ فرما دیجیے کیا تم ہمارے میں
دو بہتریوں میں سے ایک بہتری کے منتظر رہتے ہو؟ اور ہم تمہارے حق میں اس بات
کے منتظر رہتے ہیں کہ اللہ تم پر اپنے پاس سے کوئی عذاب نازل فرمائے یا ہمارے
ہاتھوں سے (سزا دلوائے) سو تم بھی انتظار کرو یقیناً ہم بھی تمہارے ساتھ انتظار
کرتے ہیں ﴿۵۲﴾ فرما دیجیے کہ تم خوشی سے خرچ کرو یا نہ چاہتے ہوئے تم سے کسی
طرح (اللہ کے ہاں) قبول نہیں کیا جائے گا (کیونکہ) بے شک تم نافرمانی کرنے
والے لوگ ہو ﴿۵۳﴾ ان کے مال (خیرات وغیرہ) قبول ہونے میں اور کوئی چیز
رکاوٹ نہیں سوائے اس کے کہ ان لوگوں نے اللہ کے ساتھ اور اس کے پیغمبر کے
ساتھ کفر کیا اور نماز کو آتے ہیں تو سست ہو کر اور خرچ نہیں کرتے مگر ناگواری کے
ساتھ ﴿۵۴﴾ سو آپ کو ان کے مال اور اولاد پر حیرت نہ ہو یقیناً اللہ کو صرف یہ
منظور ہے کہ ان چیزوں سے ان کو دنیا کی زندگی میں عذاب میں گرفتار رکھے اور ان
کی جان کفر ہی کی حالت میں نکل جائے ﴿۵۵﴾ اور یہ (منافق) اللہ کی قسمیں
کھاتے ہیں کہ وہ یقیناً تم میں سے ہی ہیں حالانکہ تم میں سے نہیں بلکہ وہ ڈرپوک

لوگ ہیں ﴿۵۶﴾ اگر وہ کوئی پناہ کی جگہ (قلعہ وغیرہ) پائیں یا غار یا گھس بیٹھنے کی کوئی جگہ تو اسی کی طرف سرکشی کرتے ہوئے بھاگ جائیں ﴿۵۷﴾ اور ان میں کچھ ایسے ہیں جو صدقات کی تقسیم میں آپ پر اعتراض کرتے ہیں پس اگر اس میں سے ان کو مل جاتا ہے (خواہش کے مطابق) تو راضی ہو جاتے ہیں اور اگر ان میں سے نہیں ملتا تو ناراض ہو جاتے ہیں ﴿۵۸﴾ اور اگر وہ اس پر خوش رہتے کہ جو اللہ اور اس کے پیغمبر نے ان کو عطا فرمادیا تھا اور کہتے ہمیں اللہ کافی ہیں عنقریب اللہ اپنے فضل سے اور اس کے پیغمبر (اپنی مہربانی سے) ہمیں (پھر) دیدیں گے بے شک ہم اللہ ہی کی طرف رغبت کرنے والے ہیں (تو ان کے حق میں بہتر ہونا) ﴿۵۹﴾

تفسیر و معارف

حبیب کبریاء صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام محبت :

فرمایا: عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معاف فرما دیا۔ کیا اندازِ محبت ہے، نبی ﷺ کے اندازِ کریمانہ پر اللہ کریم کس محبت سے خطاب فرما رہے ہیں۔ یہ باتیں تعلق کی ہیں۔ جو قرب نبی علیہ الصلوۃ والسلام کو اللہ سے نصیب ہوتا ہے غیر نبی اس کو سمجھ ہی نہیں سکتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم امام الانبیاء ہیں، نبیوں کے بھی نبی ہیں۔ سید المرسلین ہیں، رسولوں کے سردار ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عظمت باری سے جو رشتۂ قلبی ہے اسے میں اور آپ سمجھ نہیں سکتے۔ یہ ہمارے بس کی بات نہیں۔

یہاں ارشاد ہوا، اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معاف فرمادیا۔ اس سے واضح ہو جائے کہ حضور ﷺ کی کوئی غلطی نہیں تھی جو اللہ نے معاف فرمادیا۔ یہ معافی گناہ کی نہیں تھی کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام تو گناہ سے پاک اور معصوم ہیں۔ یہاں بات ہو رہی ہے کہ منافقین نے بہانے کیے، نہ جانے کے لیے عذر پیش کیے، حضور ﷺ سے اجازت چاہی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی۔ اس بات پر اللہ کریم نے یہ فرمایا۔ یہاں بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اندازِ رحمت پر اللہ کریم کی طرف سے کلام محبت کی ہے کہ اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معاف کر دیا۔ اللہ کو منظور ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو منظور ہے لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں پیچھے رہ جانے کی اجازت کیوں دی؟ اگر آپ اجازت نہ دیتے تو بھی انہوں نے جہاد میں نہیں جانا تھا۔

حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيۡنَ صَدَقُوۡا وَتَعۡلَمَ الۡكٰذِبِيۡنَ ﴿۴۳﴾ البتہ جھوٹے اور سچے کی پہچان ہو جاتی، جھوٹ اور سچ الگ الگ ہو جاتا۔

علامتِ نفاق:

قرآن حکیم تاریخ کی کتاب نہیں کہ واقعات کو تاریخ کے انداز میں بیان کرے۔ قرآن تو نصیحت ہے اور عبرت کے انداز میں واقعات بیان ہوتے ہیں کہ کس نے کیا، کیا اور اس کا کیا نتیجہ ہوا؟ منافقین نے دنیاوی مفاد کو مقدم رکھا۔ اگر دنیا مل رہی ہوتی تو بھاگ پڑتے۔ انہوں نے سمجھا کہ مجاہدہ کرنا پڑے گا، سفر کرنا پڑے گا، جانیں دینی پڑیں گی تو کہا ہم بڑے مصروف ہیں، ہم نہیں آسکتے۔ منافق ایسے لوگ ہیں جن کے سامنے موت نہیں ہوتی دنیاوی مفادات ہوتے ہیں۔ اپنے دنیاوی فائدے کے لیے دینی احکامات کو نظر انداز کر دیتے ہیں جہاں سے دنیاوی فائدہ ملتا ہو وہاں تو جانیں دے دیتے ہیں۔ جیسے وطن عزیز میں لوگ اپنے مفادات کے لیے سیاستدانوں سے وابستہ ہو جاتے ہیں۔ ان کا سیاستدانوں سے کیا رشتہ ہے؟ صرف ایک، کہ یہ شخص اقتدار میں آئے گا تو مجھے یہ دنیاوی فائدہ پہنچائے گا۔ اس کے لیے جلوس نکالتے ہیں، پولیس کی لاٹھیاں کھاتے ہیں، جیل جاتے ہیں لیکن صلوٰۃ کے لیے وضو کر کے دو سجدے نہیں کر سکتے، حلال نہیں کھا سکتے، حرام جمع کرتے رہتے ہیں، سود کھانے سے باز نہیں آتے۔ اس کا مطلب ہے انہیں آخرت یاد نہیں، موت یاد نہیں ہے۔ ان کے دلوں کا تعلق اللہ کریم سے نہیں ہوتا مفادات دنیا سے ہوتا ہے۔

اگر ہم اپنی زندگیوں کو دیکھیں تو قرآن ہمیں آئینہ دکھاتا ہے۔ ہمیں مصروفیات نے جکڑ رکھا ہے ہمیں یادِ الٰہی کی فرصت نہیں۔ یہ کون سی مصروفیت ہے جو اللہ کی یاد بھلا دے، جو سجدے سے محروم کر دے۔ حالانکہ مومن بھی اسی دنیا میں رہتا ہے۔ اسی دنیا کے تمام تقاضے پورے کرتا ہے۔ سب کام کرتا ہے یہی اناج و غلہ کھاتا ہے یہیں کا لباس پہنتا ہے، یہیں زندگی بسر کرتا ہے لیکن دنیا اس کے دل میں نہیں ہوتی دنیا میں وہ جائز اور حلال وسائل سے زندگی بسر کرتا ہے جس کی اسے اللہ نے اجازت دی ہے۔ حرام سے، ناجائز سے بچتا ہے۔ اللہ کو یاد کرتا ہے اور اللہ کی عبادت فرض کو فرض سنت کو سنت واجب کو واجب مستحب کو مستحب سمجھ کر ادا کرتا ہے۔ احکام الٰہی پر کاربند رہتا ہے۔

علامتِ اخلاص:

لَا يَسۡتَاۡذِنُكَ الَّذِيۡنَ يُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ اَنۡ يُّجَاهِدُوۡا بِاَمۡوَالِهِمۡ

وَ اَنْفُسِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۴﴾ جن لوگوں کو اللہ کے ساتھ ایمان نصیب ہے، آخرت پر ایمان نصیب ہے وہ اپنے مال و جان سے جہاد کرنے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی رخصت نہ مانگیں گے۔ وہ کوئی بہانہ نہ کریں گے۔ بیماری یا مصروفیت سامنے نہیں لائیں گے جہاں اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہوگا مال بھی خرچ کریں گے، جان دینی پڑی تو جان بھی دیں گے یعنی جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں ان کے خلوص کی نشانی یہ ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب نہیں کریں گے، رخصت نہیں چاہیں گے۔ وہ اپنی جان و مال سے اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور اللہ پرہیزگاروں کو خوب جانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر بندے کو خوب جانتے ہیں کہ کوئی کیا سوچتا ہے کیا کرتا ہے۔

شک، ایمانیات کا کینسر:

دلوں میں شک کا آجانا روح کا کینسر ہے کہ جس طرح بدن کا کینسر مہلک ہے اسی طرح یہ ایمانیات کے لیے مہلک ہے۔ اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہانے کر کے جو رخصتیں چاہتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جنہیں نہ اللہ پر ایمان نصیب ہے نہ آخرت پر یقین ہے وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ ان کے دلوں میں شک کی بیماری ہے۔ یہ کہتے ہیں پتہ نہیں کیا ہوگا، قبر کا سوال و جواب کس نے دیکھا ہے، عذاب وثواب کب ہوگا، کیسا ہوگا کس کو خبر ہے؟

کیسی عجیب بات ہے کہ بندہ اللہ کی بات چھوڑ کر، نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اعتماد چھوڑ کر اپنی نظر پر بھروسہ کرے ہماری نظر کی کیا حیثیت ہے؟ ہمارے دیکھنے کی، ہماری بصارت کی تو ایک حد ہے۔ ہم جسے دور سے دیکھ کر کوئی عظیم الجثہ جانور سمجھتے ہیں قریب جائیں تو وہ جھاڑی ہوتی ہے۔ تو اگر ہم اپنی نظر سے دیکھ بھی آتے تو کیا ہمارا دیکھنا قابل اعتماد ہوتا؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دیکھنا حقیقی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتماد، یقین عطا کرتا ہے۔ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا وہ ہمارے دیکھنے سے کروڑوں درجے زیادہ سچا اور یقینی ہے ہمارے دیکھنے میں غلطی ہو سکتی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے میں کوئی غلطی نہیں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات ہر غلطی سے پاک اور مبرا ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی فرمایا جو اللہ کریم نے آپ کو فرمانے کا حکم دیا۔ پھر اس پر مزید کسی کے دیکھ کر آنے کی کیا ضرورت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایمان اتنا کامل ہے کہ کائنات کے لیے کافی ہے اس کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کریم اس جسد عالی کے ساتھ عالم بالا لے گئے، جنت و دوزخ ملاحظہ فرمایا، عذاب وثواب ہوتے دیکھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اخروی حقائق کے چشم دید

گواہ ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود مشاہدہ فرما کر، دیکھ کر آئے ہیں۔ یعنی اگر کسی کو یہ گواہی چاہیئے کہ کوئی دیکھ کر آئے تو حضور ﷺ دیکھ کر آئے ہیں۔ اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتماد کرنے سے یقین آخرت نصیب ہوگا۔

فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ﴿۴۵﴾ بہانے کرنے والے وہ لوگ ہیں جو شک میں پڑے ہوئے ہیں جس کا نتیجہ ہے کہ شرعی طریقے سے کام کرنے اور عبادات کے لیے ان کے پاس وقت ہی نہیں۔ جیسے آج بھی لوگ کہتے ہیں، نماز پڑھنے کو دل بڑا چاہتا ہے لیکن فرصت ہی نہیں ملتی، دفتری کام ہی ایسے ہیں، بچوں کی پڑھائی ہے، سکول لانے لے جانے کی مصروفیت ہے، بیوی کی بیماری ہے، والدین کے کام ہیں فرصت ہی نہیں ملتی، فرمایا یہ سارے بہانے ان لوگوں کے ہیں جن کے دلوں میں شک ہے، آخرت میں شک ہے، حساب کتاب میں بھی شک ہے۔ دراصل انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر شک ہے، اللہ کی توحید، اللہ کی قدرت کے بارے شک ہے اور یہ اسی شک میں ڈول رہے ہیں کبھی اس طرف کبھی اس طرف۔ انہیں یقین کی دولت نصیب نہیں۔

شیخ کی ضرورت:

اسلام میں شیخ کی ضرورت اسی لیے ہے کہ دل میں وہ نور آجائے کہ اللہ کریم کے ساتھ ایک قلبی تعلق قائم ہو جائے۔ اللہ کریم سے پیار و محبت کا ایسا تعلق نصیب ہو جائے کہ بندہ ایثار کر سکے۔ اپنا مال، اپنا وقت اپنی قوت دے سکے۔ ضرورت پڑے تو جان بھی دے سکے۔

پیری مریدی اور شیخ و طالب کا رشتہ دنیاوی مفاد کے لیے نہیں ہے یہ جو سمجھا جاتا ہے کہ شیخ اس لیے ہے کہ جس کی اولاد نہیں ہے اس کے لیے دعا کرے کہ اولاد مل جائے، بیروزگار کو تعویذ دے، اسے کوئی روزگار مل جائے، مقدمے میں پکڑا ہوا ہے بری ہو جائے تو یہ غیر مسلموں کے عقیدے ہیں کہ جن بتوں کی وہ پوجا کرتے ہیں ان سے دنیاوی مفادات کے حصول کی امیدیں رکھتے ہیں۔

شیخ کی ضرورت صرف ایک کام کے لیے ہے کہ طالب کے دل کا تعلق اللہ وحدہٗ لاشریک سے قائم کر دے اور اس تعلق کی دلیل یہ ہے کہ اسے اللہ سے حیا آنا شروع ہو جائے۔ اللہ کی ناراضگی برداشت نہ کر سکے۔ اللہ کی اطاعت کرنے کی توفیق ہو جائے۔ حضور حق نصیب ہو جائے دنیا کی رنگینیوں میں بھی موت کو دیکھ رہا ہو۔ یہ ایک بہت قیمتی رشتہ ہے، نایاب رشتہ ہے۔ یہ وراثتِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ہے، یہ عطائے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ہے، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکات ہیں کہ بندے کو اللہ کے روبرو کر دے، بندے کو اللہ یاد رہے، اسے دین پر عمل کی توفیق عطا رہے اور تا دمِ واپسیں اس سے اللہ کی یاد نہ چھوٹے۔

یہ کشف ومشاہدہ کے حصول کے لیے بھی نہیں ہے ہاں اللہ کریم کسی کو کشف ومشاہدہ عطا کر دیں تو یہ اللہ کا انعام ہے لیکن یاد رہے کشف از قسم ثمرات ہوتا ہے اجر کی قسم کا ہوتا ہے۔ایک شخص مجاہدہ کرتا ہے اللہ اللہ کرتا ہے اسے مشاہدات ہوتے ہیں تو وہ مشاہدات اسے جتنے ہوتے ہیں اتنا آخرت کے اجر سے وہ خرچ کر رہا ہے اتنا آخرت میں اسے اجر کم ملے گا چونکہ مشاہدات از قسم ثمرات ہیں اجر ہے تو کشف ومشاہدات کی صورت میں کچھ اجر وہ دنیا میں لے لیتا ہے پھر میدان حشر میں وہ کہے گا کاش وہ جو اجر میں نے دنیا میں لے لیا نہ لیا ہوتا تو یہاں کام آتا۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب کسی کے اعمال تولے جارہے ہوں گے تو فرشتے عرض کریں گے کہ یا اللہ اس کے اعمال تولے گئے وہ سامنے ترازو ہے نیکیاں بھی ہیں بدیاں بھی ہیں اللہ فرمائے گا سارے رکھ دیئے یا اللہ سارے رکھ دیئے تو اللہ فرمائے گا اس کی کچھ امانتیں میرے پاس بھی ہیں وہ اس کی نیکی کے پلڑے میں رکھو۔عرض کریں گے یا اللہ ہمیں تو خبر نہیں۔فرمایا اس کے دل سے دعائیں نکلی تھیں وہ میرے پاس ہیں میں نے دنیا میں اس کی وہ دعائیں پوری نہیں کی تھیں تو میں نے اس کے لیے رکھ دیں کہ آخرت میں کام آئیں گی آج اس کی وہ دعائیں نیکی کے پلڑے میں رکھ دو۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں بڑے بڑے مستجاب الدعوات لوگ اس وقت آرزو کریں گے کہ کاش ہماری کوئی دعا دنیا میں پوری نہ ہوئی ہوتی اور آج وہ ساری یہاں مل جاتی تو شیخ یا مرشد یا پیر اس لیے چاہیے کہ دل میں شک کی بیماری نہ آنے پائے یقین کی دولت سے دل کو لبریز کردے۔

اگر کسی کو مشاہدہ ہوتا ہے تو الحمد للہ لیکن محققین صوفیاء فرماتے ہیں کہ مشاہدات وکشف **طلب بها اطفال الطریقة** کھلونے ہوتے ہیں جن سے طریقت کے بچوں کو، تصوف اور سیکھنے والے بچوں کو بہلایا جاتا ہے۔ کمزور لوگوں کو زیادہ مشاہدے ہوتے ہیں جن کی قوت یقین میں کمزوری ہو اسے مشاہدہ ہوجاتا ہے اللہ کریم اسے قائم رہنے کا سبب بنا دیتے ہیں۔اللہ بڑا کریم ہے وہ جانتا ہے کہ یہ کمزور ہے لیکن میرے ذکر میں تو لگا ہوا ہے اسے کوئی ترغیب دے دو کہ یہ قائم رہے۔اس کا مطلب ہے جو محروم ہوتا ہے وہ زبردستی خود ہی ہاتھ چھڑا کر بھاگتا ہے اللہ کسی کو محروم نہیں کرتے۔خلوص سے جو بھی لگے اسے وہ کیفیات اور وہ برکات نصیب ہوتی ہیں اور سب سے بڑی پہچان ہماری اپنی پہچان یہ ہے کہ میرے دل میں کتنا یقین آخرت ہے۔میں اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی کتنی اطاعت کر رہا ہوں، شریعت پر کتنا عمل کر رہا ہوں یا چند ٹکوں کے لیے پھسل جاتا ہوں یا حرام کے قریب نہیں جاتا فاقہ سہہ لیتا ہوں اور شک کی بیماری تو بہت مہلک بیماری ہے۔آج کل کہتے ہیں کینسر بڑی سخت بیماری ہے۔یہ شک جو ہے یہ ایمانیات کا کینسر ہوتا ہے۔دلوں میں شک کا آجانا ایسا ہی ہے۔یہ جو بدن کا کینسر ہے اس سے ایمان کا کینسر خطرناک ہوتا ہے۔شک ایمان کا کینسر ہوتا ہے اور شیخ اس کا طبیب ہوتا ہے اس کا کام یہی ہے کہ

دلوں کو شک سے پاک کردے وہ کیفیات نصیب ہوں کہ دل یقین سے لبریز ہوں۔ فرمایا ان کی مصیبت یہ ہے جو آپ سے رخصتیں مانگ رہے ہیں۔ انہیں اللہ پر ایمان نہیں ہے آخرت پر ایمان نہیں ہے اور ان کے دلوں میں شک پڑ گیا ہے اور یہ اپنے ان شکوک کے طوفان میں ڈول رہے ہیں ادھر سے اُدھر اور ادھر سے ادھر لڑھک رہے ہیں وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً اگر ان کو جانا ہوتا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب جانا ہوتا اور کوئی مجبوری پڑ گئی تھی تو اجازت لے لیتے لیکن اس کے لیے انہوں نے کوئی تیاری تو کی ہوتی، کوئی سامان جمع کیا ہوتا، راشن لیا ہوتا اسلحہ اٹھایا ہوتا، کوئی اونٹ تیار کیا ہوتا، سواری تیار کی؟ وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ اگر ان کا جانے کا ارادہ ہوتا لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً تو انہوں نے اس کے لیے کوئی تیاری تو کی ہوتی لیکن انہوں نے تو کوئی تیاری بھی نہیں کی صرف رخصتیں مانگ رہے ہیں کہ اجازت دے دیں ہم مصروف ہیں ہم آ نہیں سکتے وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ اصل بات یہ ہے کہ ان کے دلوں میں شک کی بیماری تھی تو اللہ نے انہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت سے محروم کر دیا۔ اللہ کو ان کا نکلنا منظور ہی نہیں تھا، پسند ہی نہیں تھا کہ ایسے شکوک وشبہات سے بھرے ہوئے لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب کیوں ہوں۔ وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ ان کا نکلنا اللہ کو ناپسند تھا فَثَبَّطَهُمْ اس نے انہیں بٹھا دیا وَقِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ ۝ اور انہیں فرما دیا کہ جو پیچھے بیٹھنے والے ہیں ان کے ساتھ بیٹھو۔ ہم سے نمازیں نہیں چھوٹتیں ہم سے ذکر میں سستی نہیں ہوتی ہم سے اللہ اللہ نہیں چھوٹتی ہم سے تلاوت نہیں چھوٹتی ہم برائیاں ایسی کرتے ہیں کہ وہ چھڑا دیتی ہے ہمارے دلوں میں شک کی بیماری لگ جاتی ہے جہاں شک کی بیماری آ جاتی ہے وہاں اطاعت کے دروازے بند ہونا شروع ہو جاتے ہیں اور توفیق الٰہی سلب ہونا شروع ہو جاتی ہے اور اللہ کسی کی عبادت کا محتاج تو نہیں ہے ساری دنیا اس کی عبادت چھوڑ دے تو اس کی شان میں کمی نہیں ہوتی اور ساری دنیا ہر وقت سر بسجود رہے تو اس کی شان میں اضافہ نہیں ہوتا وہ مخلوق کا محتاج نہیں ہے۔ مخلوق اس کی محتاج ہے تو جب دلوں میں شک آ جاتا ہے عبادات چھوٹنے لگتی ہیں۔ یہ جسمانی بیماریاں تو بہانہ ہے کہ میں فلاں بیماری کی وجہ سے ذکر نہیں کر سکا۔ بیماری سے ذکر نہیں چھوٹا دل میں کوئی دراڑ آ گئی ہے۔ یہ قلبی کیفیات میں کہیں شک کی دراڑ آ گئی ہے تو فوراً توبہ کرنی چاہیے رجوع الی اللہ کرنا چاہیے اور اللہ سے معافی مانگنی چاہیے کہ اللہ میرے دل کو شک سے اور شیطان کے شر سے بچا اور مجھے اپنی یاد کی اور اپنی اطاعت کی توفیق عطا فرما۔ آدمی توبہ کرتا ہے۔ توبہ کا معنیٰ یہ ہے کہ جو میں کر چکا ہوں اے اللہ مجھے معاف کر دے آئندہ ایسا نہیں کروں گا میں یہ غلطی نہیں کروں گا۔ پچھلے دنوں کسی نے پوچھا کہ میں توبہ تو کرتا ہوں، پکا ارادہ کرتا ہوں کہ یہ گناہ چھوڑ دوں اور وہ پھر ہو جاتا ہے میں بڑا شرمندہ ہوں۔ اب میں کیا کروں؟ میں نے کہا توبہ اور کیا کرنا ہے ایک بار توڑو گے دو

بار توڑو گے دس بار توڑو گے پھر اللہ کے پاس جاؤ گے تو بھی تو تم پر رحم فرما دے گا۔ تمہیں پکی توبہ کی توفیق عطا کر دے گا وہ جو کہا گیا ہے:

باز آ باز آ ہر آں چہ ہستی باز آ
گر کافر و جبرو بت پرستی باز آ

یعنی کفر کر چکا ہے یا آتش پرست ہو چکا ہے یا بت پرست ہو گیا ہے پھر بھی توبہ سب کا علاج ہے سارے گناہوں کا وہ گناہ عقیدے کا ہے یا عمل کا ہے اس کا علاج توبہ ہے اور باز آ جا۔ یہ میری بارگاہ ناامید ہونے کی جگہ نہیں ہے۔

ایں درگہہ ما درگہہ ناامیدی نیست
صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

سو بار بھی اگر توبہ توڑ چکا ہے تو اس کا علاج پھر بھی توبہ ہے پھر واپس آ جا اور زندگی جب تک ہے تب تک توبہ کی فرصت ہے۔ لیکن زندگی کا اعتبار نہیں اگلا دم آئے گا یا نہیں۔ اس انتظار میں نہ رہے کہ خیر ہے کہ کرلوں گا۔ نہیں۔ پہلے کرکوئی پتہ نہیں اگلا سانس آئے گا یا نہیں آئے گا فرصت ہوگی یا نہیں کوئی لمحہ بچتا بھی ہے یا نہیں تو جب دل میں شک آتا ہے یہ ایسا مرض ہے کہ فرمایا: کَرِہَ اللّٰہُ انْۢبِعَاثَھُمْ اللہ نے ان کا نکلنا پسند ہی نہیں کیا یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی توفیق سلب ہو جاتی ہے لہٰذا جو بھائی فرائض سے بیگانہ ہیں، حلال حرام کی تمیز نہیں کر رہے انہیں یہ فکر کرنی چاہیئے کہ وہ خود نہیں کر رہے کہ کسی نے ان سے چھڑا دیا ہے کہ تمہارے دلوں میں تو نور ایمان ہی نہیں ہے جاؤ باہر ہی بیٹھو میرے در پہ آؤ ہی نہیں فکر کی یہ بات ہے کہ جب دل میں شک کی دراڑ آتی ہے تو اللہ کریم توفیق اطاعت سلب فرما لیتے ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرنے سے روک دیتے ہیں اور فرماتے ہیں جاؤ جہاں بیٹھنے والے بیٹھے ہیں، پیچھے رہ جانے والے ان کے ساتھ تم بھی بیٹھ جاؤ۔ اللہ کریم شعور بخشے ہم اپنے آپ کو پہچان سکیں۔ اللہ کریم ہمارے دلوں کو شک سے پاک رکھے، نور ایمان عطا فرمائے اور اپنی اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت نصیب فرمائے۔

جہاد:

جو لوگ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ سے رشتہ خلوص رکھتے ہیں وہ جہاد و مجاہدے سے پیچھے نہیں رہتے۔ یہ درست ہے کہ تلوار سے جہاد، جہاد اصغر ہے اور اپنے آپ سے جہاد، جہاد اکبر ہے۔ خود کو شریعت پر قائم رکھنا

جہاد اکبر ہے لیکن ہر ایک کی اپنی جگہ ہے، اپنا مقام ہے اور حالات کے مطابق تلوار سے جہاد، جہاد اکبر ہو جاتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رجعنا من الجهاد الاصغر الى جهاد الا كبر (البیہقی) او کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ فرمان نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے کہ ہم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف لوٹ آئے ہیں۔ یعنی میدان جنگ میں دشمن کے مقابل لڑنا جہاد اصغر ہے اور اپنے نفس کے ساتھ روزانہ جہاد کرنا کہ یہ اطاعت الٰہی میں رہے، جہاد اکبر ہے لیکن یاد رہے یہ اس وقت تک ہے جب تک غیر اسلامی طاقت، ریاست اسلامی پر دباؤ نہ ڈالے۔ اگر ایسی صورت حال پیش آ گئی تو پھر میدان جنگ میں مقابلہ جہاد اکبر ہوگا۔ پھر جہاد اکبر وہ ہوگا کہ ریاست اسلامی کا دفاع کیا جائے پھر گھر بیٹھ کر کوئی روزے رکھتا ہے، تلاوت کرتا ہے، صلوٰۃ ادا کرتا ہے تو اس کا گھر بیٹھنا کام نہیں آئے گا۔ اس وقت میدان کارزار میں جانا فرض عین ہوگا۔ بدلتے حالات کے تقاضوں کے تحت احکام کی ترجیحات بدلتی ہیں۔ جب اسلامی ریاست پر یا مسلمانوں کے حقوق پر کوئی ڈاکہ ڈال رہا ہو تو اس کا دفاع کرنا مسلمانوں پر فرض ہو جاتا ہے۔ جہاد فرض کفایہ ہے کہ جتنی ضرورت ہے اتنے لوگ چلے جائیں تو سب کی طرف سے ادا ہو گیا لیکن جو لوگ جاتے ہیں اگر وہ پورے نہیں ہیں تو یہ فرض عین ہو جاتا ہے کہ ہر فرد نکلے۔ اور اگر اس بستی، اس قریے، اس علاقے کے لوگوں کے بس سے باہر ہے تو ساتھ والوں پر واجب ہو جاتا ہے کہ وہ بھی ساتھ شامل ہوں۔ اگر ان کے مل جانے سے بھی پورا نہیں ہوتا تو پھر ساتھ والوں پر بھی فرض ہو جاتا ہے۔ اس طرح یہ بڑھتا چلا جاتا ہے حتیٰ کہ تمام مسلمانوں پر فرض عین بھی ہو جاتا ہے۔ اس وقت کی ضرورت کے مطابق نماز چھوڑی جاسکتی ہے، قضاء کی جاسکتی ہے جہاد قضاء نہیں ہوسکتا۔ غزوۂ خندق میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چار نمازیں یکے بعد دیگرے قضاء ہوئیں۔ چار نمازیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ادا نہ کر سکے اس قدر طوفان تھا، جنگ تھی تیر برس رہے تھے، خندق سے باہر تیر اندازی ہو رہی تھی اس طرف سے مسلمان کر رہے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چار نمازیں ادا ہونے سے رہ گئیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قضاء کیں تو وقت کے لحاظ سے فیصلہ کیا جاتا ہے اگر ایسی صورت آجائے کہ کفر مسلمانوں کے حقوق پر ڈاکہ مارنے لگے تو اس کا دفاع فرض ہے۔

منافقین جہاد سے جی چراتے تھے نمازیں بھی پڑھ لیتے تھے مسلمانوں کو دکھانے کے لیے بظاہر بڑی نیکی کا اظہار کرتے تھے جہاد میں تو جان دینا پڑتی ہے اور آتش و آہن کے سامنے کھڑا ہونا پڑتا ہے تو اس سے جی چراتے تھے اور مختلف حیلوں بہانوں سے پیچھے رہنے کی کوشش کرتے تھے جس کا ذکر گزر چکا تو اللہ کریم فرماتے ہیں لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا اگر یہ آپ کے ساتھ نکل بھی پڑتے۔ منافقین جو آپ کے ہمراہ

نہیں نکلتے اگر نکل بھی پڑتے تو یہ خرابی ہی کرتے۔ ان کے نکلنے سے کوئی مدد نہ ہوتی بلکہ یہ خرابی ہی کرتے یہاں تو غزوۂ تبوک کی بات ارشاد فرمائی جارہی ہے۔ غزوۂ احد میں بھی منافقین ابن ابی کی سرکردگی میں نکلے تھے اور لشکر اسلامی کی تعداد ایک ہزار تھی جب مقام احد پر پہنچے تو انہوں نے بہانہ کیا اور عبداللہ ابن ابی نے کہا کہ ہم نے عرض کی تھی کہ شہر میں رہ کر لڑیں ہماری بات مانی نہیں گئی۔ اب یہاں مکہ سے بڑا لشکر آرہا ہے۔ تین ہزار فوجی ہیں ہم ایک ہزار ہیں تو یہ تو خودکشی کرنے کے مترادف ہے لہٰذا ہم نہیں لڑتے ہم آپ سے الگ ہورہے ہیں تو وہ تین سو بندوں کو لے کر الگ ہوگیا تو گھر سے نہ جانا اور بات تھی عین میدان جنگ سے الگ ہونے کا مطلب یہ تھا کہ شاید اس طرح سے باقی مخلصین کے حوصلے بھی پست ہوجائیں لیکن وہ نہ ہوسکا چونکہ مخلصین کے ساتھ تو اللہ کی مدد ہوتی ہے مگر انہوں نے اپنے طور پر تو اس طرح کی خرابیاں کیں۔ اللہ کریم فرماتے ہیں اگر یہ تبوک کے لیے نہیں نکلے اور اگر یہ نکلتے بھی تو مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا کوئی خرابی ہی کرتے کسی خرابی میں ہی اضافے کا سبب بنتے وَّلَاْاَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ ۚ ان سے اور کچھ نہ بن پڑتا تو مجاہدین میں فساد ڈلوانے کی کوشش کرتے ،مختلف گروہ بنالیتے ،گروہ بندی کرلیتے آپس میں فساد ڈلوانے کی کوشش کرتے وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ۭ تو فرمایا اب بھی چند منافق جاسوسی کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ موجود ہیں۔ کوئی چیز اللہ کریم سے تو پوشیدہ رہ نہیں سکتی اور جس چیز کی ضرورت ہوتی اللہ کریم فوراً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع فرمادیتے تو فرمایا چند لوگ اب بھی اس غرض سے ہیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور مخلصین کو فکر کی ضرورت نہیں اس لیے کہ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝ ریاست اسلامیہ کے امور میں خلل ڈالنا ظلم ہے اور منافقانہ فعل ہے تو فرمایا اگر ان کے چند جاسوس اب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ہیں تو گھبرانے کی ضرورت نہیں اس لیے کہ اللہ ظالموں کو خوب جانتے ہیں وہ ان کا انتظام فرمالیں گے ان کے شر سے لشکر اسلامی کو محفوظ فرمائیں گے۔ لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَقَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ حَتّٰى جَاۗءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ انہوں نے تو پہلے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے باتوں کو الٹ پھیر دیا۔ یعنی یہ سنتے کچھ اور تھے اور کہتے کچھ اور۔ باتوں کا مفہوم بدل دیتے تھے تاکہ مسلمانوں کے لیے مصائب پیدا کریں ،فتنہ وفساد پیدا کریں۔ حَتّٰى جَاۗءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ یہاں تک کہ حق ظاہر ہوگیا اور اللہ کریم کا فیصلہ آگیا کہ کائنات کا کوئی ذرہ اللہ کریم کے اذن کے بغیر حرکت نہیں کرتا۔ لا تتحرك ذرة بإذن الله۔ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خلوص ہو اور اللہ کے دین کے ساتھ تو وہاں پھر اللہ کریم کی حفاظت بھی حاصل ہوتی ہے۔ منافقین اور بے دین اگرچہ لاکھ بگاڑنے کی کوشش کریں لیکن اس

جماعت کو اس گروہ کو اللہ کے ساتھ اللہ کے دین کے ساتھ اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ خلوص ہو تو اسے حفاظت الٰہیہ حاصل ہوتی ہے اور بدنصیب ہوتے ہیں وہ لوگ جو ان میں پھوٹ ڈالنے کی یا خرابی پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ناکام و نامراد رہتے ہیں تو فرمایا یہ اپنی کوشش کرتے رہے لیکن ہوا وہی جو اللہ کو منظور تھا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ۝۴۸ حالانکہ انہیں تو یہ بات بڑی ناپسند تھی۔ یہ نہیں چاہتے تھے کہ مدینہ منورہ اسلامی ریاست بن جائے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دین نافذ ہو جائے اور مشرکین مکہ کی فوجوں کو شکست ہو۔ یہ تو اس کے بالکل خلاف تھے یہ اسے پسند نہیں کرتے تھے لیکن ظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ اللہ کا فیصلہ آ گیا۔ اللہ نے جو فیصلہ کر دیا وہ ہونا تھا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ۝۴۸ یہ تو ناپسند کرتے تھے ان کی خواہش تو نہیں تھی کہ ایسا ہو ان کی کوشش تھی کہ ایسا نہ ہو سکے لیکن اللہ کو منظور تھا مخلصین کا خلوص منظور تھا اور یہ کام سرانجام پہنچا وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ ؕ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ؕ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ۝۴۹ پھر ان میں کچھ ایسے بھی ہیں جیسے ایک منافق نے عرض کی یا رسول اللہ مجھے عورتوں میں بڑی رغبت ہے۔ میں نے سنا ہے رومیوں کی عورتیں بڑی خوبصورت ہیں تو آپ مجھے اجازت دیں میں تبوک نہ جاؤں میں رومیوں کی عورتوں کو دیکھ کر کسی فتنے میں مبتلا ہو جاؤں گا وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ ؕ مجھے اجازت دے دیں اور مجھے کسی فتنے میں مبتلا نہ کریں۔ فرمایا: اسے فرمایئے کہ اَلَا خوب اچھی طرح جان لو فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ؕ جب تم نے نبی علیہ السلام سے بے وفائی کی تو تم فتنے میں تو پڑ ہی چکے۔ اس سے بڑا اور فتنہ کیا ہوگا جب تم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں کوتاہی کی تو پھر مزید کس فتنے کی بات کرتے ہو، فتنے میں تو تم پڑ چکے وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ۝۴۹۔

کافر کی دنیا:

یقیناً دوزخ سب کافروں کو گھیرے ہوئے ہے ہمارے ہاں تو لوگوں کا خیال یہ ہے کہ کافر بڑے خوشحال ہیں اور ہمارے لوگ کافر ملکوں میں روزی تلاش کرنے کے لیے جانے کو بے تاب اور بیقرار ہیں۔ اللہ کریم فرماتے ہیں کہ کافر تو زندہ بھی دوزخ میں ہی رہتا ہے وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ جہنم ان کے گرد محیط ہے۔ یعنی یہ جہنم میں ہی رہ رہے ہیں۔ دنیا میں انسانی معیار عجیب ہے کہ دولت مندی کو خوش نصیبی سمجھا جاتا ہے۔ قارون کے پاس بے پناہ دولت تھی سونے چاندی اور جواہرت سے اس کے خزانے پُر تھے، جب وہ نکلتا تو بیش بہا قیمتی لباس میں ملبوس، بہت ہی قیمتی سواری پر بڑے کروفر سے نکلتا تو لوگ کہتے کہ بہت خوش نصیب آدمی ہے۔ اللہ کا اس پر بڑا احسان ہے، کاش ہمیں بھی ایسی دولت ملے یعنی لوگوں کا معیار یہ ہے کہ وہ دولت کو دیکھتے ہیں یا اولاد کو دیکھتے

ہیں۔ لیکن جب وہ غرق زمین ہو گیا اور اس کا سارا خزانہ بھی اٹھا کر اللہ نے اس کے سر پر رکھ دیا اور وہ اپنے سارے خزانے سمیت غرق ہو گیا پھر وہی لوگ کہتے تھے کہ اللہ کا شکر ہے ہمیں وہ دولت نہیں ملی پھر ہمارا بھی یہی حشر ہوتا۔

اسی طرح آج ہم بظاہر دیکھتے ہیں کہ کافروں کے اولاد ہے مال اور حکومتیں بھی ہیں بڑے آسودہ حال ہیں لیکن اگر آپ ان کی زندگی کے اندر جھانکیں تو واقعی ایسے لگتا ہے جیسے وہ جہنم میں رہ رہے ہیں۔ ان کا مال ان کے لیے مصیبت ہے اور ان کی اولاد ان کے لیے عذاب بنی ہوئی ہے جس معاشرے کو لوگ خوشحال معاشرہ کہتے ہیں وہاں بیٹیاں، باپ کے سامنے اپنے دوستوں کو اپنے گھر لے آتی ہیں اور کوئی مداخلت نہیں کر سکتا اور دوستوں کے ساتھ چلی جاتی ہیں خواہ ہفتہ نہ آئیں، مہینہ نہ آئیں، کوئی نہیں پوچھتا۔ مسلمان تارکین وطن کی بچیاں آوارہ لڑکوں کے ساتھ بھاگ جاتی ہیں۔ والدین پولیس میں رپورٹ درج کراتے ہیں، پولیس تلاش کرتی ہے کہتی ہے وہ محفوظ ہے جہاں بھی ہے تم فکر نہیں کرو۔ یہ نہیں بتاتی ہے کہاں ہے؟ وہ اپنی مرضی سے گئی ہے اور جہاں رہ رہی ہے محفوظ ہے اسے کوئی خطرہ نہیں تم بے فکر رہو۔ دیار مغرب میں یہ حال مسلمانوں کا دیکھا اب جو غیر مسلم ہیں وہ کہاں تک پہنچے ہوئے ہیں۔ یہی حال سارے عالم کفر کا ہے۔ ہندوستان کی جنسی درندگی کا اگر آپ مطالعہ کریں کوئی رپورٹ پڑھیں تو ان کی درندگی کے واقعات ہندؤں کے معاشرے میں زیادہ ملتے ہیں والد بیٹیوں سے زیادتی کرتے ہیں یہ لوگ جہنم میں نہیں رہ رہے؟ کیا محسوس ہوتا ہوتا ہوگا ان بچیوں کو، کیا محسوس کرتا ہوگا وہ خاندان، کیا dealings ہوں گی اس باپ کی؟ یہی حال ان کے مال کا ہے وہ بھی ان کے لیے وبال جان بنا رہتا ہے۔ ایک طرف سے بچاؤ دوسری طرف مصیبت آگئی، بیماری ایسی آگئی، کوئی مقدمہ ایسا پڑ گیا کوئی وکیل لے گئے کوئی ڈاکٹر لے گئے۔ یعنی مال اور اولاد جسے ہم خوشحالی کا سبب سمجھتے ہیں اگر اللہ سے دوری ہو تو یہ عذاب کا سبب بن جاتا ہے اور کفر یعنی اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ پر ایمان نہ لانا ایسی مصیبت ہے کہ ایسا شخص دنیا میں بھی اس حال میں رہتا ہے جیسے اسے جہنم نے گھیر رکھا ہے۔ دنیا عارضی اور وقتی ہے آخرت دائمی اور ابدی ہے۔ دنیا آخرت کا ظل ہے، پرتو ہے، سایہ ہے۔ جس کا مقام اللہ کے نزدیک جنت میں ہے وہ دنیا میں اگر مزدور بھی ہے تو وہ خوشحال ہے، خوش باش ہے، اس کا دل مطمئن ہے اور جس کے لیے دوزخ مقدر ہے یا جس کا ایمان نہیں ہے اور کردار کافرانہ ہے تو دنیا میں اگر اسے حکومت بھی مل جائے تو اسے یہی محسوس ہوتا ہے گویا وہ دوزخ ہی میں رہ رہا ہے وہ تکلیف میں اور عذاب میں ہی رہتا ہے تو فرمایا یہ جو نبی کریم ﷺ سے عرض کرتے ہیں کہ حضور ﷺ

ہمیں ساتھ نہ لے جایئے ہمیں کسی فتنے میں بتلا نہ کر دیجیے گا میں وہاں جاؤں گا تو عورتوں کے فتنے میں بتلا ہو جاؤں گا فرمایا انہیں فرما دیجئے کہ اللہ کریم خود فرما رہے ہیں **الا** میری بات غور سے سن لو فِی الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا تم مصیبت میں پڑ چکے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عدم اطاعت یہ خود ایک بڑی مصیبت ہے۔ تم ایک بہت بڑی مصیبت میں چھلانگ لگا چکے۔ اور اس عدم اطاعت کی نوبت اگر کفر تک پہنچ گئی تو یاد رکھو کافر دنیا میں بھی ایسی زندگی جیتا ہے کہ جہنم اسے محیط ہوتا ہے۔ جہنم نے اسے گھیرا ہوتا ہے جن لوگوں میں ایمان ہو تو ایمان کا تقاضا اطاعت ہے۔ حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ اعمال ہی ایمان کے گواہ ہیں۔ ہم یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ میں مسلمان ہوں۔ یہ دعویٰ ہے۔ دعویٰ گواہوں سے ثابت ہوگا۔ ہمارا کردار ہمارے ایمان کا گواہ ہے کہ ہم کیسے عمل کرتے ہیں۔ نماز وقت پر ادا کرتے ہیں، وقت پر زکوٰۃ دیتے ہیں، وقت پر روزے رکھتے ہیں اللہ کی عبادات کرتے ہیں۔ معاملات میں حلال وحرام کی تمیز کرتے ہیں۔ بات کرنے میں سچ اور جھوٹ میں امتیاز کرتے ہیں، جب وعدہ کرتے ہیں تو پورا کرتے ہیں، بات کرتے ہیں تو سچی کرتے ہیں، لین دین میں کھرے ہیں؟ یعنی اسلام پوری زندگی کے ہر عمل کو جانچتا ہے کیا وہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق ہے یا اس کے خلاف ہے۔ اگر حکم کے مطابق ہے تو ہر عمل اس کا اطاعت اور عبادت ہے اور خلاف حکم اگر نماز بھی پڑھتے رہیں تو وہ عبادت نہیں گستاخی بن جاتی ہے۔ جمعے کے فرض کی دو رکعت میں ہم کہتے ہیں ہم فارغ ہیں جی ہم تین پڑھیں گے ہم پانچ پڑھیں گے یا ہم چھ پڑھیں گے تو جو زائد پڑھیں گے اس میں بھی سورت فاتحہ پڑھیں گے، قرآن پڑھیں گے، رکوع وسجود کریں گے لیکن وہ ان دو کو بھی باطل کر دے گا۔ وہ دو بھی ادا نہیں ہوں گی کیونکہ بڑھانا گھٹانا ہمارے اختیار میں نہیں ہے۔ جو اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے اس کے مطابق کرنا ہی عبادت ہے۔

فرمایا ان منافقین اور کفار کا حال تو یہ ہے۔ اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ: اگر آپ ﷺ کو کوئی اچھی حالت پیش آتی ہے تو انہیں دکھ ہوتا ہے انہیں افسوس ہوتا ہے یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے مخلصین اور متبعین بھی مخاطب ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرمایا جا رہا ہے، مراد جماعت مخلصین ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہتی ہے یعنی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ تو فرمایا اگر مسلمانوں کو کوئی بھلائی پیش آتی ہے فتح ہوتی ہے مال غنیمت ملتا ہے اشاعت دین ہوتی ہے تو منافقین کو دکھ ہوتا ہے۔ وَاِنْ تُصِبْكَ مُصِيْبَةٌ يَّقُوْلُوْا قَدْ اَخَذْنَآ اَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ اور اگر آپ پر کوئی مشکل آجاتی ہے جیسے غزوہ احد میں ہوا کہ ستر صحابہ شہید ہو گئے اور بہت سے زخمی ہوئے۔ غالباً بہت کم لوگ تھے جو زخمی ہونے سے بچے تو جب مکہ

والوں کا تعاقب کیا تو پیچھے جو مسلمان مجاہدین تھے وہ اس طرح تھے کہ تھوڑی دور ایک مجاہد دوسرے کا سہارا لے کر دوڑتا تھا۔ جو آگے تھا وہ اس کا سہارا لیتا تھا۔ دونوں زخمی ہوتے تھے لیکن اہل مکہ کوئی کوس تک بھاگ کے لے گئے۔ تو جب آپ پر کوئی مشکل آتی ہے یَقُوۡلُوۡا قَدۡ اَخَذۡنَاۤ اَمۡرَنَا مِنۡ قَبۡلُ تو کہتے ہیں ہم نے تو ان سے اپنی جان چھڑالی تھی اب یہ بھگتتے رہیں۔ ہم تو پہلے ہی الگ ہو گئے تھے ہم نے اپنا فیصلہ پہلے کر لیا تھا وَيَتَوَلَّوۡا وَّهُمۡ فَرِحُوۡنَ﴿۵۰﴾ منہ پھیر کے چل دیتے ہیں اور اس بات پر بڑے خوش تھے کہ ہم تو اس مصیبت سے بچ گئے۔ یاد رکھیں راحت وسکون اللہ کی راہ میں ہے۔ اللہ کی راہ میں اگر مادی تکلیف بھی آئے تو قلبی سکون کو خراب نہیں کرتی۔ مادی تکلیف بھی آئے تو دل مطمئن ہوتا ہے اور اللہ کی نافرمانی میں اگر حکومت بھی مل جائے تو دل کو سکون نہیں ملتا۔ دل اطمینان حاصل نہیں کر سکتا۔ دل کو آرام نصیب نہیں ہو سکتا لیکن یہ منافق منہ پھیر کے چل دیتے ہیں اور بڑے خوش ہوتے ہیں تو آپ ان کو فرما دیجئے کہ دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے وہ اس کی پسند سے ہوتا ہے اس کی اجازت سے ہوتا ہے ہر ذرہ اس کے حکم کا پابند ہے۔

مومن کے لیے ہر حال میں کامیابی:

آپ فرما دیجئے قُلۡ لَّنۡ يُّصِيۡبَنَاۤ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ ہمیں خوشی ملے یا دکھ جو کچھ ہمیں ملے گا جو کچھ ہم تک پہنچتا ہے وہی ہے جو اللہ نے ہمارے لیے مقرر فرما دیا۔ جسے تم تکلیف کہہ رہے ہو اللہ کو منظور ہے اس نے اپنے بندوں کو شہادت سے سرفراز کیا جنہیں زخم لگے انہیں اللہ ان کی ایک ایک چوٹ کا اجر دے گا۔ وہ اس کی اپنی پسند تھی کہ اس نے اللہ کی راہ میں کسی کو زخمی کر کے اس کا مجاہدہ قبول کر کے غازی بنا دیا اور کسی کی شہادت قبول فرمالی۔ جو کچھ اللہ نے لکھا ہے وہی کچھ پہنچے گا۔ اس کے علاوہ ہمیں کچھ نہیں پہنچے گا۔ هُوَ مَوۡلٰٮنَا ۚ وہ ہمارا مالک ہے۔ کافر تو بن مالک کے ہیں بن ڈور کی پتنگ ہیں جو فضا میں آوارہ ہے۔ مومن کا مالک ہے اللہ هُوَ مَوۡلٰٮنَا وہ ہمارا مالک ہے۔ وَعَلَى اللّٰهِ فَلۡيَتَوَكَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ﴿۵۱﴾ اور جن کا ایمان کامل ہوتا ہے وہ ہمیشہ ہمیشہ اللہ ہی پر بھروسہ کرتے ہیں۔ توکل کے معنی ہیں بھروسہ لیکن اس میں بھی بہت سے احتمالات پیدا کر دیئے گئے اور لوگ سمجھتے ہیں کہ کچھ نہ کرنا توکل ہے۔ کوئی کام پیش آ جائے تو اپنا کام نہ کرنا، روزگار حاصل نہ کرنا، کاروبار نہ کرنا، ملازمت نہ کرنا بیٹھے رہنا جی اللہ کے توکل پر بیٹھے ہیں۔ سیدنا فاروق اعظمؓ کا ارشاد اس بارے میں ہے کہ اللہ کریم آسمان سے آٹے کی بوریاں نہیں پھینکتا۔ انسان مکلف ہے اسباب پر عمل کرنے کا۔ توکل یہ ہے کہ جو اسباب میسر ہوں وہ اختیار کرے اگرچہ وہ ناکافی ہوں تھوڑے ہوں لیکن جو اس کے بس میں ہے وہ کرے۔ پورے ہیں تو

پورے کرے، تھوڑے ہیں تو تھوڑے کرے پھر نتائج کی امید اللہ کریم پر رکھے اس پر چھوڑے۔ایک صحابیؓ لمبا سفر طے کرکے حاضر خدمت ہوئے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا اونٹ کا کیا کیا،عرض کیا اللہ کے توکل پر چھوڑ آیا ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جاؤ پہلے اس کا گھٹنا باندھو پھر اللہ پر توکل کرو۔مولوی رومیؒ نے فرمایا ''برتوکل بازوئے اشتر بہ بندھ''۔

پہلے وہ سبب اختیار کرو جو تمہارے بس میں ہے پھر اسے اللہ کے بھروسے پر چھوڑ دو۔اس کی سب سے بڑی مثال مشرکین کا ایک مسلح لشکر جرار تھا جس میں ایک از موزہ کار جنگجو،فن حرب کے مانے ہوئے ماہرین تھے جن کے پاس بے شمار گھوڑے اونٹ اور دیگر سواریاں تھیں۔اسلحہ فالتو اور راشن وافر تھا اور یہاں تین سو تیرہ لوگ ہیں۔آٹھ زرہیں دو تلواریں اور ذرا سا اسلحہ ہے، پانچ پانچ کھجوریں کھانے کو تقسیم ہو رہی ہیں گھوڑے برائے نام ہیں اونٹ کی سواری دو میں، دو تین تین آدمی شریک ہیں۔یہ اسباب کے اعتبار سے افرادی قوت میں بھی کم ہیں راشن بھی کم ہے اور سواری بھی۔لیکن جو کچھ تھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صف بندی کرائی، تیرانداز بٹھائے، تلوار یاز بٹھائے اپنی اپنی جگہ مقرر فرمائیں میمنہ، میسرہ اوّل، آخر پورے لشکر کی ترتیب کرکے پھر دعا فرمائی کہ یا اللہ جو ہمارے بس میں ہے ہم نے کر دیا اب فتح اور شکست تیرے اختیار میں ہے لہٰذا جو انسان کے اپنے بس میں ہے،جس کا انسان مکلف ہے وہ اسباب اختیار کرے۔پھر جب ہم اسباب اختیار کرتے ہیں تو پھر یہاں ایک اور مصیبت آجاتی ہے ہم سمجھتے ہیں میں نے اتنا انتظام کیا ہے اس لیے یقیناً میں ہی جیتوں گا۔نہیں آپ انتظام اور اسباب سے نہیں جیتیں گے۔فتح وشکست اللہ کی طرف سے ہے۔جیت اللہ کے ہاتھ میں ہے کامیابی اور ناکامی کی امید اللہ سے رکھیں اور اللہ سے دعا کریں کہ اللہ مجھے اس میں کامیاب فرما یہ توکل ہے وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۱﴾ جن کے ایمان کامل ہیں وہ اللہ ہی پر بھروسہ رکھتے ہیں اور ان کفار سے فرما دیجئے قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ ۚ ان سے فرما دیجئے تم کس امید میں ہو ہمیں دو بھلائیوں میں سے ایک بھلائی ضرور ملے گی یا ہم فتح پالیں گے یا ہم شہید ہو جائیں گے اگر جان سے گئے تو شہید ہو گئے تو بھی کامیاب ہوں گے اور اگر کفار کو شکست دی اور ہم نے فتح حاصل نہ کی تو ہم پھر بھی ہم کامیاب ہوئے۔یعنی دو بھلائیوں میں سے ایک ہمیں ضرور ملے گی تو تم کس بات پہ خوش ہو۔میدان عمل میں ہم کامیاب ہوں گے اور اگر کامیاب نہیں ہوں گے تو جو محنت اللہ کے لیے کریں گے اس کا اجر تو ہمیں ملے گا۔دنیا میدان عمل ہے جو شخص دنیا کا کوئی بھی کام اللہ کے لیے،خلوص سے دیانتداری سے جو بندہ کرتا ہے اگر مقصد حاصل نہیں ہوتا تو دیانت داری سے کام کرنے کا

صلہ تو اللہ کریم کی طرف سے اسے ملے گا اس کی محنت تو ضائع نہیں جاتی دو میں سے ایک بھلائی تو اسے ملتی ہے۔

کافر کے لیے ہر حال میں بربادی:

وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ اَنْ يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖٓ اَوْ بِاَيْدِيْنَا اے لشکر کفار ہم تمہارے لیے دو میں سے ایک چیز کی امید رکھتے ہیں۔ یا تمہیں اللہ اپنی طرف سے عذاب بھیج کر تباہ کر دے یا ہمارے ہاں تمہاری بربادی کے اسباب پیدا کر دے۔ یعنی مومن کے لیے ہر حال میں کامیابی ہے۔ کافر کے لیے ہر حال میں بربادی ہے کہ ہم تمہارے لیے یہ توقع رکھتے ہیں۔ اس بات کے منتظر ہیں کہ اللہ اپنی طرف سے تم پر کوئی عذاب نازل کر دے اَوْ بِاَيْدِيْنَا یا ہمارے ہاتھوں تمہیں شکست کی ذلت سے دوچار کر دے۔ جو قتل ہو گیا وہ بھی جہنم میں جا داخل ہوا جو بچ گیا وہ بھی ذلیل ہوا۔ اور ہماری فتح تم پر بصورت عذاب نازل ہو جائے فَتَرَبَّصُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ﴿52﴾ گروہ کفار انتظار کرو ہم بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتے ہیں۔ جہاں تک مومنین کا تعلق ہے تو مومنین کو دو میں سے ایک کامیابی ملے گی یا فتح یا شہادت جہاں تک کفار کا تعلق ہے یا شکست پا کر مسلمانوں کے ہاتھوں ذلیل ہوں گے یا اللہ کا عذاب اپنی طرف سے گھیر لے گا یعنی کفر کا انجام ذلت ہے ایمان کا انجام خوش بختی خوش نصیبی ہے۔

قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ ۭ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ﴿53﴾ پھر وہ کہتے تھے کہ ہم بڑی نیکیاں کرتے ہیں ہم اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد پر نہیں جاتے تو کیا ہوا ہم نے غریبوں کا وظیفہ لگا رکھا ہے کوئی کہتا میں اتنی بیواؤں کی مدد کرتا ہوں، اتنے مسکینوں کو کھانا کھلاتا ہوں۔ میں نے اتنے بیماروں کا علاج کروایا۔ فرمایا یہ لوگ سارے کام تب بھلائی بنتے ہیں جب اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ وفا ہو۔ اطاعت الٰہی کی حدیں ہیں۔ اگر اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں تو پھر تم کس کی رضا کے لیے کر رہے ہو یعنی کافر یا منافق جو عمل کرتا ہے اللہ کے ساتھ اس کا ایمان نہیں کہ اللہ کی رضا کے لیے کرے۔ آخرت کو وہ نہیں مانتا کہ آخرت کے لیے کرے۔ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اسے ایمان نصیب نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی کے لیے کرے تو پھر کس لیے کر رہے ہو؟ جسے تم نیکی سمجھتے ہو یہ تو تم ذاتی شہرت کے لیے یا کسی مالی فائدے کے لیے کر رہے ہو۔

وطن عزیز میں کتنی انجمنیں بنی ہوئی ہیں جو غریب پروری کے دعوے کرتی ہیں اور سیلاب زدگان کے نام پر پوری دنیائے کفر سے بھی پیسہ سمیٹ کے لے آئے۔ ہر جگہ سے چندے جمع کر کے اربوں روپے جمع کر لیتے

ہیں خود عیش کرتے ہیں جو پہلے سیلاب آیا تھا ان کے لیے کتنے چندے کیے گئے اور کتنوں کی مدد کی گئی۔ چندہ کر کے انجمن بنی ہوئی ہے وہ اپنے دس دس گاڑیاں خریدتے ہیں اور ائر کنڈیشنڈ دفتر بنا لیتے ہیں بس اتنا ہی پیسہ ہوتا ہے باقی کھا پی جاتے ہیں۔ دو چار غریبوں کو دکھاوے کچھ دے دیا ورنہ جتنا چندہ پاکستان میں جمع ہوا تھا اگر یہ سارا غریبوں تک پہنچتا تو سب کا کچھ نہ کچھ بن جاتا لیکن آدھے سے زیادہ لوگ ابھی تک پریشان حال ہیں، ذلیل ہو رہے ہیں، رسوا ہو رہے ہیں۔ یہی حال منافقین کا ہوتا ہے اور یہی اس وقت بھی تھا تو کہنے لگے ہم اللہ کی راہ میں دیتے ہیں، غریبوں کو کھانا کھلاتے ہیں، بیماروں کی مدد کرتے ہیں۔ فرمایا تم اللہ کی راہ میں مجبوری سے خرچ کردیا خوشی سے اللہ بغیر ایمان کے کسی کے عمل کو قبول نہیں کرتا۔ تمہارے عمل کو اللہ قبول نہیں فرمائیں گے اس لیے کہ۔ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۵۳﴾ تم بنیادی طور پر فاسق ہو، بدکار ہو۔ جب ایمان کی نفی ہو گئی تو نیکی کا تصور جاتا رہا۔

نیکی کیا؟

نیکی کی بنیاد یہ ہے کہ وہ اللہ کا حکم ہو۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہو، شریعت کے مطابق کیا جائے اللہ کی رضا کے لیے کیا جائے تو وہ نیکی ہے۔ اپنی طرف سے ایجاد کر کے کیا جائے تو کوئی نیکی نہیں ہوگی وہ بدعت ہوگی اور گمراہی ہوگی۔ پھر جن لوگوں کا اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایمان ہی پورا نہیں ہے ان سے کس نیکی کی امید ہے؟ وہ اگر نیکی کرتے ہیں تو دنیاوی لالچ کے لیے یا دنیا کمانے کے لیے ڈھونگ رچاتے ہیں، اس سے اربوں روپے کماتے ہیں۔ خود اس سے موج کرتے ہیں تو فرمایا ایسی نیکیاں قبول نہیں ہوتی۔ یہ نیکی ہوتی ہی نہیں ہے جو تم خرچ بھی کرتے ہو اللہ قبول نہیں فرمائے گا۔ اس لیے کہ بنیادی طور پر تم بدکار لوگ ہو۔ اب جس کا ایمان مکمل نہیں ہوتا اس کا ہر عمل ہی برائی بن جاتا ہے خواہ وہ بظاہر اچھائی بھی ہو لیکن وہ بھی برائی بن جاتا ہے اس لیے کہ اس میں دکھاوا ہوتا ہے یا کوئی ذاتی غرض ہوتی ہے۔ اس کا اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ ایمان ہی نہیں تو وہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کے لیے کیسے کرے گا؟ اللہ کریم بنیادی طور پر نور ایمان کو قبول فرماتے ہیں اور یاد رکھیں روزمرہ کے معمولات میں پانچ وقت کی نماز فرض عین ہے بغیر عذر شرعی کے کوئی بندہ اس سے فارغ نہیں ہو سکتا۔ صلوٰۃ کو جو غیر اہم سمجھا جاتا ہے کہ وقت ملا پڑھ لیا ورنہ نہ پڑھی تو اس طرح صرف نماز نہیں چھوٹتی مزید ہزاروں نیکیاں بندے سے چھٹ جاتی ہیں اور اس پر شیطان

کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ لہٰذا وقت پر نمازیں ادا کی جائیں، حلال کھانے کی کوشش کی جائے، حرام کھا کر کبھی نیکی کی توفیق نہیں ہوتی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو گوشت حرام سے بنے گا، الفاظ مبارک ہیں **نبت بسحت** جو گوشت حرام سے بنے گا **النار اولیٰ به** (ترمذی) اسے تو دوزخ کی آگ ہی مناسب ہے حتیٰ کہ علماء نے یہاں تک لکھا ہے کہ اگر کسی کی نجات بھی ہو گئی لیکن اس نے حرام کھایا ہوگا اور اس کے وجود میں خون اور گوشت حرام کا ہوگا تو اسے پہلے جہنم پھینکا جائے گا وہ وجود جل جائے گا۔ وہ حرام کا گوشت جہنم میں جل جائے گا تو اللہ اسے دوسرا گوشت عطا فرما کر جنت بھیجیں گے۔ حرام سے بنا ہوا گوشت کا کوئی حصہ جنت میں نہیں جائے گا۔ پھر علماء فرماتے ہیں جنتی اسے دیکھ کر کیا کریں گے کہ یہ آیا تو ہے جنت میں لیکن جہنم سے ہو کر آیا ہے زندگی کی ڈور کسی لمحے کٹ سکتی ہے اپنے رزق کو حلال رکھیں اور سچ بولیں اور اللہ اور اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں لگے رہیں۔ اللہ ہم سب کو حاضر و غائب کو توفیق دے۔

انانیت، وجہ نفاق:

منافقین کا ذکر چل رہا ہے۔ اور ان کی بعض نشانیاں اعمال و کردار عقائد و نظریات اور اس پر مرتب ہونے والے نتائج ارشاد فرمائے جا رہے ہیں۔ فرمایا انہیں مال یعنی جو خیرات و صدقات جمع ہو کر وہ تقسیم ہوتے ہیں یہ منافقین اسے لینا اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہیں **وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ** انہیں اس مال کے لینے سے کس چیز نے روکا ہے اس کی وجہ کیا ہے؟

دراصل انسان اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھتا ہے اور یہ ایک ایسی عجیب انسانی فطرت ہے کہ جو شاہ سے لے کر گدا تک سب میں موجود ہے۔ آپ نے تجربہ کر کے دیکھا ہوگا کہ جن لوگوں کو آپ بہت کمزور سمجھتے ہیں ان لوگوں کو بھی اپنے آپس کے تعلقات اور اپنی سطح کے لوگوں میں دیکھیں تو ہر ایک کی اپنی انا دوسرے سے بڑی ہوتی ہے۔ میں نے گداگروں اور خانہ بدوشوں کو بڑے قریب سے دیکھا ہے۔ میں سمجھتا تھا کہ یہ لوگ تو بڑے بے فکر قسم کے لوگ ہیں۔ انہیں کوئی غم نہیں ہے۔ خانہ بدوش ہیں، ایک جھگی ہے، یہاں سے اٹھ کر وہاں لگا لی۔ گاؤں میں گئے مانگ کر آٹا روٹی لے آئے کھا کر سو گئے انہیں تو کوئی غم فکر نہیں ہوگا لیکن جب ان کو قریب سے دیکھا ان کے جب حالات دیکھے تو وہ ہم سے زیادہ انانیت میں مبتلا ہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ مقابلہ بازی اور انا پرستی میں مبتلا ہیں۔

اگر اللہ کریم نگاہ دے، سمجھ دے، شعور دے تو ہر جگہ درس عبرت ہے۔ ایک دن ایک فقیر کو میں نے

دیکھا وہ بخار مبتلا تھا اور زمین پر ایک بوریئے پر پڑا تھا ساتھ ہی اس کی بیوی اور بچے بیٹھے تھے۔ میں نے اس کا حال احوال پوچھا تو کہنے لگا۔ مجھے کل سے بخار ہو گیا ہے رات سے ہم فاقے میں ہیں کوئی مانگنے بھی نہیں گیا۔ مجھے بخار تھا اس لیے بیوی مجھے چھوڑ کر نہیں گئی، بچے بھی بھوکے ہیں تو میں نے کہا یہ دس بارہ جھگیاں ہیں، ان میں سے کسی سے کچھ مانگ لیتے، تم فاقے میں کیوں رہے؟ تو اس نے بہت پتے کی بات کہی کہ جو خود مانگ کے لاتا ہے، خود محتاج ہے اس سے مانگنے کا کیا فائدہ اور اگر میں مانگوں گا تو وہ دے گا بھی نہیں اس سے نہ مانگنا بہتر ہے۔ میں نے سمجھا کہ اس نے کتنا بڑا فلسفہ بیان کیا ہے۔ ساری دنیا تو خود مانگنے والی ہے۔ انسان خواہ وہ بادشاہ بھی بن جائے خود محتاج ہے مانگنے والا ہے، انسان سے مانگنے کا کیا فائدہ؟ بہر حال ان کی اپنی ایک انا ہوتی ہے۔

غریب سے غریب شخص کہتا ہے کہ فلاں رسم نہ کی تو میری ناک کٹ جائے گی۔ جو جہاں کہیں ہے اس میں ایک انانیت ہے سوائے اس کے کہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ پر ایمان نصیب ہو اور حقیقی ایمان نصیب ہو جائے تب جا کر بندے کو احساس ہوتا ہے کہ میں کچھ نہیں ہوں۔ جو کچھ ہے اللہ ہے، ساری عظمت اس کے لیے ہے۔ اگر یہ کیفیت نصیب نہ ہو، ایمان کا یہ حال نصیب نہ ہو تو ہر بندہ اپنے آپ کو بڑا سمجھتا ہے خواہ دوسرے اسے کچھ بھی نہ سمجھتے ہوں اور یہ نشانی نفاق کی ہے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں منافقین نے اپنے اندر ایک انانیت بنائی ہوئی ہے اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ مال جو غرباء میں تقسیم کیا جاتا ہے اسے قبول کرنا اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہیں کیونکہ اس کی کوئی اور وجہ نہیں سوائے اس کے کہ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ ان کا اللہ کے ساتھ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایمان نہیں ہے۔

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ ○ (المنٰفقون: 8) عزت اللہ کے لیے ہے اللہ کے رسول ﷺ کے لیے ہے اور اللہ کے ایماندار بندوں کے لیے ہے۔ اور اللہ کے ایماندار بندوں میں عزت ہوتی ہے انانیت نہیں۔ یہ دو مختلف چیزیں ہیں۔ کسی کا محترم ہونا اس کے اخلاق و کردار کی دلیل ہوتا ہے۔ اس کا اخلاق اچھا ہوتا ہے اس کا کردار سنت کے تابع ہوتا ہے اور وہ اسے عزت دیتا ہے۔ ایک ہوتی ہے اپنی بنائی ہوئی عزت اپنے اندر سوچ رکھا ہوتا ہے یہ منافقت ہوتی ہے۔ فرمایا ان کا تو یہ حال ہے وَلَا يَأْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى۔ یہ تو اللہ کی عبادت بھی اگر کرتے ہیں تو بہت بے دلی سے کرتے ہیں، سستی سے کرتے ہیں۔ یہاں سستی سے مراد جسمانی سستی نہیں ہے ایمانی کمزوری ہے۔ لوگوں کو دکھانے کے لیے شاید وہ دوسروں سے زیادہ بظاہر

خشوع وخضوع بناتے ہوں گے لیکن ایمان ویقین میں جو کمزوری ہے اس کسالت کا ذکر فرمایا جارہا ہے کہ اللہ کی عبادت بھی اگر کرتے ہیں تو سستی کمزوری اور بے دلی سے کرتے ہیں۔ وَلَا يُنۡفِقُوۡنَ اِلَّا وَهُمۡ كٰرِهُوۡنَ۝ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں تو دل سے پسند نہیں کرتے۔ لوگوں کو دکھانے کے لیے نمائش کے لیے خرچ کرتے ہیں دل نہیں چاہ رہا ہوتا دل سے پسند نہیں کرتے کہ ہم اپنا مال کیوں دیں۔ معاشرے میں بھرم قائم کرنے کے لئے اور لوگوں کو دکھانے کے لئے خرچ تو کرتے ہیں لیکن بڑی ناگواری کے ساتھ۔ اب رہی یہ بات کہ اس طرح کے جو لوگ ہیں ان میں سے کچھ صریح کافر ہیں، کچھ نے شرک اختیار کیا کفر میں چلے گئے کسی نے اللہ کے لیے اولاد تجویز کردی نصاریٰ نے عیسیٰؑ کو اللہ کا بیٹا کہہ دیا۔ یہودیوں نے عزیرؑ کو اللہ کا بیٹا بنادیا۔ کچھ بت پرستی میں مبتلا ہوگئے اور اللہ کے شریک بنالیے اتنے بڑے جرائم کے باوجود ان کے پاس دولت بھی ہے، اولاد بھی ہے، دنیا میں تو یہی نعمتیں ہوتی ہیں تو فرمایا اے مخاطب تجھے ان کی مال و دولت اور ان کی اولاد حیرت میں نہ ڈالے۔ تجھے اس پر حیران نہیں ہونا چاہیے۔ اس لیے کہ اِنَّمَا يُرِيۡدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمۡ بِهَا فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا۔ اللہ کریم نے اس سے دو کام لیے ہیں، دو چیزیں مطلوب ہیں۔ ایک اسی مال اور اسی اولاد کی وجہ سے ان کی دنیاوی زندگی کو جہنم بنا دیں۔ مال جائز وناجائز ذرائع سے کماتے ہیں اور ساری عمر دھڑکا لگا رہتا ہے کہ ادھر سے نہ پکڑیں جائیں اور ادھر سے نہ پکڑے جائیں وہ جو ایک مال دار ہونے کی آسائش یا دل میں جو خوشی ہوتی ہے وہ انہیں نصیب نہیں ہوتی۔ چونکہ ان کے ذرائع حرام ہوتے ہیں ناجائز ہوتے ہیں جھوٹ سے ہوتے ہیں تو وہ مال بھی ان کے لیے عذاب جان بنا رہتا ہے اور ان کی اولاد ہمیشہ ان کی نافرمان ہوتی ہے جو دنیاوی زندگی میں ان کے لیے عذاب سے کم نہیں ہوتی۔ اب آپ کافر معاشروں کو دیکھیں تو مجھے ان کا حال بیان کرنے ضرورت نہیں ہے بالکل واضح ہے کہ ان کے مال اور ان کی اولاد ان کے لیے عذاب الٰہی سے کم نہیں ہے اور وہ کچھ ان کی آنکھوں کے سامنے ہوتا ہے جس کا آپ تصور بھی نہیں کرسکتے۔ میں نے ان کافر ممالک میں پھر کے دیکھا ہے جو دیکھا ہے اسے بندہ دیکھ کر ہی یقین کرسکتا ہے بیان کرتے رہو تو سننے والے کی سمجھ میں بات نہیں آتی۔ تو فرمایا اللہ جل شانہٗ چاہتے ہیں اللہ کو یہ منظور ہے کہ ان کو دنیا کی زندگی میں اسی مال اور اولاد کے ذریعے عذاب دیں اور ان کو اسی حال میں مبتلا رکھے ان کی جان نکل جائے اور یہ کفر ہی میں مبتلا ہوں۔

خطا اور گناہ کی حدود ہوتی ہیں۔ اگر وہ حد بندہ عبور کرجائے تو پھر توبہ کی توفیق بھی سلب ہوجاتی ہے اور وہ

کفر پر ہی مرتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ گناہ دل پر ایک سیاہ نقطہ پیدا کرتا ہے جو صرف خلوص کے ساتھ توبہ سے دھویا جاسکتا ہے۔ اگر توبہ نصیب نہیں ہوتی تو پھر گناہ کرتا ہے ایک نقطہ اور بڑھ جاتا ہے۔ مسلسل گناہ کرتا رہتا ہے تو ایک وقت آتا ہے کہ سارا قلب سیاہ ہو جاتا ہے تو سارا قلب جب سیاہ ہو جائے تو پھر اس پر اللہ کی طرف سے مہر کر دی جاتی ہے۔ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ (البقرہ:7) پھر ان کے دلوں پر مہر کر دی جاتی ہے پھر انہیں توبہ نصیب نہیں ہوتی پھر اسی میں غرق ہو کر اسی حال میں مبتلا رہ کر موت کی وادی میں اتر جاتے ہیں اور یہ اللہ کریم کی طرف سے بہت بڑی سزا ہے۔ ہمیں دیکھنا یہ چاہیئے کہ اگر ہمیں مال کی طرف سے کوئی پریشانی ہے تو کیا یہ مال سارا حلال ہے کہیں اس میں میں نے کوئی ناجائز ذریعے سے تو نہیں ملا لیا۔ کہیں اس پر میں نے سود تو نہیں لے لیا؟ کوئی نہ کوئی خرابی ہوتی ہے کہ جو آرام کی چیز ہے وہ تکلیف دہ بن جاتی ہے۔ اولاد نافرمانی کرتی ہے یا پریشان کرتی ہے تو کفر تو انبیاؑ کی اولادوں نے بھی کیا۔ نوح علیہ السلام کا بیٹا بھی کافر تھا لیکن اپنی ذات کے ساتھ اس کے کفر کا تعلق تھا اس کے کردار کی آپ کو قرآن میں کوئی بات نہیں ملے گی۔ اس کے کردار نے کوئی پریشانی پیدا نہیں کی۔ بڑے بڑے اہل اللہ کے بیٹے نافرمان ہو جاتے ہیں لیکن ایک بڑی عجیب بات ہے کہ ان کے کردار کی وجہ سے والد کو کوئی پریشانی نہیں آتی۔ عقیدے میں فساد آ جاتا ہے۔ عقیدے کا فساد کردار کے فساد کا سبب بن جاتا ہے لیکن اس کے باوجود جو اللہ کے بندے ہیں اولاد نافرمان بھی ہو جائے تو ان کے فیوضات و برکات سے محروم ہو جاتی ہے خود تکلیف میں مبتلا ہوتی ہے اس کا اپنا انجام برا ہوتا ہے لیکن زندگی پھر کوئی ایسا کام ان سے نہیں ہوتا جو والد کے لیے پریشانی کا سبب بنے اور یہ من جانب اللہ ہوتا ہے۔ اللہ کریم اپنے بندوں کو ایسی پریشانیوں سے محفوظ رکھتے ہیں۔ تو کفار کے لیے تو خود اللہ کریم نے فرمایا کہ مال اور اولاد میں انہیں دینا ہی اس لیے ہوں کہ ان کی دنیا کی زندگی کو جہنم بنا دیں اور یہ دنیا میں بھی تڑپتے رہیں اور اسی حال میں کفر میں ان کی جان قبض ہو جائے۔

عجیب بات ہے اللہ کے ساتھ خلوص نہیں ہے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خلوص نہیں ہے لیکن چاہتے یہ ہیں کہ لوگ انہیں بڑا پارسا اور بڑا متقی سمجھیں وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ ○ اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں ہم تم میں سے ہیں، تمہاری طرح مسلمان ہیں، تمہارے ساتھ ارکان دین پہ عمل کرتے ہیں، نمازیں پڑھتے ہیں، اللہ کریم فرماتے ہیں وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ جھوٹی قسمیں کھا رہے ہیں یہ تم میں سے نہیں ہیں۔ یہ ظاہراً

ساتھ ملے ہوئے ہیں، دل سے تمہارا بھلا نہیں چاہتے۔ من حیث القوم ان کا ارادہ اسلام کو گرانے کا ہوتا ہے۔ اسلام کا اور مسلمانوں کا نقصان کرنے کا ہوتا ہے۔ اسلام کو بدنام کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور بظاہر حمایتی بنتے ہیں اور اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں فرمایا جھوٹ بولتے ہیں جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ﴿۵۶﴾ ایک عجیب بات ہے کہ جو اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے وفا نہیں کرتا وہ کسی سے بھی وفا نہیں کرتا یہ آپس میں بھی ایک دوسرے کے ساتھ وفا نہیں کرتے یہ الگ الگ ہیں يَّفْرَقُوْنَ اور ڈرپوک لوگ ہیں جرات مند نہیں ہیں ان میں تفرقہ بھی ہے اور ان میں جرأت بھی نہیں ہے، بزدل لوگ ہیں۔ آپ دیکھ لیجیئے کہ دنیائے کفر میں دوستی کے پردے میں بھی دشمنی ہوتی ہے۔ اب اس وقت یہود و نصاریٰ کا گٹھ جوڑ ہو رہا ہے پوری دنیا کو انہوں نے مصیبت میں مبتلا کر رکھا ہے لیکن ان میں آپس کی دوستی نہیں۔ دونوں ایک دوسرے کو نقصان ہی پہنچانا چاہتے ہیں۔

چونکہ ان میں جرأت نہیں ہوتی۔ بڑے ڈرپوک اور بزدل لوگ ہوتے ہیں لہٰذا اگر کہیں مقابلہ آ جائے یا میدان کارزار میں اترنا پڑے لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً اَوْ مَغٰرٰتٍ اَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا اِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُوْنَ﴿۵۷﴾ تو انہیں کوئی مکان یا قلعہ نظر آ جائے یا کوئی غار یا چھپنے کی کوئی جگہ تو فوراً ادھر جا چھپیں گے۔ جرأت مندوں کی طرح میدان میں کھڑے نہیں رہ سکتے فوراً چھپنے کی جگہ تلاش کریں گے اور میدان سے بھاگنے میں دیر نہیں کریں گے یعنی کفر میں جرأت، دلیری اور عزم نہیں ہو سکتا۔ جھوٹ، چالاکی، دھوکا دہی یہ سب کر سکتے ہیں لیکن نہ جرأت ہوتی ہے نہ ہمت اس لیے میدان عمل میں یہ لوگ ثابت قدم نہیں رہ سکتے۔

قلب کو منور کرنے کی اہمیت:

تو یہ سارے اعلیٰ اوصاف اور انسانیت کی اعلیٰ صفات کا تعلق ایمان اور خلوص سے ہے جتنا کسی کا اللہ کریم کے ساتھ ایمان ہوگا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان ہوگا، جتنا اس کا یقین محکم ہوگا، اتنی اسے توفیق عمل بھی نصیب ہوگی، اتنا اس کے عمل میں بھی خلوص ہوگا اور دنیا کی زندگی بھی اس کی آرام سے بسر ہوگی۔ دکھ اور سکھ صحت اور بیماری پر نظام قدرت کا حصہ ہے۔ درختوں پر بہار بھی آتی ہے پت جھڑ بھی آتی ہے، سبزہ پھوٹتا بھی ہے، خشک بھی ہو جاتا ہے، کھیتیاں لہلہاتی بھی ہیں، کٹ بھی جاتی ہیں۔ یہ نظام قدرت ہے لیکن ایمان ہو تو ہر حال میں سکون ملتا ہے مصیبت بھی آئے تو وہ دکھ نہیں دیتی سکون دیتی ہے اور اللہ پر اعتماد کو بڑھاتی ہے اور ایمان نہ ہو تو دنیا

کی آسائشیں دکھ دیتی ہیں، پریشان کرتی ہیں مصیبت بن جاتی ہے۔ ایمان ویقین صفائے قلب سے نصیب ہوتا ہے۔ جب تک دل میں اللہ کی یاد نہ بس جائے جب تک قلب انسانی متوجہ الی اللہ نہ ہو جائے جب تک قلب دنیاوی نفع نقصان سے اوپر ہو کر اللہ کی رضا اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی پسند و ناپسند پر نہ آ جائے تب تک ایمان کی لذت نصیب نہیں ہوتی اسی لیے اہل اللہ قلب پر بہت محنت کرتے ہیں اور قلب ہی وہ مرکز ہے جو ایمان و یقین کا بھی سبب بنتا ہے قرب الٰہی کا بھی سبب بنتا ہے توفیق عمل بھی نصیب ہوتی ہے اور آخرت بھی سنورتی ہے۔ اطمینان وسکون نصیب ہوتا ہے تو زندگی بھی راحت افزا ہوتی ہے اور موت بھی راحت افزا۔ اللہ کریم ہمارے دلوں کو اپنے نور سے منور رکھے۔ اپنی اور اپنے حبیب ﷺ کی محبت عطا فرمائے۔ ہم کمزور لوگ ہیں ہم پر رحم فرمائے۔ دنیا کی سختیوں اور تکلیفوں سے محفوظ رکھے۔ مصیبت بھی اللہ کی طرف سے آتی ہے اور اس کی رحمت کا سبب بنتی ہے گناہوں کی معافی کا سبب بنتی ہے لیکن شاید ہم میں وہ حوصلے نہیں ہیں کہ ہم اس رحمت کو برداشت کریں اللہ اس سے بچا کر اپنی وہ رحمت عطا کر دے جس میں صحت و عافیت ہو۔ آسانی ہو دونوں طرح کی رحمتیں ہوں اور وہ قادر ہے اللہ کریم سے دعا کرنی چاہیئے کہ نیک اولاد اور حلال رزق عطا فرمائے۔ ایمان سے سکون و عافیت سے رہنا نصیب فرمائے۔ موت ایک دن آنی ہے دنیا رہنے کی جگہ نہیں ہے لیکن ایمان سے سکون و عافیت سے رہنا نصیب فرمائے۔ اللہ کرے موت بھی ایمان وسکون کے ساتھ آئے اور آخرت میں عزت نصیب ہو اور انسان اپنی منزل کو پا جائے بلکہ اللہ کریم فرماتے ہیں فَمَنۡ زُحۡزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدۡخِلَ الۡجَنَّةَ فَقَدۡ فَازَ ؕ (ال عمران:185) جو دوزخ سے بچ گیا اور جنت میں چلا گیا وہ کامیاب ہو گیا جیت گیا۔ دنیا میں ہم ساری زندگی کامیابی کے پیچھے بھاگتے رہتے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کاروبار اچھا چل گیا تو کامیابی ہوگئی۔ بچے ملازم ہو گئے، میری پنشن ہوگئی، میں نے عہدہ پالیا، میری اتنی جائیداد ہوگئی، اتنی زمین ہوگئی، اتنے کارخانے ہو گئے، میں اتنا مال دار ہو گیا اتنی گاڑیاں ہوگئیں یہ کامیابی نہیں ہے۔ ہاں اللہ کریم کی عطا ہے کہ وہ جائز اور حلال ذرائع سے دے یہ اس کا بڑا کرم ہے۔

دیکھیں حضرت ایوبؑ پر بہت مصیبت آئی سارا خاندان فنا ہو گیا اہلیہ محترمہ رہ گئیں۔ تمام جسم میں جزام ہو گیا زخموں میں کیڑے پڑ گئے۔ جس جسم میں کیڑے پڑ جائیں اس میں سخت بدبو ہوتی ہے اس لیے اہل شہر نے شہر سے نکال دیا اہلیہ محترمہ گھروں میں مزدوری کر کے کچھ لاتیں اور انہیں کھلاتیں۔ تو بالآخر اللہ نے ان کی دعا

قبول فرمائی، صحت مند بھی ہو گئے فرمایاوَاٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ (الانبیاء: 84) فرمایا ان کا جو
خاندان اور مال اور دولت تھا اس سے دوگنا ہم نے انہیں دے دیا۔صحت بھی عطا کی۔اس ساری تکلیف کے بعد
جب اللہ کریم ان کی تعریف فرماتے ہیں تو فرماتے ہیں اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ○(ص:44) وہ میرا بڑا پر خلوص اور رجوع
کرنے والا بندہ تھا۔دوسری طرف قرآن کریم میں سلیمان علیہ السلام کا ذکر ملتا ہے اللہ فرماتے ہیں میں نے انہیں
ہوا پر بھی حکومت دی ان کا تخت اڑا کر لے جاتی تھی اور مہینوں کی مسافت صبح سے شام تک میں طے کر لیتی تھی۔ان
کے تخت پر کتنی مخلوق ہوتی تھی۔پورا لاؤ لشکر ہوتا تھا پوری شاہی فوج ہوتی تھی پھر انسان حیوان، درندے پرندے،
جنات کتنا بڑا تخت ہوتا ہوگا اتنا بڑا جسے ہوا اڑا کر لے جاتی تھی آج کل یہ ہوائی جہاز ہوا ہی اڑائے پھرتی ہے۔ان
کی ساری تکنیک یہ ہے کہ ہوا اڑا لیتی ہے پھر آپ کو بے پناہ اور بڑی حکومت دی انسانوں پر، جنوں پر، حیوانات،
ہر چرند پر ہر ایک پر۔سب ان کی بات سنتے سمجھتے تھے۔بے پناہ دولت تھی بڑے عجیب وغریب محلات بنائے جن
کا ذکر قرآن میں ملتا ہے ایسی خوبصورت عمارتیں پھر آج تک دیکھنے میں نہیں آئیں تو جب انجام کار ان کی تعریف
فرماتا ہے تو فرماتا ہے اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ○(ص:30) وہ میرا بڑا ہی پر خلوص اور میرا چاہنے والا بندہ تھا لیکن دیکھیں
ایک طرف کتنی مصیبت ہے کتنی تکلیف ہے کتنا دکھ ہے۔برسوں دکھ اور تکلیف کاٹنے کے بعد یہ منصب عطا ہوا اِنَّهٗٓ
اَوَّابٌ○(ص:44) دوسری طرف ساری دنیا کی سہولتیں آرام عزت آسائش ہر طرح کی حکومت اور بے مثال
حکومت ہے۔ایوبؑ نے مصیبت میں صبر کیا تو اللہ نے فرمایا اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ (ص:44) سلیمانؑ نے طاقت، دولت،
عظمت پر صبر کیا اور اطاعت الٰہی کا حق ادا کیا تو فرمایا اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ○(ص:30) تو اللہ کریم سے دعا کرنی چاہیے
کہ سلیمانؑ جیسے اَوَّاب ہونا عطا فرما دے اور ایوبؑ والے اَوَّاب سے پناہ میں رکھے کیونکہ ہم میں وہ عزیمت نہیں
ہے کہ ہم تکلیفیں سہہ کر ثابت قدم رہ سکیں یا شکر ادا کر سکیں۔

اس دنیا میں سب کچھ ہوتا ہے حقیقت کے طور پر واقعہ کربلا ہی کو دیکھیں تو خاندان رسالت کے وہ ننھے
پھول جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گود اقدس میں پروان چڑھے۔جن گردنوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بوسے
دیئے وہ گردنیں کاٹنے والے بھی خود کو مسلمان کہتے تھے۔میں یہ سمجھتا ہوں کہ جو کچھ خانوادہ نبوی پر بیتی اس کے
بعد دنیا میں کچھ بھی ہو جائے تو کوئی عجیب بات نہیں۔یعنی کوئی بڑے سے بڑا ظلم بھی ہو جائے لیکن دیکھنا یہ ہے کہ
دونوں فریقوں کا عند اللہ انجام کیا ہے۔یہ دنیا آخرت کا پرتو ہے اس کی جھلک یہاں نظر آتی ہے۔ان کا نام آج بھی

عزت واحترام کا ضامن ہے اور بظاہر فتح کے جشن منانے والے اور گلے کاٹنے والے آج بھی ساری دنیا کی نفرت کا نشان ہیں تو دنیا میں کچھ عجیب نہیں ہے کبھی بھی کچھ بھی ہوسکتا ہے لیکن بات یہ ہے کہ پہلی بات تو یہ ہے کہ اللہ سے عافیت طلب کرنی چاہیے کہ اللہ امتحانوں میں نہ ڈالے یہ مشکل ہے آخر بندوں کو سلطنتیں حکومتیں آسائشیں بھی تو دے کر اپنی رحمت سے نوازا ہم تو بہت کمزور ہیں ہمیں مصیبتوں سے بچائے اور رحمت کا دوسرا طریقہ جو ہے آرام اور رحمت بھی دے تمنا یہی ہونی چاہیے مانگنا یہی چاہئے لیکن اگر کبھی تلخی بھی آجائے تو یقینا ہماری بہتری کے لیے ہوتی ہے ہمارے فائدے کے لیے ہوتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ مومن کو بخار بھی آجائے تو اس کے گناہ اس طرح جھڑتے ہیں جس طرح پت جھڑ میں، درخت کے پتے جھڑتے ہیں تو بہت سی خطائیں معاف ہونے کا سبب بن جاتی ہے ہماری خود اپنی حیثیت کا بھی اندازہ ہوجاتا ہے۔ بندے میں انانیت کم جاتی ہے اس کا بھی اندازہ ہوجاتا ہے کہ میں کچھ نہیں ہوں۔ بہرحال اللہ آسانیاں عطا فرمائے، مشکلات سے محفوظ ہی رکھے۔ ہم کمزور لوگ ہیں۔ زمانہ بہت دور نکل گیا ہے۔ ہمارے اور آقائے نامدار ﷺ کے درمیان پندرہ صدیاں حائل ہوگئیں ہیں۔ زمانہ دوریاں بڑھا دیتا ہے، رشتے کمزور کردیتا ہے، محبتیں کم پڑنے لگتی ہیں۔ اللہ کی عطا ہے کہ اتنی ہمت دے کہ وہ صدیوں کا سینہ چیر کر بارگاہ رسالت سے اپنا رشتہ استوار کرلے تو اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ اللہ کریم ہم سب پہ رحم فرمائے۔ اللہ کریم کی رحمت سے ہمیشہ پرامید رہے۔

ایں درگاہ مادرگاہ نا اُمیدی نیست

اس کی بارگاہ ناامیدی کی جگہ نہیں ہے۔ اللہ کریم آپ کے دلوں کو روشن فرمائے اور سب کو بارگاہ رسالت کی حاضری نصیب فرمائے۔ آمین

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ ۚ ارشاد باری ہے ان میں ایسے لوگ بھی ہیں جو صدقات کی تقسیم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کرتے ہیں، الزام تراشی کرتے ہیں اور یہ ایسے لوگ ہیں کہ اگر انہیں اپنی خواہش کے مطابق مل جائے۔ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا یہ بڑے راضی رہتے ہیں وَاِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَآ اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ ۝۵۸ اور اگر اپنی خواہش کے مطابق نہ ملے تو ناراض ہوجاتے ہیں۔ وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۙ کہ کاش یہ لوگ راضی رہتے جو کچھ انہیں اللہ نے عطا فرمایا اور اللہ کے رسول ﷺ نے عطا فرمایا تھا اور یہ کہتے وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ ہمارے لیے اللہ کافی ہے جس نے ہمیں پیدا کیا ہے وہ ہمارا رازق

بھی ہے جس نے ہمیں ضروریات دی ہیں وہ ان کی تکمیل کا ذمہ دار بھی ہے سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗٓ اللہ اپنی مہربانی، اپنے کرم سے ہمیں اور عطا فرمادے گا۔ اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم عطا فرمادے گا اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ﴿۵۹﴾ یقیناً ہم اللہ ہی کی طرف رغبت کرنے والے ہیں۔

یہاں نفاق کی نشانیوں میں ایک بڑی بنیادی بات ارشاد فرمائی گئی کہ نام تو دین کا ہوتا ہے لیکن نظر دنیاوی مفادات پر ہوتی ہے۔ لوگ حلیہ تو دین داروں کا بنا لیتے ہیں کام بھی بظاہر دین کے نام پر کر رہے ہوتے ہیں لیکن اس کاوش سے مراد دنیا جمع کرنا ہوتا ہے اور یہ منافقت ہے۔ صدقات نافلہ غیر مسلم کو بھی دیئے جاسکتے ہیں حتیٰ کہ معارف القرآن میں مفتی مولانا شفیع فرماتے ہیں کہ صدقہ فطر بھی ان صدقات میں سے ہے جو غیر مسلم کو بھی دیا جاسکتا ہے تو منافق بظاہر مسلمان تو ہوتے تھے جب ضرورت مندوں کی امداد کی جاتی تو جب انہیں زیادہ مل جاتا پھر تو بڑے خوش ہوتے اور کبھی انہیں ان کی توقع سے کم ملتا تو وہ مَّنْ يَّلْمِزُكَ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر الزام تراشی کرتے، اعتراض کرتے تو اللہ کریم نے فرمایا کہ یہ جو تقسیم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں یہ اللہ کی تقسیم ہے۔

اہمیت حدیث:

جو حکم حضور صلی اللہ علیہ وسلم دیتے ہیں وہ حکم اللہ کا ہے یا دین کے موضوع پر جو ارشاد فرماتے ہیں وہ سارے ارشادات باری ہوتے ہیں یا قرآن ہوتا ہے یا حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد باری ہے وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ﴿۳﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ○ (النجم:3-4) آپ ﷺ اپنی خواہش سے کچھ ارشاد نہیں فرماتے بلکہ جو ارشاد باری ہوتا ہے وہی مخلوق کو پہنچاتے ہیں۔ قرآن اور حدیث میں یہ فرق ہے کہ قرآن وحی متلو ہے۔ وہ وحی جس کی باقاعدہ تلاوت کی جائے حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی وحی ہے لیکن اس کی تلاوت نہیں کی جاتی۔ قرآن میں الفاظ بھی اللہ کریم کے ہیں معنی و معارف بھی اللہ کریم کے ہیں۔ حدیث میں مفہوم حضور صلی اللہ علیہ وسلم پہ القاء فرمادیا جاتا ہے، وحی فرمادیا جاتا ہے اور الفاظ حضور ﷺ کے ہوتے ہیں بات اللہ ہی کی ہوتی ہے۔ اگر کوئی حدیث کا انکار کرتا ہے تو ویسا ہی کفر ہے جیسا وہ قرآن کا انکار کرتا ہے۔ اگر کوئی حدیث پہ اعتراض کرتا ہے تو یہ ایذائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں داخل ہے وہ رسول اللہ ﷺ پر اعتراض کرتا ہے۔ اسی

طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنن جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا، کوئی کام ہوتا دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند فرمایا یہ بھی سنت ہے کسی کام کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ فرمایا لیکن وقتی طور پر وہ نہ ہو سکا کچھ عوارضات ایسے تھے کہ وہ نہ ہو سکا جب وہ موانعات ہٹ جائیں تو اس سنت پر بھی عمل کرنے کی ضرورت ہے جب وہ عوارضات نہ ہوں تو وہ کام بھی سنت ہے۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پسند سنت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سنت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل سنت ہے۔ سنت پر اعتراض صاحب سنت ﷺ پر اعتراض ہے اور صاحب سنت وہ ہستی ہے جو ارشادات باری کی عملی تعبیر ہے جیسا حبیب کبریا ءام المومنین حضرت عائشہؓ سے کسی نے عرض کیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کریمانہ کے بارے میں کچھ ارشاد فرمائیے۔ انہوں نے مختصر ترین لیکن جامع ترین جواب ارشاد فرمایا: **کان خلقه القرآن** آپ ﷺ کا اخلاق قرآن کریم ہے قرآن پڑھتے جاؤ جو قرآن نے کرنے کا حکم دیا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ کیا ہے جس سے قرآن نے روک دیا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم رک گئے ہیں۔ آپ کی حیات طیبہ کی ساری تعریف قرآن کریم ہے۔ آپ ﷺ کے اخلاق عالیہ کی ساری تعریف قرآن کریم ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کردار کی ساری تاریخ قرآن کریم ہے۔

چونکہ نفاق کفر ہی کی قسم ہے اور گھٹیا ترین کفر ہے جس کے بارے ارشاد باری ہے **اِنَّ الۡمُنٰفِقِيۡنَ فِى الدَّرۡكِ الۡاَسۡفَلِ مِنَ النَّارِ‌ۚ** (النساء:145) دوزخ کے بھی کسی نچلے سے نچلے درجے میں منافقین کو کفار سے بھی نیچے پھینکا جائے گا تو دین کا نام بنا کر دنیا بٹورنا فرمایا یہ نفاق کی ایک بدترین قسم ہے۔ منافقین تو اس لیے ہوس زر میں مبتلا ہیں کہ انہیں اللہ کریم کے رازق ہونے پر اعتماد نہیں جبکہ اللہ کریم جو خالق کائنات ہے اسی نے رزق کا ذمہ بھی لیا ہے۔ مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے اس نے ساری مخلوق کے رزق کا انتظام فرما دیا۔ قلم خشک ہو گئے سیاہی خشک ہو گئی ہر چیز کا فیصلہ ہو گیا کوئی بندہ اپنے حصے سے زائد کھانا کھا کر نہیں مرتا۔ کوئی اپنے حصے کا ایک دانہ چھوڑ کر اس دنیا سے نہیں جاتا۔ کوئی اپنے حصے کا ایک قطرہ پانی چھوڑ کر نہیں جاتا، کوئی اپنے نصیب سے زیادہ لے کر نہیں جاتا۔ انسان جائز وسائل کو اختیار کرنے کا مکلف ہے۔ کسی کی محنت سے اس کو رزق نہیں ملتا وسائل اختیار کیے جاتے ہیں۔ وسائل اختیار کرنا ویسا ہی عبادت ہے جیسا دوسری عبادات ہیں۔ ہم نماز ادا کرتے ہیں، رکوع و سجود کرتے ہیں، قیام و قعود کرتے ہیں یہ اللہ کا حکم ہے عبادت ہے۔ اسی طرح حصول رزق کے لیے بچوں کی تربیت کے لیے بچوں کو پالنے کے لیے جائز شرعی طریقے سے وسائل اختیار کرنا، روزی کے وسائل اختیار کرنا بندہ اس کا

مکلف ہے۔ اگر یہ شریعت کے مطابق ہوں تو مومن کی دنیا بھی دین ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مفہوم ہے کہ مومن کی دنیا بھی دین ہے کہ وہ جو کام دنیا کا کرتا ہے وہ بھی اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے حکم کے مطابق کرتا ہے اور اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہی تو دین ہے۔ اور کافر کا دین بھی دنیا ہے کہ جتنی رسومات کافر نے دین کے نام پر ایجاد کر رکھی ہیں ان کا ماحصل بھی یہ ہے کہ یہ رسم کرنے سے دنیا کی وہ چیز مل جائے گی یہ کام کرنے سے ہمیں دنیا کی وہ چیز مل جائے گی۔

جب صدقات کی تقسیم ہوتی کسی کو تھوڑا ملتا، کسی کو زیادہ ملتا، کسی کو نہیں ملتا تو منافقین اعتراض کرتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ عین منشاء باری تعالیٰ ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تقسیم پر اعتراض گویا عظمت باری پہ اعتراض ہے اور پھر یہ صرف الزام تراشی ہی نہیں کرتے اعتراض کرتے ہیں اگر اپنی پسند اور خواہش کے مطابق زیادہ مل گیا تو خوش ہوجاتے ہیں اور اگر کم مل گیا اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ۝ تو منہ بنا لیتے ہیں اور خفا ہو جاتے ہیں۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اللہ کریم کا انداز محبت دیکھیں۔ اعتراض تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ہو رہا ہے اور اللہ کریم فرما رہے ہیں میری حبیب ﷺ کی تقسیم میری تقسیم ہے جس کو جو عطا فرما رہے ہیں وہ میرے حکم سے عطا فرما رہے ہیں۔ کسی کو زیادہ دینے کا حکم ہے، کسی کو کم، کسی کو نہ دینے کا حکم ہے تو یہ میری منشاء ہے میرا نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو اس پر عمل کر رہا ہے۔ انہیں فرمایا جو کچھ انہیں اللہ نے دیا ہے کاش یہ اس پر راضی ہو جاتے۔ گویا حضور ﷺ کی عطا، عطائے باری ہے۔ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اور وہ دل کی گہرائیوں سے یہ بات کہتے ہیں کہ ہمارے لیے اللہ کافی ہے اس عالم آب وگل میں بطفیل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں جو حضورِ حق نصیب ہو گیا ہمیں جو اللہ کی معرفت نصیب ہو گئی ہم نے جو اپنے رب کو پہچان لیا ہم نے جو اپنے رب کو اپنے دل میں بسا لیا اس سے بڑی نعمت کیا ہو سکتی ہے اور جب ہمارا پروردگار ہمارے ساتھ ہے تو ہمیں کس کا خوف اور کون سی کمی ہے۔ بندے تو بندوں پر ناز کرتے ہیں کوئی امیر آدمی کسی کا واقف ہو تو اسے بڑا فخر ہوتا ہے کوئی سرکاری عہدے دار کسی کا دوست ہو تو اسے بڑا فخر ہوتا ہے کہ میرا کوئی کیا بگاڑ سکتا ہے، میرے ساتھ فلاں ہے تو جس کے ساتھ اللہ جل شانہٗ ہو اسے کس کا ڈر، اللہ کے سوا کسی سے ڈرنے کی اسے کیا ضرورت ہے۔ اور چند روپوں کے لیے ایمان داؤ پر لگا دیتے ہیں جبکہ یہ ضروری نہیں وہ جس کے ہاتھ میں بھی آئیں اس کے حصے میں بھی آئیں اس کے نصیب میں بھی ہوں یہ ضروری نہیں ہے۔ کروڑوں روپے ایک شخص کے پاس آتے ہیں اور وہ فاقوں سے بھوک سے مر جاتا ہے اور لوگوں کے لیے رہ جاتا ہے۔ رب

العالمین اسے ایسا مرض لگا دیتا ہے کہ اسے خوراک نصیب نہیں ہوتی، اسے کھانے نصیب نہیں ہوتے۔ کوئی ڈاکٹر لے جاتے ہیں کوئی وکیل لے جاتے ہیں کوئی وارثوں کے لیے رہ جاتے یں اور وہ فاقے کاٹ کاٹ کر مر جاتا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ دولت جس کی مٹھی میں ہے وہ اس کا حصہ بھی ہے یہ ضروری نہیں ہے۔ کہاں کہاں سے چلتی ہے کہاں کہاں سے گزرتی ہے، کہاں کہاں تک پہنچتی ہے اس کا اپنا نظام ہے۔ ہر ذرہ جو بدن کا حصہ بنتا ہے وہ اللہ کی طرف سے مقدر ہے کاش یہ اس بات کو جان لیتے جو رب العالمین کو نہیں مانتے کفر میں مر جاتے ہیں روزی تو ان کو بھی ساری زندگی ملتی ہے۔ غلیظ ترین جانور جن کی اصل میں حرمت ہے۔ جن کی کھال، بال، ہڈی کوئی چیز بھی پاک نہیں ہو سکتی، روزی تو اس کو بھی دے رہا ہے۔ اصل دولت کیا تھی؟ اصل دولت تھی معرفت حق اور اگر یہ معرفت حق پا کر انہیں یہ احساس اور ادراک نہیں ہوا کہ ہم پر اللہ کا کتنا انعام ہے کہ ہمیں دامان رسالت ﷺ سے وابستگی عطا فرما کر ایمان عطا فرما دیا۔ معرفت حق عطا فرما دی۔ اپنی اطاعت کی توفیق عطا فرما دی۔ ہمارے لیے ہمارا اللہ کافی ہو گیا۔ ہمارا سارا کام ہو گیا۔ ہم نے دونوں جہان سے بڑی دولت پا لی وَقَالُوْا حَسْبُنَا کاش یہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت پر راضی ہو جاتے اور کہہ اٹھتے ہمارے لیے اللہ کافی ہے۔ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗٓ ۙ اللہ اپنے کرم سے اور دے دے گا ہماری ضرورتیں پوری فرمائے گا ضرورت سے زائد عطا کر دے گا۔ صحت عزت دے گا، دولت دے گا، عاقبت دے گا، آخرت دے گا، اپنی رضا سے نوازے گا، جب اللہ ہمارے ساتھ اور جب تک دامانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ہاتھ میں ہے ہمیں فکر کس بات کی۔ یہاں بھی وہی قید لگا دی سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗٓ ۙ یعنی اللہ کی عطا ملے گی۔ کہاں سے؟ بارگاہ رسالت سے۔ کوئی بھی شخص بعثت عالی سے قیامت تک یہ چاہے کہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو الگ کر دوں اور میں سیدھا اللہ سے مل جاؤں فرمایا یہ ممکن نہیں یہ انسانی بس کی بات نہیں ہے جو بھی یہ کوشش کرے گا وہ بھی اللہ کی رحمت سے محروم رہے گا۔ نور ایمان سے محروم رہے گا۔ جتنے دروازے بارگاہ الوہیت میں کھلتے تھے اور اپنے اپنے وقت پر کھلتے رہے سب بند ہو گئے ایک ہی دروازہ کھلا ہے وہ ہے محمد رسول اللہ ﷺ۔

محبت رسول:

ہر مسلمان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا دعویٰ ہے لیکن یہ وہ بارگاہ ہے جہاں کا ادب مثالی ہے ادیبوں، شعراء اور دانشوروں میں مشہور ہے کہ عشق خود سر ہوتا ہے۔ اپنی مرضی سے کام کرتا ہے جہاں چاہتا ہے سر جھکاتا ہے جہاں چاہتا ہے سر نہیں جھکاتا، جسے چاہتا ہے اس سے تکلیف بھی پہنچے خوش رہتا ہے جسے نہیں چاہتا وہاں

کا آرام بھی ملے تو اس کی پروا نہیں کرتا۔ عشق خودسر ہوتا ہے۔ ہوتا ہوگا لیکن یہ وہ بارگاہ ہے جہاں عشق ومحبت بھی آداب رسالت کے پابند ہیں۔ اس بارگاہ سے جسے محبت ہے جسے عشق نصیب ہے اس کا عشق اور محبت بھی آداب بارگاہ رسالت کے پابند ہیں۔

ادب گاہ ہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آیند ابوبکر و عمر ایں جا

شاعر نے تو کہا تھا نفس گم کردہ می آیند جنید و بایزید ایں جا، لیکن میں نے اس میں تصرف کر دیا ہے کہ حضرت بایزیدؒ اگرچہ ہم ان کی جوتیوں کی خاک بھی نہیں ہیں بہت بڑی ہستی ہوں گے لیکن یہ بارگاہ ان سے بہت بڑی ہے۔ یہاں تو خیر الناس بعد از انبیاؑ ابوبکرؓ بھی جاتے ہیں تو دم گم ہو جاتا ہے۔ فاروق اعظمؓ بھی حاضری دیتے ہیں تو ان کی آواز نہیں نکلتی۔ دم گم ہوتا ہے تو یاد رکھیں عشق رسول کا دعویٰ کرنے والو اپنا کردار ضرور اپنے سامنے رکھا کرو۔ اگر کردار اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مظہر ہے تو تمہاری محبت سچی ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو وہ اپنی مرضی سے کرتے ہو اور اپنی خواہشات کے مطابق کرتے ہو اور چندے جمع کر کے پیسے جمع کرتے ہو اور نام عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا استعمال کرتے ہو تو اپنے آپ کو دھوکا دے رہے ہو یہ ایذائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہو گی اور قیامت کو یا قبر میں پتہ چلے گا کہ اس کا کیا بدلہ ہے۔ چونکہ دنیا میں جتنے جرائم بھی ہیں جتنے گناہ بھی ہیں لیکن ایذائے رسول ﷺ سے بڑا کوئی جرم نہیں ہے کوئی ایسی بات نکالنا، کوئی ایسا کام کرنا جس سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا ہو یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے اللہ نے فرمایا کہ اے میرے حبیب ﷺ اگر آپ ان کو معاف بھی کر دیں تو میں انہیں معاف نہیں کروں گا۔ کیسی عجیب بات ہے کہ فرمایا جو ایذائے رسول ﷺ کا سبب بنتے ہیں میرا حبیب صلی اللہ علیہ وسلم اپنی شان کریمی کے باعث اگر ان سے درگزر بھی فرمائے، معاف بھی فرما دے تو اللہ انہیں معاف نہیں کرتا اور ایذائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایسا جرم ہے کہ یہ توبہ کی توفیق بھی سلب کرا دیتا ہے۔ ایسے لوگوں کو اللہ توبہ کی توفیق بھی نہیں دیتا۔ تو جتنے نازک ترین رشتے ہیں ان میں سے سب سے نازک ترین رشتہ۔ ہے اُمتی کا محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہے۔ کوتاہی ہو جانا، غلطی ہو جانا، قصور ہو جانا بتقاضائے بشریت ممکن ہے لیکن دل سے گستاخی کا تصور، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام نامی کو بیچ کر دنیا کمانا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر مفادات دنیا حاصل کرنا بدترین گناہ ہے۔ اللہ دلوں کے بھید جانتا ہے۔ اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں تو فرمایا کیا ہی بہتر ہوتا کہ یہ لوگ کہتے ہمیں اللہ کافی ہے اللہ ہمیں اپنے کرم سے اور عطا فرمائے گا۔ وَرَسُوْلُہٗ اور اللہ کا کرم ہم تک کیسے پہنچے گا اس کے

رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے۔ بندوں اور مالک کے درمیان بعثتِ عالی سے قیامت تک ایک ہی واسطہ ہے اور وہ ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۔اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ہماری طلب ہماری، رغبت، ہماری محبت چاہت، ہماری خواہش، ہمارا مقصود، ہماری زندگی کا مقصد، ہماری موت کا مقصد سب کا ماحصل ہمارا اللہ ہے۔ ہم کسی سے ناراض ہوں گے اللہ کے لیے دوستی کریں گے اللہ کے لیے ہم کاروبار کریں گے اللہ کے لیے ہم کمائیں گے اللہ کے لیے ہم خرچ کریں گے اللہ کے لیے ہمارا مرنا ہمارا جینا ہماری حرکت اور ہمارا سکون ہماری خواہش اور ہماری آرزو کیا ہے اللہ وحدہٗ لاشریک جس کا راستہ ہے اتباعِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی الہ وسلم اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ہم اللہ ہی کی طرف رغبت کرتے ہیں اللہ ہی کو چاہتے ہیں۔

ایاز کی سلطان محمود غزنوی سے وفاداری مشہور ہے۔ سلطانؒ کے درباری ایاز کی وجہ سے اس سے خوش نہیں تھے۔ اہل دربار نے سرگوشیوں میں یہ بات کہی کہ جب سلطان کے والد بزرگ سلطان تھے تو ہمارے آباواجداد ان کے خدام تھے، ان کے وزراء اور جرنیل تھے ہم نے اپنے خون سے اس سلطنت کو سینچا۔ اگلی نسل آئی۔ سلطان حکمران ہوئے، ہم جوان ہوئے ہم ان کے خادم ہو گئے ہم ان کے اہل دربار بن گئے ان کے لیے جہاد کر رہے ہیں، ان کے لیے مشقتیں اٹھا رہے ہیں اور کمال ہے کہ سلطان ایک صحرائی کو، ایک بدوی، ایاز کو جنگل سے اٹھا لائے اور اس کو وہ قربِ شاہی نصیب ہے جو ہمیں نہیں ہے۔ یہ بادشاہ سلامت کا عجیب انصاف ہے۔ جو بات لبوں سے نکلتی ہے پھر پہنچ جاتی ہے وہ بادشاہ سلامت تک سلطان تک بھی پہنچ گئی۔ انہوں نے اس کا براہ راست جواب دینا مناسب نہ سمجھا۔ کسی فتح کے بعد واپس پھر غزنی پہنچے تو انہوں نے چیدہ چیدہ جرنیلوں اور امراء کو جنہوں نے پیچھے انتظام سنبھالے رکھا، جو لشکر میں ساتھ تھے، جنہوں نے جنگ میں بہادری دکھائی انہیں انعام دینے کا اعلان کیا کہ ان سب کو انعامات سے نوازا جائے۔ انعام دینے کا انہوں نے ایک انوکھا طریقہ فرمایا۔ دربار کے بڑے ہال میں دیواروں پر جگہ جگہ مختلف انعامات کے اعلان تحریر کر دیئے کہ یہ جاگیر ہے، یہ اشرفیاں، یہ دینار ہیں، یہ گھوڑے ہیں، یہ جواہرات ہیں یہ منصب اور عہدہ ہے جو جس انعام کا خواہش مند ہے اس پر ہاتھ رکھ دے۔ سب نے دیکھا کسی کو اسلحہ پسند تھا، کسی کو گھوڑے، کسی کو جاگیر، کسی کو دولت، تو چونکہ شاہی انعام تھا بادشاہ سلامت عطا فرما رہے تھے تو سب نے اٹھ کر کسی نہ کسی انعام پر ہاتھ رکھ دیا کسی انعام پر زیادہ لوگ جمع ہو گئے کسی پر چند۔ جب سارے انعامات تقسیم ہو گئے تو ایاز اٹھا اور اس نے سلطان کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ بادشاہ

سلامت نے پوچھا کہ تجھے کچھ نہیں چاہیے چیزیں تو سامنے دیواروں پر لگی ہیں۔ اس نے عرض کی سلطان عالی میرے لیے سلطان کافی ہے۔ یہ سب چیزیں تو آپ کے پاؤں کی ٹھوکروں میں ہیں جب سلطان کا ساتھ ہوگا تو ان چیزوں کی حیثیت کیا ہے تو سلطان تو آخر ایک عام آدمی تھا۔ کہاں سلطان اور کہاں عظمت رسالت۔

اللہ کریم فرماتے ہیں یہ کہہ دیتے کہ ہمیں اللہ کافی ہے جب اللہ ہے تو سب کچھ ہے اور اللہ ملتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ سے تو یہ کیوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت پر راضی نہیں ہوئے، خوش نہیں ہوئے۔ یہ کہہ دیتے ہمیں اللہ عطا فرمائے گا اپنی مہربانی سے و رسولہ عطا اللہ کی ہوگی ہم تک پہنچے گی رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک سے۔ اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ہمیں اللہ کافی ہے ہم اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں تو پھر کس چیز کی کمی ہے وہ کس کس کو کیسے رزق پہنچاتا ہے یہ وہ خود ہی جانتا ہے۔ فرماتا ہے جانوروں کے پیٹ میں سے خون اور گوبر میں سے تمہارے لیے دودھ نکال کر لے آتا ہوں۔ اسی جانور کو صبح ایک بالٹی دودھ دیتا، شام کو پھر بالٹی دودھ دیتا ہے اسی جانور کو ذبح کر کے ایک پاؤ بھر دودھ نکالو تو سہی، خون گوشت گوبر سب کچھ نکلے گا دودھ تو نہیں نکلے گا۔ وہ قادر ہے اسی سب میں سے وہ دودھ بنا کر میٹھا، ٹھنڈا، طاقتور، لذیذ عطا فرما دیتا ہے۔ علامہ مرحوم نے فرمایا تھا ''دل دارند محبوب نہ دارند'' کہ اللہ نے انہیں دل تو دیئے ہیں لیکن لوگوں نے کسی کو دل نہیں دیا۔ ان کا کوئی محبوب نہیں۔ دل تو ان کے سینے میں دھڑک رہا ہے لیکن ان کا کوئی محبوب نہیں۔ انہوں نے کسی کو دل نہیں دیا جب ہمیں کسی سے محبت نہیں ہوتی تو وہ جو کچھ کرتا ہے کہتے ہیں یہ اس کا کام ہے اس نے یہ کیا۔ یہ اس کا ذاتی فعل ہے کہ اس نے ایسا کر دیا۔ جب محبت ہوتی ہے تو اسی کام کا نام بدل جاتا ہے کہتے ہیں یہ میرے محبوب کی ادا ہے۔ دیکھیں کام ایک ہی ہوتا ہے اٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا، لڑنا جھگڑنا، دوستی دشمنی، زندگی کے وہی کام لیکن جب کوئی محبوب بن جاتا ہے تو اس کا ہر ایک فعل ادا بن جاتا ہے اور عاشق اس پر فدا ہوتا رہتا ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ کسی کا محبوب بن جائیں، یہ نعمت نصیب ہو جائے تو ہر سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم رسول ادائے محبوب بن جاتی ہے۔ پھر بندہ اسے جان سے زیادہ عزیز رکھتا ہے۔ یہ ہوتا ہے محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہ نہیں ہے کہ جیسا میں چاہوں ویسے محبت کروں یہاں عشق اپنی مرضی سے محبت نہیں کر سکتا یہاں عشق و محبت بھی پابند ہیں۔ جو محبوب کہے گا اسی پر عاشق فدا ہوگا۔

قرآن حکیم میں ارشاد باری ہے کہ تم احکام الٰہی سے گھبراتے ہو۔ اللہ اگر تمہیں حکم دے دیتا کہ اپنی گردنیں کاٹ دو، خود کو قتل کر دو، تو وہی کامیاب ہوتا جو اس پر عمل کرتا ہے اگر اللہ کریم حکم دیتا کہ گھروں کو چھوڑ کر نکل جاؤ تو وہی کامیاب ہوتا جو اس پر عمل کرتا۔ تو اللہ کریم فرماتے ہیں کہ حق تو یہ تھا کہ یہ کہہ اٹھتے حسبنا اللہ

ہمیں اللہ کافی ہے سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗ ۤ اللہ ہمیں اپنی عطا سے نوازے گا۔اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہم پر عطا فرمائے گا۔ اِنَّاۤ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ہم اللہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں ہماری ساری طلب ہماری ساری آرزو اللہ کے لیے ہے جس میں وہ راضی اس سے ہم راضی پھر بات کا مزا آتا ہے۔پھر یہ حق بندگی ادا کرتے ہیں یہ چند سکوں کے لیے، دنیاوی مفادات کے لیے خود کو بڑا بنانے کے لیے، لوگوں میں ممتاز کرنے کے لیے، اپنی بڑائی کے لیے مختلف مفادات کے لیے میرے نبی کا نام استعمال کریں اپنے دین کا نام استعمال کریں جب ذرا سی تکلیف آئے تو اعتراض کرنا شروع کر دیں یہ تو کوئی بات نہ ہوئی مسلمانو! دین نام ہے ادائے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا اور اللہ کریم کا بے پناہ احسان ہے ہم سب پر اور ان سب پر جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دامانِ رحمت سے وابستہ رہنے کا شرف حاصل ہو گیا انہوں نے سب کچھ پا لیا۔

دلبر ہے دل میں الحمد للہ
سب کچھ ہے گھر میں الحمد للہ

الحمد للہ اللہ کریم نورِ ایمان نصیب فرمائے عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم اسی کا پھل ہے عشق رسول نورِ ایمان دو الگ چیزیں نہیں ہے ایک ہی شئے کے دو رخ ہیں ایک ہی آئینے کے دو رخ ہیں۔اور تیسرا پہلو اطاعت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے کوئی ایک بھی چھوٹ گیا تو سمجھو سب چھوٹ گیا۔ جہاں سے بھی ڈور ٹوٹی بندہ فارغ ہو گیا۔اللہ کریم اپنی پناہ میں رکھیں خلوص دل سے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت نصیب فرمائیں اپنی ذات کے ساتھ یقین کامل اور ایمان کامل نصیب فرمائیں۔

سورۃ التوبہ رکوع 8 آیات 60 تا 66

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا
وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ
السَّبِيْلِ ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۶۰﴾ وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ
يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ؕ قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ
لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ؕ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ
لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۱﴾ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ ۚ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ
اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۲﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ
وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ ﴿۶۳﴾ يَحْذَرُ
الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؕ قُلِ
اسْتَهْزِءُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ ﴿۶۴﴾ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا
كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ ؕ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۶۵﴾ لَا
تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ؕ اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ
نُعَذِّبْ طَآئِفَةًۢ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۶۶﴾

بے شک صدقات تو محتاجوں اور غریبوں اور جو کارکن صدقات پر مقرر ہیں اور جن کی دلجوئی کرنا مقصود ہے اور غلاموں کے آزاد کرانے اور قرض داروں کے قرض ادا کرنے اور اللہ کی راہ میں (جہاد) میں اور مسافروں کے لیے ہیں یہ اللہ کی طرف

سے مقرر ہے اور اللہ بڑے علم والے بڑی حکمت والے ہیں ﴿۶۰﴾ ان میں سے کچھ ایسے ہیں جو نبی (علیہ ﷺ) کو ایذا (دکھ) دیتے ہیں اور کہتے ہیں یہ شخص بس صرف کان ہے (ہر بات سن کر مان لیتے ہیں) فرما دیجیئے کہ وہ کان سے وہی بات سنتے ہیں جو تمہارے حق میں بھلی ہے کہ وہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور مومنوں کی بات کا یقین رکھتے ہیں اور جو تم میں ایمان لائے ان کے لیے رحمت ہیں۔ اور جو لوگ اللہ کے پیغمبر کو دکھ دیتے ہیں ان کے لیے دردناک سزا ہوگی ﴿۶۱﴾ (مومنو) یہ لوگ تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں تا کہ تمہیں خوش کر دیں اور اگر وہ ایمان رکھتے ہیں تو اللہ اور اس کا رسول زیادہ حق رکھتے ہیں کہ انہیں خوش کیا جائے ﴿۶۲﴾ کیا یہ نہیں جانتے کہ جو شخص اللہ اور اس کے پیغمبر کا مقابلہ کرتا ہے سو اس کے لیے جہنم کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا یہ بڑی رسوائی ہے ﴿۶۳﴾ منافق اس بات سے ڈرتے ہیں کہ (مسلمانوں) پر کوئی ایسی سورت نازل نہ ہو جائے جو ان کے دل کی باتوں کو ان پر ظاہر کر دے فرما دیجیے کہ مذاق اڑاتے رہو جس بات سے تم ڈرتے ہو یقیناً اللہ اس کو ضرور ظاہر کر کے رہیں گے ﴿۶۴﴾ اور اگر آپ ان سے پوچھیں تو کہہ دیں گے کہ ہم تو بے شک محض مشغلہ اور خوش طبعی کر رہے تھے۔ فرما دیجیئے کہ کیا تم اللہ اور اس کی آیات اور اس کے پیغمبر کے ساتھ مذاق کر رہے تھے ﴿۶۵﴾ اب بہانے نہ تراشو یقیناً تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے اگر ہم تم میں سے بعضوں کو چھوڑ دیں گے تو بعضوں کو تو سزا بھی دیں گے اس وجہ سے کہ وہ گناہ کرتے رہے ہیں ﴿۶۶﴾

تفسیر و معارف

چونکہ منافقین صدقات کی تقسیم پر طرح طرح کے اعتراض کرتے آئے تو یہاں اللہ کریم نے صدقات کے مصارف متعین فرما کر واضح کر دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو کام کرتے ہیں اللہ کے حکم اور اللہ کی مرضی سے کرتے ہیں تو اگر یہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تقسیم پر راضی رہتے تو یہ گویا اللہ کی عطا پر راضی رہنا تھا۔

مصارف متعین فرماتے ہوئے ارشاد ہوا اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ صدقات فقراء کے لیے ہیں۔ صدقات دو قسم کے ہیں۔ نفل صدقات اور فرض صدقات اور فرض صدقات میں سرفہرست زکوٰۃ ہے۔ اسلام کا معاشی نظام دنیا کے تمام نظاموں سے منفرد اور بہترین نظام ہے کہ اللہ کا عطا کردہ ہے اللہ اپنی مخلوق کا بھی خالق ہے ان کی ضروریات کا بھی خالق ہے ان کی خواہشات و آرزوؤں کو بھی جانتا ہے اور ان کی تکمیل کے بھی وہ ذرائع صحیح ہیں جو اللہ کریم نے مقرر فرمائے ہیں نفلی صدقہ مومن و کافر ہر ایک کو دیا جا سکتا ہے لیکن فرض صدقات صرف مسلمانوں کے لیے ہیں۔ زکوٰۃ صرف مسلمانوں سے لی جائے گی کہ غیر مسلم پر زکوٰۃ بھی فرض نہیں زکوٰۃ مسلمانوں سے لی جائے گی اور مسلمانوں ہی کو دی جائے گی۔ جس کے پاس کوئی رقم جو چالیس روپے سے زائد ہو اور ایک سال تک اس کے پاس محفوظ رہے اس کی ضرورت میں استعمال نہ آئے تو اس میں سے اسے ایک روپیہ زکوٰۃ کے لیے دینا فرض ہے۔ گویا سو میں سے اڑھائی روپے۔ یہ اڑھائی فیصد ٹیکس وہ ہے جو زائد از ضرورت رقم پر لگے گا اور غریب مسلمانوں پر ہی خرچ ہوگا۔ اس کے آٹھ مصارف ہیں جو خود اللہ کریم نے مقرر فرما دیے۔ وہ کسی کی تقسیم نہیں ہے اللہ کریم کی اپنی تقسیم ہے حتیٰ کہ اللہ کریم نے اسے انبیاء علیہم الصلوٰۃ پر بھی نہیں چھوڑا اپنی طرف سے ان کی تقسیم مقرر فرما دی۔ اور یہ بہترین معاشی نظام ہے۔ چونکہ اسلام ارتکاز دولت کو پسند نہیں کرتا کہ کسی کی دولت ایک جگہ جمع ہوتی جائے، امیر امیر تر ہوتے جائیں اور غریب غریب تر ہوتے جائیں۔ دنیا کا سب سے بڑا معاشی مسئلہ بھی یہی ہے۔ دنیا میں ایسے نظام موجود ہیں کہ جس کے پاس پہلے سے دولت ہے وہ اور جمع کرتا جاتا ہے اور جو پہلے تہی دست ہے وہ اور غریب ہوتا چلا جاتا ہے۔ یہ صرف اسلام ہے جس نے زکوٰۃ کا نظام دیا ہے جس کے سبب جو زائد از ضرورت دولت ہے وہ چالیس تیس برس میں ساری واپس گردش میں آجاتی ہے۔ اگر ڈھائی فیصد ایک سال آئے گی تو چالیس سالوں میں گویا وہ ساری واپس آجائے گی۔ اسی معاشرے میں گردش کرے گی پھر اس کے ساتھ نفلی صدقات کی بہت ترغیب دی بہت سے گناہوں کا کفارہ نفلی صدقات کی صورت میں فرمایا اور بہت سی خطاؤں کی تلافی کے لیے غلام آزاد کرنے کی ترغیب دی۔ اسلام غلامی کے بھی خلاف ہے اور غلاموں کو آزاد کرنے پر اللہ کریم نے بڑے اجر کا وعدہ فرمایا ہے حتیٰ کہ غلاموں کو آزاد کرنے کے لیے ایک مد مصارف زکوٰۃ میں مقرر کی ہے لیکن اس کا اطلاق صرف مسلمان غلاموں پر ہی ہوگا۔

زکوٰۃ کے مصارف:

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ زکوٰۃ کا سب سے پہلا مصرف فقیر کی امداد ہے۔ فقیر اسے کہتے ہیں جو

بالکل تہی دست ہو۔جس کے پاس نہ گھر ہو نہ ٹھکانہ نہ روزگار ہو نہ کوئی ذریعہ معاش تو سب سے پہلا حق محتاجوں یعنی فقراء کا ہے۔

وَالۡمَسٰكِيۡنِ اس کے بعد غریبوں کا حق ہے۔ اصطلاح قرآن میں غریب و مسکین وہ ہوگا جس کے پاس مکان، جھونپڑا یا ٹھکانہ بھی ہے، گھر بھی ہے، کچھ مزدوری بھی کرتا ہے لیکن اس کی ضروریات پوری نہیں ہوتیں اس کی اتنی آمدن نہیں ہے کہ اپنی ضروریات آسانی سے پورا کر سکے تو وہ غرباء کے ضمن میں آئے گا وہ بھی مستحق ہے کہ زکوٰۃ سے اس کی مدد کی جائے۔

وَالۡعٰمِلِيۡنَ عَلَيۡهَا تیسرے وہ لوگ ہیں جو زکوٰۃ کو جمع کرنے پر مقرر کئے جائیں گے اور جو زکوٰۃ کو جمع کرنے پر مقرر کئے جائیں یہ ضروری تو نہیں کہ وہ فقیر ہوں یا محتاج ہوں کوئی بھی اس کام پر لگ سکتا ہے اس پر مفسرین کرام، علماء فقہاء حضرات نے بڑی لمبی بحثیں فرمائی ہیں۔ مفتی محمد شفیع نے ان مباحث کو معارف القرآن میں یکجا کر دیا ہے سب کا حاصل یہ ہے کہ عاملین کو زکوٰۃ جمع کرنے کی تنخواہ نہیں دی جاتی۔ زکوٰۃ کا جمع کرنا تو ایک عبادت ہے عبادت پہ اجرت نہیں ہوتی لیکن چونکہ ان کا وقت لیا جاتا ہے وہ اور کوئی کام نہیں کر سکتے، مزدوری نہیں کر سکتے، کاروبار نہیں کر سکتے۔ شب و روز اسی میں مصروف رہتے ہیں تو یہ اجرت جو انہیں دی جاتی ہے یہ ان کے اس وقت کی اجرت ہے کہ ان سے وقت لیا جاتا ہے اسی سے علماء نے آئمہ مساجد جو قرآن و حدیث پڑھاتے ہیں ان کی تنخواہوں کا جواز پیدا فرمایا ہے کہ قرآن پڑھانے کی تو اجرت جائز نہیں ہے نماز پڑھانے کی اجرت بھی جائز نہیں ہے خود امام پر بھی تو نماز فرض ہے اس نے بھی پڑھنی ہے دوسروں کو پڑھا دی تو اور ثواب ہوگا اس پر تنخواہ کس بات کی۔ علماء یہیں سے اخذ کرتے ہیں کہ اگر کسی کو پابند کر دیا جاتا ہے کہ اس نے پانچوں نمازیں یہیں پڑھنی ہیں جمعہ کا خطبہ یہاں مسجد میں دینا ہے تو وہ جو اس کا وقت لیا جاتا ہے اس وقت کی اجرت دی جاتی ہے عبادت کی اجرت نہیں ہے نماز تو خود اس پر فرض تھی۔

اور بھی اللہ کے بہت سے بندے ہوں گے لیکن میں نے ساری زندگی میں ایک بندہ دیکھا ہے راولپنڈی کی ایک مسجد میں ایک پٹھان نوجوان امام مسجد تھے۔ پانچوں نمازیں پڑھاتے تھے۔ انہوں نے مسجد کے احاطے سے باہر ایک چھوٹی سی دکان لے رکھی تھی۔ اسی پر اپنا گزارہ کرتے تھے۔ اس میں سارا دن اپنی دکانداری کرتے تھے۔ جب نماز کا وقت ہو جاتا مسجد آ جاتے، نماز پڑھاتے اور پھر اپنی دکان پر چلے جاتے۔

مسجد سے تنخواہ نہیں لیتے تھے اور یہ نہایت اعلیٰ مثال ہے۔لیکن میں نے اپنی زندگی میں ایک ہی شخص دیکھا ہے اور صحیح طریقہ یہی ہے آئمہ دین جنہوں نے فقہی راہیں متعین فرمائی ہیں اور ساری عمر دین کی خدمت میں بسر کر دی۔ ان کی سوانح پڑھیں تو سب نے اپنا ذریعہ معاش کاروبار، تجارت یا مزدوری کو بنایا ہے اور اس کے ساتھ اپنا وقت دین کی خدمت کے لیے وقف کر دیا۔ دین کو ذریعہ معاش نہیں بنایا۔ تقریباً کم و بیش سارے آئمہ کرام کا یہی حال ہے۔ شمس العلماء ایک اچھے عالم گزرے ہیں جنہیں اماموں کا سورج کہا جاتا ہے۔ آپ شمس العلماء حلوائی کے نام سے مشہور تھے۔ مٹھائی کی دکان کرتے تھے بہت ساری مٹھائی بناتے تھے جس سے ایک مخصوص رقم حاصل ہوتی تھی۔ صبح بنا کر رکھ دیتے تھے اور وہ تھوڑی دیر میں بک جاتی تھی۔ اس میں سے اتنے پیسے آ جاتے تھے جس سے ان کا دن اور رات بسر ہو جاتا تھا اور اتنے بچ جاتے تھے جس کی پھر صبح مٹھائی بن جاتی تھی۔ جب وہ بک جاتی تو دکان بند کر کے امام صاحب اپنی فقہی مجلس میں پہنچ جاتے۔ لیکن اس مزدوری پر گزارہ کرتے تھے۔ امام مالکؒ تھوڑی سی زمین کی کاشتکاری پر گزارہ کرتے تھے اور اس میں سے بھی جو آتا تھا اس کے تین حصے کرتے تھے۔ ایک حصہ سال بھر کے اخراجات کے لیے ایک حصہ فی سبیل اللہ خرچ کر دیتے تھے اور ایک آئندہ سال کی کاشت اور بیج وغیرہ اور مزدوروں کی اجرت کے لیے رکھ لیتے تھے۔ بلکہ جب ان کے فرزند شاہی قاضی ہو گئے تو اس کے ہاں سے بھی کھانا چھوڑ دیا تھا کہ اس کی شاہی تنخواہ میں پتہ نہیں کیا کیا ملا ہوگا۔ میرے لیے یہی اپنا ٹھیک ہے۔ تو احسن طریقہ تو یہ ہے۔ وہ لوگ خوش قسمت ہیں جو معروف طریقے سے کمائیں اور دین کی خدمت کریں لیکن دینی علماء اور آئمہ کی تنخواہ کا جواز موجود ہے کہ ان کا سارا وقت ایک طرف لگ جاتا ہے اب اگر وہ مزدوری پر نکل جائیں یا کاروبار پر لگ جائیں تو ادھر کام نہیں ہوتا اس لیے انہیں اس وقت کی تنخواہ دی جاتی ہے سو یہاں اسے بھی ان آٹھ مصارف میں سے ایک رکھا گیا ہے۔

وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ اور وہ لوگ جن کی تالیف قلب مقصود ہو۔ کسی نے اسلام قبول کیا یا کوئی پہلے سے مسلمان ہے لیکن اتنا کمزور ہے، اتنا غریب ہے کہ اس کی کمزوری کا فائدہ اٹھا کر غیر مسلم اسے پریشان کرتے ہیں تو اس کی حوصلہ افزائی کے لیے اور اس کو محتاجی سے بچانے کے لیے فرض صدقات میں سے اللہ نے اس کا حق مقرر کر دیا کہ اسے بھی زکوٰۃ میں سے حصہ دیا جائے گا۔

وَفِي الرِّقَابِ غلاموں کو آزاد کرانے کے لیے اسلام نے غلاموں کی آزادی کے لیے نہ صرف فرض

صدقات میں ان کا حصہ رکھا بلکہ غلاموں کی آزادی کی ترغیب دلانے کے لیے، گناہوں کے کفارے کے طور پر اور نیکی وثواب حاصل کرنے کے لیے غلاموں کی آزادی کو ذریعہ قرار دیا۔ حتیٰ کہ اگر کسی سے سہواً قتل ہو جائے تو اس کی سزا بھی غلام آزاد کرنا قرار دیا۔

ایک اعتراض اور جواب:

یہ سوال اٹھایا جاتا ہے کہ اسلام اگر غلاموں کی آزادی کی اتنی ترغیب دیتا ہے تو اسلام لوگوں کو غلام بناتا کیوں ہے؟ اس سوال کا جواب دیکھنے کے لیے آپ کو تاریخ عالم میں اقوام عالم کا وہ سلوک دیکھنا ہوگا جو وہ جنگی قیدیوں سے کرتے ہیں۔ دنیا کی قومیں جب کسی قوم پر فتح پاتی ہیں تو اس کی آبرو سے بھی کھیلتی ہیں اور اس کے مردوں کو بدترین ایذائیں دیتی ہیں۔ قتل کر دیتی ہیں قیدی بنا کر ان سے انتہائی مشکل کام کراتے ہیں جو ان کی ہمت سے بھی باہر ہوتے ہیں اور انہیں ذلیل ورسوا کیا جاتا ہے۔

اسلام نے اس کو غلام بنانے کا حکم دیا ہے جو تلوار لے کر مسلمانوں کے مقابلے میں میدان میں آتا ہے جو جنگ میں حصہ نہیں لیتا اسے غلام نہیں بنایا جاتا۔ اس کے لیے بھی اس کے انسانی حقوق، اس کا مذہب، اس کا عقیدہ محفوظ کر دیا کہ وہ کسی بھی عقیدے کا ہو اپنے عقیدے کے مطابق اپنی عبادت کرے اگر بت پرست ہے تو اپنے بت کی پوجا کر سکتا ہے ہم اسے نہیں روک سکتے پھر جس کے پاس وہ غلام ہوگا جو وہ خود کھائے گا وہی معیار غلام کے کھانے کا ہوگا اور جیسا اس کا اپنا لباس ہوگا وہی معیار غلام کے لباس کا ہوگا اس سے بہتر سلوک کسی جنگی قیدی سے کرنا ممکن نہیں ہے اور پھر اس کے بعد غلاموں کو آزاد کرنے کی ترغیب دلائی۔ گناہ کے کفارے کے طور پر، ویسے نیکی کمانے کے طور پر، نذر کے طور پر، نفل صدقات کے طور پر اور پھر فرض صدقات میں غلاموں کی آزادی کا حصہ مقرر کر دیا کہ جو قیدی ہو اور غلام ہو اسے آزاد کرانے میں دیا جائے۔

وَالْغٰرِمِيْنَ مقروض لوگوں کی مدد کی جائے مقروض یہ نہیں کہ بالکل فقیر ومحتاج ہی ہو کوئی صاحب حیثیت بھی ہے لیکن اس کی حیثیت اتنی نہیں ہے کہ اپنے اخراجات پورے کر کے قرضہ بھی اتار سکے آمدن اتنی ہی ہے کہ اس کا گذارہ ہو رہا ہے لیکن پیسے اتنے نہیں بچتے کہ وہ قرض اتار سکے تو وہ بھی اس کا مستحق ہے اس کا قرض اتارنے میں زکوٰۃ میں سے اس کی مدد کی جائے۔

وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اور اللہ کی راہ میں۔ یہاں مفتی صاحب نے خصوصیت سے یہ واضح کیا ہے کہ اس میں

دینی مدارس اوراس کی تعمیر شامل نہیں ہے فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ سے مراد جہاد فی سبیل اللہ ہے۔فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ سے مراد ہے کہ معاشرے کا کوئی ایسا اصلاحی کام جس سے معاشرے کی دینی اعتبار سے اصلاح ہوتی ہو یا جہاں ملکی دفاع کی بات آجائے یا کافروں سے مقابلہ آجائے اور مولانا نے وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا میں ایک اور قید بھی لگائی ہے۔فرماتے ہیں کہ جولوگ دینی مدارس کی طرف سے مقرر کیئے جاتے ہیں کہ وہ دینی خدمت کے لیے چندہ جمع کر کے لائیں، ان کو اس فنڈ سے تنخواہ نہیں دی جاسکتی۔اس میں ان کا کوئی حق نہیں بنتا۔وہ اپنے مدرسے کی دوسری مدآت سے جس طرح دوسرے ملازموں کو دیتے ہیں ان کو تنخواہ دیں اور دینی مدارس میں جوزکوٰۃ دی جاتی ہے وہ عمارات کی تعمیر یا مرمت کے لیے نہیں ہوتی بلکہ مستحق طلباء کا حق ہوتا ہے۔اس کا طریقہ یہ ہے کہ اس کا ان کو قبضہ دیا جائے، بچوں کو دے دی جائے پھر یہ مال ان کی ملکیت بن جاتا ہے، زکوٰۃ نہیں رہتی پھر وہ اسے اپنی ضروریات پر خرچ کرتے ہیں جیسا کہ انہیں فیس دینی ہے، کھانے کا خرچہ دینا ہے اس مد میں وہ اگر دے دیتے ہیں یا بطور خرچ مدرسہ کے مہتمم کے پاس جمع کروادیتے ہیں تو پھر ٹھیک ہے لیکن اسے لے کر رکھ لینا اور طلباء کو نہ دینا اور ان کے نام پر رکھ لینا یہ جائز نہیں ہوگا۔

وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ مسافر زکوٰۃ کا مستحق ہے خواہ وہ اپنے گھر کتنا ہی امیر آدمی ہو لیکن اگر دوران سفر وہ بھی ضرورت مند ہو جائے تو وہ بھی مسکین ہے، محتاج ہے جیسے کسی نے اس کی جیب کاٹ لی، اس کا زاد راہ ختم ہو گیا تو مسافر کی مدد بھی زکوٰۃ سے کی جاسکتی ہے۔

زکوٰۃ کے یہ آٹھ مصارف ہیں ان کے علاوہ کسی جگہ زکوٰۃ کا پیسہ صرف نہیں ہوسکتا۔تعمیر مسجد میں مجھے انگلینڈ کے ایک ساتھی نے کہا کہ میرے پاس ستر ہزار پونڈ زکوٰۃ ہے کیا مسجد کی تعمیر کے لیے بھیج دوں؟ میں نے کہا مسجد کے لیے زکوٰۃ صرف نہیں ہوتی یہ زکوٰۃ کا مصرف نہیں ہے پھر میں نے باقاعدہ انٹرنیٹ پر سب ساتھیوں کو تاکید کی کہ زکوٰۃ کا کوئی پیسہ مسجد فنڈ میں نہ بھیجیں یہ جائز نہیں ہے۔اللہ کا گھر ہے، بن جائے گا۔

تو جن لوگوں کو اللہ نے صاحب نصاب بنایا ہے اور توفیق دی ہے جب وہ زکوٰۃ دیتے ہیں تو ان کو یہ دیکھ لینا چاہیے کہ وہ زکوٰۃ کہاں دے رہے ہیں اور کیا یہ زکوٰۃ کا مصرف ہے بھی یا نہیں۔ہم اگر دیتے بھی ہیں تو جان چھڑاتے ہیں کہ اتنے پیسے کسی کو پکڑا دیے اس طرح نہیں کرنا چاہیے، احتیاط چاہیے کہ جب تک وہ اپنے مصرف تک نہیں پہنچے گی دینے والے پر اسی طرح فرض رہے گی۔فرض تب ادا ہوگا جب زکوٰۃ اپنے مصرف تک پہنچ جائے

گی یا کسی شخص کو آپ دیتے ہیں تو اس پر آپ کو اتنا اعتماد ہونا چاہیے کہ یہ شخص مصارف زکوٰۃ پر ہی میری زکوٰۃ خرچ کرے گا۔

اور فرمایا فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ یہ اللہ کی طرف سے مقرر ہے اللہ کی طرف سے فرض ہے جس طرح زکوٰۃ فرض ہے اسی طرح اس کے مصارف بھی مقرر ہیں اور فرض کر دیا گیا ہے کہ وہ کہاں کہاں خرچ کی جائے گی۔ اس پر اگر کوئی اعتراض کرتا ہے تو ایک عاجز مخلوق ہو کر خالقِ کائنات پر معترض ہو رہا ہے۔ اس لیے کہ انسانی علوم محدود ہیں۔ ایک حد تک ہر کوئی جانتا ہے۔ جاہل کے بھی جاننے کی ایک حد ہے۔ کچھ باتیں ایسی ہیں جو جاہل بھی جانتا ہے کچھ باتیں ایسی ہیں جو نیم خواندہ بھی جانتا ہے کچھ باتیں ایسی ہیں جو صرف پڑھے لکھے لوگ جانتے ہیں لیکن ان کی بھی ایک حد ہے اپنی حد سے آگے نہیں جاسکتے۔ اور وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ جب کہ اللہ ہر بات جانتا بھی ہے اور دانا تر بھی ہے۔ اس کے فیصلے اس کی حکمت کے تابع ہوتے ہیں۔

ایذائے رسول کیا ہے؟

وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ؕ فرمایا ان میں سے ایسے لوگ بھی ہیں جو میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دیتے ہیں۔ ایذائے رسول میں وہ چیزیں تو عام سمجھ آتی ہیں جو لوگ حضور ﷺ پر سنگ باری کرتے تھے راستے میں کانٹے بچھا دیتے تھے، آوازے کستے تھے، گستاخی کرتے تھے یہ باتیں تو سمجھ میں آتی ہیں لیکن یہ جن کا ذکر ہو رہا ہے یہ تو منافقین تھے اور بظاہر کلمہ پڑھتے تھے، نمازیں پڑھتے تھے، خود کو مسلمان کہتے تھے لیکن جب تقسیم غنیمت یا تقسیم زکوٰۃ کا وقت آتا اور انہیں زیادہ پیسے ملتے تو خوش ہو جاتے۔ کم ملتے تو پھر اعتراض کرتے اور کہتے وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ؕ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو صرف کان ہی کان ہیں جس نے جو بات کہہ دی وہی مان لیتے ہیں۔ صرف کان ہونے سے مراد یہ ہے کہ ان کی اپنی کوئی رائے نہیں ہے۔ جو کوئی پہلے بات کہہ دیتا ہے اس کی بات مان لیتے ہیں۔ اسے اللہ کریم نے ایذائے رسول قرار دیا ہے اور اس کا مطلب یہ ہوگا کہ کوئی ایسا جملہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے کہا جائے اور وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے منافی ہو وہ ایذائے رسول مانا جائے گا بلکہ علماء حق فرماتے ہیں کہ کسی شخص نے ایک بات کہی اس سے اس کی مراد توہین رسالت نہیں تھا جس نے وہ بات سنی اس نے یہ سمجھا کہ اس میں تو توہین ہے تو کہنے والا کافر ہو جائے گا۔ اس کا توہین کرنے کا ارادہ نہیں تھا جملہ ایسا ذو معنی تھا کہ جس سے توہین کا پہلو بھی نکلتا تھا اور جس نے یہ جملہ سنا اس نے

اسے توہین سمجھا غیر ارادی طور پر بھی ایسا جملہ کہنا کفر ہے۔

پہلے علماء محققین علمی مناظرے کیا کرتے تھے۔ لہٰذا مسائل شریعت کی وضاحت ہو جاتی تھی۔ صحیح اور درست باتیں عوام کو معلوم ہو جاتی تھیں۔ آج کل ایسا نہیں ہوتا۔ اب نہ کوئی کسی کی بات سنتا ہے نہ کہتا ہے، پہلے اس کا بہت رواج تھا۔ بہت سے لوگ جمع ہو جاتے۔ دونوں طرف علماء ہوتے اپنے اپنے دلائل دیتے، کہیں علم غیب کا مسئلہ زیر بحث ہوتا کہیں مقلد غیر مقلد کا فرق بیان ہوتا اور عجیب بات ہے اس کے جج عوام ہوا کرتے تھے۔ جس کی حمایت میں عوام نعرے لگا دیتے وہ جیت جاتا۔ تو اس کے بارے میں بھی علماء حق یہ فرماتے تھے کہ ذات محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم، ذات نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو زیر بحث نہ لایا جائے جب علوم کی بحث اور حاضر و ناظر کی بحث ہوتی تو پھر لازماً ایک حمایت میں ہوتا ایک مخالف ہوتا فرماتے اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی نہ لیا جائے یہ کہہ سکتے ہو اللہ کے سوا غیب کوئی نہیں جانتا کہتے رہو لیکن حضور ﷺ کا نام نامی لے کر ایسی باتیں نہ کی جائیں جب اس طرح بھی مقصد پورا ہو جاتا ہے کہ علم غیب اللہ کا خاصہ ہے تو بات ختم ہوگئی۔ تو اس موضوع پر اتنی احتیاط لازم ہے۔ اسی طرح جو دینی احکام کا مذاق اڑاتے ہیں جیسے وطن عزیز کی خاتون وزیر اعظم نے کہا تھا کہ اسلامی سزائیں وحشیانہ ہیں یعنی اس کے نزدیک جو فیصلے اللہ نے کیے ہیں جو رسول اللہ ﷺ نے سنائے ہیں وہ وحشیانہ ہیں تو یہ صریح کفر ہے۔ کوئی بھی کہے، وزیر اعظم کہے یا عام آدمی کہے، مولوی کہے، یا ان پڑھ کہے جو بھی دینی احکام کا مذاق اڑائے گا یا تردید کرے گا، رد کرے گا کفر ہی کرے گا۔ ہاں اس پر عمل نہیں کرتا لیکن کہتا ہے احکام الٰہی حق ہیں۔ میں عمل نہیں کرتا تو یہ میری خطا ہے تو وہ گناہ گار ہوگا لیکن جو یہ کہتا ہے کہ یہ حکم ہی صحیح نہیں ہے وہ کافر ہو جائے گا چونکہ یہ ایذائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں داخل ہے۔ نبی کریم ﷺ کے بارے قرآن میں ارشاد ہے وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝ (النجم: 3-4) آپ ﷺ اللہ کے حکم سے ارشاد فرماتے ہیں اور ایک عام آدمی کہہ دے کہ اللہ کا یہ حکم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد تو عقل میں آنے والی بات نہیں، یہ کوئی اچھی بات نہیں، اس پر تو عمل ہو ہی نہیں سکتا تو فرمایا یہ ایذائے رسول ﷺ میں سے ہے اور الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دیتا ہے اور کہتا ہے یہ تو نرا کان ہی ہیں ان کی اپنی تو کوئی رائے ہی نہیں ہے اس کے لیے عذاب عظیم ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صاحب وحی ہیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور وہ جو بات ارشاد فرماتے ہیں وحی سے ارشاد فرماتے ہیں اور یہ تو ان کی شان کریمی ہے کہ تم جو کہتے رہتے ہو وہ سن لیتے ہیں اور تمہیں رسوا ہونے سے بچانے کے لیے تردید نہیں فرماتے

خاموش ہو جاتے ہیں۔ ایسی بات نہیں ہے کہ وہ سنی سنائی باتوں پر عمل کرتے ہیں۔ عمل تو وہ احکامات الٰہی پر کرتے ہیں اور وحی الٰہی پر کرتے ہیں تو فرمایا قُلۡ اُذُنُ خَيۡرٍ لَّـكُمۡ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بات سن لینا ہی تمہارے لیے بہت بڑی برکت ہے۔ یہاں مفسرین کرام بڑی عجیب خوبصورت بات لکھتے ہیں وہ فرماتے ہیں حضور ﷺ اگر کسی کی بات سنتے ہیں تو اس کا مطلب ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس طرف متوجہ ہوتے ہیں اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ ملنا اس سے بڑی برکت کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔

مشائخ سے کیا ملتا ہے؟ توجہ ملتی ہے۔ حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ اگر شیخ کسی کو خط لکھتا ہے تو اس کا دل بھی اس طرف متوجہ ہوتا ہے ذہن بھی متوجہ ہوتا ہے نظر بھی متوجہ ہوتی ہے اور اس کے ہاتھ بھی اس طرف متوجہ ہوتے ہیں تو گویا شیخ کا خط آنا بھی ایک کامل توجہ بن جاتی ہے اور کیفیات کا سارا مدار توجہ پر ہے۔ اور فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اگر کسی کی بات سنتے ہیں اس کا مطلب ہے رحمت العالمین اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ ملنے سے بڑی بات دنیا میں اور کیا تصور کی جا سکتی ہے؟

اور منافق تو ازلی بدبخت ہیں کہ ان میں استعداد قبولیت ہی نہیں۔ بارش کتنی ہی برسے ایک سنگلاخ چٹان سے بہہ جائے گی۔ سنگلاخ چٹان پر پھول تو نہیں اُگیں گے۔ اس میں قصور بارش کا تو نہیں وہ قصور اس چٹان کے چٹان ہونے میں ہے۔ سو فرمایا تم بدقسمت ہو اور تم کہتے ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر ایک کی بات سن لیتے ہیں جبکہ نبی کریم ﷺ کا سن لینا بھی اللہ کا بہت بڑا انعام ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جس کی بات سنتے ہیں اس کی طرف متوجہ تو ہوتے ہیں۔ فرمایا: قُلۡ اُذُنُ خَيۡرٍ لَّـكُمۡ تمہارے لیے تو یہ بہت بہترین موقع ہے کہ حضور ﷺ تمہاری بات سن لیں تو اگر تمہارے دلوں میں نفاق نہ ہو تو تم کن بلندیوں پر پہنچ جاؤ، کن عظمتوں سے آشنا ہو جاؤ یُؤۡمِنُ بِاللّٰهِ یاد رکھو میرا نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر کسی کی بات نہیں مانتا اللہ ہی کی مانتا ہے۔ تمہارا یہ کہنا کہ جو بھی بات کرے حضور ﷺ اسی کی مان لیتے ہیں تو یہ غلط ہے۔ اللہ فرماتا ہے تم جھوٹ کہہ رہے ہو یُؤۡمِنُ بِاللّٰهِ حضور ﷺ صرف اللہ کی بات مانتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر پر نزول وحی ہوتا ہے اور وحی الٰہی کی بات مانتے ہیں وَيُؤۡمِنُ لِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ اور مومنین کی بات قبول فرماتے ہیں، جو خلوص دل سے عرض کرتے ہیں۔ منافقین کی بات کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پروا نہیں کرتے یہ آپ کی شانِ کریمی ہے کہ مجلس میں تمہاری تردید فرما کر تمہیں اٹھا نہیں دیتے، تمہیں برداشت کر جاتے ہیں۔ یہ مت سوچو کہ وہ جانتے نہیں۔ وہ جانتے ہیں۔ اللہ انہیں بتا دیتا ہے۔ وَرَحۡمَةٌ لِّلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡكُمۡ اور وجود طیب صلی اللہ علیہ وسلم ایمان والوں کے لیے رحمت ہے۔

ان لوگوں کے لیے جن کا عقیدہ درست ہے، ایمان صحیح ہے ان کے لیئے مجسم رحمت الٰہی ہیں۔ آپ ﷺ کی برکات کا شمار ممکن نہیں ہے۔ طبقات ابن سعد میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم غار ثور سے نکلے اور عازم مدینہ منورہ ہوئے۔ سیدنا ابوبکر صدیق ہم رکاب تھے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ایک غیر مسلم کو اجرت پر رکھا تھا جو راستے سے واقف تھا۔ صحراؤں میں راستہ جاننے والے لوگ ہی راستہ جانتے ہیں۔ اس نے اپنی اجرت لے لی تھی اور وہ مدینہ منورہ کو رواں تھا۔ راستے میں بدوؤں کا ایک خیمہ آیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہاں رکے۔ کوئی مرد گھر پر نہیں تھا ایک خاتون گھر پر تھیں اس کا نام ام معبد تھا اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آؤ بھگت کی جس طرح مسافروں کی کرتے ہیں جب مہمان آجاتے ہیں تو اس نے پوچھا کہ کیا خدمت کروں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تمہارے پاس کچھ کھانے پینے کو ہے؟ اس نے بتایا کہ اور تو کچھ نہیں صرف ایک لاغرسی بکری ہے۔ گھر والے اسے ریوڑ کے ساتھ نہیں لے کر گئے اس لیے وہ گھر پر ہے اس میں بھی دودھ دینے کی طاقت نہیں۔ ایک تو وہ شیر دار ہی نہیں ہے۔ اگر شیر دار بھی ہوتی تو کمزور اور لاغرسی ہے۔ فرمایا اسے لے آؤ وہ لے آئی آپ ﷺ نے اس پر دست رحمت پھیرا۔ تھوڑا سا پانی منگوا کر اس کے تھن دھوئے، دست اقدس پھیرا تو وہ دودھ سے بھر گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود دست اقدس سے دودھ نکالا اور اُم معبد کو دیا کہ یہ خود بھی پیو سارے گھر والوں کو بھی پلاؤ پھر نکالا سیدنا ابوبکر صدیقؓ کو دیا اس ساتھی کو دیا پھر نکالا خود بھی نوش فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو سفر میں تھے تشریف لے گئے۔ پچھلے پہر اُم معبد کا شوہر ریوڑ لے کر واپس آیا اس نے کہا ہمارے گھر میں ابھی دودھ سے برتن بھرے ہوئے ہیں یہ دودھ تم نے کہاں سے لیا، ریوڑ تو میرے پاس ہے۔ اس نے کہا دودھ اس بکری کا ہے۔ اس نے حیران ہو کر پوچھا اس میں دودھ کہاں سے آ گیا اس نے کہا ایک عجیب مسافر گزرا میں تو دیکھتی رہ گئی کہ میں نے تو اتنا حسین وجمیل فرشتہ بھی نہیں دیکھا آپ بہت کریم النفس تھے انہوں نے کہا کچھ کھانے پینے کو دو تو میں نے عرض کی میرے پاس ایک لاغرسی بکری ہے آپ کہیں تو اسے ذبح کر لیں میں پکا دیتی ہوں تو انہوں نے فرمایا نہیں ذبح نہیں کرتے اس کا دودھ پیتے ہیں۔ میں نے کہا یہ دودھ کہاں سے دے گی تو انہوں نے اس کے تھن دھوئے اور اسے دوہا تو دودھ آ گیا۔ وہ فرماتی ہیں اس بکری نے اتنی عمر پائی کہ اٹھارہ ہجری تک وہ زندہ رہی۔ عہد خلافت فاروقی کے آخری دنوں تک اُم معبد فرماتی ہیں وہ بکری میرے پاس رہی اٹھارہ ہجری میں وہ مر گئی۔ جس دن حضور ﷺ نے دوہی تھی اس دن سے لے کر اٹھارہ ہجری تک وہ دودھ دیتی رہی۔ ہم جب چاہتے دودھ دوہ لیتے تھے۔

یوں تو درختوں کی عمر دو، تین تین ہزار سال ہوتی ہے لیکن وہ درخت آج بھی موجود ہے جسے حضور ﷺ

نے چھوا تھا جب وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بارہ سال کی عمر میں اپنے چچا ابو طالب کے ساتھ تجارتی سفر پر گئے تو صحرا میں بصرہ کے قریب بحیرہ راہب کا صومعہ تھا اور اس کے سامنے ایک بڑا گھنا سایہ دار درخت تھا۔ قافلہ اس درخت کے نیچے اترا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ اس طرف تھی جدھر سورج ڈھل رہا تھا۔ اب جب سورج اس طرف ڈھل رہا تھا تو سائے کو تو لازماً دوسری طرف جانا تھا لیکن سورج ڈھلتا رہا اور سایہ بجائے ادھر جانے کے، مشرق کو جانے کے، مغرب کو بڑھتا رہا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر دھوپ نہ آنے دی۔ وہ راہب اپنے صومعے سے دیکھ رہا تھا۔ عمر کے آخری حصے میں تھا اور گوشہ نشین تھا وہ پورا ایک صومعہ تھا جس میں ان کی دینی تعلیم بھی ہوتی تھی، لوگوں کو اللہ اللہ بھی سکھائی جاتی تھی؟ ان کے اپنے دین کے مطابق کہ وہ عیسائی تھا۔ دین عیسوی تو ضائع کر چکے تھے۔ بظاہر جو کچھ تھا وہ کرتے رہتے۔ وہ سال میں ایک دن لوگوں کے سامنے آتا تھا۔ اس نے اپنی کھڑکی سے دیکھا تو اس نے کہا اس قافلے میں سے کسی کو بلا کر لاؤ کون ہے رئیس قافلہ؟ ابو طالب تشریف لے گئے۔ اس نے پوچھا تمہارے قافلے میں کون کون ہے انہوں نے سب کے نام گنوا دیئے اس نے کہا ایک نوجوان بھتیجا ہے اس کا نام نہیں لیا۔ وہ کہاں ہے؟ وہ وہاں درخت کے نیچے بیٹھا ہے۔ اس نے کہا ان کو یہیں سے واپس لے جاؤ۔ آگے یہودیوں کے علاقے ہیں اور یہودی اس کے دشمن ہیں یہ اللہ کا آخری نبی اور رسول ﷺ ہوگا اور اس کی یہ نشانی ہماری کتابوں میں دی ہوئی ہے کہ درخت کا سایہ دوسری طرف نہیں جائے گا ادھر جائے گا جدھر حضور ﷺ ہوں گے اور یہ درخت سے باہر نکلتے ہیں تو اوپر بادل آ جاتا ہے دھوپ نہیں پڑتی۔ اب اس بات کو پندرھویں صدی آ گئی۔ چودہ صدیاں بیت گئیں درخت آج بھی ہے اور آج بھی اس کا سایہ ادھر جاتا ہے جہاں حضور ﷺ بیٹھے تھے۔ فرمایا وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ؕ جانوروں درختوں کو اتنی برکات پہنچتی ہے تو جس دل میں نور ایمان ہوگا اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم متوجہ بھی اس کی طرف ہوں تو اسے کیا کیا نعمتیں نصیب ہوتی ہیں لیکن ساتھ فرمایا یہ بھی سن لو وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رسول اللہ جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا کا سبب بنتے ہیں کوئی جملہ کہہ کر، کوئی فعل شنیع کر کے، کسی دینی حکم کو مذاق میں اڑا کر، تمسخر اڑا کر لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ ان کے لیے بہت دردناک عذاب ہے۔ ایمان سے تو فارغ ہو ہی گئے لیکن عام کافروں میں وہ نہیں ہوں گے۔ عذاب تو ویسے ہی دردناک ہوتا ہے تکلیف دہ ہوتا ہے عذاب آرام دہ تو نہیں ہوتا لیکن جو عذاب ان کو ہوگا وہ خصوصی ایذا دینے والا ہوگا اور تکلیف دینے والا ہوگا کہ وہ ایذائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا سبب بنے۔

يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ فرمایا، اے مومنو! اے ایمان والو یہ منافقین تمہیں خوش کرنے کے لیے اللہ کی قسمیں اٹھاتے ہیں۔ منافقین کی یہ عادت ہے کہ یہ اللہ کی قسمیں اٹھاتے ہیں تاکہ تم لوگوں کو راضی

رکھیں۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ حالانکہ اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کے زیادہ حقدار ہیں کہ انہیں راضی رکھا جائے۔

قسم اٹھانا، شرعی مسائل:

اللہ کریم کے سوا کسی کی قسم اٹھانا جائز نہیں ہے۔ قسم سے مراد یہ ہے کہ جس کی قسم دی جارہی ہے وہ قسم اٹھانے والے کی نیت اور ارادے پر گواہ ہے اور یہ خاصہ صرف ذات باری کا ہے کہ ہر شخص کی نیت پر گواہ ہے اور اس کام پر گواہ ہے۔ گویا قسم اٹھانے والا کہتا ہے کہ جو کچھ میرے دل میں ہے، جو کچھ میں کہہ رہا ہوں سب سچ کہہ رہا ہوں اور اس پر میرا رب، میرا اللہ گواہ ہے۔ لہٰذا اللہ کے سوا کسی کی قسم اٹھانا جائز نہیں۔ بعض قسمیں معاشرے میں رائج ہیں جیسے سر کی قسم، اولاد کی قسم وغیرہ یہ سب فضول ہے۔ جب اللہ کو گواہ بنالیا تو پھر یہ کتنا بڑا ظلم ہوگا کہ بندہ جھوٹ بول رہا ہو اور کہہ رہا ہو کہ میرا اللہ گواہ ہے۔ بعض لوگ لفظ قسم کہنے کے بجائے یوں کہہ دیتے ہیں کہ میرا اللہ گواہ ہے تو اس سے بھی قسم ہی مراد ہوتی ہے۔ اس لیئے اللہ کریم کے سوا کسی کی قسم کھانا جائز نہیں۔ صرف وہی ہر چیز پر، ہمہ وقت، ظاہر و باطن، دلی ارادوں تک سے آگاہ ہے۔

یہاں بھی یہی فرمایا گیا یہ منافق قسمیں اٹھا کر جھوٹ بولتے ہیں تاکہ مسلمانوں کو راضی رکھیں اور لوگ ان کی برائی سے واقف نہ ہوجائیں لیکن یہ کیوں بھول جاتے ہیں کہ ان کا حساب لوگوں نے نہیں لینا۔ یہ تو اللہ کا حق ہے کہ اسے راضی رکھا جائے اور اللہ کی رضامندی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضامندی میں ہے۔ تو پھر رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی وہ واحد ذریعہ ہیں جو اللہ کی بات اللہ کے بندوں تک پہنچاتے ہیں۔ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ اگر وہ ایمان رکھتے ہیں۔

تقاضاء ایمان:

ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضامندی حاصل کی جائے۔ بتقاضائے بشریت غلطی ہوجانا اتنی بڑی بات نہیں۔ غلطی کسی سے بھی ہوسکتی ہے لیکن عمداً، ارادتاً برائی کرنا اور اسے نیکی کا جامہ پہنانا یہ منافقت ہے جو کفر کی بدترین صورت ہے۔ متقدمین علماء نے لوگوں کو خوش رکھنے کے لیے یا ان کی لعن طعن سے بچنے کے لیے جھوٹ بول کر فتویٰ لینے اور ایسا فتویٰ دینے کے عمل کو اسی ضمن میں شمار کیا ہے۔ لہٰذا اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کا جاننا تقاضائے ایمان ہے۔ اسی لیئے فرمایا اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۲﴾ کہ اگر ان میں ایمان ہے تو پھر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا تلاش کریں۔

مقام عبرت:

اور جب ایمان نہیں ہے تو پھر اللہ کی نافرمانی کر کے اللہ کی قسمیں اٹھانا تاکہ لوگ خوش رہیں یہ منافقت ہے جو اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پروانہیں کرتا تو پھر وہ معاشرے کو راضی رکھنا چاہتا ہے ہمارے ہاں بعض مفتیان جن کا مقصد دنیا حاصل کرنا ہوتا ہے وہ شرعی مسائل کو جاننے کے باوجود لوگوں کی رضامندی کے لیئے، حصول دولت کے لیے ناجائز کام کے جواز کا فتویٰ دے دیتے ہیں۔ یہ منافقت ہے کہ اللہ کی نافرمانی کی جائے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی جائے جبکہ خود جانتے ہوں کہ جس کام کا جواز دیا ہے وہ شریعت کے خلاف ہے۔ ہمارے سامنے کا واقعہ ہے کہ میاں بیوی میں جھگڑا تھا۔ بیوی کے بھائی نے زبردستی کی، اپنے بہنوئی کو گرا کر اس پر چڑھ دوڑا کہ میری بہن کو طلاق دو ورنہ جان سے مار دوں گا۔ اس نے طلاق دے دی۔ بعد میں معاملہ دونوں خاندانوں تک پہنچا تو وہ لوگ میرے پاس آ گئے کہ اس نے تو زبردستی طلاق لے لی ہے۔ کیا یہ طلاق ہوگئی یا نہیں؟ میں نے کہا اس پر فتویٰ تو کسی مفتی سے لینا لیکن اس کا مسئلہ میں آپ کو بتا دیتا ہوں کہ طلاق مذاق میں دی جائے یا زبردستی لی جائے، طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ زبردستی طلاق لینا جرم ہے۔ اس نے جرم کیا، اللہ سے سزا ملے گی لیکن طلاق بہر حال ہو چکی ہے اور چونکہ تین طلاقیں ہیں اس لیے یہ طلاق بائن ہوگئی ہے اس میں واپسی کا کوئی راستہ نہیں۔

اس پر انہوں نے بہت ہیر پھیر کرنے کی کوشش کی لیکن میں نے واضح طور پر بتا دیا کہ شرعی مسئلہ یہی ہے پھر انہیں کسی نے مشورہ دیا کہ کسی اور سے بھی پتہ کرو۔ وہ لوگ جہلم گئے وہاں ایک مولوی صاحب کو سارا واقعہ سنایا تو انہوں نے کہا کہ طلاق تو ہو چکی ہے۔ اس پر انہوں نے کہا کہ یہ تو ہمیں بھی پتہ چل چکا ہے اب آپ اس کے لیے کوئی ایسی صورت بتائیں کہ نہ ہو۔ مولوی صاحب نے اس کا حل یہ بتایا کہ اپنا بیان بدل لو۔ جو واقعہ ہوا ہے اس میں اس طرح بیان نہ دو کہ میں نے طلاق دی، کہو اس نے کہا تھا میں طلاق دوں گا۔ یوں بیان بدلوا کر انہوں نے فتویٰ لکھ دیا کہ طلاق واقع نہیں ہوئی۔ وہ دونوں مرد عورت واپس اسی طرح رہنے لگے۔ مولوی صاحب نے پیسے لے لیے۔ لوگوں کے سامنے فتویٰ آ گیا۔

لیکن کیا اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ سچ ہے؟ کسی نے چند روپوں کے لیئے حرام کو حلال لکھ دیا حالانکہ دوسروں کو بھی پتہ ہے یہ حرام ہے۔ محض لوگوں کا منہ بند کرنے کیلیے چند سطریں لکھوالی ہیں۔ اسی طرح کا ایک اور واقعہ بھی سامنے ہوا۔ انہیں بھی شرعی مسئلہ بتا دیا کہ طلاق ہوگئی ہے وہ بھی کسی ایسے ہی مفتی کے پاس چلے گئے اور سارا واقعہ سنا کر کہا کہ گھر اجڑ جائے گا بچنے کی کوئی صورت بتائیں۔ مفتی صاحب نے کہا جو کچھ

مجھے بتایا ہے وہ نہ لکھو اور جو میں لکھواؤں وہ لکھ کر دو۔ میں خود فتویٰ نہیں دوں گا بلکہ سیال شریف بھیجوں گا۔ وہاں سے جواب آجائے گا کہ طلاق نہیں ہوئی۔ جو کچھ مفتی صاحب نے لکھوایا وہ اصل واقعے سے مختلف تھا لہٰذا جواب آ گیا کہ طلاق نہیں ہوئی۔ سیال شریف والوں کا اس میں کوئی قصور نہیں تھا کیونکہ ان کو جو لکھا گیا تھا اس کے مطابق طلاق نہیں ہوئی تھی لیکن اصل حقیقت تو گھر والوں کو بھی معلوم تھی جو لوگوں کے سامنے حلال کا لیبل لگانا چاہتے تھے۔ اور اس مفتی صاحب کو بھی معلوم تھی جنہوں نے ایسی عبارت لکھوائی تھی۔ حرام کو حلال کا لیبل (Label) لگا دیں تو بھی وہ حرام ہی رہتا ہے اور حرام کو حلال سمجھنا کفر ہے۔ پھر دین کے معاملے میں دھوکہ دینا کہ لوگ راضی رہیں خواہ اللہ کی نافرمانی ہو رہی ہے تو یہ کفر سے آگے کا درجہ ہے جسے نفاق کہا گیا ہے۔

وطن عزیز میں سودی کاروبار کے بارے مقدمہ شریعت پہنچ گیا، شریعت کورٹ نے اسے حرام قرار دے دیا اس وقت کے حکمران اس فیصلے کے خلاف اپیل لے کر سپریم کورٹ چلے گئے۔ تب سے اب تک یہ کیس (Case) سپریم کورٹ میں پڑا ہے۔ وہ صاحب دو مرتبہ حکومت کر گئے دوسری حکمران دو مرتبہ حکومت کر گئیں، دس سال فوجی جرنیل حکومت کر گیا۔ موجودہ حکومت کے پانچ سال پورے ہونے کو ہیں اتنے عرصے میں اس کا فیصلہ نہیں کیا گیا۔ البتہ اس کا حل یہ نکالا کہ سود کا نام بدل کر منافع رکھ دو۔ یعنی جو چیز شرعاً حرام ہے اسے حلال کرنے کے لیئے اس کا نام بدل دو۔ کیا خنزیر کا نام بدل کر دنبہ رکھ دینے سے وہ حلال ہو جائے گا؟ لوگوں کو راضی رکھا جائے اور اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی ہوتی رہے تو اسے قرآن کریم منافقت قرار دے رہا ہے کہ منافق ایسا ہی کرتے ہیں۔

دوسروں پر تنقید کرنے کے بجائے ہمیں اپنے اندر جھانکنا چاہیے کہ کہیں یہ مرض میرے اندر تو نہیں۔ میں لوگوں کو دکھانے کے لیئے تو نہیں کرتا کہ لوگ مجھے اچھا سمجھیں چاہے اللہ کی نافرمانی ہوتی رہے۔ اپنا جائزہ لینا چاہیے۔ اس دنیا کی زندگی میں مہلت ہے توبہ کر لیں۔ زندگی ختم ہو گئی تو عمل کرنے کا وقت ختم ہو جائے گا۔ توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ۔ یہ اتنی سی بات بھی نہیں سمجھتے کیا یہ نہیں جانتے کہ جو اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مقابلہ کرے گا اس کا کیا حشر ہوگا۔ مقابلہ کیا ہے؟ نافرمانی کرنا اور پروانہ کرنا کہ اس کا نتیجہ کیا ہوگا۔ غلطی ہو جانا اور بات ہے بالارادہ نافرمانی کرنا اور دینی احکام کی پروانہ کرنا یہ دوسری بات ہے یہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے دین سے مقابلہ ہو گیا کہ میں نہیں مانتا تو فرمایا یہ اتنی سی بات نہیں سمجھتے کہ جو اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل آجاتا ہے ہٹ دھرمی کرتا ہے، مقابلے پر آجاتا ہے،

کہنا نہیں مانتا فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ یقیناً اس کے لیے دوزخ کی آگ ہے خَالِدًا فِيْهَا اور اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ ﴿۶۳﴾ اس سے بڑی کسی رسوائی کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ یہ بہت بڑی رسوائی ہے۔

تقاضائے ایمان تو یہ ہے کہ اللہ کریم کی ذات تو ایسی ہے کہ بندے کو اس ذات پر قربان ہونا چاہیے لیکن یہ مقام بہت دیر بعد آتا ہے بندے کے دل میں جب معرفت الٰہی کا وہ معیار آ جائے۔ اپنی حیثیت کے مطابق عظمتِ الٰہی کی کچھ پہچان نصیب ہو جائے تو پھر یہ فعال ہو جاتا ہے یہ آسان راستہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو اولاد آدم میں سے تھے انسان تھے صلی اللہ علیہ وسلم لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کرم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حسن اخلاق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ اتنی کامل و اکمل ہے کہ جس نے بعثت سے لے کر وصال تک تئیس برسوں میں قیامت تک کے ہر سوال کا جواب دے دیا ہے کہ ہر انسان عقیدہ کیا رکھے، عمل کیسے کرے ہر چھوٹے سے لے کر بڑے کام تک وہ معاشی مسائل ہوں، سیاسی مسائل ہوں تعلیم کے مسائل ہوں، صلح کے ہوں جنگ کے ہوں، فرد کے ہوں گھر کے ہوں شہر کے ہوں یا قوم و ملک کے ہوں یا بین الاقوامی ہوں سب کا طریقہ سکھا دیا ہے دنیا میں انسان مدنی الطبع ہے مل جل کر رہنا اس کا مزاج ہے ایک دوسرے کا محتاج ہوتا ہے۔ جب سے معمورۂ عالم آباد ہوا پہلا انسان جس نے زمین پر قدم رکھا وہ اللہ کا نبی علیہ اسلام تھا۔ اس نے اپنے عہد کے لوگوں کو دینی علوم سکھائے۔ آدم علیہ السلام کے بعد عیسیٰ علیہ السلام تک جو ہزاروں برس بیت گئے ان میں اللہ کریم انبیاءؑ بھی مبعوث فرماتے رہتے اور جن لوگوں نے نبیؑ کو نہیں مانا وہ بھی اپنا ایک نظام حیات بناتے رہے۔ وہ غلط تھا یا صحیح تھا لیکن ضابطے بنتے رہے کہ جتنے نبیؑ مبعوث ہوئے انہوں نے بھی جو ضابطے دیئے یا طرز حیات دیا وہ اس وقت کے لوگوں کے لیے حق تھا جن کی طرف وہ مبعوث ہوئے جب ان کا عہد تمام ہوا تو کوئی نیا نبی مبعوث ہوا تو بعض اقوام میں گزشتہ کتاب کے احکام کا تسلسل چلتا رہا اور بعض میں نیا دین آ گیا نئی امت آ گئی۔ شریعت کے احکام بدل گئے۔ چونکہ عقیدہ ایک رہتا ہے عمل بدلتا رہتا ہے۔ عقیدہ از قسم خبر ہے یہ خبر ہے کہ اللہ واحد ہے لاشریک ہے۔ یہ خبر ہے کہ آخرت ہوگی۔ یہ خبر ہے کہ حساب کتاب ہوگا۔ یہ خبر ہے کہ جنت ہے دوزخ ہے۔ خبریں دو نہیں ہوتیں اگر دو ہو جائیں تو ایک سچی ہوتی ہے دوسری سچی نہیں ہوتی لہٰذا عقیدہ از قسم خبر ہے۔ عقیدہ حضرت آدم علی نبینا الصلوٰۃ والسلام سے لے کر حضور ﷺ تک اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قیامت تک ایک ہی ہے۔ اب رہ گئے احکام کہ کیا چیز حلال ہے، کیا حرام ہے؟ نمازیں دو پڑھنی ہیں، پانچ پڑھنی ہیں، رکعت کتنی پڑھنی ہیں لین دین کیسے کرنے ہیں؟ تو ہر امت میں احکام موقع کی مناسبت سے بدلتے رہتے ہیں جیسے اب بھی احکام میں گنجائش ہے۔ نماز میں قیام شرط ہے لیکن جو شخص کھڑا نہیں ہو سکتا وہ بیٹھ کے پڑھ لے اس کے لیئے کھڑا ہونا فرض

نہیں ہے۔ نماز فرض ہوتی ہے تو وضو فرض ہو جاتا ہے۔ وضو بجائے خود فرض نہیں ہے باوضو رہنا عبادت ہے لیکن بجائے خود وضو فرض نہیں ہے۔ جب نماز کا وقت ہوتا ہے تو نماز کے لیے وضو بھی فرض ہو جاتا ہے بالواسطہ فرض ہوتا ہے ہر وقت کپڑے پاک رکھنا اچھی بات ہے لیکن جب نماز فرض ہوتی ہے پھر کپڑوں کا پاک ہونا بھی فرض ہو جاتا ہے۔ یہ وہ فرائض ہیں جو بالواسطہ آتے ہیں لیکن ایک شخص وضو نہیں کر سکتا بیمار ہے یا پانی استعمال کرنے سے اسے مزید بیماری کے پھیلنے کا، صحت کے بگڑنے کا اندیشہ ہے تو وہ تیمم کر لے یہ ممکن ہے۔ یعنی احکام میں تبدیلی کی گنجائش رہتی ہے خبر میں نہیں رہتی۔

خبر تو سب انبیاؑ نے ایک ہی دی لیکن احکام اس معاشرے کے لیئے تھے جس کے لیئے وہ مبعوث ہوئے اور جب ان کا عہد نبوت ختم ہو گیا تو احکام بھی اور نئے آ گئے بدل گئے۔ غیر مذہبی معاشرے نے بھی لین دین، رہن سہن کے کچھ ضابطے، قوانین اور اصول بنائے۔ ایک بات یاد رکھیں کہ ہر معاشرے کے اصول اس کے اپنے لیے تھے دوسرے معاشرے پر وہ پورے نہیں اترتے تھے۔ دنیا کے بڑے بڑے ذہین لوگوں نے اور دنیا داروں نے بھی قانون اور اصول اور معاشرے کے طریقے اپنائے لیکن امریکہ کا قانون برطانیہ میں لاگو نہیں اور برطانیہ کا قانون یورپ کے دوسرے ملکوں میں لاگو نہیں ہوتا اور ہر ملک کا اپنا اپنا ہے ایک کا دوسرے کے لیے موزوں ہی نہیں ہے ممکن نہیں ہے۔ یہ واحد ہستی ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختصر عرصے، تئیس برسوں میں زندگی کے سارے اسالیب دیئے جو روئے زمین کے ہر شخص کے لیے بہترین ہے اور قیامت تک قائم بھی رہیں گے ان شاء اللہ۔ یعنی صرف ذات نبوی کا ایک پہلو دیکھا جائے تو اسی پر ہزار بار قربان ہونے کو جی چاہتا ہے کتنی عجیب بات ہے ایک خاتون آتی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں وہ اپنا مسئلہ پیش کرتی ہے۔ اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو فرماتے ہیں وہ اس خاتون کے لیئے نہیں قیامت تک کی تمام انسانیت کے لیئے شریعت بن جاتی ہے۔ سوال ایک فرد کا ہے ایک بندہ آتا ہے ایک سوال پیش کرتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم جواب ارشاد فرماتے ہیں۔ سوال وقتی طور پر ایک بندے کا تھا اسے ایک مسئلہ پیش تھا لیکن جو جواب ارشاد فرمایا وہ قیامت تک کی انسانیت کے لیے رہنما اصول بن گیا اور قاعدہ شرعی بن گیا۔ اور اس کی مخالفت اللہ کی نافرمانی قرار دی گئی تو پھر بھلا ایسی ہستی پر کیوں نہ قربان ہوا جائے۔ تو فرمایا انہیں یہ پتہ نہیں ہے یہ نہیں جانتے کہ جو اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مقابلہ کرتا ہے فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ پھر اس کے لیئے دوزخ کی آگ ہے خَالِدًا فِيْهَا اس میں ہمیشہ رہے گا ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ ﴿۶۳﴾ یہ بہت بڑی ذلت ہے اس سے بڑی کسی ذلت کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ کوئی بھی شخص جب کسی واقعہ کے بارے جھوٹ بولتا ہے غلط بیانی کرتا ہے تو اسے ایک اندیشہ رہتا ہے

کہیں میرے جھوٹ کا بھانڈا نہ پھوٹ جائے یہ انسانی فطرت ہے بندہ سچی بات کرے تو اسے کوئی کھٹکا نہیں ہوتا، اسے پتہ ہوتا ہے میں سچی بات کہہ رہا ہوں۔ جھوٹ بولے تو اسے اندیشہ رہتا ہے کہ کہیں یہ بھید کھل نہ جائے۔ منافقین تو جھوٹ بولتے تھے دین اور ایمان کے بارے غلط بیانی کرتے تھے اور یہ وہ زمانہ تھا جب آسمان سے وحی نازل ہوتی تھی، اللہ کریم کی طرف سے قرآن نازل ہو رہا تھا تو اللہ کریم یہ باتیں بتا دیا کرتے تھے۔

ام ایمن ؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص خادمہ تھیں اور ان خوش نصیبوں میں سے تھیں جن کے گھر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی تشریف لے جاتے تھے اور ان کا حال پوچھتے تھے۔ انہوں نے جب مکہ مکرمہ سے ہجرت کی تو اکیلی تھیں۔ تن تنہا نکل کھڑی ہوئیں، زادِ راہ بھی پاس نہیں تھا، اثنائے راہ میں صحرا کی گرمی، دھوپ، تپش تھی تو سخت پیاس لگی اور روزے سے بھی تھیں تو قریب المرگ ہو گئیں اور دور تک کہیں پانی کے آثار تک نہیں تھے حتیٰ کہ افطاری کا وقت بھی ہو گیا کوئی اثر پانی کا، کہیں کوئی قریب آبادی، کوئی چشمہ کچھ بھی نہیں تو فرماتی ہیں مجھے سر کے اوپر سے شق شق کی آواز آئی جیسے کوئی بہت بڑا پرندہ اڑ کر گزرتا ہے میں نے اوپر دیکھا تو ایک ڈول اوپر سے نیچے آ رہا تھا وہ میرے سامنے آ کر رک گیا وہ ٹھنڈے پانی سے لبالب بھرا ہوا تھا۔ فرماتی ہیں میں نے روزہ کھولا اور خوب سیر ہو کر پانی پیا۔ اس کے بعد وفات تک فرماتی تھیں زندگی میں مجھے پیاس نہیں لگی۔ انتہائی گرمی میں روزے رکھتیں، گرمیوں میں عمرے کے لئے جاتیں، روزہ رکھ لیتیں اور طواف کرتیں۔ لوگ حیران ہوتے، فرماتی تھیں مجھے کبھی پیاس نہیں لگی اس دن کے بعد سے آج تک مجھے پیاس نہیں لگی۔ تو وصال نبوی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد سیدنا ابوبکر صدیق ؓ نے سیدنا فاروق اعظم ؓ سے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ام ایمن ؓ کا حال پوچھنے جایا کرتے تھے یہ سنتِ مبارکہ ہے ہمیں جانا چاہیے انہوں نے کہا بجا فرمایا دونوں ان کے گھر تشریف لے گئے انہیں دیکھا کہ وہ زار و قطار رو رہی تھیں۔ انہوں نے حیرت سے پوچھا کہ ام ایمن تم نبی کریم ﷺ پر رو رہی ہو۔ انہیں حیرت ہوئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چشم عالم سے پردہ فرما لیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں جان دینے والے شہید زندہ ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام کیا ہو گا تو آپ کیوں رو رہی ہیں؟ انہوں نے کہا نہیں میں اس بات پر رو رہی ہوں کہ وہ وحی جو آسمانوں سے آتی تھی وہ ختم ہو گئی اب اللہ کریم ہم سے بات نہیں کریں گے وہی وحی رہ گئی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے باتیں ہوئیں اور قرآن بن گیا اب عرش والا فرش والوں سے کوئی بات نہیں کرے گا۔

تو وہ عہد زریں تھا کہ بات ہوتی تو حقیقت اللہ کی طرف سے نازل ہو جاتی۔ تو اللہ کریم فرماتا ہے کہ یہ

منافق اس بات سے ڈرتے ہیں کہ ان کے بارے کوئی سورت نازل نہ ہوجائے اور جو چیز انہوں نے دلوں میں چھپا رکھی ہے کھل نہ جائے۔ بظاہر اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں، اندر سے کافر ہیں۔ فرمایا: اے میرے حبیب ﷺ ان سے کہو مذاق اڑالو قُلِ اسۡتَہۡزِءُوۡا ۚ یعنی عظمت باری کا مذاق اڑانا، دین کے کسی حکم کا مذاق اڑایا جائے، قرآن کے کسی حکم کا مذاق اڑایا جائے، سنت کا مذاق اڑایا جائے تو یہ وحی الٰہی کا مذاق ہے اور وحی الٰہی کا مذاق تو اللہ کی عظمت کا مذاق اڑانا ہے۔ تو فرمایا منافق دل سے کافر ہیں زبان سے مومن ہونے کا اقرار کرتے ہیں۔

بڑی خوبصورت بات امام تاج الدین سبکیؒ نے طبقات الشافعیہ میں بحث کی ہے وہ باطل فرقوں جیسے زیدیہ ہے معتزلہ ہے ان کے عقائد کا ذکر رہے تھے کسی بزرگ کے حوالے سے انہوں نے لکھا کہ فلاں امام یہ کہتے ہیں کہ یہ اہل قبلہ ہیں ہمارے قبلے کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں انہیں کافر نہ کہا جائے۔ امام تاج الدین سبکیؒ فرماتے ہیں کہ مُنۡتُ میں کہتا ہوں کہ منافق بھی تو ہمارے قبلے ہی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں۔ یعنی منافقین نمازیں بھی پڑھتے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں بھی پڑھتے تھے اور اسی قبلے کی طرف رخ کر کے پڑھتے تھے تو وہ تو بالاجماع کافر ہیں صرف قبلے کو منہ کرنا شرط نہیں ہے۔ عقائد اسلامی جو ہیں جو اسلام کی بنیاد ہے اس پر ایمان لانا پڑتا ہے نہیں لائے گا تو نرا قبلے کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے سے کفر سے نہیں بچے گا۔ تو شریعت کا، عظمت انبیاؑ کا، ارشادات نبوی کا، قرآن کے کسی حکم کا مذاق اڑانا کفر ہے منافقت ہے یعنی اگر آدمی اسلام کا دعویٰ بھی کرتا ہے تو یہ منافقت ہو گی منافق بدترین کافر ہے کہ فِی الدَّرۡکِ الۡاَسۡفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ (النساء: 451) کفار سے بھی نچلا درجہ جو ہے جہنم کا اس کے نیچے ہوں گے تو وہ کوئی مذاق تو نہیں اڑاتے تھے ان کا مذاق یہ تھا کہ دل سے نہیں مانتے تھے، زبان سے کہتے ہیں ہم مانتے ہیں تو اللہ کریم نے فرمایا تم عظمت باری کا، وحی الٰہی کا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کا مذاق اڑا رہے ہو۔ انہیں فرما دیجئے مذاق اڑاؤ یقینا جس بات کا تمہیں خدشہ ہے اللہ وہ بات ظاہر کر دیں گے، اللہ بتا دیں گے کہ تم منافق ہو یہ بات چھپ نہیں سکے گی اور اگر ان کی کوئی بات پکڑی جائے وَلَئِنۡ سَاَلۡتَہُمۡ اے مخاطب اگر تو ان سے پوچھے کہ یہ جملہ تم نے کیوں کہا، یہ تم نے کیوں کیا، یہ تو شریعت کے خلاف ہے وَلَئِنۡ سَاَلۡتَہُمۡ لَیَقُوۡلُنَّ اِنَّمَا کُنَّا نَخُوۡضُ وَنَلۡعَبُ ؕ تو کہتے ہیں ہم تو محض شغل کے طور پر خوش طبعی کے طور پر یہ باتیں کر رہے تھے وہ مذاق مذاق میں ہم کہہ رہے تھے ہمارا مطلب یہ نہیں تھا تو فرمایا انہیں فرما دیجئے قُلۡ اَبِاللّٰہِ وَاٰیٰتِہٖ وَرَسُوۡلِہٖ کُنۡتُمۡ تَسۡتَہۡزِءُوۡنَ ﴿۶۵﴾ تمہیں مذاق کرنے کے لیے اللہ ہی کی ذات اور عظمت رسالت کا ہی موضوع ملا ہے کہ تم اس کا مذاق اڑا رہے ہو اس سے شغل کر رہے ہو۔ تمہیں یہ خیال نہیں آیا کہ جس کا مذاق اڑا رہے ہو وہ کون سی ہستی ہے؟ اللہ ہے جو تمہارا خالق ہے، واحد لاشریک، مالک برحق ہے اور اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے جو انسانیت اور ذات باری مخلوق اور خالق کے درمیان اکیلا

واسطہ ہے تو تمہیں مذاق کی بھی وہاں جا سوجھی لَا تَعْتَذِرُوْا اب بہانے نہ کرو یعنی جو دینی احکام کا مذاق اڑاتا ہے سنتِ نبوی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کا مذاق اڑاتا ہے اللہ کریم فرماتا ہے وہ دل سے کافر ہے۔ زبانی کہتا ہے میں مسلمان ہوں اندر سے منافق ہے منافق اسے کہتے ہیں جو دل سے کافر ہو اور زبانی مسلمان ہونے کا دعویٰ کرے تو یہ ایک معیار بن گیا کہ جو احکام شرعی کا یا عظمت رسالت کا یا آیات قرآنی کا مذاق اڑاتا ہے وہ شخص دل سے کافر ہے۔ زبانی اسلام کے دعوے کرتا ہے اور پھر بہانے کرتا ہے کہ کوئی نہیں ہم نے شغلاً وہ بات کر دی، مذاق مذاق میں جملہ منہ سے نکل گیا فرمایا لَا تَعْتَذِرُوْا اس طرح کے بہانے نہ تراشو قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ تم ایمان لانے کے بعد پھر کافر ہو گئے۔ جب تم نے ایمان کا دعویٰ کیا تو ایمان دو چیزوں کا نام ہے اقرارٌ بالّلسان اور تصدیقٌ بالقلب' زبانی اقرار اور دل کی تصدیق لیکن امام تاج الدین سبکیؒ نے اس میں اضافہ کیا ہے اپنی کتاب میں وہ فرماتے ہیں دو نہیں تین ہیں۔ زبانی اقرار، دل سے تصدیق اور اعضاء و جوارح سے تعمیل ارشاد۔ چونکہ تصدیق قلبی کا ہمارے پاس تو کوئی معیار نہیں ہے کہ ہم دل کو جان سکیں تو وہ فرماتے ہیں کہ دل کی تصدیق کا اظہار ہوتا ہے اعضاء و جوارح سے کہ جب اللہ کے احکام پہ عمل کرتا، اس کا اہتمام کرتا ہے شریعت پر عمل کرنے کی فکر ہوتی ہے تو یہ بات اس کی دلیل ہے کہ اس کے دل میں نور ایمان ہے۔ انہوں نے تین چیزیں گنوائی ہیں کہ زبانی تصدیق ہو، دل میں یقین ہو اور اعضاء جوارح تصدیق کریں۔ تو دل کا حال تو اللہ جانتا ہے تم نے زبانی اقرار کیا۔ مسلمانوں کے سامنے نماز روزہ بھی شروع کر دیا تو بظاہر تو تم مسلمانوں میں شامل ہو گئے لیکن جب تم نے دینی احکام کا مذاق اڑایا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ تو اس ایمان کے بعد پھر تم کافر ہو گئے۔ یعنی احکام شریعت کا یا سنت کا جیسے ایک عام رواج ہے کہ کسی بندے نے جو باریش ہو یعنی سنت داڑھی رکھی ہو، داڑھی سنت پر رکھی ہوئی ہو تو انسان ہے اس سے بھی غلطی ہو سکتی ہے لیکن اس غلطی کو لوگ برا نہیں کہتے بلکہ کہتے ہیں اس کی داڑھی دیکھو اور اس کے کرتوت دیکھو۔ بھئی ایک آدمی کا پاؤں غلطی سے کسی ناپاک جگہ پر آ گیا تو وہ پاؤں دھونا چاہیے یہ تو نہیں کہ پلیدی لگی ہے تو سارے جسم پر مل لی جائے اس نے اگر سنت کر کے داڑھی رکھی ہوئی ہے تو یہ اس کا اچھا کام ہے، اس سے کوئی غلطی ہوئی ہے تو اس غلطی کا ازالہ کریں اس میں داڑھی کا مذاق اڑانے کی کیا ضرورت ہے؟ لیکن ایک عام سی بات ہے جو معاشرے میں ہم روز دیکھتے ہیں۔ یہ بظاہر چھوٹی چھوٹی باتیں لگتی ہیں لیکن عند اللہ یہ بہت بڑا جرم ہے کسی بھی سنت کا مذاق، کسی بھی حدیث پاک کا مذاق، کسی قرآنی آیت یا شرعی حکم کا مذاق اڑانے والا کافر ہو جاتا ہے۔ انہیں بتا دیجئے قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ہاں مرتے دم تک توبہ کا دروازہ بند نہیں ہوتا۔

میرے پاس ایک ساتھی آئے عمر رسیدہ آدمی ہیں، بتا رہے تھے میری عمر اس وقت ترانوے سال ہے چھڑی کے ساتھ چل رہے تھے لیکن ٹھیک ٹھاک۔ تو اکرم التراجم کا نسخہ لے گئے یہ جو اللہ نے مجھے ترجمہ کرنے کی سعادت بخشی ہے۔ پھر دوبارہ ملے۔ کہنے لگے بہت اچھا ترجمہ ہے۔ پرانے ریٹائرڈ پولیس افسر، بڑے مشہور

پولیس افسر، اپنے زمانے کے مانے ہوئے دیانتدار ہیں کہنے لگے۔ اس ترجمے سے ایک عجیب بات سمجھ آئی ہے کہ اللہ کریم جب ناراض ہوتے ہیں تو بجلیاں کڑکتی ہیں، دوزخ کی وعیدیں آتی ہیں اور سزائیں اور ذلت اور رسوائی کا ذکر ہوتا ہے اور دل کانپ کانپ جاتا ہے لیکن جب اخیر پر پہنچتے ہیں تو اللہ کریم پھر صلح فرما لیتے ہیں اچھا جا توبہ کر لے تجھے معاف کر دیا۔ کہنے لگے میں نے تو یہ سمجھا ہے کہ اللہ کریم بڑے سخت ہوتے ہیں، بڑا ڈانٹتے ہیں لیکن بالآخر کہتے ہیں اچھا تو جو کچھ کر چکا ہے اب توتوبہ کر لے میں تجھے معاف کر دیتا ہوں اپنا اپنا تجزیہ ہے اور ان کا اپنا تجزیہ ہے۔ کہتے ہیں میں نے جتنا پڑھا ہے مجھے یہ سمجھ آئی کہ کسی بات سے اللہ کریم ناراض ہوتے ہیں تو بڑے سخت ناراض ہوتے ہیں، دوزخ کی وعیدیں آتی ہیں پھر ذلت کے عذاب ایسے کہ بندہ لرز جاتا ہے لیکن جب آخر پر پہنچتا ہے تو اللہ فرماتے ہیں اچھا تو جو کچھ کر چکا، کوئی بات نہیں تو، توبہ کر لے پھر صلح کر لیتے ہیں۔ یہی بات یہاں ارشاد فرمائی جارہی ہے کہ تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے مرتد ہو گئے، چلو منافق ہی نہیں رہے مرتد ہو گئے اور مرتد ظاہری طور پر بھی شرعاً واجب القتل ہوتا ہے حکومتِ وقت کا فریضہ ہے کہ اسے سزا دے اور اسے قتل کر دے ماوشما کسی کو قتل نہیں کر سکتے اسلامی حکومت کا فریضہ ہے تو فرمایا تم بہانے نہ کرو تم تو ایمان لانے کے بعد پھر کافر ہو گئے۔ جب تم نے سنت نبوی یا ادائے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اڑایا، شرعی حکم کا یا قرآن کا مذاق اڑایا اس کے باوجود اگر کوئی توبہ کر لے تو میں اسے معاف کر دوں گا اس کے بعد خلوص دل سے توبہ کر لو تو توبہ کا دروازہ جب تک سانس چل رہی ہے کھلا ہے اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ تم میں سے کچھ کو اگر ہم معاف بھی کر دیں تو اسی کو معاف فرمائیں گے جو اس جرم سے تائب ہو گا تو یہ کتنی بڑی وسیع رحمت الٰہی ہے وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ؕ (الاعراف:156) میری رحمت تمام جہانوں کی ہر چیز سے وسیع ہے۔

چند آنسو ایک سجدہ ایک آہ

اے خدا تجھ کو منانا کس قدر آسان ہے

سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ فرمایا کرتے تھے کہ بچہ بگڑ جائے خواہ وہ بچہ بھی، اپنا بیٹا ہو تو وہ بھی، چھوٹا بچہ بھی ہو تو بگڑ جائے رونا شروع کر دے تو اتنی بات پر تو وہ بھی راضی نہیں ہوتا جتنی سی بات پر اللہ کریم راضی ہو جاتا ہے۔ کہتے تھے بچے کو منانا مشکل ہے اللہ کو منانا آسان ہے۔

فرمایا اس سب کے باوجود پھر بھی تم میں سے کچھ لوگ توبہ کر لیں گے ہم انہیں معاف کر دیں گے تو لیکن جو توبہ نہیں کریں گے نُعَذِّبْ طَآئِفَةًۢ اس گروہ کو ہم عذاب دیں گے بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ۝ اس لیے نہیں کہ ہم بلا وجہ عذاب دیں اس لیے کہ انہوں نے بہت بڑا جرم کیا، بے پناہ بڑا جرم کیا ہے، بہت بڑی غلطی کی ہے جس کی پاداش انہیں بھگتنا ہو گی۔

سورۃ التوبہ رکوع 9 آیات 67 تا 72

أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ
عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ؕ نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ ؕ اِنَّ
الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۶۷ وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ
نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ هِيَ حَسْبُهُمْ ۚ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ
مُّقِيْمٌ ۶۸ كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوْۤا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّاَكْثَرَ اَمْوَالًا
وَّاَوْلَادًا ؕ فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ
الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ وَخُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا ؕ اُولٰٓئِكَ
حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۶۹ اَلَمْ
يَاْتِهِمْ نَبَاُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ۙ وَقَوْمِ اِبْرٰهِيْمَ
وَاَصْحٰبِ مَدْيَنَ وَالْمُؤْتَفِكٰتِ ؕ اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانَ اللّٰهُ
لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۷۰ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ
بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ
وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ
سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۷۱ وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ
وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً

فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ۭ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿٧٢﴾

منافق مرد اور منافق عورتیں سب ایک طرح کے ہیں برے کام کرنے کو کہتے ہیں اور نیک کاموں سے منع کرتے ہیں اور اپنے ہاتھ بند کیے رہتے ہیں انہوں نے اللہ کو بھلا دیا تو اللہ نے بھی ان کو بھولا بسرا کر دیا۔ بے شک منافق بڑے ہی نافرمان ہیں ﴿٦٧﴾ اللہ نے منافق مردوں اور منافق عورتوں اور کافروں سے دوزخ کی آگ کا وعدہ فرمایا ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ وہی ان کے لیے کافی ہے اور اللہ نے ان پر لعنت کی ہے اور ان کو دائمی عذاب ہوگا ﴿٦٨﴾ ان لوگوں کی طرح جو تم سے پہلے ہو چکے جو قوت میں تم سے شدید اور مال اور اولاد میں زیادہ تھے تو انہوں نے اپنے (دنیا کے) حصے سے خوب فائدہ اٹھایا سو تم بھی اپنے (دنیا کے) حصے سے فائدہ حاصل کر و جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں نے اپنے حصے سے فائدہ حاصل کیا تھا اور تم (برائی میں) ایسے ہی گھسے جیسے وہ گھسے تھے ان ہی لوگوں کے اعمال دنیا ور آخرت میں ضائع گئے اور یہی لوگ بڑے نقصان میں ہیں ﴿٦٩﴾ کیا ان کو اپنے سے پہلے لوگوں کی خبر نہیں پہنچی جیسے نوحؑ اور عاد اور ثمود کی قوم کی اور ابراہیم (علیہ السلام) کی قوم کی اور مدین والوں کی اور الٹی ہوئی بستیوں کی۔ ان کے پاس ان کے پیغمبر واضح نشانیاں لے کر آئے سو اللہ تو ایسے نہ تھے کہ ان پر زیادتی کرتے ولیکن وہ اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے ﴿٧٠﴾ اور ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتیں ایک دوسرے کے (دینی) دوست ہیں نیک کاموں کا حکم کرتے ہیں اور برائی سے منع کرتے ہیں اور نماز ادا کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے پیغمبر کی اطاعت کرتے ہیں اللہ ان پر ضرور رحم فرمائیں گے۔ بے شک اللہ غالب حکمت والے ہیں ﴿٧١﴾ اللہ نے ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں سے ایسے باغوں کا وعدہ کر رکھا ہے جن کے تابع نہریں چلتی ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور نفیس گھروں کا جو ہمیشہ رہنے والے باغوں میں ہوں گے اور اللہ کی رضامندی

سب (نعمتوں) سے بڑی ہے یہی بہت بڑی کامیابی ہے ﴿۷۲﴾

تفسیر ومعارف

عقیدۂ قدر مشترک:

انسان مدنی الطبع ہے یعنی مل جل کر رہنا اس کے مزاج میں ہے اس لیے کہ سارے انسان زندگی گزارنے کے لیے ایک دوسرے کے محتاج ہوتے ہیں۔ دکاندار گاہکوں کا محتاج ہے تو گاہکوں کو دکاندار کی بھی ضرورت ہے۔ ہم کسی سے لباس بنواتے ہیں کسی سے جوتا بنواتے ہیں کہیں سے خوراک کی چیزیں لاتے ہیں اسی طرح ان لوگوں کو ہماری ضرورت ہوتی ہے انسان کا مزاج اللہ کریم نے ایسا بنایا ہے کہ یہ مل جل کر ہی رہ سکتا ہے اس لیے یہ مل جل کر رہتا ہے اس مل جل کر رہنے میں انسان کے عقیدے کو بہت بڑا دخل ہے۔ کفار کے بارے اللہ رب العزت فرماتے ہیں کہ تمہیں لگتا ہے یہ سب ایک ہیں وَّقُلُوۡبُهُمۡ شَتّٰى ؕ (الحشر: 14) لیکن ان کے دل الگ الگ ہیں کوئی کسی کا کچھ نہیں لگتا۔ امریکہ میں ایک دفعہ ایک کتاب چھپی تھی اور وہ اس سال کی سب سے زیادہ فروخت ہونے والی کتاب تھی جو کسی امریکن نے امریکی قوم پر لکھی تھی اس کتاب کا نام تھا the lonely crowd کہ بے شمار لوگوں کا ہجوم ہے بہت سے انسانوں کی ایک بھیڑ ہے لیکن ہر بندہ اکیلا اکیلا ہے کوئی دوسرا کسی کا کچھ نہیں لگتا سب اپنی غرض کے بندے ہیں۔

یہ بڑی عجیب بات ہے کہ کفر میں کوئی ایک اجماعی عقیدہ نہیں ہوتا۔ ہر کافر کے اپنے اپنے مختلف نظریات ہوتے ہیں جیسے اگر بیت اللہ شریف میں تین سو ساٹھ بت رکھے تھے تو تین سو ساٹھ کو سارے کافر بھی نہیں مانتے تھے۔ کوئی ایک کو مانتا تھا، کوئی دوسرے کو، کوئی تیسرے کو، کوئی کسی اور کو، کوئی کسی ایک کو بھی نہیں مانتا تھا وہ جادوگروں کی پوجا کرتا تھا، ستاروں کی پوجا کرتا تھا۔ کوئی فرشتوں کی پوجا کرتا تھا کوئی جنوں کو پوجتا تھا۔ تو کفر میں قدر مشترک ایک ہی ہوتی ہے کہ سب کافر ہیں۔ نظریات سب کے اپنے اپنے ہوتے ہیں کفر کے پاس کوئی بھی ایسا ٹھوس نظریہ نہیں ہوتا جو ہر دل کو مطمئن کر سکے۔ لیکن جو عقیدہ من جانب اللہ، اللہ کے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام عطا فرماتے ہیں وہ ٹھوس ہوتا ہے حتمی و یقینی ہوتا ہے اور اس پر جو لوگ متفق ہوتے ہیں ان کے وجود تو الگ الگ ہوتے ہیں لیکن دل ایک ہو جاتا ہے، جان ایک ہو جاتی ہے۔ کفار میں بھی کچھ لوگوں میں کچھ اقدار مشترک ہوتی ہیں ان کے بھی گروہ بن جاتے ہیں۔ اسی طرح یہاں ارشاد فرمایا: اَلۡمُنٰفِقُوۡنَ وَالۡمُنٰفِقٰتُ بَعۡضُهُمۡ مِّنۡۢ بَعۡضٍ ۘ

منافق مرد اور منافق عورتیں آپس میں مل جل جاتے ہیں ان کے مزاج ملتے ہیں ان کے مزاج کیوں ملتے ہیں؟ اس لیے کہ ان کے کردار ملتے ہیں تو جب کردار ایک ہوتا ہے تو مزاج میں ایک طرح کی منافقت آ جاتی ہے اور ان کے گروہ بن جاتے ہیں ان کے مزاج کی خصوصیت کیا ہے؟ فرمایا: يَأْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ یہ برائی کی ترغیب دیتے ہیں اور لوگوں کو نیکی سے روکتے ہیں۔

یہ بھی ایک بڑا سوال ہے کہ نیکی کیا ہے اور برائی کیا ہے۔ نیکی اور برائی کا معیار صرف ایک ہے جس کام کے کرنے کا حکم اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا ہے یا جس کی اجازت دی وہ اپنے اپنے درجے میں فرض، واجب سنت نفل مستحب ہے یا مباح ہے ہر کام نیکی ہے حتیٰ کہ سونا بھی عبادت ہے۔ حضور اکرم ﷺ کے ارشاد کا مفہوم ہے مومن عشاء کی نماز ادا کر کے فجر کے انتظار میں سو جاتا ہے تو اللہ کریم اسے ساری رات نماز میں کھڑا ہونے کا اجر دے دیتے ہیں۔ فجر ادا کر کے ظہر کا انتظار کرتا ہے تو عند اللہ اسے نماز ہی میں شمار کیا جاتا ہے۔ اسی طرح فجر، ظہر، عشاء تک ایک فریضہ ادا کر کے دوسرے کا منتظر ہوتا ہے تو اسے خارج از نماز نہیں سمجھا جاتا اس کا ثواب اسی طرح رہتا ہے جیسا کھڑا ہوا نماز ادا کر رہا ہے تو زندگی کا ہر کام کرتے اور بات کرتے ہوئے اگر یہ خیال رہے میرا قول و فعل ان حدود کے اندر ہے جو اخلاق کریمانہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم فرمائے ہیں تو وہ عبادت ہے اگر بات ان سے باہر چلی گئی تو جرم بن گیا یعنی نیکی اور بدی کا معیار ہم خود بنا لیتے ہیں وہ صحیح نہیں ہے۔

میں ایک بزرگ کو جانتا ہوں اس وقت یہاں بینک نہیں تھے ڈاکخانہ ہوتا تھا اور ڈاکخانے سے سود ملا کرتا تھا۔ میرا خیال ہے اب بھی ڈاکخانے والے بینکوں کی نسبت سود زیادہ دیتے ہیں۔ چونکہ اکثر سود خور ڈاکخانے میں پیسے جمع کراتے ہیں کہ وہاں سود زیادہ ملتا ہے۔ وہ ریٹائرڈ پولیس افسر تھے اور اچھے خوشحال تھے۔ مدتوں پہلے کی بات ہے میں نے ان سے ایک دن عرض کیا آپ خوشحال ہیں، آپ کے پاس دولت ہے، عہدہ ہے عزت ہے تو آپ سود کیوں لیتے ہیں، جب آپ کو اللہ نے حلال وسائل سے اتنا رزق دے رکھا ہے تو خوامخواہ حرام لینے کا کیا فائدہ؟ تو کہنے لگے تم ابھی بچے ہو تم ایسی باتوں کو نہیں سمجھتے۔ میں خود سود نہیں کھاتا۔ سود نکال کر میں غریبوں میں بانٹ دیتا ہوں۔ تو میں نے کہا آپ کی نسبت میری کوئی حیثیت نہیں ہے آپ بزرگ ہیں میں نو عمر ہوں لیکن میں اتنا جانتا ہوں کہ غریبوں کو بھی حرام کھلانا نیکی نہیں ہے بلکہ میں نے انہیں مثال دی تھی کہ آپ اپنے گھر کے لیے بکرے کا گوشت لے جائیں اور غریب کو کتا مار کر کھلا دیں تو کیا یہ نیکی ہوگی؟ حرام کسی کو بھی کھلائیں وہ نیکی تو نہ ہوگی۔

عرصہ بعد وہ فوت ہو گئے۔ آگے کا حال تو اللہ ہی جانے۔ دنیا میں ان کا حال ان کے معالج نے سنایا کہ وہ مرض الموت میں سخت تکلیف میں تھے۔ پیٹ میں شدید درد تھا۔ بہت علاج کیا۔ درد کے ٹیکے بھی لگوائے لیکن تکلیف کے باعث وہ اس زور سے کراہتے کہ ہائے ہائے کی آواز گھر کے باہر تک سنائی دیتی تھی ان کے معالج نے انہیں کہا کہ بے شک آپ کو سخت تکلیف ہے لیکن یہ آپ کا وقت آخر ہے۔ ہائے ہائے کے بجائے توبہ توبہ کہیں۔ تو وہ کہنے لگے کہ میں بھی یہی کہنا چاہتا ہوں لیکن میرے منہ سے توبہ نکلتا نہیں۔

اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ جس بندے کا جو کردار ہوتا ہے اسی کردار کے دوسرے بندے کو وہ پسند کرتا ہے۔ اللہ کریم نے فرمایا منافق مرد اور منافق عورتوں کا منافق مردوں اور منافق عورتوں کے ساتھ بڑا ربط ہوتا ہے۔ آپس میں ایک ہوئے رہتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا کردار ملتا جلتا ہے۔ ان کا کردار کیا ہے یَأْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ برائی کے مشورے دیتے ہیں جس کو ملتے ہیں اس کو برائی کی ترغیب دیتے ہیں وَیَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ اور نیکی سے روکتے ہیں جیسے ہمارے ہاں کہتے ہیں چھوڑو ابھی تمہاری بڑی عمر پڑی ہے تم نے ابھی سے داڑھی رکھ لی ہے۔ ابھی تو تم جوان ہو، بڑا وقت باقی ہے۔ نمازیں بھی پڑھی جائیں گی۔ ابھی کرنے کے کام کروا پنے لیئے پیسے کمالو، شادی کرلو، گھر بنالو بڑی عمر پڑی ہے باقی بڑھاپے کے کام ہیں کر لینا کہ لہذا یہ حال تو ان کا ہے جو نماز روزے سے دور ہیں اور جو نماز روزہ کرتے ہیں قرآن پڑھتے ہیں وہ یہ سوچنے لگ جاتے ہیں کہ یہ آیت فلاں پر صادق آتی ہے یہ فلاں پر صادق آتی ہے حالانکہ یہ میرا اور آپ کا کام نہیں ہے یہ اللہ کا کام ہے یہ صرف اللہ کو زیب دیتا ہے کہ وہ اپنے بندوں کو جانچے۔ اللہ کریم قرآن حکیم میں اس لیئے بتاتے ہیں کہ ہم اپنے اندر تلاش کریں کہ کہیں یہ خرابی میرے اندر تو نہیں ہے۔ اللہ کریم اس لیے ارشاد فرما رہے ہیں کہ بندے اپنے حالات، اپنے کردار، اپنے معمولات پر نظر دوڑائیں کہ منافقین کی عادات کہیں ان میں تو نہیں آ گئیں۔ فرمایا: وَیَقْبِضُوْنَ اَیْدِیَهُمْ ؕ اور ان کے ہاتھ تو ایسے ہیں جیسے انہوں نے اپنے ہاتھ باندھ دیئے ہیں۔ یعنی ان کے ہاتھ نہ جہاد کے لیے کھلتے ہیں نہ زکوٰۃ وصدقات کے لیے۔ یہ لوگ نیکی سے ایسے محروم ہیں جیسے اپنے ہاتھ انہوں نے جکڑ کر باندھ دیئے ہوں کہ کوئی نیک کام کرنا ہی نہیں۔ اس سارے کردار کا نتیجہ کیا ہوا نَسُوا اللّٰهَ جب برائی کی ترغیب دیتے ہیں، نیکی سے روکتے ہیں اور بھلے کاموں کے لیے اپنے ہاتھ باندھ دیتے ہیں، نیکی نہیں کرتے تو اس کا جو نتیجہ دنیا میں ہوتا ہے وہ ہے نَسُوا اللّٰهَ کہ اللہ کی عظمت کو بھول گئے، اللہ کی یاد کو بھول گئے، اللہ کے نام کو بھول گئے۔ عظمت باری کو فراموش ہی کر دیا جو بندہ کسی کو ناحق قتل کرتا ہے کیا اس وقت اسے خیال ہوتا ہے کہ اللہ مالک ہے اور یہ بھی اس کی مخلوق ہے میں بھی اللہ کی مخلوق ہوں۔ اللہ دیکھ رہا ہے۔ نہیں ہوتا۔ اس کا مطلب ہے اس وقت

اس میں ایمان نہیں ہوتا۔ جو کسی کا مال لوٹتا ہے، بے گناہ لوگوں کو قتل کرتا ہے یہ کردار بتاتا ہے کہ اس میں ایمان نہیں ہے یہ منافق ہے یہ زبان سے کہتا ہے میں مسلمان ہوں لیکن اس کا کردار کافروں کا ہے لہٰذا یہ منافق ہے۔ یاد رہے قرآن کریم ایک آئینہ ہے۔ ہر شخص کو اس میں اپنی تصویر دیکھنا چاہیے فرمایا: جب وہ اللہ کو بھول گئے فَنَسِيَهُمْ ؕ اللہ نے انہیں بھلا دیا۔ قرآن حکیم میں ملتے جلتے الفاظ استعمال ہوتے ہیں انسان کے لیئے بھی ذات باری کے لیے بھی لیکن ایک اصول ہے کہ جب وہ لفظ ذات باری کے لیے استعمال ہو تو اس سے معنیٰ بعید مراد ہوتا ہے وہ معنیٰ مراد ہوتا ہے جو اللہ کریم کی شان کے لائق ہوتا ہے۔ اللہ کریم تو دائمی ہے ہمیشہ کے لیئے ہے ابدی ہے اس کا علم حضوری ہے تو اللہ نے کیسے بھلا دیا تو اس سے مراد یہ ہوگا کہ اللہ نے انہیں ایسے کر دیا جیسے کسی کے گھر میں کوئی ایسی چیز ہو جو اسے قطعاً یاد ہی نہ ہو، بھولی بسری کسی گودام میں پھینک دی اسے زنگ کھائے، مٹی چڑھ جائے، خراب ہو جائے، مٹی میں مل جائے اسے یاد ہی نہیں یعنی اسے اس کی پرواہ ہی نہیں تو فرمایا جب انہوں نے اللہ کی یاد بھلا دی تو اللہ کو پرواہی نہیں ہے کہ کس وادی میں ذلیل ہوتے ہیں، کہاں مرتے ہیں، تو نتیجہ یہ ہوا کہ گناہوں کا تسلسل یاد الٰہی بھلانے کا سبب بن جاتا ہے یعنی تسلسل گناہ سے آدمی کی نیکیاں ضائع ہوتی ہیں، اس کے اخلاق بگڑتے ہیں، اس کا کردار بگڑتا ہے، جاتے جاتے جو آخری چیز اس سے چھوٹتی ہے وہ یاد الٰہی ہے ذکر الٰہی ہے اللہ کی یاد ہے۔ تو اگر کوئی کسی کو ذکر الٰہی نصیب ہو جائے اور وہ مسلسل کرے تو اس کا مطلب ہے جب ذکر میں قوت آئے گی تو پھر یہ برائیاں چھٹنی شروع ہو جائیں گی یعنی جب ذکر طاقتور ہوگا برائیاں چھوٹ جائیں گی۔

ہمارے بعض ساتھیوں کو بہت شوق ہوتا ہے کہ کوئی دیکھے کہ ان کے مقامات کہاں ہیں ہر بندہ اپنے مقام کو خود جانچ سکتا ہے کہ جتنی اس سے برائی چھوٹ رہی ہے اتنا اس کا مقام مضبوط ہو رہا ہے اور اگر برائی نہیں چھوٹ رہی تو ذکر نہیں کر رہے یا دل سے نہیں کر رہے ہو یا خلوص سے نہیں کر رہے یا کر بھی رہے ہیں تو اس میں کوئی کمی ہے ورنہ صابن بھی لگتا ہے اور میل بھی نہ نکلے تو یہ کیسے ممکن ہے؟ ایک بزرگ سے کسی نے پوچھا تھا کہ مجھے عرصہ ہو گیا ذکر کرتے مجھے تو کوئی انوارات اور مراقبات میں کوئی مقامات نظر نہیں آئے انہوں نے فرمایا سامنے لگے نل کے نیچے دیکھو فرش پر ایک چھوٹا سا گڑھا نظر آئے گا۔ یہ گڑھا قطرہ قطرہ ٹپکنے والے پانی سے بنا ہے لیکن کیا پہلے قطرے سے گڑھا بن گیا تھا یا مسلسل ٹپکنے سے بنا؟ اس گڑھے کے بننے میں پہلے قطرے کا بھی حصہ ہے اور بعد والے قطروں کا بھی حصہ ہے جو کام مسلسل کیا جاتا ہے اس کا اثر تو ہوتا ہے لیکن پہلے دن نظر نہیں آتا۔ اثر ہوتا ہے نظر نہیں آتا۔ مسلسل کرتے رہو تو پھر اتنا ہو جاتا ہے کہ نظر بھی آنے لگ جاتا ہے تو یہی مثال ذکر کی بھی ہے تم نے ابھی شروع کیا ہے میاں محنت کرو مجاہدہ کرو تو ثمرات بھی نظر آنے لگ جائیں گے تمہاری عادات بھی تبدیل ہونے

لگ جائیں گی، تمہارا اخلاق بدل جائے گا کردار بدل جائے گا۔

فرمایا: اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ۝ یقیناً منافق بدکار ہوتے ہیں۔ منافقوں سے نیکی کی توفیق سلب ہو جاتی ہے۔ نفاق ایسی بیماری ہے کہ منافق برائی میں ہی مصروف رہتے ہیں، جس سے نیکی کی توفیق سلب ہو جاتی ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ منافق مردوں اور منافق عورتوں اور کافروں کے ساتھ اللہ کا وعدہ ہے نَارَ جَهَنَّمَ دوزخ کی آگ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے نہ دوزخ ختم ہوگی نہ انہیں موت آئے گی ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔

فرمایا هِيَ حَسْبُهُمْ ۚ ان کے لیئے یہ بہت کافی ہے بظاہر تو یہ ایک جملہ ہے لیکن مدتوں نہ ختم ہونے والی زندگی جہنم میں بسر کرنا بڑا بدترین عذاب ہے فرمایا یہ ان کے لیے کافی ہے انہیں سمجھ آجائے گی۔ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ اللہ نے ان پر لعنت فرمائی ہے۔ لعنت سے مراد ہوتی ہے رحمت الٰہی سے قطعی محرومی۔ کلی طور پر رحمت سے محروم ہو جانے کو لعنت کہتے ہیں۔ فرمایا کافروں پر بھی اور منافقوں پر بھی مرد ہیں یا عورت اللہ نے ان پر لعنت فرمائی یعنی وہ کسی طرح کے کسی رحم کے مستحق نہیں ہیں انہیں اللہ کی رحمت سے کوئی شمہ نصیب نہیں ہوگا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ۝ 68 اور ان کا عذاب دائمی ہوگا ہمیشہ رہے گا مستقل رہے گا۔

انجامِ کفر:

بات بڑی عجیب ہے کہ کافر دنیا میں بڑی موجیں کر رہے ہیں۔ کافروں کی بڑی بڑی حکومتیں ہیں انہوں نے دنیا کو مصیبت میں ڈال رکھا ہے ایک اشارۂ ابرو سے لاکھوں آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیتے ہیں، بیٹھے بٹھائے لوگوں کو اجاڑ دیتے ہیں۔ ممالک کے ممالک تباہ کر دیتے ہیں تو یہ سب کیا ہے؟ فرمایا یہ سب وہی ہے جو دنیا کا نظام ہے كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ ان سے پہلے جو کافر اور منافق تھے شداد نمرود فرعون اور اس طرح کے جو لوگ ہو گزرے ہیں كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّاَكْثَرَ اَمْوَالًا اے آج کے کافروں وہ تم سے طاقت میں بھی زیادہ تھے، دولت میں بھی زیادہ تھے اور اولاد میں بھی زیادہ تھے۔ قبیلے بھی ان کے بڑے بڑے تھے۔ طاقتور بھی بے پناہ تھے۔ آج بھی فرعون کا مقبرہ کوئی کھول لے تو وہ ارب پتی بن جاتا ہے اتنا سونا قبروں میں بھی پڑا ہوتا ہے۔ كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ اے کفار اور منافقین تم سے پہلے جو کافر گزرے ہیں كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً تم سے تو وہ طاقت میں بہت زیادہ تھے۔ بعض قومیں تو نوے نوے فٹ کے آدمی تھے پہاڑوں کو اٹھا کر ادھر سے ادھر رکھ

دیتے تھے۔ بڑے سے بڑے درخت کو اس طرح اکھیڑ لیتے تھے جس طرح ہم گاجر اور مولی کو اکھیڑ لیتے ہیں۔
وَّاَكۡثَرَ اَمۡوَالًا ان کے پاس دولت بھی تم سے زیادہ تھی وَّاَوۡلَادًا ؕ اور ان کے خاندان بھی بڑے بڑے تھے۔
فَاسۡتَمۡتَعُوۡا تم بھی اپنا دنیاوی رزق استعمال کرلو۔ دنیا کا جو حصہ تمہارے نصیب میں ہے اس سے عیش کرلو
فَاسۡتَمۡتَعُوۡا بِخَلَاقِهِمۡ انہوں نے جو دنیا کا حصہ انہیں ملا اس سے بڑی موج اڑائی فَاسۡتَمۡتَعۡتُمۡ
بِخَلَاقِكُمۡ تم بھی اپنے حصے کی جو دنیا تمہیں ملی ہے اس سے موج کرلو، دو دن چار دن دس سال۔ كَمَا اسۡتَمۡتَعَ
الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ بِخَلَاقِهِمۡ جس طرح تم سے پہلے کفار اور منافقین نے اپنے حصے کی دنیا سے بڑی موجیں
کیں بڑے محلات تعمیر کیئے، بڑے قبلے تعمیر کئے، بڑا اسلحہ اکٹھا کیا، بڑی فوجیں اکٹھی کیں، شہروں کے شہر اجاڑ
دیئے، بے شمار ممالک فتح کئے وَخُضۡتُمۡ كَالَّذِىۡ خَاضُوۡا تم بھی اس برائی میں گھستے چلے جاؤ جیسے وہ برائی میں
گھس گئے تھے لیکن ایک بات یاد رکھو برائی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اگر تم سے کوئی نیک عمل بھی ہوتا ہے تو وہ بھی ضائع
ہوجائے گا اُولٰٓئِكَ حَبِطَتۡ اَعۡمَالُهُمۡ فِى الدُّنۡيَا وَالۡاٰخِرَةِ یہ وہ بدنصیب ہیں جن کی نیکیاں بھی دنیا میں ہی
سلب ہوگئیں اور آخرت میں بھی سلب ہوگئیں وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ ۝٦٩ سب سے زیادہ نقصان میں یہی لوگ
رہے جن کا کوئی ایک عمل بھی قبول نہیں ہوا نہ دنیا میں نہ آخرت میں۔ فرمایا تم اس بات سے بڑے حیران ہوتے ہو
کہ کافر موج کر رہے ہیں تمہیں اس بات کی خبر نہیں ہے اَلَمۡ يَاۡتِهِمۡ نَبَاُ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ تم لوگوں کے پاس
ان سے پہلے لوگوں کی باتیں نہیں پہنچیں۔ کیا تمہارے پاس تاریخ موجود نہیں ہے؟ قَوۡمِ نُوۡحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوۡدَ ۙ
تم نے نوح علیہ السلام کی قوم کا تذکرہ نہیں پڑھا اور کیا تم نے عاد اور ثمود کا ذکر نہیں سنا؟ وَقَوۡمِ اِبۡرٰهِيۡمَ اور
ابراہیم علیہ السلام کی قوم کا تم نے ذکر نہیں سنا جس کا بادشاہ نمرود اپنی پوجا کرواتا تھا اور اپنے آپ کو خدا سمجھتا تھا۔
عاد اور ثمود بڑے بڑے طاقتور تھے۔ نوح کی قوم کہاں دنیا پر چھائی ہوئی تھی وَاَصۡحٰبِ مَدۡيَنَ اور مدین والوں کا
وَالۡمُؤۡتَفِكٰتِ ؕ اور ان بستیوں کے باسی جن پر بستیاں ہی الٹ دی گئیں۔ یہ ساری بڑی طاقتور قومیں تھیں، بڑی
دولت مند قومیں تھیں، بڑی مضبوط حکومتیں سلطنتیں اور ریاستیں تھیں۔ اَتَتۡهُمۡ رُسُلُهُمۡ بِالۡبَيِّنٰتِ اللہ نے
انہیں بھی محروم نہیں رکھا انہیں بھی موقع بخشا ان کے پاس اپنے رسولؑ واضح دلائل دے کر بھیجے فَمَا كَانَ اللّٰهُ
لِيَظۡلِمَهُمۡ اس لیئے کہ یہ اللہ کو زیب نہیں دیتا کہ وہ ان کے ساتھ زیادتی کرے اللہ کی عظمت اس سے وراء الوراء

ہے۔ بندے کی حیثیت کیا ہے؟ جیسے چیونٹی ایک مخلوق ہے ویسے انسان ایک مخلوق ہے۔ وہ خالق کائنات ہے اس کے سامنے بندے کی کیا حیثیت ہے وہ اس سے کیوں زیادتی کرے گا۔ اس نے تو فرعون کے پاس بھی اپنے دو انبیاؑ بھیجے۔ اولوالعزم رسول موسیٰ علیہ السلام کو بھیجا۔ وہ تو ایسا کریم ہے فرمایا فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا (طٰہٰ:44) اس سے بات ذرا دھیمے اور نرم لہجے میں کرنا ایسا نہ ہو کہ آپ کی باتوں سے چڑ کر جہنم میں چلا جائے۔ آپ پیارے اور دھیمے انداز میں نرم گفتار میں بات دیجئے گا چونکہ اللہ کو زیب نہیں دیتا تھا ان کے ساتھ زیادتی کرتے وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ۝ انہوں نے تو اپنے آپ پر خود ظلم ڈھائے۔ انبیاءؑ کی نبوت کا انکار کیا، عظمت الٰہی کا انکار کیا۔ دولت، لاؤ لشکر، فوج، حکومت، سلطنت اس کے گھمنڈ میں آ کر اور طاقت کے گھمنڈ میں آ کر کہنے لگے کون ہے جو ہمارے مقابل آئے گا۔ تم نے ان کی تاریخ نہیں پڑھی کہ کس طرح صفحہ ہستی سے مٹا دیئے گئے۔ نیست و نابود کر دیئے گئے اور فرعونیوں کو مرنے کے بعد بھی قرآن کریم کہتا ہے يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا ۚ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۣ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ صبح شام ان پر جہنم کی تازہ آگ بھیجی جاتی ہے اور آخرت کے دن اَشَدَّ الْعَذَابِ۝ (المومن:46) میں داخل ہوں گے۔ بہت بڑے عذاب میں داخل ہوں گے اور قیامت تک ان پر صبح اور شام نئی آگ بھیجی جاتی ہے۔ جہاں بھی ان کے مردے پڑے ہیں جہاں بھی ان کی ارواح موجود ہیں نئی سے نئی آگ صبح شام بھیجی جاتی ہے۔ فرمایا: يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ ۭ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ۝ (ہود:98) فرعون قیامت کے دن بھی اپنی قوم کو Lead کر رہا ہوگا۔ يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اپنی قوم کی رہنمائی کر رہا ہوگا فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ اور سب کو لے کر آگ میں جا گرے گا تو فرمایا کفر کی موجودہ حالت کو نہ دیکھو کفر کا انجام دیکھو نتیجہ دیکھو تمہارے سامنے اقوام عالم کی تاریخ پڑی ہے۔ دیکھو تو سہی برائی، نافرمانی، فسق و فجور، کفر و منافقت کا نتیجہ دنیا میں کیا ہوا اور آخرت کی خبر اللہ کریم فرماتے ہیں میں دے رہا ہوں۔ دنیا میں دو ہی قومیں ہیں کافر اور مومن یہی دو قومی نظریہ ہے۔ منافق مشرک کفر جحودی آگے پہ کفر کی قسمیں ہیں۔ میں کہا کرتا ہوں کتے سارے کتے ہوتے ہیں۔ کوئی کاٹنے والا کوئی دوڑنے والا کوئی شکاری کوئی نہایا ہوا صاف ستھرا کوئی گندا مندا کوئی بازاروں میں آوارہ پھرتا ہے کسی کو کسی نے گدوں پر بٹھا رکھا ہے لیکن کتا ہونے میں کوئی فرق نہیں۔ کوئی سفید ہے کوئی سیاہ ہے کوئی سرخ ہے۔ لیکن بنیادی طور پر کتا ہونا سب کی خصوصیت

ہے۔اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے الکفر ملة واحدة کفر ایک ہی ملت ہے۔کفر کی قسمیں الگ ہوں گی ان کے رنگ الگ ہوں جو طریقے ہیں عبادت کے وہ الگ ہوں گے ان کے عقیدے نظریئے الگ ہوں گے لیکن کفر ایک ہے الکفر ملةٌ واحدة ایک ملت کفر ہے ایک ملت ایمان ہے دنیا میں دو ہی قومیں ہیں۔

آج کل ہمارے دانشور ٹی وی اور اخبار ہر جگہ یہ بات کہتے نظر آتے ہیں کہ کفر اور ایمان کے درمیان کی لکیر ہٹا دینی چاہیے اور مومن کافر سب انسان ہیں ان دانشوروں کو یہ غلط فہمی ہے مومن انسان ہے اور کافر درندہ۔ اس کی شکل انسانی ہے لیکن وہ درندہ ہے۔انسانوں اور درندوں میں حدِ فاصل ہوتی ہے۔تو فرمایا دوسری قوم دنیا میں وہ ہے وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ مومن مرد اور مومن عورتیں ان کا آپس میں ایک دوسرے سے ایمان کا رشتہ ہوتا ہے۔ان کا مزاج ایک دوسرے کے ساتھ ملتا ہے۔ان کے تعلقات ایک دوسرے کے ساتھ ہوتے ہیں اس لیئے کہ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ یہ ایک دوسرے کو نیکی کا مشورہ دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں وہ مومن مرد ہو یا عورتیں وہ ایک دوسرے کو نیکی کا بھلائی کا مشورہ دیتے ہیں برائی سے روکتے ہیں وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ اللہ کی عبادات کو قائم کرتے ہیں اقامت صلوٰۃ اور ادائے صلوٰۃ میں ایک نازک سا فرق ہے۔آپ اپنی نمازیں پڑھتے ہیں تو ادائے صلوٰۃ کا فریضہ ادا ہو جاتا ہے اقامت صلوٰۃ یہ ہے کہ آپ جہاں جہاں ہوں اور جو بھی آپ کی بات سنے اسے تاکید کریں اور نماز قائم ہوتی چلی جائے۔اقامت صلوٰۃ یہ ہے کہ آپ اس نیکی کو پھیلائیں آپ کے اردگرد آپ کی بات سننے والا ہر بندہ نمازی ہوتا چلا جائے یہ اقامت صلوٰۃ ہے وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ نمازوں کو قائم کرتے ہیں وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ مال پر جو زکوٰۃ فرض کر دی گئی ہے ادا کرتے ہیں وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اور اللہ کی اطاعت کرتے ہیں اور اللہ کی اطاعت کیا ہے؟ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت۔

کسی بزرگ سے کسی نے پوچھا تھا کہ حضرت مجھے اپنی اصلاح کے لیے نسخہ ارشاد فرمایئے۔انہوں نے کہا آسان بات ہے کوئی لمبا کام نہیں ہے ایک کاپی اور قلم لے لو جب سو کر اٹھو تو جو جملہ منہ سے نکالو کاپی پر لکھ دو جو کام کرو کاپی پر لکھ دو۔صبح سے لے کر رات سونے تک ایک دن کی ڈائری لکھ لو۔جو جملہ منہ سے نکلے وہ بھی نقل کر لو۔جو کام کرو کھانا کھایا ناشتہ کیا چائے پی باہر گیا دفتر گیا جانوروں کو چارہ دیا دکان پر گیا سودا فروخت کیا جو کرتے ہو وہ لکھتے جاؤ۔رات تک ختم کر کے ایک دن کی ڈائری اگلے دن بیٹھ کے پڑھ لینا تمہیں اندازہ ہو جائے گا کہ تم نے کتنے کام اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق کیے ہیں اور کتنے خلاف کیے ہیں۔جو خلاف ہیں چھوڑ دو۔سادہ سی بات ہے کوئی لمبے مشورے کی ضرورت نہیں ہے ہماری عادت یہ ہے کہ ہم دوسروں کو تو لتے

رہتے ہیں کہ یہ کیسا بندہ ہے؟ حق یہ ہے کہ اپنا محاسبہ کیا جائے۔ سیدنا فاروق اعظمؓ فرماتے تھے اپنا حساب کیا کرو اس سے پہلے جب کہ تم سے حساب لیا جائے۔ اپنا محاسبہ خود کیا کرو اس سے پہلے کہ تم سے حساب لیا جائے تو مومن مردوں اور عورتوں میں یکسانیت و یگانگت اس لیئے ہوتی ہے کہ وہ سارے نیکی کا حکم کرتے ہیں برائی سے روکتے ہیں اور نمازیں قائم کرتے ہیں اور زکوۃ دیتے ہیں اور ان کی ساری زندگی اطاعت الٰہی اور اطاعت پیغمبر ﷺ کا مظہر ہوتی ہے، عملی تصویر ہوتی ہے۔ اُولٰٓئِكَ سَيَرۡحَمُهُمُ اللّٰهُ ؕ یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ ضرور رحم فرمائیں گے اور جن پر رحم فرمائیں گے انہیں جنت بطور انعام عطا فرمائیں گے۔

وطن عزیز میں خود کو مجتہد اور علامہ کہلوانے والے ایک صاحب ہیں جو اپنی رائے کے بندے ہیں۔ ٹی وی پر لیکچر دے رہے تھے کہ اللہ نے دنیا بنائی اور اس میں بندوں کو بنایا اللہ نے دوزخ بنائی جنت بنائی اب جس کا استحقاق ہوگا وہ جنت میں جائے گا۔ کیا فضول منطق ہے لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ بندہ جتنی بھی عبادت کرلے اس کا حق کوئی نہیں بنتا۔ اس لیے کہ وہ اتنی نعمتیں پہلے لے چکا ہے کہ جتنی بھی عبادت کرتا رہے ان کا شکر ادا کرسکتا۔ آخرت اللہ کا انعام ہے جس نے اسے وجود دیا جس نے اسے عقل وشعور دیا جس نے اسے استعداد معرفت دی جس نے اسے مال دیا اولاد دی جان دی حکومت دی عہدہ دیا دولت دی وہ فرماتا ہے یہ میرا شکر ادا کرتا رہا میں اسے آخرت مزید انعام میں دوں گا۔ استحقاق اللہ پر کسی کا نہیں بنتا یہ گمراہی ہے۔ بندہ جتنی بھی عبادت کرتا رہے جو وہ لے چکا ہے اس کا حق ادا نہیں کرسکتا اسی لیے قرآن فرمایا ہے اُولٰٓئِكَ سَيَرۡحَمُهُمُ اللّٰهُ یعنی انہیں رحمت الٰہی کی ضرورت ہوگی اور پھر وہ نیکی کا حکم کرتے ہیں برائی سے روکتے ہیں نماز قائم کرتے ہیں زکوۃ دیتے ہیں حتیٰ کہ عمر عزیز اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں بسر کردیتے ہیں تو ان پر رحم فرمائے گا یہ نہیں فرمایا کہ ان کا حق بنے گا۔ سَيَرۡحَمُهُمُ اللّٰهُ اللہ ان پر رحم فرمائے گا۔ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيۡزٌ حَكِيۡمٌ ۝ کہ اللہ غالب بھی ہیں اور حکمت والے بھی ہیں۔ اور اس نے تو وعدہ کردیا سبحان اللہ منافقین سے بھی کافروں سے بھی وعدہ کیا تھا اور مومن بندوں سے بھی وعدہ کردیا۔ وَعَدَ اللّٰهُ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتِ مومن مردوں اور مومن عورتوں سے اور پھر پہلے مومن کی تعریف کردی کہ مومن کون ہیں ہمیں اس تعارف میں اپنے آپ کو دیکھنا ہے کہ کیا میں اس تعارف میں پورا بیٹھتا ہوں کہ نیکی کا حکم کرتے ہیں برائی سے روکتے ہیں۔ نمازیں ادا کرتے ہیں، زکوۃ دیتے ہیں حتیٰ کہ پوری زندگی اطاعت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم میں گزار دیتے ہیں۔ ان کے ساتھ میرا وعدہ ہے جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ انہیں ان باغوں میں رکھوں گا جن کے تابع نہریں بہتی ہیں۔

عموماً ہمارے مترجم حضرات یہاں لکھ دیتے ہیں باغوں کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ میں نے یہاں معنیٰ بھی یہی لکھا ہے کہ تابع نہریں چلتی ہیں باغ کے نیچے باغ کا کوئی مقصد نہیں۔ جنت میں ایک عجیب نظام ہے۔ دنیا میں باغ نہروں کے محتاج ہیں جہاں پانی پہنچ سکتا ہے وہاں باغ لگ سکتا ہے جہاں پانی نہیں پہنچتا باغ نہیں لگ سکتا۔ جنت کے باغوں میں پانی ان کے تابع ہے یعنی جنتی جہاں چاہے گا کہ باغیچہ ہو وہاں نہر کی پانی کی مجبوری ہے کہ وہ وہاں پہنچے۔ دنیا میں باغ نہروں کے تابع ہیں کہ جہاں پانی پہنچتا ہے وہاں باغ لگ سکتا ہے۔ جنتی جہاں باغ لگانا چاہے گا پانی وہاں پہنچے گا اور اس کے باغ کو سیراب کرے گا۔

یہ مفہوم ہے تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ان کے نیچے نہریں جاری ہیں خٰلِدِيْنَ فِيْهَا کتنے لطف کی بات ہے کہ وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ نہ ان کو موت آئے گی نہ جنت پرانی ہوگی۔ نہ ان کی جوانی ڈھلے گی نہ ان کا حسن ڈھلے گا۔ نہ جنت کی نعمتوں میں لذتیں کم ہوں گی نہ ان کا ذوق وشوق کم ہوگا خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ۭ اور بڑے خوبصورت گھر دوں گا جیسا کسی نے سوچا نہیں ہوگا کسی نے دیکھا نہیں ہوگا۔ میں انہیں عالیشان محلات دوں گا اور ہمیشہ ہمیشہ رہنے والی جنت دوں گا۔ بے شمار نعمتیں دوں گا۔ حدیث شریف میں بے شمار تفصیل ملتی ہے کہ ایک جنتی نے لباس پہنا ہوا ہے دوسرے کسی جنتی کا لباس دیکھ کر اسے پسند آیا کہ یہ بہت خوبصورت ہے وہ یہ سوچے گا تو اس کا لباس ویسا ہو جائے گا۔ کسی بڑے شاندار اور بلند درخت کو دیکھے گا کہ اس پر پھل ہے جنتی ارادہ کرے گا یہ پھل ہے، اونچا ہے اسے کھانا چاہیے تو شاخ جھک آئے گی اسے سیڑھی لگانے کی ضرورت نہیں۔ درخت جھک آئے گا کہ لے لو۔ کسی نعمت سے ایک لقمہ کھائے گا جب دوسرا کھائے گا تو پہلے سے زیادہ لذیذ ہوگا۔ محلات ایسے ہوں گے کہ دنیا میں نہ کسی نے دیکھا نہ سوچا ہوگا لیکن فرمایا اس کے علاوہ جنت کی اصل نعمت جو ہے وہ ہے وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ اللہ ان پر راضی ہوگا اور یہ سب سے بڑی نعمت ہے وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ رضائے الٰہی سب سے بڑی نعمت ہے یہ جنت تو اس کا مظہر ہے۔ جنت تو اس کی سند ہے۔ جنت تو اس بات کی دلیل ہے کہ جو اس میں گیا اللہ اس پر راضی ہے۔ اصل نعمت اور جو دولت ہے وہ رضائے الٰہی ہے ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ یہ بہت بڑی کامیابی ہے کہ کوئی دوزخ سے بچ جائے اور جنت میں چلا جائے۔ ملکوں کو فتح کرنا کامیابی نہیں ہے، حکمران بن جانا کامیابی نہیں ہے، دولت مند بن جانا کامیابی نہیں ہے، طاقتور اور جوان بن جانا ہی کامیابی نہیں ہے۔ اصل کامیابی یہ ہے کہ جو جنت میں پہنچ گیا وہ کامیاب ہوگیا۔ وہ جیت گیا کہ اس نے رضائے الٰہی کو پالیا۔ جسے رضائے الٰہی مل گئی جنت اس کا ٹھکانہ ہے۔

سورۃ التوبہ رکوع 10 آیات 73 تا 80

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ؕ وَمَاْوٰىهُمْ
جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۷۳﴾ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ؕ وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ
الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا ۚ وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ
اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَاِنْ
يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَمَا لَهُمْ فِي
الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۷۴﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ
فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ
بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۷۶﴾ فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ
يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ﴿۷۷﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ
اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۷۸﴾ اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ
الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ
فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ؕ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ ۫ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۹﴾ اِسْتَغْفِرْ
لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ
لَهُمْ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ
الْفٰسِقِيْنَ ﴿۸۰﴾

اے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم)! کافروں اور منافقوں سے لڑیں اور ان پر سختی کریں اور ان کا
ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بُری جگہ ہے ﴿۷۳﴾ اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ انہوں نے
(تو کچھ) نہیں کہا اور یقیناً انہوں نے کفر کی بات کہی تھی اور (ظاہری) اسلام لانے
کے بعد کافر ہو گئے تھے اور انہوں نے ایسی بات کا ارادہ کیا تھا جو ان کے ہاتھ نہ لگی
(جس پر قدرت نہ پا سکے) اور یہ انہوں نے اس بات کا بدلہ دیا کہ ان کو اللہ اور اس
کے پیغمبر نے رزق الٰہی سے مالدار کر دیا سو اگر (اس کے بعد بھی) یہ توبہ کریں تو ان
کے لیے بہتر ہو گا اور اگر روگردانی کریں تو اللہ ان کو دنیا اور آخرت میں دردناک سزا
دیں گے اور ان کا دنیا میں کوئی دوست ہو گا اور نہ مددگار ﴿۷۴﴾ اور ان (منافقین)
میں بعض تو ایسے ہیں کہ انہوں نے اللہ سے وعدہ کیا تھا کہ اگر وہ ہم کو اپنے فضل سے
(بہت سا مال) عطا فرما دیں تو ہم ضرور خیرات کریں گے اور ضرور نیکوکاروں میں ہو
جائیں گے ﴿۷۵﴾ سو جب اللہ نے ان کو اپنے فضل سے دیا تو اس میں کنجوسی
کرنے لگے اور روگردانی کرنے لگے اور وہ روگردانی کرنے کے عادی ہیں ﴿۷۶﴾
تو اس (اللہ) نے اس روز تک کے لیے جس روز وہ اس (اللہ) کے روبرو ہوں گے
ان کے دلوں میں نفاق ڈال دیا اس لیے کہ انہوں نے اللہ سے وعدہ خلافی کی اور
اس لیے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے ﴿۷۷﴾ کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ ان کے
(دلوں کے) راز اور ان کی سرگوشیاں سب جانتے ہیں اور یہ کہ اللہ پوشیدہ چیزوں
کے جاننے والے ہیں ﴿۷۸﴾ یہ (منافق) ایسے ہیں کہ جو مسلمان دل کھول کر
خیرات کرتے ہیں ان پر طعن کرتے ہیں اور جو صرف اتنا ہی کما سکتے ہیں جتنی
مزدوری کرتے ہیں (لہٰذا صدقہ ہی دیتے ہیں) تو یہ ان کا مذاق اڑاتے ہیں اللہ نے
ان کا مذاق اڑایا ہے اور ان کے لیے بہت دکھ دینے والا عذاب ہے ﴿۷۹﴾ آپ
ان کے لیے بخشش طلب فرمائیں یا ان کے لیے بخشش طلب نہ فرمائیں۔ اگر آپ ان
کے لیے ستر دفعہ بھی بخشش طلب فرمائیں تو بھی اللہ ان کو ہرگز نہیں بخشیں گے یہ اس

لیے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے پیغمبر سے کفر کیا اور اللہ ایسے نافرمان لوگوں کو
ہدایت نہیں فرمایا کرتے ﴿۸۰﴾

تفسیر ومعارف

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۭ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۷۳﴾ اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کافروں اور منافقوں سے لڑیں اور ان پر سختی کریں اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بری جگہ ہے۔ منافقین اور کفار کے ساتھ جہاد اور سختی کا حکم تھا اس کے بعد منافقین کا انداز، طرز عمل، طرز فکر ارشاد فرمایا گیا کہ منافقین کی عادت ہے يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ۭ کہ جو کہتے ہیں پھر اس پر اللہ کی قسمیں دیتے ہیں۔ غلط کلمات منہ سے نکالتے ہیں سنن خیر الانبیاء کے شعار کا مذاق اڑاتے ہیں اور جب پوچھا جائے تو پھر اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ نہیں ہم نے تو ایسا نہیں کہا ہمارا مطلب یہ نہیں تھا میری مراد یہ نہ تھی میں مذاق کر رہا تھا پھر اس طرح کی باتیں کرتے ہیں۔

جہاں تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ کا تعلق ہے تو اس میں فقہا نے تصریح فرما دی ہے کہ کوئی شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ایک جملہ کہتا ہے اس کے ارادوں سے اللہ واقف ہے اس کے دل میں کیا ہے وہ اللہ جانتا ہے۔ لیکن سمجھنے والے نے یہ سمجھا ہے کہ اس نے مذاق اڑایا ہے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کی ہے تو وہ شخص کافر ہو جائے گا، کوئی جملہ استعمال کرنا جس میں سے توہین کا کوئی پہلو بھی نکلتا ہو اور سننے والے نے محسوس کیا ہو کہ اس نے توہین کی ہے تو کہنے والا کافر ہو جاتا ہے تو منافقین تو کھلا کھلا مذاق اڑاتے تھے مسلمانوں کے ساتھ کھڑے ہو کر نماز بھی ادا کر لیتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں نماز ادا کر لیتے، مسجد نبوی میں نماز ادا کر لیتے پھر جب باہر نکلتے تو انہیں چیزوں کا مذاق اڑاتے کہ انہوں نے خود کو پارسا سمجھ رکھا ہے، دیکھو یہ کس طرح دعائیں مانگ رہے ہیں بھلا ان کے کہنے سے سب کچھ ہو جائے گا یا احکام شریعت پر اعتراض کرتے کہ یہ کون سا حکم ہے اس طرح کیوں ہوگا۔ وراثت کے احکام آئے تو کہتے یہ عجیب بات ہے اس طرح تو پہلے کبھی نہیں ہوتا۔ یہاں بیٹوں کے ساتھ بیٹیوں کو بھی وارث بنا دیا گیا۔ آج تک تو باپ دادا گزر گئے مردوں کی جائیداد مردوں کو منتقل ہوتی تھی یہ انہوں نے نیا تماشا بنا لیا۔ تو یہ اس طرح کے جتنے جملے ہوتے ہیں جن میں عظمت نبوی پر حرف آتا یا دین کے کسی حکم پر، اللہ کے کسی حکم پر حرف آتا ہو کہنے والا کافر ہو جاتا ہے۔ خواہ وہ یہ کہتا رہے کہ اللہ کی

قسم میری یہ مراد نہیں تھی اللہ کی قسم میں نے یوں نہیں یوں کہا اللہ کی قسم میں نے مذاق میں بات کر دی۔ آپ دیکھتے ہیں کہ یہ بیماری اب بھی ہے۔ ذرا کسی کو اقتدار مل جائے یا ذرا کسی کے پاس عہدہ آجائے تو اسے ساری خامیاں دینی احکام میں نظر آتی ہیں۔ اور ان کے منہ سے بھی وہی الفاظ ادا ہوتے ہیں۔ کلمہ بھی پڑھنا، نمازیں بھی پڑھنا پھر دینی احکام کا مذاق اڑانا یہ منافقت ہے اور منافق عام کافر سے پرلے درجے کا کافر ہوتا ہے۔ دنیا میں تو گزارہ ہو جائے گا لیکن اللہ سے تو کوئی چیز چھپی نہیں رہے گی جواب تو اللہ کریم کے سامنے دینا ہے۔ لوگوں کے سامنے سرخرو ہونے کا حاصل کچھ نہیں بلکہ اللہ کریم نے خود حساب لینا ہے اور وہ دلوں کے بھید جانتا ہے اسی لیے ارشاد فرمایا وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ جب انہوں نے بھی کلمہ حق ادا کیا اور کلمہ حق قبول کیا تو مسلمان تو ہو گئے لیکن مسلمان ہونے کے بعد پھر انہوں نے اپنی زبان سے کفریہ کلمات نکالے اور وہ کفریہ کلمات کیا تھے؟ یا عظمت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم پر حرف آتا تھا یا دین کے کسی حکم کا مذاق اڑایا جاتا تھا یا انکار کیا جاتا تھا اور وہ آپس میں بیٹھ کر ٹھٹھا کرتے تھے تمسخر کرتے تھے تو اللہ کریم نے فرمایا کہ جب انہوں نے کلمہ پڑھا تو اسلام میں تو داخل ہو گئے لیکن جب انہوں نے یہ کلمات کہے تو پھر یہ کافر ہو گئے۔ وَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ یعنی مسلمان ہونے کے بعد پھر کافر ہو گئے۔ وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا ۚ یہ دین کا مذاق۔ ایسے ہی نہیں اڑاتے اپنے لیے کوئی اہمیت اختیار کرنے کو یا کوئی مادی فائدہ حاصل کرنے کو یا کوئی عہدہ حاصل کرنے کو یا کفار کی نظروں میں اپنی اہمیت بنانے کو اس طرح کی حرکتیں کی جاتی ہیں تو فرمایا جس حرکت کے لیئے یہ میرے نبی ﷺ کی عظمت پر اعتراض کرتے ہیں یا میرے دین پر اعتراض کرتے ہیں یہ دنیا میں بھی اس چیز کو پا نہیں سکتے۔ یہ بڑی عجیب بات ہے کہ اللہ کریم کا نظام ایسا ہے کہ اگر کوئی اپنی کسی کامیابی کے حصول کے لیئے دین کی توہین کو اپنی سیڑھی بناتا ہے زینہ بناتا ہے تو وہ اس زینے پر چڑھ کر اس کامیابی کو نہیں پا سکتا۔ یہ اللہ کا طے شدہ نظام ہے۔ وہ اگر ملک کا سربراہ بھی بن جائے تو لوگ اس پر لعنت اور نفرین ہی برساتے رہتے ہیں۔ اسے وہ عزت نصیب نہیں ہوتی جو سربراہ کو ہوتی ہے۔ وہ دنیا میں مال دار بھی ہو جائے تو لوگ اس کی مالداری کا احترام بھی نہیں کرتے اور خود اس کو وہ مال داری آرام دینے کی بجائے تکلیف دینے لگتی ہے۔ ایسے امراض لگا دیتا ہے کہ اسے کھانا ہی نصیب نہیں ہوتا تو فرمایا وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا ۚ جو وہ چاہتے تھے کہ دین کی تضحیک کر کے یا نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان میں گستاخی کر کے کوئی کامیابی حاصل کر لیں گے تو وہ حاصل نہ کر سکے۔ اسلام بھی ضائع کیا دین بھی ضائع کیا کافر ہو گئے۔

ارتداد:

مسلمان ہونے کے بعد کافر ہوجانا ارتداد کہلاتا ہے۔ مرتد شدید ترین کافر ہوتا ہے چونکہ یہ کفر کا اقرار تو نہیں کرتے تھے اگر کوئی کفر کا اقرار کرے تو حکومت اسلامیہ کا فرض ہے کہ اسے قتل کردے مرتد واجب القتل ہوتا ہے لیکن ذمہ داری حکومت اسلامیہ کی ہے میں اور آپ اسے قتل نہیں کرسکتے تو فرمایا جس غرض کے لیے یہ دینی شعائر کا مذاق اڑاتے ہیں وہ غرض ان کی کبھی پوری نہیں ہوتی یہ اللہ کریم کا نظام ہے وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ فرمایا ان پر اللہ نے اپنی مہربانی سے احسان فرمایا اللہ کے رسول ﷺ نے ان کا ایمان قبول فرمایا ان پر احسان فرمایا یہ اس احسان کا بدلہ چکا رہے ہیں کہ پھر منافقت کر رہے ہیں۔ یعنی ان کو کیا تکلیف ہوئی تھی جس کے بدلے یہ منافقت کر رہے ہیں۔ ان پر تو اللہ نے احسان فرمایا انہیں مسلمان ہونے کی توفیق بخشی۔ ان پر اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے احسان فرمایا کہ ان کا ایمان قبول کیا۔ انہیں ایک درجہ عطا کیا۔ اسلام قبول ہونے کی توفیق ہونا یہ معمولی احسان نہیں ہے۔ اللہ کریم کا بہت بڑا احسان ہے کہ کسی کو یہ توفیق عطا فرمادے۔ اسلام قبول کرنا ایک ایسا عمل ہے کہ اسلام قبول کرنے سے پہلے زندگی میں اس نے جتنے جرائم کیے ہوں جتنے گناہ کیے ہوں جتنی برائی کی ہو ایک دفعہ جب وہ خلوص دل سے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ قبول کرتا ہے تو اس کے پہلے سارے گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں اس کے بعد جو توفیق عمل ہوتی ہے یا نماز روزہ کرتا یا عبادت کرتا ہے، ذکر اذکار کرتا ہے، تلاوت کرتا ہے، زکوۃ دیتا ہے، حج کرتا ہے وہ تو اس کے بعد اس کے پاس اور خزانے چلے آتے ہیں۔ اسلام قبول کرلینا اس کے لیے دوزخ سے نجات کا سبب بن جاتا ہے۔ اس کے تمام گناہوں کی معافی کا سبب بن جاتا ہے تو فرمایا یہ اس بات کا بدلہ دے رہے ہیں کہ اللہ نے انہیں یہ سہولت دی انہیں غنی کردیا اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ۔

غنی سے مراد:

یہ جو کہا گیا کہ اللہ نے انہیں غنی کردیا تو غنی سے کیا مراد ہے؟ کیا ہر مسلمان کلمہ پڑھنے سے دولت مند ہو جاتا ہے؟ غنی ہونے کا معنی ہے کہ بندہ کسی کا محتاج نہ رہے غنی سے مستغنی استعمال ہوتا ہے یہ ساری چیزوں سے مستغنی ہے۔ مطلب ہے یہ ان چیزوں کا محتاج نہیں رہا۔ غنی کا مطلب ہوتا ہے کہ بندہ کسی کا محتاج نہ رہے اور یہ کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ بندے کو اللہ کے دروازے پر کھڑا کردیتا ہے وہ اللہ کے سوا کسی کا محتاج رہتا ہی

نہیں۔ اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ ایک کلمہ حق عطا کر کے اللہ نے انہیں ساری کائنات سے مستغنی کر دیا کسی کی کوئی احتیاج نہیں کسی کا کوئی محتاج نہیں۔ یہ دردر کی جبہ سائی سے چھڑا دیتا ہے۔

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے آدمی کو دیتا ہے نجات

یہ ماوشما کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے چھڑا دیتا ہے۔ بندہ ساری مخلوق سے مستغنی ہو جاتا ہے اس لیے کہ اس کے سامنے اللہ کریم کا دروازہ ہوتا ہے تو جب اللہ نے ان پر اتنا بڑا انعام فرمایا حالانکہ یہ وہی لوگ ہیں جو کبھی کسی بت کے آگے ماتھا ٹیکتے پھرتے تھے، کبھی کسی جادوگر کے آگے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوتے تھے، کبھی ستاروں کی پوجا، کبھی آگ کی پرستش کرتے، دردر کے دھکے کھاتے تھے ایک کلمہ حق نے انہیں تمام دروازوں سے ہٹا کر ان سب سے مستغنی کر دیا اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ اللہ نے انہیں غنی کر دیا۔ اب انہیں کسی کی احتیاج نہیں رہی۔ سوائے اللہ کے یہ کسی کے محتاج نہیں رہے۔ وَرَسُوْلُهٗ اور یہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کرم ہے کہ یہ دولت غناء اللہ کے بندوں تک اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے پہنچائی۔ آج کل تو ایک مکتب فکر ایسا بھی ہے جو کہتے ہیں نبی ﷺ کا کام تھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ سے دین لیا لوگوں کو پہنچا دیا بات ختم ہوگئی اس سے آگے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا منصب ہے۔ یہ بھی منافقت ہے یہ بھی کفریہ عقیدہ ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم صرف بات نہیں پہنچاتا بات کی کیفیت بھی دل میں انڈیلتا ہے۔ دنیا کے جتنے ظاہری علوم ہیں وہ سارے تھیوری پہنچاتے ہیں، ظاہری علوم کے کسی شعبہ میں علم حاصل کرنے جائیں وہ اس چیز کے متعلق تمام باتیں سکھاتے ہیں۔ اس کی بہتری، اس کی خرابی، اس کے فوائد، اس کے نقائص، اس کو کھولنا، اس کو جوڑنا سب بتاتے ہیں۔ شعبہ طب میں انسانی وجود کے بارے، اس کی صحت، اس کی بیماریاں ان کے اسباب، بیماریوں کا علاج یہ سارا بتاتے جائیں گے۔ کیفیات کسی میں نہیں ہوتیں۔ سارے علوم خبر کے درجے میں ہوتے ہیں کیفیت کے درجے میں نہیں۔ دنیا کے جتنے علوم ہیں وہ آپ کو خبر دیتے ہیں کیفیت نہیں دیتے۔

نبیؐ صرف خبر دینے والا نہیں ہوتا نبیؐ جو خبر دیتا ہے اس خبر کے ساتھ کیفیت بھی عطا فرماتا ہے اور جب نبیؐ کے بتانے پر کوئی کہتا ہے لا الہ الا اللہ تو اس کے دل میں پھر ایسی کیفیت آ جاتی ہے کہ پھر وہ اللہ کے سوا کسی کو معبود ماننے کو تیار ہی نہیں ہوتا۔ نبیؐ جب یہ خبر دیتا ہے تو وہ جو اس خبر میں کیفیت ہوتی ہے نبیؐ وہ کیفیت بھی عطا فرماتا ہے

یہ عظمت نبوت ہوتی ہے ہر نبی کی کیفیات تب تک رہتی ہیں جب تک اس کا عہد نبوت رہتا ہے۔ انبیاءؑ قوموں کی طرف مبعوث ہوئے، مخصوص قوموں کی طرف مبعوث ہوئے، مخصوص شہروں یا علاقوں میں مبعوث ہوئے، مخصوص وقت کے لیے مبعوث ہوئے۔ اگر وہ شہید ہو گئے قتل کر دیئے گئے، دنیا سے رحلت فرما گئے، وصال فرما گئے تو جب تک ان کی نبوت جاری رہی تب تک برکات بھی جاری رہیں جب اس علاقے میں نئی نبوت آ گئی، کوئی نئی کتاب آ گئی، کوئی نیا دین آ گیا وہ برکات ختم ہو گئیں نئی شروع ہو گئیں۔ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت نے سارے پہلے دروازے بند کر دیئے۔ بارگاہ الوہیت میں ایک دروازہ کھلا رہ گیا اور وہ ہے اتباع محمد رسول اللہ ﷺ۔ اس کی معیاد کب تک ہے؟ جب تک عالم آب وگِل قائم ہے نبوت محمد رسول اللہ ﷺ کی ہے۔ دنیا کے ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک آج بھی نبوت حضرت محمد ﷺ کی ہے۔ آج بھی ہم کلمہ پڑھتے ہیں لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ کیا کسی کلمے میں آتا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور اگر کوئی یہ پڑھے کہ رسول تھے تو کیا وہ مسلمان ہو جائے گا؟ نہیں آج بھی اور قیامت تک یہی کلمہ پڑھا جائے گا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ جب رسول ﷺ ہیں تو پھر صرف الفاظ نہیں آنے چاہیں ان کے ساتھ کیفیات بھی آنی چاہئیں اور اگر کیفیات نہیں آتیں تو پھر ہمیں اپنا جائزہ لینا پڑے گا کہ میں کلمہ پڑھتا ہوں تو اس میں کیفیات کیوں نہیں آتیں۔ چونکہ اس طرف سے تو بند نہیں ہوتیں۔ وہ سورج تو کبھی غروب نہیں ہوتا وہ شاعر نے کہا تھا:

افلت شموس الاولین والشمسنا
ابداً اولی افق علی لاتغرب

پہلے نبی بھی سورج تھے طلوع ہوئے غروب بھی ہو گئے۔ ان کا عہد نبوت شروع بھی ہوا ختم بھی ہو گیا لیکن ہمارا سورج حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ اعلیٰ افق پر ہے کبھی غروب نہیں ہوگا تو برکات آج بھی بٹ رہی ہیں آج بھی ایک دفعہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنے سے سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں، بندہ دوزخ سے بری ہو جاتا ہے، جنت کا مستحق ہو جاتا ہے۔ ہم جو ساری عمر کلمہ پڑھتے ہیں، نمازیں پڑھتے ہیں، روزے رکھتے ہیں ہمیں اپنی نجات کا اعتبار ہی نہیں ہوتا۔ ہم مرنے سے ڈرتے رہتے ہیں، ساری عمر ڈرتے رہتے ہیں اور ڈرتے ڈرتے مرجاتے ہیں۔ دیکھنا یہ ہوگا کہ میں نے صرف الفاظ قبول کیئے ہیں یا کیفیات بھی آئی ہیں۔ کیفیات دلوں سے دل میں آتی ہیں۔ عہد نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام میں جسے صحبت رسول ﷺ نصیب ہوئی وہ صحابیؓ

ہوگیا۔ وہ کیفیت جو منصب صحابیت ؓ پر پہنچا دیتی ہے اس کے لیے صحبت یا ہم مجلس ہونا شرط تھا۔ خواہ ایک نظر حضور ﷺ نے اسے دیکھ لیا یا اس کی نظر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود باجود پر پڑ گئی اس ایک نگاہ میں اسے وہ دولت مل گئی کہ وہ شرف صحابیت پر فائز ہوگیا لیکن امت کے اکابرین میں اور امت کے بڑے بزرگ ترین لوگوں میں اور تابعین کی لاثانی شخصیت اور عاشقوں کے سردار حضرت خواجہ اویس قرنیؒ بڑے عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس حد تک محبت تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا فاروق اعظم ؓ کو فرمایا تھا کہ جب تمہیں اویس ملے تو اسے میرا اسلام پہنچانا اور اسے یہ بھی کہنا کہ میری امت کی بخشش کی دعا بھی کرے۔ کتنا بڑا مقام ہے۔ پھر یار لوگوں نے قصے جوڑ لیے ہیں کہ فاروق اعظم انہیں تلاش کرنے گئے اور پھر انہیں دریا کے کنارے ملے یہ سب خرافات ہیں۔ عہد فاروقی میں وہ خود مدینہ منورہ آئے تھے۔ سیدنا فاروق اعظم اس وقت امیر المومنین تھے اور ان سے ان کی ملاقات ہوئی اور انہوں نے انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سلام بھی پہنچایا اور پیغام بھی پہنچایا۔ پھر وہ مدینہ منورہ سے منتقل ہو کر کوفہ چلے گئے اور کوفہ میں سکونت اختیار کی اور وہیں ان کا وصال ہوا۔ اب یار لوگ جوان کے نام پر چندے کرتے ہیں اور جلسے کرتے ہیں انہوں نے تو پتہ نہیں آج بھی ان کی قبر یمن میں ہی بنائی ہوئی ہے لیکن سیرت یہ بتاتی ہے کہ وہ مدینہ منورہ آئے پھر وہاں سے کوفہ منتقل ہو گئے وہیں وصال ہوا وہیں ان کا مدفن ہے۔ اب بندے کی محبت اور عشق اور نسبت کو دیکھو کہ سینکڑوں میل دور ایک ویرانے میں پڑا ہے اور اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بتا دیا کہ وہ حاضر ہوں گے لیکن عہد فاروقی میں سیدنا ابوبکر صدیق کو تو پیغام نہیں دیا۔ اللہ نے بتا دیا ہوگا کہ عہد فاروقی میں حاضر ہوں گے تو فاروق اعظم کو دیا کہ جب تمہاری ان سے ملاقات ہو تو میرا اسلام کہنا اب کیا بندہ ہوگا اور کیا اس کا مقام ہوگا جس کے لیے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام بھیجا لیکن وہ صحابیؓ نہیں ہیں۔ کمال ہے اتنی عظمت، اتنا عشق اب بھی جب روحوں کو ارواح سے بلا واسطہ اور غائبانہ طور پر برکات نصیب ہوتی ہیں تو اس نسبت کو نسبت اویسیہ کہتے ہیں۔ حضرت اویس قرنیؒ ہمارے سلسلے کے مشائخ میں سے نہیں ہیں لیکن ہماری نسبت، ہمارا عشق، ہماری محبت اس انداز کی ہے جیسے انہوں نے حضور ﷺ سے کی۔ اس لیے ہمارے سلسلے کو اویسیہ کہتے ہیں لیکن صحابیت کے لیے تو صحبت شرط تھی لہٰذا صحابیؓ نہیں بن سکے۔ صحابہؓ کی زیارت ہوئی اس لیے تابعیؒ بنے تو حصول برکات کے لیے صحبت شرط تھیں جنہیں صحابہؓ کی صحبت نصیب

ہوئی وہ تابعی بن گئے جنہیں تابعین کی صحبت نصیب ہوئی وہ تبع تابعین بن گئے۔ اب بھی اگر کوئی کیفیات کا متلاشی ہے کہ کہ میں کلمہ پڑھوں تو توحید حق دل میں اتر جائے، غیر سے مستغنی ہو جاؤں اور میں محمد رسول اللہ ﷺ پڑھوں تو برکات سے سینہ منور ہو جائے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی برکات سے سینہ روشن ہو جائے تو پھر کسی ایسے شخص کی صحبت اختیار کرے جس کا سینہ خود منور ہو اور جس میں آگے بانٹنے کی صلاحیت بھی ہو۔ یہ دو شرطیں ہیں۔ کتنے لوگ ہوتے ہیں جو پڑھ لکھ کر عالم بن جاتے ہیں ایم اے کر جاتے ہیں، پی ایچ ڈی کر جاتے ہیں، ڈاکٹر بن جاتے ہیں لیکن وہ پڑھا نہیں سکتے۔ کچھ ہوتے ہیں جو پڑھ بھی لیتے ہیں آگے منتقل بھی کر لیتے ہیں پڑھا بھی سکتے ہیں

''ہر کہ را اید آند اند''

کچھ ہوتے ہیں جو پڑھ لکھ کر بڑے مقرر بن جاتے ہیں لیکن وہ پڑھا نہیں سکتے۔ کوئی پڑھا سکتے ہیں لیکن انہیں کہیں بیان کریں وہ تقریر نہیں کر سکتے۔ اللہ کریم کسی کو کوئی صفت دیتا ہے کسی کو کوئی کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو پڑھ بھی لیتے ہیں پڑھا بھی سکتے ہیں اسی طرح علماء حق میں کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو علوم بھی حاصل کرتے ہیں اور کیفیات بھی حاصل کرتے ہیں اور پھر ان میں کچھ تو اپنی ذات تک محدود رہتے ہیں اور کچھ جنہیں اللہ توفیق دیتا ہے وہ آگے پہنچا سکتے ہیں اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ تو جسے استغنا چاہیے جسے غیر اللہ سے مستغنی ہونا ہو وہ پھر ایسا بندہ تلاش کرے جو کیفیات و برکات نبوت کا امین ہو اور پھر اس کے دل سے اپنے دل میں وہ کیفیات انڈیلے پھر کلمہ پڑھنے کا مزا آئے گا، حق ادا ہو گا۔

فرمایا: یہ ساری باتیں کرنے کے بعد کہ انہوں نے اسلام قبول کیا۔ اللہ نے ان کا اسلام قبول کر لیا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا اسلام قبول کر لیا۔ اس ایک کلمے کے بدلے انہیں کائنات کی غلامی سے چھڑا دیا، انہیں غنی کر دیا اور یہ ایسے ناشکرے ہیں انہوں نے اس کا یہ بدلہ دیا کفریہ کلمات کہہ کر کافر ہو گئے اور منافق بن گئے۔ منافق اس کافر کو کہتے ہیں جس کے عمل تو کافرانہ ہوں دعویٰ اسلام کا ہو کہ میں مسلمان ہوں۔ تو اگر اس معیار سے ہم ڈھونڈنے لگیں تو دنیا بھری پڑی ہے یہ بہت بڑا جرم ہے بڑی سخت سزا بڑی وعید ہے وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۖ یہ بھاگ دوڑ رہے ہیں ان کا ٹھکانہ ان کی ساری کوشش کا حاصل کیا ہو گا؟ دوزخ جو بہت بری جگہ ہے۔ اس سب کے بعد بھی وہ رب اتنا کریم ہے پھر فرماتا ہے: فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ پھر یہ توبہ کر لیں تو

میں انہیں معاف کردوں گا۔ سبحان اللہ! کیا کچھ کر چکے۔ ان پر کتنی برہمی کا اظہار ہوا، کتنے غضب کا اظہار ہوا، کتنی سزائیں بیان کی گئیں اور پھر کہا گیا کہ تم اتنے ناشکرے ہو کہ میں نے تو تمہیں غیر اللہ سے مستغنی کر دیا تھا پھر تم خواہشوں کے اسیر ہو گئے پھر تم نے اپنی پوجا یعنی اپنی خواہشات کی پوجا شروع کر دی مَنِ اتَّخَذَ اِلٰـهَهٗ هَوٰىهُ (الجاثیہ:23) یعنی اپنی خواہشات نفس کے لیے جب اللہ اور اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کو چھوڑ کر لوگوں کی خوشامد کرتے ہو تو اللہ کہتے کہ اس نے تو اپنی نفس کی خواہش کو معبود ہی بنالیا یہ تو اس کی اطاعت کر رہا ہے۔ عبادت اطاعت کو کہتے ہیں۔ جب میرے حکم کے مقابلے میں اپنے نفس کی، اپنی خواہش کی اطاعت کر رہا ہے تو یہ دراصل اپنی خواہش کی عبادت کر رہا ہے اور منافق کے لیئے فرمایا اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِى الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ (النساء:145) یہ دوزخ کے سب سے نچلے درجے میں ہوں گے۔ حدیث شریف میں اس کی تشریح ہے کہ منافقوں کی خوراک بھی سب سے زیادہ ہوگی اور کفار کے زخموں سے جو خون اور پیپ بہہ کر نیچے جمع ہوگا وہ منافقین کی غذا ہوگا۔ یہ سارا بیان کرنے کے بعد فرماتا ہے کہ جب تک بندہ دنیا میں زندہ ہے میں نے اس کے لیے توبہ کا دروازہ بند نہیں کیا۔ اب بھی اگر یہ توبہ کرلیں تو ان کے لیے بہت بہتر ہے۔

باز آ باز آ ہر آں چہ ہستی باز آ
گر کافر و جبر و بت پرستی باز آ
ایں در گہہ ما درگہہ ناامیدی نیست
صدبار اگر توبہ شکستی باز آ

تو کافر ہے بت پرست ہے جو کچھ بھی ہے اس سے باز آجا چھوڑ اس کو باز آجا۔ اور اگر سو بار توبہ کر کے پھر توڑ چکا ہے تو اس کا علاج پھر توبہ ہے پھر واپس آجا۔ اس کا مطلب ہے جو جہنم میں جاتا ہے بڑی محنت کر کے جاتا ہے۔ دنیاوی مشکلات بھی سہتا ہے لوگوں کی بھی برداشت کرتا ہے شیطانی اثرات میں جکڑا رہتا ہے اور ساری عمر پریشان رہتا ہے اور یہ ساری مشقت اٹھا کر جہنم میں جا گرے گا اور جو دامن حق تھام لیتا ہے، اطمینان سے زندگی بسر کرتا ہے، سکون سے مرتا ہے اور اللہ کی رحمت کو پالیتا ہے۔ مال کی تنگی یا فراخی، صحت یا بیماری یہ نظام قدرت ہے یہ ہر چیز پر چھایا رہتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں بارشیں ہوں گی ہر طرف گھاس اگے گی، پھول نکلیں گے، جنگل وصحرا گلستان بن جائیں گے پھر وہی پھول سوکھ کر خاک ہو جائیں گے، وہی گھاس سوکھ کر مٹی میں مل جائے گی پھر چٹیل میدان ہو جائے گا۔ قدرت کا ایک نظام ہے انسان بھی اس کا حصہ ہے کبھی دولت آجاتی ہے کبھی محتاجی آجاتی ہے

غربت آجاتی ہے کبھی صحت بہت اچھی ہوتی ہے کبھی بندہ اٹھنے کے قابل نہیں ہوتا بیمار ہو جاتا ہے یہ ایک نظام ہے جو چلتا رہتا ہے۔اب ان دونوں کے درمیان دیکھا یہ جاتا ہے کہ اگر اسے آسانیاں ملیں تو کیا اس نے شکر کیا یا کہ متکبر ہو گیا؟ مشکلیں آئیں تو کیا اللہ کے در پہ جما رہا یا غیروں کے در پہ جبہ سائی کرنے نکل کھڑا ہوا؟ فرمایا جو کچھ بھی کر چکے فَاِنْ یَّتُوْبُوْا یَكُ خَیْرًا لَّهُمْ ۚ اب بھی اگر یہ توبہ کرلیں میں ان کی توبہ قبول کرلوں گا۔ان کی بہتری ہو جائے گی۔یہ ان کے لیئے خیر ہوگی وَاِنْ یَّتَوَلَّوْا اگر یہ اپنی بات پر اڑے رہے اگر انہوں نے روگردانی کی یُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِیْمًا ۙ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ پھر یہ یاد رکھو اللہ انہیں بہت دردناک عذاب دے گا دنیا میں بھی دے گا آخرت میں بھی دے گا۔اس کی گرفت بڑی سخت ہے۔لوگ شہرت عزت کے لیے کیا کیا جتن کرتے ہیں۔غلط ذرائع سے جو شہرت دولت جمع کی جاتی ہے وہ آخرت میں بے عزت کرنے کا سبب بن جاتی ہے۔شہرت بدنامی میں بدل جاتی ہے اور عزت خاک میں مل جاتی ہے۔دل میں طوفان بنتے ہیں سکون نہیں ہوتا۔اربوں روپے کا مالک ہوتا ہے لیکن ڈاکٹر اسے کھانا کھانے سے روک دیتے ہیں ایک ارب پتی شخص سے کسی نے کہا ہمارے ساتھ کھانے میں شریک ہو جائیں تو کہنے لگا میرے نصیب میں تو ابلا ہوا آلو ہے یا ابلا ہوا انڈا اس کے سوا میں کچھ نہیں کھا سکتا۔اس کے پاس اربوں، کھربوں روپے ہیں، لاتعداد ذاتی گاڑیاں ہیں، ذاتی ہوائی جہاز اور ہیلی کاپٹر ہیں۔سرکاری اہل کار اس سے جہاز مانگ کر اڑائے پھرتے ہیں خود بیچارے کو ایک نان جویں میسر ہے تو کیا فائدہ ان اربوں روپے کا کہ ایک وقت کا کھانا میسر نہیں۔ایک مزدور سوکھی کھا کے پیٹ بھر کے ٹھنڈا پانی پی کے الحمدللہ کہتا ہے لیکن وہ راحت اس ارب پتی کی قسمت میں نہیں ہے۔

فرمایا یہ لوگ بارگاہ الوہیت سے روگردانی کرتے رہے اطاعت پیغمبر کو شعار نہ بنایا اللہ انہیں عذاب دے گا اور نہ صرف عذاب بلکہ دردناک عذاب دے گا عَذَابًا اَلِیْمًا ۙ صرف آخرت میں ہی نہیں فرمایا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ دنیا میں بھی دے گا آخرت میں بھی دے گا۔فرمایا انہیں یہاں بھی رسوا کروں گا یہ یہاں بھی تکلیف میں، ہوں گے، ذلیل بھی ہوں گے، دل پریشانیوں میں گھرے ہوئے ہوں گے اور آخرت میں بھی ان کے لیے عذاب ہوں گے۔وَمَا لَهُمْ فِی الْاَرْضِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ ۝ یہ بڑوں بڑوں سے رشتے جوڑتے رہیں کوئی بڑے سے بڑا آدمی روئے زمین پر ان کی مدد کرنے کے قابل نہیں ہے۔کوئی ان کی مدد نہیں کر سکتا کوئی انہیں ان پریشانیوں سے نجات نہیں دے سکے گا۔کوئی ان کے ان دکھوں کا مداوا نہیں بن سکے گا۔وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ۝ یہاں بھی وہی منافقین کی

نشانیاں چل رہی ہیں۔ یہ بڑی دعائیں کرتے ہیں اللہ تو ہمیں فراخی دے، ہمیں مال دے، عہدہ دے تو تیری مخلوق کے ساتھ بڑا انصاف کریں گے۔ تیری مخلوق کو اس میں حصے دار بنائیں گے۔ اپنا مال لوگوں کی بہتری کے لیے خرچ کریں گے۔ تیری مخلوق کی بھلائی کریں گے۔ یہ اللہ سے وعدے کرتے ہیں لَئِنۡ اٰتٰٮنَا اگر تو ہمیں عطا کردے اپنی مہربانی سے عہدہ دے دے تو میں بڑا انصاف کروں گا۔ مجھے دولت دے دے میں تیری مخلوق کی خدمت کروں گا لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوۡنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيۡنَ۝ تو ہمیں دولت دے ہم تیرے نام پر بانٹیں گے۔ تو ہمیں عہدہ دے ہم تیرا انصاف اور عدل ملک میں عام کر دیں گے اور ہم تیرے نیک بندوں میں شامل ہو جائیں گے۔ فرمایا فَلَمَّاۤ اٰتٰٮهُمۡ مِّنۡ فَضۡلِهٖ جب اللہ ان پر مہربانی کر دیتا ہے۔ غیر متوقع طور پر بڑے عہدے پر پہنچ جاتے ہیں۔ کسی علاقے کے افسر لگ جاتے ہیں کسی ملک کے سربراہ بن جاتے ہیں کسی قوم کے لیڈر بن جاتے ہیں بَخِلُوۡا بِهٖ پھر ان کے دل میں بخل آ جاتا ہے۔ پھر جن کے لیڈر بنتے ہیں انہیں لوٹنا شروع کر دیتے ہیں۔ جن کے سربراہ بنتے ہیں۔ ان پر ظلم کرتے ہیں۔ جن کے سردار بنتے ہیں ان کی عزتوں سے کھیلتے ہیں اور روز نئے حیلے نئے طریقے سے ان سے پیسے وصول کرتے رہتے ہیں حکمران بن جائیں تو نئے نئے ٹیکس بنا کر لے لیتے ہیں۔ پیر اور لیڈر اور سیاستدان بن جائیں تو نئے نئے ناموں سے چندے وصول کرتے ہیں۔ دین کے نام پر سیاسی جماعتیں بن گئیں اللہ سب کو توفیق عمل دے لیکن یہی بات تو یہ ہے کہ سیاسی جماعتیں ہوں یا دینی جماعتیں یہ زکوٰۃ اور قربانی کی کھالیں اور فطرانے کے پیسے سیاسی جلسوں اور سیاسی سفروں پر لگانے کا شرعی جواز کیا ہے؟ اللہ فرماتا ہے منافقین کی نشانی یہ ہے کہ جب میں انہیں عہدے دیتا ہوں تو یہ دینے کی بجائے انہیں لوٹنا شروع کر دیتے ہیں۔ اللہ سے وعدے کرتے ہیں اللہ سے دعائیں مانگتے ہیں کہ اللہ مجھے کوئی موقع دے میں تیرے بندوں کی خدمت کروں گا فرمایا جب میں انہیں موقع دیتا ہوں تو یہ میرے بندوں پر عذاب بن کر مسلط ہو جاتے ہیں۔ وَتَوَلَّوۡا ان سارے وعدوں سے پھر جاتے ہیں ساری باتوں سے پھر جاتے ہیں وَّهُمۡ مُّعۡرِضُوۡنَ۝ بالکل مکرنے والے بن جاتے ہیں جیسے کوئی بات ہوئی ہی نہیں تھی پھر انہیں یاد ہی نہیں رہتا۔ پھر انہیں نہ موت یاد رہتی ہے نہ آخرت یاد رہتی ہے نہ عظمت الٰہی یاد رہتی ہے اور لوٹنے پر آ جاتے ہیں جو یہ جرم کرتے ہیں انہیں سزا یہ دی جاتی ہے فَاَعۡقَبَهُمۡ نِفَاقًا فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ اِلٰى يَوۡمِ يَلۡقَوۡنَهٗ ان کے دلوں میں اللہ نفاق ٹھونس دیتا ہے۔ اس جرم کی سزا یہ ہے کہ انہیں توبہ کی توفیق بھی نہیں ہوتی فَاَعۡقَبَهُمۡ نِفَاقًا فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ ان کے دلوں میں نفاق ٹھونس دیا جاتا

ہے۔ اگر کوئی کسی نیک کام کی دوسروں کو ترغیب دیتا ہے تو اس نیک کام میں کچھ حصہ تو اسے بھی ڈالنا چاہیے لیکن ہوتا کیا ہے؟ شب برأت پر جو رسمیں کی جاتی ہیں اس میں غریبوں کے گھر سے، عوام کے گھر سے، مولوی صاحب کے گھر میں تو دولت ہی آتی ہے میلاد پر نعت خوانوں کو بھی روپے مل رہے ہیں، پیر صاحب کو بھی روپے مل رہے ہیں غریب ہی دے رہے ہیں۔ گویا غریبوں پر ہی سخاوت فرض ہے۔

اللہ فرماتے ہیں اس جرم کی سزا یہ ہے فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ میں ان کے دلوں کو نفاق سے بھر دیتا ہوں اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ حتیٰ کہ قیامت کو جب اللہ کے روبرو پیش ہوں گے تب تک ان کے دل نفاق سے بھرے ہوئے ہوتے ہیں یا اللہ اتنی سخت سزا! بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ فرمایا ان کا جرم بھی تو اتنا ہے کہ اللہ سے وعدہ کر کے اس کی مخالفت کی۔ یہ وہی ہیں جو رو رو کر دعائیں مانگتے تھے یہ وہی ہیں مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے دیتے تھے یہ وہی ہیں جو مجھے بزرگان دین کے واسطے دیتے تھے۔ یہ وہی ہیں جو مجھے میری رحمت کے واسطے دیتے تھے۔ یہ وہی ہیں جو میری بارگاہ سے مانگا کرتے تھے کہ تو دیکھ ہم تیری مخلوق کی کتنی خدمت کرتے ہیں۔ جب میں نے انہیں تھوڑی سی اہمیت دے دی تو یہ میری مخلوق کو لوٹنے پہ آگئے۔ اس کی سزا یہ ہے کہ میں نے ان کے دلوں میں نفاق بھر دیا ہے۔

میں تو خود گناہ گار آدمی ہوں اللہ مجھے معاف فرمائے میری توبہ قبول فرمائے اور جان بوجھ کر اور نادانستہ جو گناہ ہوتے ہیں اسے معاف رکھے میں کسی فرد کا نام نہیں لیتا۔ آپ خود تلاش کریں کتنے لیڈران کرام ہیں جو آج ایک وعدہ کرتے ہیں اور اگلے سال بالکل اس کے خلاف وعدہ کرتے ہیں کبھی آپ اپنی سیاسی تاریخ نکال کر اسے تلاش کریں تو آپ کو پتہ چلے گا کہ جب یہ بندہ پچھلے سال تھا تو یہ وعدے کر رہا تھا کہ ظالم کا تختہ الٹ دیں گے اور جب وقت آیا تو بہانہ کر کے پیچھے ہٹ گئے یعنی کوئی ایک بات سچی نہیں ہوتی۔ کیوں سچی نہیں ہوتی؟ جس بندے کے دل میں نفاق ہو اس کی باتیں کھری نہیں ہوتیں اور اللہ فرماتا ہے انہوں نے مجھ سے وعدہ کر کے مجھ سے بھی وعدہ خلافی کی ہے تم کس امید پر پھرتے ہو میں نے تو ان کے دل منافقت سے بھر دیئے ہیں اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ میدان حشر میں یہ منافقت لے کر ہی میری بارگاہ میں آئیں گے بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ چونکہ انہوں نے اللہ سے وعدے کر کے وعدہ خلافی کی وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ۝ اور اس وجہ سے کہ یہ ساری عمر جھوٹ ہی بولتے رہے۔ ہر بندے سے جھوٹ ہی بولتے رہے۔ اپنوں سے بھی جھوٹ پرایوں سے بھی جھوٹ۔ فرمایا: اس کی سزا میں دنیا میں بھی دوں گا۔ دنیا میں اور آخرت میں دونوں جگہ الگ الگ سزا ہوگی اور منافقین کو دنیا میں ذلیل بھی

کروں گا رسوا بھی کروں گا کوئی سکون کا سانس انہیں نصیب نہیں ہوگا اور کوئی ان کی مدد بھی نہیں کر سکتا۔ ان کے پاس حکومتیں ہوں گی دل کا سکون نہیں ہوگا۔ ان کے پاس اقتدار ہوگا لیکن لوگوں کی بددعاؤں کی چھاؤں میں۔ ان کے پاس اختیارات ہوں گے لیکن یہ بے بسی کی تصویر بنے ہوئے ہوں گے۔ میں ان کو ایسے عذاب دوں گا جن سے ان کو کوئی نکال نہیں سکے گا۔ اللہ کریم توبہ کی توفیق دے اور کبھی توبہ کی توفیق سلب نہ فرمائے ہم دوسروں کی مثالیں دیتے رہتے ہیں اپنے آپ پر غور کرنا چاہیے ہم میں سے ہرایک کے پاس ایک عہدہ ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: الا ان کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیتہ (شعب الایمان) فرمایا تم میں سے ہر بندہ حکمران ہے۔ کسی کا اپنے خاندان پر حکم چلتا ہے کسی کا محلے پر کسی کا شہر پر کسی کا ملک پر اور جس کا کچھ نہیں کم از کم وہ اپنے ساڑھے چھ فٹ کے وجود کا حکمران اپنے ساڑھے چار ہاتھ وجود کا حکمران تو وہ خود ہے۔ ہر بندے کا قد ساڑھے چار ہاتھ ہوتا ہے اس کا قد اپنے ہاتھ کے حساب سے ہے یہ بھی عجیب قدرت کا نظام ہے کہ جس قدر کا بندہ ہوا تنا ہی اس کا ہاتھ ہوتا ہے اور ہر بندے کا قد ساڑھے چار ہاتھ ہوتا ہے تو اس ساڑھے چار ہاتھ کی ریاست پر تو کم از کم حکمران ہے۔ اسی پر ارشاد نبوی صادق آتا ہے فرمایا: الا ان کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیتہ او کما قال رسول اللہ ﷺ تم میں سے ہرایک سے اس کی رعیت کے بارے میں پوچھ گچھ ہوگی۔ جس کا حکم اپنے بدن پر چلتا ہے اس سے بدن کے بارے میں، جس کا حکم اپنے گھر پر چلتا ہے، اس کے بارے کہ اپنے گھر کے بارے میں کیا انصاف کیا، کیا نیکی کی تعلیم دی، کیا برائی سے روکا، اولاد کے ساتھ کیا سلوک کیا، بیوی کے ساتھ کیا سلوک کیا، والدین کے ساتھ کیا رشتہ رکھا، کس کس کے حقوق ادا کیئے، کس کس کو چھوڑا، کس کس کو تکلیف پہنچائی؟ تم میں سے کوئی گھر کا حکمران ہے کوئی شہر کا حکمران ہے کوئی ضلع کا حکمران ہے کوئی ممالک کا حکمران ہے محاسبہ سب کا ہوگا۔ اللہ کریم اپنی اور اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی توفیق عطا فرمائے اور اس کی بارگاہ عظیم ہے ہماری توبہ قبول فرمائے اور اپنی نافرمانی سے اپنی ہی پناہ میں رکھے۔

منافقین کو تنبیہ فرماتے ہوئے ارشاد ہوا اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا ان کو یہ خبر نہیں کہ جب یہ دعویٰ ایمان کرتے ہیں تو یہ کس پر ایمان لاتے ہیں۔ اللہ کی ذات ارفع و اعلیٰ ہے اس کی صفات اس کی صفات ہیں۔ اس کی عظمت ناپیدا کنار ہے، اس کا علم لامحدود ہے۔ وہ ہر آن ہر شئے کو دیکھ رہا ہے۔ فرمایا: اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ جو باتیں یہ چھپ کر کرتے ہیں۔ رات کے اندھیروں میں، گھروں کے گوشوں میں جو سرگوشیاں کرتے ہیں وہ سب کچھ اللہ کے سامنے ہے۔ اللہ سے کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں ہے۔

یعنی منافق کا کردار یہ ہے کہ لوگوں کے سامنے خود کو نیک و پارسا ثابت کرے اور تنہائی میں اللہ اور اللہ

کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کر کے اپنی خواہشات کی تکمیل کرے۔ ایسے لوگ اگرچہ ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن ان کے پاس ایمان نہیں ہے۔ اگر ایمان ہوتا تو پھر وہ اس بات سے بے نیاز ہوتے کہ لوگ انہیں نیک سمجھتے ہیں یا نہیں۔ اس سے فرق نہ پڑتا لیکن انہیں یہ یقین ہوتا کہ اللہ کریم میرے دل کے اندر پلنے والے خیالات کو بھی دیکھ رہے ہیں۔ اللہ کریم جانتے ہیں کہ میں دل کی گہرائیوں میں کیا سوچتا ہوں اور عمل کیا کرتا ہوں گویا آج بھی اگر کوئی بظاہر پارساؤں جیسی شکل بنالے، خاص حلیہ اختیار کرلے لیکن ذاتی اور عملی زندگی میں اور ہی کردار ہو تو یہ منافقت کی ایک قسم ہے ایمان کا تقاضا تو یہ ہے کہ اللہ کی ذات کو اس کی جملہ صفات کے ساتھ مانے اور صفات باری وہی ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائیں۔ جو قرآن حکیم میں موجود ہیں جن کی تشریح حدیث مبارک میں فرمائی گئی ہے۔

فرمایا جب یہ ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں تو یہ بات کیوں نہیں جانتے کہ اللہ کریم ان کے دلوں کے راز اور ان کی سرگوشیاں سب سے آگاہ ہے۔ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ اللہ تمام پوشیدہ باتوں کو جاننے والا ہے۔ ہر بات بندوں سے چھپائی جاسکتی ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے چرب زبانی کر کے بات چھپالے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی بات فرشتے کے علم میں نہ آئے لیکن جب ذات باری کی بات آتی ہے تو پھر اس ذات سے کوئی بات چھپ نہیں سکتی۔

ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ کو اس کی جملہ صفات کے ساتھ مانا جائے اور ماننے کا تقاضا یہ ہے کہ بندے کا کردار اور اس کی عملی زندگی ویسی ہو جیسی تنہائی میں ہوتی ہے۔ یعنی ظاہر و باطن ایک ہو۔ یہ نہیں کہ لوگوں میں پارسا دکھائی دیں اور تنہائی میں لوگوں کا مال بٹور رہے ہوں، عزتیں برباد کردیں، خود کو بڑا کہلوانے کے لیے لوگوں کا خون بہائیں۔ اپنی بڑائی کے لیے دوسروں کے حقوق چھیننے کا مطلب یہ ہے کہ اس شخص نے اللہ کو نہیں مانا۔

منافقوں کی ایک اور عادت کا تذکرہ فرماتے ہوئے ارشاد ہوا اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ کہ جب اللہ کے نیک بندے اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ غریبوں کی مدد کرتے ہیں، بے کسوں، یتیموں کو سنبھالتے ہیں، کسی کو لباس، کسی کو کھانا جو توفیق ہو خرچ کرتے ہیں تو منافقین ان پر طنز کرتے ہیں۔ یعنی نفاق کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ جو کوئی بھلا کام کر رہا ہو تو یہ اس پر طنز کرتے ہیں کہ اس کے پاس دولت کیا آئی ہے یہ تو اپنی بڑائی کی اشاعت پر لگا ہوا ہے حالانکہ مومن تو خلوص سے اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے اور منافقین کے طنز کا دوسرا انداز یہ ہے کہ وہ صرف صاحب ثروت لوگوں پر ہی طنز نہیں کرتے بلکہ مخلص مگر غریب لوگوں کے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کو بھی نشانہ بناتے ہیں۔ کچھ مومن جو اگرچہ غریب ہوتے ہیں لیکن محنت کر

کے تھوڑا سا کما کر لائیں اور اس میں سے بھی اللہ کی راہ میں کسی پڑوسی کی دیکھ بھال کرتے ہیں۔ پڑوسیوں کو فاقے سے بچا لیتے ہیں تو منافق ان پر بھی طنز کرتے اور ان کا مذاق اڑاتے ہیں فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ کہ اس کا صدقہ دیکھو چند لقموں کی سخاوت کر کے جنت خریدنے جا رہا ہے۔ فرمایا، جو لوگ اللہ کے مومن بندوں کا مذاق اڑاتے ہیں سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ اللہ ان کا مذاق اڑاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ تو مذاق اڑانے سے پاک ہے تو پھر ایسی صفت کو اللہ کی ذات کی طرف منسوب کرنے سے کیا مراد ہے۔ اس سے مراد ہے کہ اللہ کے نزدیک ایسے لوگوں کی کوئی حیثیت نہیں۔ یہ نہایت گھٹیا، بے وزن اور ہلکے لوگ ہیں۔ ان کی کوئی اہمیت نہیں اور اللہ کو ان کی کوئی پروا نہیں۔

یاد رہے جب اس طرح کی صفات جس ذات کی طرف منسوب ہوتی ہیں اس کا مفہوم اس ذات کی شان کے مطابق ہوتا ہے ہر جملے کے دو معنی ہوتے ہیں ایک معنی قریب جو اس کا مفہوم سمجھا گیا ایک معنی بعید یعنی جو اس کا نتیجہ ہو۔ حضرتؒ فرماتے تھے جب کوئی لفظ ذات باری کی طرف منسوب کیا جائے تو اس کا معنی بعید مراد ہوتا ہے۔

فرمایا: صرف یہ بات نہیں کہ اللہ کو ان کی کوئی پروا نہیں بلکہ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۹﴾ ان لوگوں کو بڑا دکھ دینے والا دردناک عذاب ہوگا۔ منافقین کو اللہ تعالیٰ رسوا کر دیتے ہیں۔ ان کی کوئی حیثیت نہیں رہ جاتی۔ صرف رسوائی پر بس نہیں ان کے لیے بڑا دردناک عذاب بھی تیار ہے۔

منافق ہمیشہ دنیاوی مفادات کے لیے بنتے ہیں اسی لیے مکہ مکرمہ میں کوئی منافق نہیں تھا۔ مکہ مکرمہ میں جو کلمہ پڑھتا اسے مصیبتوں کا مقابلہ کرنا پڑتا چونکہ وہاں قربانی دینا پڑتی تھی لہٰذا کوئی منافق نہیں تھا۔ مدینہ منورہ میں اسلامی ریاست بن گئی۔ دنیاوی مفادات نظر آنے لگے تو منافق بھی پیدا ہو گئے۔ یہ لوگ اندر سے کافر تھے بظاہر دعویٰ اسلام کرتے تھے تاکہ اسلامی ریاست سے مفادات حاصل کریں تو یہ کفر ہی کی ایک قسم ہے۔

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو بے حد کریم ہیں۔ آپ ﷺ بہت مہربانی فرماتے تھے یہ جانتے تھے کہ یہ شخص جھوٹ بول رہا ہے لیکن اسے جتاتے نہیں تھے۔ اگر اس کی تردید مقصود ہوتی تو سارے مجمع سے خطاب فرماتے کہ لوگو! ایسا کام نہ کیا کرو۔ کسی شخص کا نام لے کر نہیں فرماتے تھے کہ اس نے ایسا کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کرم تھا کہ جب ابن ابی مر گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے کفن کے لیے اپنا کرتہ مبارک دیا۔ اس کی نماز جنازہ پڑھائی۔ سیدنا فاروق اعظمؓ نے دامن اقدس ﷺ تھام کر عرض کی کہ اسے کرتہ نہ دیں اور نہ اس کی نماز جنازہ پڑھائیں جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہے کہ یہ منافق ہے تو

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ منافق ہے، میں تو اللہ کا کریم نبی ہوں (صلی اللہ علیہ وسلم) اس پر اللہ کریم نے فرمایا۔ اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! ایسے لوگوں کے لیئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم بخشش طلب فرمائیں یا نہ فرمائیں اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِیْنَ مَرَّةً اگر آپ ان کے لیئے بہت زیادہ دعا بھی کریں فَلَنْ یَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ اللہ ان کو نہیں بخشے گا۔ یہ نہیں بخشے جائیں گے۔

عربی میں ستر کا ہندسہ کثرت کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ لہٰذا یہاں فرمایا اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لیے ستر مرتبہ بھی مغفرت کی دعا فرمائیں تو یہ نہیں بخشے جائیں گے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا تو باران رحمت ہے۔ ابر رحمت جہاں بھی برستا ہے مردہ زمین میں جان پڑ جاتی ہے سبزہ نکل آتا ہے پھول نکلتے فصلیں اُگتی ہیں لیکن چٹانوں پر جو برستی ہے وہ اپنا سر پٹخ کر گزر جاتی ہے بلکہ ان پر جو تھوڑی بہت مٹی ہو تو وہ بھی اس کے ساتھ بہہ جاتی ہے اور چٹان سامنے آجاتی ہے۔ فرمایا آپ ﷺ تو کرم فرما رہے ہیں ان میں قبول کرنے کی استعداد بھی تو ہو مٹی میں تو قبولیت کی استعداد ہے چٹان تو قبول نہیں کرتی۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لیے مغفرت چاہیں یا نہ چاہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لیے بہت زیادہ بخشش بھی طلب فرمائیں فَلَنْ یَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ اللہ ان کو نہیں بخشے گا ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اللہ سے کفر کیا اور اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے کفر کیا۔ اتنا بڑا دھوکا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کہ دعویٰ ایمان کا اور کردار کافروں کا۔ انہیں یہ یقین ہی نہیں ہے کہ اللہ کے روبرو جواب دینا ہے۔ حلال حرام جائز ناجائز کیے جا رہے ہیں اور ساتھ یہ بھی کہتے ہیں اللہ کے فضل وکرم سے کرتے ہیں۔

مزامیر کو اللہ نے شریعت اسلامیہ نے حرام قرار دیا سیرت میں ملتا ہے کہ کہیں کوئی ساز بج رہا تھا اس کی آواز آرہی تھی تو حضور ﷺ نے کانوں میں انگلیاں دے لیں اور جب آواز آنا بند ہوگئی۔ تب آپ ﷺ نے انگشت مبارک کانوں سے نکالا۔ برصغیر میں اورنگ زیب عالمگیرؒ نے مزامیر کو سختی سے منع کر دیا تھا۔ ہمارے آج کے دانشوران پر بڑا طنز کرتے ہیں اور اس بات پر بھی اعتراض کرتے ہیں کہ کچھ لوگ اورنگ زیب کو بھی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں جبکہ اس نے بھائیوں کو قتل کر دیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کے بھائیوں میں سے ایک شراب میں مدہوش رہتا تھا اس کا کوئی دین نہیں تھا دوسرا رافضی تھا اور تیسرا دہریہ تھا۔ وہ کہتا تھا ہندو مذہب بھی صحیح ہے، یہودی بھی صحیح ہے، عیسائی بھی صحیح ہے، سکھ بھی صحیح، آگ کی پرستش بھی صحیح ہے۔ یہ سارے صحیح ہیں یہ مختلف راستے ہیں اللہ تک جانے کے اور یہ سارے صحیح ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی برسر اقتدار آجاتا تو آج پورے برصغیر کو کفر میں دھکیل

دیتا۔ ہمارے دانشور تو ان پر طنز کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ''اورنگ زیب عالمگیر نے کوئی نماز بھی نہیں چھوڑی اور کوئی بھائی بھی زندہ نہیں چھوڑا''۔ یعنی طنز کرتے ہیں مذاق اڑاتے ہیں۔ ٹھیک ہے ان کا رب کے ساتھ اپنا معاملہ ہے ہمارا اپنا ہے ہم تو حق ہی کہیں گے۔ بہر حال یہ اورنگ زیب عالمگیرؒ ہی تھے جنہوں نے گانے بجانے اور آلات طرب پر پابندی لگائی۔ اب جو گانے بجانے والے لوگ تھے انہیں کچھ اور کام بھی کرنا نہیں آتا تھا پھر بڑے نازک مزاج ہوتے ہیں ان سے کام ہوتا کب ہے۔ تو تنگ آکر انہوں نے ایک جنازہ بنایا اس میں طبلے سارنگیاں ہارمونیم رکھے اوپر چادر سجائی اور جنازہ اٹھا کر روتے پیٹتے بادشاہ کی رہائش کے قریب سے شور کرتے ہوئے گزر گئے تو بادشاہ نے کھڑکی سے کھڑے ہو کر پوچھا یہ کس کا جنازہ ہے۔ خادم دوڑائے گئے انہوں نے کہا یہ مزامیر کا جنازہ ہے گانے کے آلات کا جنازہ ہے۔ شہنشاہ نے روک دیا ہے منع کر دیا ہے تو یہ مر گئے ہیں۔ بادشاہ نے فرمایا بھاگ کر جاؤ اور انہیں بتاؤ ان مردودوں کو گہرا دفن کرنا پھر نہ نکل آئیں۔ انہوں نے تو حیلہ کیا تھا کہ اس طرح بادشاہ اجازت دے دیں گے لیکن انہوں نے فرمایا ان آلات مزامیر کو گہرا دفن کرنا، قبر گہری کھودنا یہ پھر نہ نکل آئیں۔ تو بات یہ ہوتی ہے کہ جو برائے نام جو مسلمان ہے اور جو بہت نیک و پارسا ہے سب میں ایک بات قدر مشترک ہے سارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کی آس لگائے بیٹھے ہیں۔ نیک صلحاء، علماء، عام آدمی، گناہ گار، بے علم جاہل، بیوقوف ہر کلمہ گو مسلمان جس درجے میں بھی ہے اس کی ایک پکی امید ہے کہ حضور ﷺ میری شفاعت فرمائیں گے۔ اللہ نے فرمایا ٹھیک ہے لیکن جس کے دل میں نفاق ہو گا اس کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت نہیں کریں گے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کرم سے اس کی بخشش کی دعا بھی فرمائیں گے تو میں اسے نہیں چھوڑوں گا فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ؕ اللہ اسے نہیں بخشے گا اس لیے کہ اس نے اللہ سے کفر کیا حتیٰ کہ اللہ کے رسول ﷺ سے دھوکا کیا اور دھوکا دینے کی کوشش کی۔ دنیا میں اس کی سزا یہ ہوتی ہے ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝٨٠ ایسے بدکاروں کو اللہ ہدایت نصیب نہیں فرماتا۔ دنیا میں سیدھے راستے سے بھٹک جانا گمراہ ہو جانا، عمل میں گمراہ ہو جانا فسق ہے۔ عمل میں گمراہ ہو گیا تو توبہ کی گنجائش ہے۔ عقیدے میں گمراہ ہو گیا تو گیا پھر اس کے پاس کچھ بچتا ہی نہیں۔ تو یہ اللہ کی سزا ہے کہ وہ توفیق عمل سلب کر لیتا ہے لوگ سمجھتے ہیں ہمیں فرصت نہیں ہے ہم فارغ نہیں ہیں نماز نہیں ادا کر سکتے۔ حق یہ ہے کہ وہ سجدے کی توفیق نہیں دیتا۔ وہ سر جھکانے نہیں دیتا کوئی ایسا جرم کوئی ایسی خطا، عمل میں، کردار میں، سوچ میں فکر میں، غذا میں، دوا میں کوئی ایسی چیز ہے کہ وہ توفیق سلب کر لیتا ہے وہ کہتا ہے اس سر کو لے جاؤ میرے دروازے پر مت جھکاؤ۔ تو فرمایا دنیا میں اللہ انہیں یہ سزا دیتا ہے لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝٨٠ اللہ ایسے بدکاروں کو ہدایت نہیں دیتا، نیکی کی توفیق نہیں دیتا، توفیق عمل نہیں دیتا۔

سورۃ التوبہ رکوع 11 آیات 81 تا 89

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَ كَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا
بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ؕ قُلْ نَارُ
جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ؕ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ﴿٨١﴾ فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا
كَثِيْرًا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿٨٢﴾ فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ
فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ
عَدُوًّا ؕ اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِيْنَ ﴿٨٣﴾ وَلَا
تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ
وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿٨٤﴾ وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَاَوْلَادُهُمْ ؕ
اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ
كٰفِرُوْنَ ﴿٨٥﴾ وَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ
اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ وَقَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿٨٦﴾ رَضُوْا
بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ﴿٨٧﴾ لٰكِنِ
الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاُولٰٓئِكَ
لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ۫ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿٨٨﴾ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ
مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿٨٩﴾

یہ پیچھے رہ جانے والے اللہ کے پیغمبر کے (جانے کے) بعد اپنے بیٹھے رہنے پر خوش
ہو گئے اور انہیں یہ بات بہت ناگوار ہوئی کہ اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں
سے جہاد کریں اور کہنے لگے کہ گرمی میں مت نکلو فرما دیجیئے کہ دوزخ کی آگ
(اس سے کہیں) زیادہ گرم ہے کاش یہ اس بات کو سمجھتے ﴿۸۱﴾ سو تھوڑے دن (دنیا
میں) ہنس لیں اور بہت دنوں تک (آخرت میں) روتے رہیں ان کاموں کے
بدلے جو کیا کرتے تھے ﴿۸۲﴾ تو اگر اللہ آپ کو ان کے کسی گروہ کی طرف
(خیریت سے) واپس لائے تو آپ سے (جہاد پر) نکلنے کی اجازت مانگیں تو آپ
فرما دیجیئے کہ تم ہرگز کبھی بھی میرے ہمراہ نہ چلو گے اور نہ ہرگز میرے ساتھ ہو کر دشمن
سے لڑائی کرو گے۔ یقیناً تم پہلی دفعہ بیٹھ رہنے پر خوش ہوئے پس اب پیچھے رہنے
والوں کے ساتھ بیٹھے رہو ﴿۸۳﴾ اور ان میں سے کوئی مر جائے تو اس پر (جنازہ
کی) نماز کبھی نہ پڑھیئے اور (دفن کے لیے) ان کی قبر پر کھڑے نہ ہوں بے شک
انہوں نے اللہ اور اس کے پیغمبر کے ساتھ کفر کیا اور (اسی پر) مر گئے اور وہ نافرمان
تھے ﴿۸۴﴾ اور ان کے اموال اور اولاد پر حیران نہ ہوں یقیناً اللہ یہ چاہتے ہیں
کہ ان کو ان (چیزوں) کی وجہ سے دنیا میں (بھی) عذاب میں گرفتار رکھیں اور ان
کے دم حالتِ کفر میں ہی نکل جائیں ﴿۸۵﴾ اور جب کوئی سورت نازل کی جاتی ہے
کہ اللہ کے ساتھ ایمان لاؤ اور اس کے پیغمبر کے ساتھ ہو کر جہاد کرو تو ان کے دولت
مند (بھی) آپ سے اجازت چاہتے ہیں اور کہتے ہیں ہمیں اجازت دیں کہ ہم
یہاں ٹھہرنے والوں کے ساتھ رہ جائیں ﴿۸۶﴾ یہ اس بات پر خوش ہیں کہ گھر میں
بیٹھ رہنے والی عورتوں کے ساتھ بیٹھ رہیں اور ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی ہے سو وہ
سمجھتے نہیں ﴿۸۷﴾ لیکن پیغمبر اور جو ان کے ساتھ ایمان لائے ہیں (سب) اپنے
مالوں اور جانوں سے لڑے اور انہیں کے لیے بھلائیاں ہیں اور یہی لوگ مراد پانے
والے ہیں ﴿۸۸﴾ اللہ نے ان کے لیے ایسے باغ تیار کر رکھے ہیں جن کے تابع

نہریں جاری ہیں یہ ان میں ہمیشہ رہیں گے یہ بہت بڑی کامیابی ہے ﴿۸۹﴾

تفسیر ومعارف

غزوہ تبوک ہی کی بات چل رہی ہے۔ منافقین کا طرزِ عمل بیان ہو رہا ہے تو فرمایا یہ پیچھے رہ جانے والے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب نہیں گئے فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ وہ اس بات پر بڑے خوش ہیں کہ یہ لوگ گرمی میں سفر بھی کریں گے اپنی سواریاں بھی لے کر گئے، اپنے اخراجات، اپنا اسلحہ بھی لے کر گئے، شاید مارے جائیں تو وہاں جان بھی گئی مال بھی گیا۔ ہم بڑے مزے میں رہے۔ سفر سے بھی بچ گئے، مال بھی بچ گیا، جان بھی بچ گئی اور تکلیف بھی نہیں ہوئی۔ فرمایا یہ پیچھے رہ جانے والے بڑے خوش ہیں لیکن کس بات پر؟ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرتے ہوئے پیچھے رہ جانے پر۔ وَكَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اس لیے کہ وہ اس بات سے نفرت کرتے تھے کہ وہ اللہ کی راہ میں اپنے مال سے یا اپنی جان سے جہاد کریں وَقَالُوْا نہ صرف یہ کہ خود پیچھے رہ گئے دوسروں کو بھی کہنے لگے لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ۭ اس گرمی میں کیوں جاتے ہو، مت جاؤ فرمایا میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم انہیں نارِ جہنم کی خبر کر دیجئے قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ۭ انہیں کہہ دیجئے کہ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے پیچھے رہ جائے گا وہ اپنی جگہ جہنم میں تلاش کرے۔ دنیا میں تو سورج کی گرمی ہے، دھوپ ہے، اس میں سارے جاندار پھر رہے ہیں جانور بھی، درندے، پرندے بھی۔ ہر چیز اپنی زندگی بسر کر رہی ہے اصل گرمی تو دوزخ کی آگ میں ہوگی۔ جہاں موت بھی نہیں آئے گی اور گرمی بھی شدید ہوگی۔ انہیں فرما دیجیے نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا دوزخ کی آگ بہت زیادہ گرم ہے لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ﴿۸۱﴾ کاش یہ اس بات کو سمجھتے۔

انسانی زندگی کا کتنا عرصہ ہے جو وہ انجوائے کرتا ہے۔ پندرہ سولہ سال کا انسان بالغ ہوتا ہے پندرہ سولہ سال تو ناسمجھی میں گزر گئے۔ ستر کے بعد ویسے ہی اس کے لیے سب کچھ برابر ہو جاتا ہے اسے کوئی فرق نہیں پڑتا بیس سے ستر تک پچاس سال ہیں ان پچاس سالوں میں آدھے سال، پچیس سال تو نیند کی نذر ہو گئے۔ اگر دنوں کا حساب کیا جائے تو بندے کے پاس پچیس سال رہ گئے۔ اب یہاں اس کے پاس یہ پچیس سال ہیں اور یہاں سے جانے کے بعد ابدالآباد کی زندگی ہے جو کبھی ختم نہیں ہوگی فرمایا کاش یہ تفقہ کرتے کسی بات کو اپنی فکر یا عقل سے سمجھ لینا، کسی بات پر غور کر کے اس کے نفع و نقصان کو جان لینے کو کہتے ہیں۔ اسی لیے احکام شریعت کو فقہ کہتے

ہیں کہ برائی اور بھلائی میں تمیز کر لینا، سمجھ لینا، جان لینا کہ یہ اچھا ہے یہ برا ہے۔اب جس نے ہمیشہ کی زندگی ان پچیس سالوں پر قربان کر دی اور پچیس سال تو اس نے حلال حرام جائز ناجائز کر کے اپنی طرف سے بڑی عیش کر لی۔لیکن کیا یہ دانشمندی ہے کہ ابدالاباد کی سزا اور عذاب تیار کر لیا۔فرمایا یہ تفقہ نہیں ہے یہ دانشمندی نہیں ہے کاش اپنی عقل استعمال کرتے جو اللہ نے دی تھی جو شعور اللہ نے بخشا تھا اسے کام میں لاتے اور جان لیتے کہ اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی اطاعت الٰہی ہے۔بڑی سادہ سی بات ہے مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (النساء:80) ہر بندے کو یہ مقام حاصل نہیں ہے کہ وہ اللہ سے بات کرے یا اللہ کی بات سنے اللہ اور بندوں کے درمیان واسطہ ہے اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور وہ رسول صادق بھی ہے اور امین بھی ہے۔سچا بھی ہے امانت دار بھی ہے اور اسے اس کے دشمن بھی صادق اور امین کہتے ہیں اور یہ دلیل نبوت ٹھہری کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگو میں نے تمہارے درمیان ایک عمر بسر کی ہے چالیس برس گزارے ہیں۔کیا تم میرا ایک جملہ چالیس برسوں میں کسی انسان کے سامنے جھوٹا ثابت کر سکتے ہو کہ میں نے کسی پر جھوٹ بولا ہو۔تو جس ہستی نے زندگی بھر کسی انسان پر جھوٹ نہیں بولا وہ بھلا اللہ پر کیسے جھوٹ بولے گا۔

آیت کا حکم عام ہے:

خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ کا اطلاق صرف غزوۂ تبوک پر نہیں ہوتا سارے قرآن کی تمام آیات کا نزول خاص ہے ہر موقع پر آیات نازل ہوئیں نزول خاص ہے لیکن حکم عام ہے قیامت تک کے لیے جو بھی نبی کریم ﷺ سے پیچھے رہ جائے گا یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع چھوڑ دے گا وہ بہت بڑی محرومی کا شکار ہو جائے گا۔آج کے اس عہد کی بات کریں تو آج کا جو بندہ سنت کے مطابق داڑھی رکھ لے وقت پر صلوٰۃ ادا کرے سچ بولنا شروع کر دے، حرام سے اجتناب کرے تو وہ بیوقوف کہا جاتا ہے۔کہتے ہیں یہ تو پرانی باتیں ہیں اس سے ملک کی ترقی رک جاتی ہے۔آج کل کے نام نہاد دانشوروں کا یہ خیال ہے کہ جتنی منافقت کی جائے جتنا جھوٹ بولا جائے یہ اتنی اچھی سیاست ہے۔جتنی لوٹ مار کی جائے اتنی یہ دلیری ہے۔اور جتنی بے حیائی کی جائے اتنا ملک ترقی کرے گا۔ اسی لیے انہوں نے مسلمان بچیوں کو آدھے آدھے لباس پہنا کر کھلاڑی بنا دیا ہے۔خواتین کے کام کرنے پر پابندی نہیں ہے۔عہد نبوی میں خواتین بھی کام کرتی تھیں۔ایسا نہیں کہ کام نہیں کرتی تھیں۔کام عہد نبوی میں بھی کرتی تھیں اور مجاہدہ خواتین کا تذکرہ پڑھیں تو آپ حیران رہ جائیں۔مدینہ منورہ کی حضرت اُم عمارہؓ احد میں شمشیر بکف ہو کر لڑیں اور انہیں تلواروں کے گیارہ زخم آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے احد میں جب

گھمسان کا رن پڑا تو میں اپنے دائیں دیکھتا تھا تو اُم عمارہؓ کو پاتا تھا اور بائیں دیکھتا تو وہ موجود ہوتی تھی۔ جدھر سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وار آتا تھا وہ آگے بڑھ کر اپنی تلوار سے روکتی تھیں۔ خود فرماتی تھیں مکہ کے ایک کافر پر میں نے تلوار چلائی تو اس نے بدن پر ایسی زرہ پہن رکھی تھی کہ تلوار اثر نہیں کرتی تھی تو میں نے دوڑ کر تیر کمان اٹھایا اور ایسا تیر مارا کہ اسے گھوڑے سے گرتے ہی بنی اور وہ سر کے بل نیچے آیا عہد نبوی کی خواتین بھی کام کرتی تھیں، جہاد کرتی تھیں، زخمیوں کو اٹھاتی تھیں۔ مرہم پٹی کرتی تھیں، پانی پلاتی تھیں۔ احد میں خود حضرت عائشہؓ الصدیقہ، حضرت فاطمۃ الزہرہؓ وہاں تشریف لے گئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مرہم پٹی کی لیکن عورتیں عورتوں کی طرح کام کرتی تھیں۔ پورا بدن ڈھکا ہوا ہوتا تھا۔ چہرے پر نقاب ہوتا تھا۔ آخر کہیں سے تلوار بازی سیکھتی تھیں تو لڑتی ہوں گی لیکن اس سارے کام میں مرد مردوں کی طرح رہتے تھے، خواتین خواتین کی طرح رہتی تھیں۔ آج بھی ہم یہ نہیں کہتے خواتین کام نہ کریں۔ خواتین کام کریں خواتین مرد نہ بن جائیں۔ بے حجاب نہ ہو جائیں اپنی حیاء باقی رکھیں اپنا وجود کا، اپنی ذات کا احساس باقی رکھیں مردوں میں مل جل نہ جائیں جس کے نتائج بہت برے ہوتے ہیں اور لوگ بھگت رہے ہیں۔

خواتین تعلیم حاصل کریں۔ خواتین کے اچھے کالج بنائیں لیکن Co education کی کیا ضرورت ہے؟ کیا پڑھائی کا یہی طریقہ ہے کہ لڑکے لڑکیاں اکٹھے ہو کر ہی پڑھیں کیا لڑکیاں لڑکیاں اکٹھی رہ کر نہیں پڑھ سکتیں، لڑکے لڑکے اکٹھے رہ کر نہیں پڑھ سکتے؟ لڑکیوں کو سارے علوم سکھائیں لیکن کیا یہ ضروری نہیں کہ مسلمانوں کے بچوں کو قرآن بھی سکھائیں مسلمانوں کے بچوں کو حدیث بھی سکھائی جائے۔ ان کے نصاب میں نرسری سے لے کر ایم اے تک اللہ کا نام تو ملتا نہیں۔ کافروں کی حکومت تھی انگریزوں کی حکومت تھی تو کچھ نہ کچھ آٹے میں نمک کی حد تک انہوں نے ہر کلاس کے نصاب میں قرآن وحدیث رکھا تھا۔ خیر سے نام نہاد مسلمانوں کی حکومت آئی تو انہوں نے وہ بھی نکال دیا یہ قرآن تو ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہے۔ وہ کون سی ترقی ہے جو آپ رسول اللہ ﷺ کا دامن چھوڑ کر کرنا چاہتے ہیں؟ ایسی ترقی تو صرف کفر میں ہو سکتی ہے، گناہ میں ہو سکتی ہے، برائی اور ظلم میں ہو سکتی ہے، نیکی اور اچھائی میں نہیں ہو سکتی۔ اور برائی میں جو ترقی ہوتی ہے اسے اہل علم ترقی معکوس کہتے ہیں، الٹی ترقی۔ یعنی ذلت میں نیچے گرتے جانا۔ ترقی معکوس یہ ہوتی ہے کہ جو جس جگہ پر ہوتا ہے اس سے بھی نیچے گرتا چلا جاتا ہے۔ دین کو چھوڑ کر جو ترقی ہوتی ہے وہ ترقی معکوس ہوتی ہے الٹی ترقی ہوتی ہے عورتوں کو حقوق اسلام نے ہی دیئے۔ جب اسلام کا ظہور ہوا اس زمانے کی تاریخ اٹھا کر دیکھیں، عورتیں تو بھیڑ بکریوں کی طرح بکا کرتی تھیں۔ لوگ دس دس شادیاں کرتے تھے اور مائیں بچوں میں باپ کے ترکے کے طور پر تقسیم ہوتی تھیں۔ جس طرح زمین

تقسیم ہوتی تھی جس طرح مال تقسیم ہوتا تھا اسی طرح مرنے والے کی بیویاں بھی بچوں میں بانٹی جاتی تھیں اور وہ چاہتے تو کسی کو اپنی بیوی بنا لیتے ورنہ بیچ دیتے تھے۔عورت کو ماں کا درجہ کس نے دیا؟ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ، اللہ کے قرآن نے ،عورت کو بہن کا درجہ دیا اللہ نے بیٹی کا درجہ قرآن میں دیا۔عورت کو انسان کا درجہ اسلام نے دیا۔اور یہ کہتے ہیں اسلام عورتوں کی ترقی کے خلاف ہے۔اسلام عورت اور مرد کے ملنے کا ایک جائز راستہ بتاتا ہے۔اس کے خلاف آزادانہ ملنے کے خلاف ہے اور جن قوموں نے یہ راستہ نہیں اپنایا ان کے ایک مفکر کا قول ہے کہ''بڑی بڑی قوموں کے سفینے عورتوں کے ہاتھوں شرابوں کے مٹکوں میں غرق ہو گئے'' یہ مغربی مفکر کا قول ہے۔اسلام اس غرقابی سے روکتا ہے اس تباہی سے روکتا ہے۔ماں کو ماں کا درجہ دیتا ہے بہن کو بہن کا، بیٹی کو، بیٹی کا، بیوی کو بیوی کا۔بیوی کو شوہر کی جائیداد میں حصے دار بناتا ہے، بیٹی کو باپ کی جائیداد میں حصے دار بناتا ہے بیوی کو خاوند کی جائیداد میں حصے دار بناتا ہے اسے گھر کے ایک فرد کا درجہ دیتا ہے۔یہ کہاں تھا اسلام سے پہلے اور دنیا میں اب کہاں ہے؟ تو یہ کہنا کہ اگر ہم شریعت اپنائیں گے تو ملک ترقی نہیں کرے گا غلط ہے آپ پہلے ترقی کی تعیین کر لیں۔

فرمایا: یہ منافق خوش ہو رہے تھے فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ پیچھے رہ جانے والے بڑے خوش تھے کہ موج ہو گئی گرمی میں سفر سے بھی بچ گئے مال بھی بچ گیا جان بھی بچ گئی اور یہ پسند نہیں کرتے کہ اللہ کی راہ میں اپنی جان اور مال سے جہاد کریں اور دوسروں کو بھی مشورے دیتے ہیں لَا تَنْفِرُوْا فِی الْحَرِّ ؕ گرمی میں مت جاؤ۔میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم انہیں بتا دیجیے چند روزہ زندگی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کریں گے وہ اس کے بعد کی زندگی میں جہنم میں جائیں گے اور جہنم کی آگ بہت زیادہ گرم ہے تم سورج کی گرمی سے بچ کر جہنم کی گرمی میں جا رہے ہو یہ تو چند دنوں کا سفر ہے وہ نہ ختم ہونے والی زندگی کہاں گزارو گے؟ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ﴿۸۱﴾ کاش یہ عقل و خرد سے کام لیتے۔قرآن کا یہ اصول سمجھ میں آیا کہ ہر کام میں دانشمندی یہ ہے کہ اللہ کے حبیب ﷺ کا اتباع کیا جائے اور جہاں سے دامن رسالت چھوٹے گا وہیں سے جہالت شروع ہو جائے گی۔ قرآن کریم میں آتا ہے کہ جس کسی نے گناہ کیا بِجَهَالَةٍ (النحل:119) جہالت سے کیا۔علماء کرام، مفسرین کرام وہاں فرماتے ہیں کہ صرف یہی نہیں کہ کوئی ان پڑھ ہے جاہل ہے اس نے گناہ کیا قرآن نے کہا ہے کہ جہالت کی وجہ سے کیا ہے یعنی پڑھے لکھوں سے، علماء سے اہل علم سے، بھی جب گناہ ہوتا ہے تو چونکہ گناہ کی اصل ہی جہالت ہے اس وقت وہ علم بھول جاتے ہیں تب گناہ کرتے ہیں۔فرماتے ہیں کہ کوئی صاحب علم بھی جب گناہ کرتا ہے اس لمحے میں جاہل ہوتا ہے۔وہ علم اس کے ذہن میں نہیں رہتا کہ ایسا نہیں کرنا چاہیے اس لیے ہر گناہ جہالت ہے خواہ

ان پڑھ سے ہو خواہ بہت بڑے عالم سے ہو۔ جو کام بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے خلاف ہوگا وہ جہالت ہے اور جو کام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں ہوگا وہ خیر ہوگا۔

جب لشکر اسلامی نے خیبر کا محاصرہ کرلیا۔ خیبر کے آٹھ دس قلعے تھے ایک قلعہ نہیں تھا۔ آٹھ دس قلعوں کا مجموعہ تھا ایک قلعہ بڑا تھا دوسرے چھوٹے چھوٹے تھے ان میں سے کئی پہلے فتح ہو گئے جو بچ گئے تھے بڑا قلعہ فتح ہونے کے بعد انہوں نے بھی سرنڈر کر دیا۔ اس بڑے قلعے کا جب محاصرہ ہو رہا تھا کسی یہودی کا ایک سیاہ فام غلام تھا اس نے دیکھا باہر فوج بیٹھی ہے، قلعہ بند ہے، اندر سے دیواروں پر تیرانداز کھڑے ہیں، تلواریں لے کر لشکر تیار ہے وہ جس کا غلام تھا اس کی کوئی آٹھ دس بکریاں لے کر قلعے کے دروازے سے نکل آیا کہ میں بکریاں چراؤں گا۔ باہر آیا تو اس نے دیکھا گرداگرد فوج کھڑی ہے میں کدھر جاؤں تو اس نے کسی فوجی سے پوچھ لیا کہ بھئی یہ کیا ہو رہا ہے یہاں تو ایسا کبھی نہیں ہوا۔ اس نے پوچھا اللہ نے اپنا رسول مبعوث کیا ہے صلی اللہ علیہ وسلم اور انہوں نے ان یہودیوں کا محاصرہ کر رکھا ہے کفر اور اسلام میں جنگ ہو رہی ہے۔ اس نے کہا اسلام کیا ہے کفر کیا ہے؟ اس نے کہا یہ کافر ہیں اللہ کو نہیں مانتے اور ہمارے ساتھ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جنہیں اللہ نے رسول مبعوث فرمایا ہے اور وہ اللہ کی باتیں بتاتے ہیں۔

ایسی بات ہے تو مجھے بھی لے چلو میں بھی اللہ کی بات سنوں۔ وہ انہیں لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں آ گئے۔ اس نے پوچھا آپ اللہ کے نبی ہیں فرمایا بے شک میں اللہ کا نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوں عرض کی کیا آپ کو اللہ نے کہا ہے کہ ان سے لڑو فرمایا اللہ نے حکم دیا ہے عرض گزار ہوا تو ان سے جو لڑے گا اسے اللہ کیا دے گا؟ حضور ﷺ نے فرمایا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اپنی رضا کا مظہر جنت دے دے گا اور اپنی بارگاہ سے انعامات دے گا۔ کہنے لگا اگر میں آپ کے ساتھ شامل ہو جاؤں اور ان سے لڑوں تو مجھے بھی جنت مل جائے گی؟ فرمایا بے شک۔ کہنے لگا میں غلام ہوں، شکل وصورت بھی اچھی نہیں میرے پاس تو پورا لباس بھی نہیں۔ فرمایا اللہ کو اس کی ضرورت نہیں ہے۔ جو بھی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرے گا، ساتھ دے گا اللہ اسے جنت دے گا کہنے لگا ایک بات ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس آٹھ دس بکریاں ہیں جو اس یہودی کی ہیں جس کا میں غلام تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رحمت اللعالمین تھے۔ اس کی بھولی بھولی باتوں پر خوش ہو رہے تھے۔ فرمایا ایسا کرو بکریوں کو قلعے کی طرف ہنکا دو۔ اس نے فوراً اٹھ کر بکریاں قلعے کی طرف ہنکا دیں۔ اللہ کی شان ساری بکریاں جا کر قلعے کی دیوار کے ساتھ شور کرنے لگیں۔ دربانوں نے دروازے میں تھوڑا سا راستہ بنایا وہ اندر چلی گئیں۔ اگلا جو حملہ قلعے پر ہوا اس میں وہ شامل ہو گیا اور جاتے ہی شہید ہو گیا، نہ اس نے نماز سیکھی نہ اس نے پڑھی نہ اس نے یاد کی نہ

نماز کا وقت آیا۔ اس حملے میں شامل ہوا اور شہید ہو گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی گئی کہ شہدا میں اس حبشی غلام کی نعش بھی ہے حضور ﷺ از راہ کرم تشریف لے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سامنے ہوئے اور پیچھے ہٹ گئے۔ واپس اپنے خیمے میں تشریف لے گئے۔ عرض کی گئی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ تو اس سے پیار کرتے تھے اور بڑے شوق سے تشریف لے گئے تھے اور آپ اس کے قریب نہیں گئے فرمایا اسی چار پائی پر اس کی حور بیٹھی تھی مجھے حیا آئی اور میں واپس آ گیا۔ اس نے تو ابھی نماز سیکھی بھی نہیں ایک سجدہ بھی نہیں کیا اس کا تو سارا سرمایہ تھا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اور اس کے پاس کوئی دنیاوی مال و منال بھی نہیں تھا اپنی حیثیت میں کسی کا غلام تھا اس کا تو اپنا وجود بھی نہیں تھا لیکن دامان رسالت تھام کر میدان میں کودا اور جان تو دے دی۔ میرا اور آپ کا حساب عرصہء محشر میں ہوگا۔ پتہ چلے گا کہ اللہ کو ہماری نیکیاں پسند آئیں ہیں کہ ہمارے گناہوں پر ناراض ہیں تو ہمیں تو نہیں پتہ زندگی بھر بندہ نیکی کرتا رہتا ہے لیکن کوئی ایک جملہ اس کے منہ سے ایسا نکل جاتا ہے جو اس کی ساری نیکیاں برباد کر دیتا ہے۔ کوئی شخص زندگی بھر خطائیں کرتا رہتا ہے کوئی ایک جملہء خیر ایسا نکلتا ہے جسے اللہ پسند فرما کر خطائیں معاف فرما دیتا ہے۔ میرا اور آپ کا معاملہ اٹکا ہوا ہے۔ پتہ نہیں کیا ہوگا اللہ رحم فرمائے لیکن ہم نہیں جانتے ہمیں امید کرم ہے۔ ہمارے پاس سند نہیں ہے۔ اس کے نصیب دیکھو اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم اطلاع دے رہا ہے اس کی حور تو یہاں آ کر اس کے پاس چار پائی پر بیٹھی ہے، اس کی قبر کا کیا عالم ہوگا۔ برزخ میں پہنچا نہیں وجود باہر پڑا ہے لیکن اس نے نام رسالت صلی اللہ علیہ وسلم پر جان دے دی۔ مال اس کے پاس نہیں تھا وجود اس کا غلام تھا گھر بار اس کے پاس نہیں تھا، مال اولاد اس کے پاس نہیں تھا ایک جان تھی اس نے دے دی۔

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

لیکن کیوں دی؟ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر دی اور وہ سب کچھ پا گیا۔ فرمایا: فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَ كَرِهُوْۤا یہ ایسے بیوقوف ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کر کے پیچھے بیٹھے ہیں اور خوش ہیں۔ آج بھی شریعت پر چلنے والوں کو لوگ بیوقوف کہتے ہیں کہ یہ بیوقوف ہیں ایک نماز پڑھ کر آتے ہیں پھر بھاگ پڑتے ہیں۔ ہم موج سے بیٹھے ہیں، خبریں سن رہے ہیں بچوں سے گپ لگا رہے ہیں۔ کون نمازوں کے پیچھے بھاگتا پھرے۔ اللہ فرماتا ہے یہ خوش ہونے کی بات نہیں۔ دامان رسالت ہاتھ سے چھوٹنے پر تم خوش ہو رہے ہو۔ سب کچھ تو اسی دامن میں ہے یہ دامن چھوٹ گیا تو تمہارے پاس کیا بچے گا اور پھر ایسے بدبخت ہو کہ دوسروں کو بھی نیکی سے روکتے ہو۔ خود کو توفیق نہیں ہے تو دوسروں کو تو مت روکو۔ دوسروں کو بھی

نیکی سے روکتے ہو۔ فرمایا! اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم آپ انہیں فرمادیجیے قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ؕ دوزخ کی جو آگ سب سے زیادہ گرم ہے تم دنیا کی تپش سے بچ رہے ہو سورج کی تپش سے بچ رہے ہو لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ۝ کاش یہ اپنی عقل کو استعمال کرتے ہوئے اپنے دماغ سے کام لیتے یہ اس شعور سے کام لیتے جو اللہ نے انہیں دیا ہے انہیں کہہ دو فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا تھوڑا سا وقت ہے، ہنسی اڑا لو مسلمانوں کا مذاق اڑاؤ، عابد و زاہد لوگوں سے مذاق کرو، دین پر عمل کرنے والوں کا مذاق اڑاؤ، کچھ دن جی بہلا لو وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا ۚ پھر تمہیں ساری عمر رونا ہی رونا ہے۔ پھر موت سے لے کر ابدالآباد تمہارے پاس رونے کے سوا کچھ نہیں بچے گا۔ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ یہ نہیں کہ اللہ کریم زیادتی فرما رہے ہیں جو کچھ تم کر رہے ہو اس کی جزا اور بدلہ یہی ہے۔ احکام رسالت پناہی کی مخالفت کرنے کی یہی سزا ہے۔ ہمارے دانشور تو کہتے ہیں کہ اسلام کی سزائیں وحشیانہ ہیں۔ آپ ذرا جملے پر غور فرمائیں اسلام کی سزائیں جو قرآن نے مقرر کی ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی ہیں جن پر عہد رسالت عہد خلافت راشدہ میں عمل ہوا ہے ہمارے دانشور انہیں وحشیانہ کہتے ہیں۔ گویا یہ عقلمند ہیں اور اللہ جو خالق کائنات ہے اس نے جو کچھ مقرر کیا ہے وہ کیا ہے؟ اللہ کے احکام کے لیئے یہ لفظ استعمال کرنا بہت بڑی گستاخی ہے کسی بات کو آپ جہالت بھی کہیں تو وحشیانہ سے کم ہے ظلم بھی کہیں تو وحشت سے کم ہے اور مزے کی بات یہ ہے کہ پھر بزعم خود مسلمان بھی ہیں۔ ہر قسم کا کفر کرنے کے بعد دعویٰ اسلام پر بھی قائم ہیں۔ اب یہ فیصلہ تو وہ خود کرے گا کہ اسلام دعوے کا نام ہے یا اسلام ایمان و عمل کا مجموعہ ہے۔ دنیا کے معاملے میں تو ہر کوئی سمجھدار ہے۔ کھانا کھائے بغیر کوئی نہیں کہتا میرا پیٹ بھر گیا۔ سوئے بغیر کوئی نہیں کہتا میری نیند پوری ہو گئی یا پانی پیے بغیر کوئی نہیں کہتا میری پیاس ختم ہوگئی۔ آخرت کے لیے کہتے ہیں ہو گیا ہے۔ سب کچھ بغیر کیے ہو گیا ہے؟ کیسے ہو گیا ہے؟

تو فرمایا جو آخرت کی سزائیں ہیں یہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہیں۔ اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ دنیا میں تو بیچارے پچیس تیس پچاس سال رہے اور عذاب ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔ تیسویں پارے میں ارشاد ہوتا ہے کہ میں اگر انہیں دنیا میں سو سو سال عمر دیتا تو یہ سو سو سال اسی برائی میں رہتے۔ یہ تو موت نے ان کی فرصت چھین لی انہیں زندگی نے مہلت نہیں دی اگر ان کے پاس زندگی ہوتی تو یہ اسی برائی پر ساری زندگی بسر کرتے لہٰذا ان کی ابدی زندگی میں ابدی عذاب ہے ان کو دنیا میں بتا دیا گیا کہ یہ تمہارے پاس جو مہلت ہے اس کا نتیجہ ابدی زندگی پر مرتب ہوگا، راحت بھی اور کلفت بھی۔ اتباع اور اطاعت کرو گے تو اللہ کی رضا پاؤ گے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیئے آرام کرو گے۔ اگر اتباع چھوڑ دو گے، دامان پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم چھوڑ دو گے تو اس سے بڑا اور کسی نقصان کا

تصور نہیں۔ ہماری عادت ہے،ہم دوسروں کا اندازہ کرتے رہتے ہیں بات بھی کرتے ہیں تو دوسروں کی کرتے ہیں لیکن اپنا اندازہ کرنا چاہیے کہ میرا دن جو بسر ہوا اس میں کتنی باتیں کتنے کام میں نے اطاعت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق کیے اور کتنی باتیں ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے خلاف ہے۔ اگر کبھی اللہ یہ محاسبہ کرنے کی توفیق دے تو توبہ کی توفیق ہو جاتی ہے۔ احساس ہوتا ہے کہ مجھ سے غلطی ہوئی توبہ کا دروازہ کھلا ہے اور اللہ کی رحمت وسیع ہے۔

قبولیت توبہ کی علامت:

توبہ کی قبولیت کی ایک بڑی خوبصورت دلیل یہ ہے کہ بندہ جس گناہ سے توبہ کرلے تو دوبارہ اس سے وہ گناہ صادر نہیں ہوتا اللہ اسے بچا لیتا ہے کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہیں کہ کسی پیر صاحب سے پوچھنے جاؤ کسی مولوی صاحب سے پوچھنے جاؤ کہ میری توبہ قبول ہوئی کہ نہیں۔ جس گناہ سے توبہ کی ہے خلوص دل سے کی ہے قبول ہوگئی تو پھر اللہ اس گناہ سے بچالے گا۔ تو وہ گناہ دوبارہ نہ کرنا قبولیت کی دلیل بن جاتا ہے تو میرے سمیت ہر ایک کو اپنا اپنا جائزہ لینا چاہیے چونکہ ہم نے حساب اپنا اپنا دینا ہے۔ آپ نے میرا حساب نہیں دینا۔ شاید مجھے آپ کے ساتھ کھڑا ہونا پڑ جائے۔ میں تو یہاں لیڈر بنا ہوا ہوں مولانا پیر صاحب بنا ہوں پتہ تب چلے گا جب ایک ایک مرید کے ساتھ کھڑا ہو کر حساب دینا پڑے گا اور یہ بتانا پڑے گا کہ اللہ میں نے تو اسے سیدھا راہ بتایا تھا اگر اب یہ نہیں چلا تو غلطی اس کی ہے۔ پیر کس کھیت کی مولی ہیں وہاں تمام انبیاءؑ اپنی امتوں کے ساتھ کھڑے ہوں گے اور جب امتوں کے گناہ اور فسق و فجور اور کفر کی فہرست آئے گی تو نبیؑ سے پوچھا جائے کہ میں نے ہدایت کے لیے اور اپنی بات سنانے کے لیے آپؑ کو مبعوث کیا تھا تو یہ لوگ کیا کرتے رہے؟ تو پیغمبرؑ گواہی دے گا کہ اللہ میں نے آپ کی بات انہیں پہنچادی تھی پوچھ لیں۔ یہ جو غلط کام کرتے رہے اپنی مرضی سے کرتے رہے اس کا میں ذمہ دار نہیں ہوں۔ یہی حساب پیروں کا بھی ہوگا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکات پہنچانے کے لیے لوگوں کو بیعت کرتے رہے تم نے انہیں کیا بتایا؟ اگر پیر صاحب نے حق کی طرف رہنمائی کی ہوگی تو بچ جائیں گے جس نے حق سن کر مخالفت کی وہ خود بھگتے گا اور اگر پیر صاحب ہی بدعتیں اور مشرکانہ رسومات سکھاتے رہے تو پھر یہ اتنا آسان کام نہیں ہے۔ ہاں بڑا آسان راستہ ہے کہ دامان رسالت صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھ میں ہو اور تھام کے نکل جاؤ۔ سیدھا سادا آسان سانسخہ۔ سیدھا سادا آسان راستہ چھوڑ دو گے تو دوسرا کوئی راستہ ہے ہی نہیں۔ اللہ کریم ہمیں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تباع کرنے کی اور خلوص دل سے اپنی اور اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہماری خطاؤں سے درگزر فرما کرنیکی پر قائم رکھے۔

توفیق توبہ کے سلب کا سبب:

اسلام سارے کا سارا، اوّل و آخر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور اتباع کا نام ہے عہد حاضرہ کی ایک گمراہی وبا کی صورت اختیار کر چکی ہے کہ لوگ اپنی عربی دانی، صرف ونحو اور علم کلام کے زور پر قرآن حکیم سے مختلف معانی اور مختلف مطالب حاصل کرنا چاہتے ہیں لیکن ایسا ممکن نہیں ہے۔ جو معنی و مطلب حضور اکرم ﷺ کی تائید کے علاوہ ہوگا وہ قرآن کا مفہوم نہیں ہوگا وہ گمراہی ہوگی۔ قرآن کریم کا اصل مفہوم اور بنیادی تفسیر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل ہے۔ یعنی کون سی آیت کب نازل ہوئی اور اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا عمل فرمایا۔ قرآن فہمی کا دوسرا ذریعہ ارشادات نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ حدیث پاک کیا ہے؟ ساری قرآن کی تفسیر ہے۔ حیات مبارکہ قرآن کی تفسیر ہے، ارشادات عالیہ قرآن کی تفسیر ہیں۔ اب کوئی معنی سنت کے خلاف یا حدیث کے خلاف اخذ کیا جائے گا تو وہ قابل قبول نہیں ہوگا۔ یہ معاملہ کتنا نازک ہے اس کا اندازہ اس بات سے کر لیجیے کہ اللہ کریم نے اپنی وسیع تر رحمت سے ایک بہت بڑا دروازہ توبہ کا کھول دیا ہے۔ کفر و شرک سے بھی توبہ کی جا سکتی ہے، گناہ و خطا سے بھی توبہ کی جا سکتی ہے کوئی کتنا خطا کار ہو کوئی کتنا بدعقیدہ ہو جب بھی خلوص دل سے یہ اقرار کر لے کہ اللہ جو میں نے کیا غلط تھا۔ آئندہ میں وہ نہیں کروں گا۔ میں تیری بارگاہ میں تائب ہوتا ہوں تو فرمایا التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ: (ابن ماجہ) اوکما قال رسول اللہ ﷺ ارشاد فرمایا گیا کہ گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہوتا ہے جیسے اس نے کوئی گناہ کیا ہی نہیں یعنی بندے کے گناہ اس طرح معاف کر دیئے جاتے ہیں لیکن دنیاوی مفاد کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرنا، ذاتی مفاد کے لیے حضور اکرم ﷺ کے احکام کی خلاف ورزی کرنا، جان بوجھ کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے احکام کی خلاف ورزی کرنا ایسا جرم ہے کہ توفیق توبہ بھی سلب ہو جاتی ہے۔ اللہ کریم توبہ قبول بھی نہیں فرماتے۔

قبل از اسلام عہد جہالت میں بھی چار مہینے جو حرمت والے ہیں مشرکین بھی ان کا احترام کرتے تھے اور ان میں کسی کو لوٹتے نہیں تھے، لڑتے جھگڑتے نہیں تھے۔ لوگ آرام سے ان مہینوں میں سفر کرتے تھے کہ یہ مہینے تو امن کے ہیں کافر بھی ان مہینوں کا لحاظ کرتے تھے۔ آج کلمہ گو حرمت والے مہینوں کو تو چھوڑیئے سب سے بابرکت مہینے رمضان شریف میں بھی لوٹ مار کرتے ہیں۔ دکاندار بددیانتی کر رہا ہے، ٹرانسپورٹر لوٹ رہا ہے، دفتر والے

رشوت لے رہے ہیں لوگوں کا قتل عام ہو رہا ہے۔ لوٹ مار کا بازار گرم ہے۔ جتنا جس کا بس چلتا ہے اتنا ہر کوئی اس میں ملوث ہے۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ اس کی وجہ یہی ہے کہ جب ہم نے بالارادہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی پیروی چھوڑ دی تو ہمارے دل سیاہ ہو گئے اور ہمارے پاس توبہ کا موقع بھی ختم ہو گیا۔ مردم شماری میں تو ہم سب مسلمان ہیں آنکھ بند ہو گی تو پتہ چلے گا کہ کون کتنا مسلمان ہے۔ یہاں تو ہر ایک اللہ کو ماننے کا اور اسلام کا دعویدار ہے لیکن کردار یہ بتاتا ہے کہ ان لوگوں سے اسلام کا دامن چھوٹ چکا ہے۔

جو لوگ غزوہ تبوک میں نہیں گئے تھے پہلے گزر چکا کہ انہوں نے دوسروں سے بھی کہا تھا کہ اتنی سخت گرمی میں مت نکلو اور گزشتہ سال کھجوروں کی فصل نہیں ہوئی تھی اس سال مصروفیت بھی ہے کھجوریں بہت زیادہ لگی ہیں، فصل بھی تیار ہے، سفر بھی بہت لمبا ہے، مقابلہ بہت سخت ہے کہ قیصر کے ساتھ مقابلہ ہے جو دنیاوی لحاظ سے سپر پاور کہلاتی تھی۔ اس وقت تک دو ہی طاقتیں خود کو عظیم دنیاوی طاقتیں کہتی تھیں کسریٰ اور قیصر تو نہ جانا ہی بہتر ہے۔ اللہ کی شان حضور صلی اللہ علیہ وسلم تبوک میں تشریف لے گئے چونکہ قیصر کا ارادہ اسلامی ریاست پر حملہ کرنے کا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا کہ ریاست کے اندر میدان جنگ بنانے کی بجائے ہم ریاست کی سرحد پر جا کر لڑیں گے اور سینکڑوں میل کا سفر کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم انتہائی گرمی میں تشریف لے گئے چند مخلص مسلمان پیچھے رہ گئے جو تعداد میں کل چار تھے اور جنہوں نے واپسی پر عذر بھی نہیں کیا صاف بات کی کہ غلطی ہو گئی، سستی ہو گئی اس کی وجہ سے رہ گئے ان کی توبہ بھی اللہ نے قبول فرمائی انہوں نے کوئی بہانہ نہیں کیا۔ منافقین خود بھی رہ گئے دوسروں کو بھی روکتے رہے کہ اس گرمی میں مت نکلو۔ اب وہ جنگ بھی نہیں ہوئی۔ قیصر آیا ہی نہیں، اللہ نے اس پر ایسا رعب طاری کر دیا کہ وہ بھاگ گیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام وہاں قیام فرما کر واپس تشریف لے گئے۔ ارشاد باری ہے کہ اگر اللہ آپ کو ان کے کسی گروہ کے پاس خیریت سے واپس لائے تو پھر یہ زبانی کلامی اس پر کمر بستہ ہو جائیں گے کہ خیر ہے ایسی تو کوئی بات نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ساتھ ہوں تو خیریت ہوتی ہے پھر یہ بڑا زور لگائیں گے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی جہاد کا وقت آئے آپ ہمیں حکم دے کہ دیکھیے بس ہم سے وہ کوتاہی ہو گئی ہم بالکل تیار ہیں فرمایا فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑی اجازت چاہیں گے کہ ہمیں بھی جہاد کا موقع دیجیے اور ہم آپ کے ہم رکاب جائیں گے۔ فرمایا: فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا ؕ آپ ﷺ فرما دیجیے اب زندگی میں کبھی بھی تم میرے ساتھ مت نکلو اور زندگی میں کبھی بھی اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن کے ساتھ جہاد مت کرو۔ اب کوئی فائدہ نہیں اب تمہاری ضرورت باقی نہیں رہی۔ ان کا یہ کہنا کہ حضور ہم خادم ہیں ہم ساتھ جائیں گے کیا یہ توبہ نہیں تھی کہ ہم نہیں گئے، غلطی

کی ، آئندہ جب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے جائیں گے جہاں بھی جہاد ہوگا ہم حاضر ہیں ہمیں حکم دیجیے لیکن اللہ کریم نے ان کی حقیقت کھول دی ۔ یہ لوگ سوال تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کر رہے تھے جواب اللہ کریم کی طرف سے عطا ہو رہا ہے ۔ فرمایا میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم انہیں فرما دیجیے لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ اَبَدًا تم اب کی بات کرتے ہو تم جب تک زندہ ہو کبھی بھی میرے ساتھ مت نکلو وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا ۭ اور میرے ساتھ مل کر کبھی اللہ کے دشمنوں کے ساتھ جہاد مت کرو تمہاری ضرورت باقی نہیں رہی ۔ یعنی جان بوجھ کر ، عمداً ، بالارادہ ، ذاتی آرام کے لئیے یا ذاتی مفاد کے لئیے یا دنیا کے فائدے کے لئیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرنا ایسا ہی جرم ہے کہ ایسے بندے کی توبہ بھی قبول نہیں ہوتی اور وہ ہمیشہ کے لئیے مردود ہو جاتا ہے رد ہو جاتا ہے شیطان کا ساتھی بن جاتا ہے ۔ اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ جب میں نے حکم دیا تھا پہلی دفعہ تو تم پیچھے بیٹھ رہنے پر راضی ہو گئے اور تم نے اپنے لیے جہاد پر نہ جانا پسند کر لیا تیسرے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اپنی جان چانے کے لیے یا اپنا مال بچانے کے لیے یا اپنی فصل بچانے کے لئیے دنیاوی فائدے کے لیے اطاعت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑا اور اس طرف چلے گئے ۔ فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِيْنَ ۝ ہمیشہ کے لیے تم پیچھے رہ گئے اور اب پیچھے رہنے والوں کے ساتھ بیٹھو ۔ اب تمہیں کبھی یہ سعادت نصیب نہیں ہوگی ۔

اگر ہم غور کریں تو جو لوگ رمضان المبارک میں بھی ظلم کر رہے ہیں یہ پیچھے رہ جانے والوں کے زمرے میں آتے ہیں میں سمجھتا ہوں یہ لوگ پیچھے رہ جانے والے ہیں ۔ کیا فرق پڑتا ہے اگر رمضان المبارک میں قیمتیں بڑھانے کی بجائے کم کر دیں ۔ ایک شخص دس کی چیز لاتا ہے بارہ کی بیچتا ہے رمضان میں وہ اٹھارہ کی کر دیتا ہے کیا ہی اچھا ہوتا رمضان میں وہ ایک مہینہ دس کی لایا ہے دس ہی کی بیچ دیتا ۔ کیا فرق پڑتا ؟ اس کے پلے سے تو کچھ نہیں جا رہا تھا ۔ اس کے اپنے پیسے تو پورے ہو جاتے اور دو روپے منافع جو فالتو اس نے لینے تھے وہ چھوڑ دیتا تو اس سے اللہ کی رضا حاصل ہوتی ، برکات حاصل ہوتیں ۔ اس کے دس روپے میں اللہ بڑی برکت ڈال دیتا ۔ اسے کھانا نصیب ہوتا ، اسے استعمال کرنا نصیب ہوتا ۔ وہ بڑا بے نیاز ہے ۔ لوگ لوٹ کر کروڑوں جمع کرتے ہیں تو وہ کھانے پینے پر بھی پابندی لگا دیتا ہے اس کے استعمال پر بھی پابندی لگا دیتا ہے ۔ وہ انہیں حسرت سے دیکھتے رہتے ہیں اور چھوڑ کر مر جاتے ہیں ۔ تو یہ معمولی جرم نہیں ہے کہ بالارادہ اتباع نبوت چھوڑ دیا جائے اور چلو وہ تو جہاد پر نہیں گئے اب ہم جو سارا دن اپنے دنیاوی کام کرتے رہتے ہیں اور فرائض چھوڑ دیتے ہیں ۔ عبادات کے چند سجدے نہیں کرتے کہ اس کی ہمیں فرصت نہیں ہوتی ۔ اور بڑی عجیب بات ہے اولیت دنیا کے کام کو ہوتی ہے جب فرصت ملے تو کوئی خوش نصیب ہے وہ سجدہ کر لے ورنہ کوئی پروا نہیں ہوتی ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد پر نہ جانا جرم

تھا تو فریضہ صلوٰۃ چھوڑ کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اتباع سے نکل جانا کیا جرم نہیں ہے؟ یہ قانون تو حضور ﷺ کی ایک ایک ادا پر یہ لاگو ہو جائے گا کہ جو جان بوجھ کر یا دنیا کے لالچ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی کرے گا یہ وہ جرم ہے کہ اس کی توبہ بھی قبول نہیں ہوگی۔ انہوں نے توبہ نہ کی اور توبہ کیا کرتے انہوں نے کہا آپ حکم دیں اب جہاں بھی جہاد ہوگا ہم پہلے حاضر ہوں گے تو فرمایا نہیں اللہ کریم نے منع فرما دیا اب تمہاری ضرورت نہیں۔ تم نے جب ایک دفعہ اپنے لیے مخالفتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند کرلیا اب تم مخالف ہی رہو، بیٹھے رہو اور دیکھو اللہ کیسا قادر ہے کہ تمہارے بغیر بھی اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت فرماتا ہے اور اسے فاتح فرماتا ہے اور اسے قوت دیتا ہے۔ فتح اور شکست تو اللہ کے دست قدرت میں ہے۔

سو میرے بھائی ہمیں اپنی زندگیوں میں اس نظر سے جھانکنا ہوگا کہ میرے کردار، میرے عمل، میری سوچ، میری فکر میں کیا اتباع رسالت کی اہمیت زیادہ ہے یا میرے ذاتی کام کی یا میرے ذاتی آرام اور میرے ذاتی منفعت کی؟ ہمیں سوچنا ہوگا۔ اگر کوئی ذاتی مفاد کو اتباع رسالت پر ترجیح دے گا تو یہ وہ جرم ہے کہ جرم تو ہو جاتا ہے لیکن اس کی تلافی نہیں ہوتی اس کے لیے اللہ نے توبہ کا دروازہ بھی نہیں رکھا۔ بارالٰہا لوگ تیری ذات کے ساتھ شریک بنالیتے ہیں، پتھروں کو تیرا شریک بنالیتے ہیں، فرضی ناموں سے دیوتاؤں کو تیرا شریک بنادیتے ہیں، تیری مخلوق کو تیرا شریک بنالیتے ہیں، تیری ذات کا انکار کرتے ہیں اور کفر کرتے ہیں، تیری اطاعت نہیں کرتے پھر بھی ان کے لیے تو تُو نے توبہ کا دروازہ بند نہیں کیا۔ وہ جب توبہ کرتے ہیں تو قبول فرمالیتا ہے، مسلمان ہو جاتے ہیں۔ یہاں جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر اپنے مفادات، اپنے آرام، اپنے مال و دولت کو ترجیح دی اس پر اتنا سخت قانون لاگو کر دیا کہ تو نے اس پر توبہ کا دروازہ بھی بند کر دیا۔ یہ معاملہ ہی اتنا نازک تھا جو اللہ کی نافرمانی کرتے ہیں اللہ انہیں گھر گھر بتانے نہیں آتا۔ انہیں قدرت کے آثار سے اور قدرت کی صناعی سے اور کائنات سے اس کی قدرت کا احساس کرنا ہوتا ہے۔ اندازہ کرنا ہوتا ہے جب وہی اللہ ایک ہستی کو منتخب کرکے اتنی عظمت بخشے کہ بعثت سے لے کر قیامت تک آنے والی ساری مخلوق کو تو نے میرا پیغام پہنچانا ہے، ذاتی طور پر پہنچانا ہے اور انہیں کہنا کہ اللہ یہ فرما رہا ہے تو پھر جب کوئی بندہ اس حکم کو رد کرتا ہے تو گستاخ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تو ہوا ہی ہوا کیا وہ اس اللہ کی بارگاہ کا گستاخ نہیں ہوتا جس نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ان عظمتوں کے ساتھ مبعوث فرمایا اور یہ اس کی بات نہیں سمجھتا پھر اس کا کوئی حق باقی بچ جاتا ہے کہ پھر اسے معاف کیا جائے اور اس سے درگزر کیا جائے۔ اللہ نے جو کیا وہی انصاف ہے۔ ہم ایک عام آدمی ہیں عاجز مخلوق ہیں۔ ہمارا اختیار نہیں بیٹھے بیٹھے دم نکل سکتا ہے۔ بیٹھے بیٹھے بیمار ہو جاتے ہیں، امارت سے غربت آسکتی ہے۔ عاجز مخلوق ہو کر بھی انسانی

زندگی کے معاملات میں ہم کتنے حساس ہوتے ہیں۔ کوئی غائبانہ ہماری مخالفت کرتا رہے ہم پروانہیں کرتے لیکن کسی کے پاس ہم اپنے بھائی کو، بیٹے کو، اپنے دوست کو عزیز کو اپنے بہت قریبی شخص کو بطور نمائندہ بھیجیں اور وہ کہے مجھے تمہاری پروانہیں تو کیا ہوگا۔ ہمارے پاس اس کی معافی کا کوئی تصور ہے؟ وہ تو رب جلیل ہے، مالک کائنات ہے اس نے اپنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم قاصد بنا کر بھیجا ہے ماوشما انکار کر دیں اور کہیں ہم سے یہ نہیں ہوسکتا۔ کتنی گستاخی ہے اور کس بارگاہ کی گستاخی ہے؟ اب پیچھے رہ جانے والوں کے بارے پہلے سے ارشاد فرمادیا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس پہنچیں گے فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ یہ بھاگ کر آئیں گے کہ جناب آپ حکم دیں ہم حاضر ہیں، جہاں جہاد ہو ہم جائیں گے، اپنی جانیں قربان کر دیں گے فَقُلْ اے میرے حبیب ﷺ آپ فرما دیجیے لن تخرجوا اب تمہارا وقت نکل چکا اب تمہارے جہاد کی ضرورت نہیں تم میرے ساتھ مت آؤ وَلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا تم میرے ساتھ مل کر دشمنوں کے ساتھ جہاد بالکل نہ کرو اس لیے اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ جب پہلے تمہیں حکم دیا گیا تھا تو تم نے میری اطاعت کی بجائے پیچھے رہنے کو ترجیح دی۔ تم نے پیچھے رہنا چن لیا فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِيْنَ ﴿۸۳﴾ اب زندگی بھر پیچھے رہ جانے والوں کے ساتھ ہی رہو۔

ہم ان احکام کا اطلاق دوسروں پر تو بڑے جوش وخروش سے کرتے ہیں لیکن حق یہ ہے کہ قرآن ہر فرد کو ذاتی طور پر مخاطب کرتا ہے۔ مجھے اپنی ذات کا جائزہ لینا چاہیے اور آپ کو اپنی ذات کا کہ کہیں ہم سے یہ جرم سرزد تو نہیں ہو رہا۔ کہیں ہم پر جب زکوٰۃ فرض ہوتی ہے تو ہم یہ تو نہیں سوچتے کہ چھوڑو کون دیتا رہے۔ کہیں ہم اپنے سرمائے پر سود تو نہیں کھا رہے، کہیں ہمارے کاروبار اور دنیاوی مصروفیات نے ہم سے عبادات اور سجدے چھڑا تو نہیں دیئے؟ اگر کوئی جان بوجھ کر ایسا کرے گا، سستی سے رہ جائے گا تو توبہ قبول ہو جائے گی۔ غلطی ہو جائے تو بہ قبول ہو جائے گی لیکن کوئی جان بوجھ کر کہے گا مجھے ایسا ہی کرنا ہے اس سے توبہ کی توفیق بھی سلب ہو جائے گی۔ پھر یہی سزا یہاں بس نہیں فرمائی۔

حضور رحمت اللعالمین تھے کوئی کچھ بھی کرتا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ساتھ رحمت کا برتاؤ کرتے۔ عبداللہ ابن اُبی ء نے بے شمار گستاخیاں کیں اور بے حد مخالفت کی بلکہ بدر کا سبب بھی اس کی سازشیں بنیں اور اس نے مشرکین مکہ کو جا کر بڑا ابھارا کہ بھئی تم سمجھے کہ وہ لوگ مدینہ چلے گئے ختم ہو گئے انہوں نے تو وہاں مواخات کر لی ہے، زراعت کر رہے ہیں، کاروبار کر رہے ہیں، تجارت کر رہے ہیں تو وہ تو پھل پھول جائیں گے اور تمہارے لیے مصیبت بن جائے گی باہر نکلو پھر احد کے لیے اس نے مکہ والوں کی اتنی مدد کی کہ اس نے کہا میں سارے قبائل میں

جاؤں گا خندق کے لیئے پورے عرب کا دورہ اس نے کیا۔ اور مختلف قبائل کو اس نے مشرکین مکہ کے ساتھ آنے پر آمادہ کیا۔ احد کے دن اپنے تین سو ساتھیوں کے ساتھ عین اس وقت جب حضور ﷺ احد میں پہنچے تو چھوڑ کر الگ ہو گیا اور چلا گیا، بھاگ گیا۔ بہت گستاخیاں کیں لیکن جب وہ مرا تو نبی کریم ﷺ نے اس کے کفن کے لیے اپنا کرتہ مبارک عطا کر دیا۔ سیدنا فاروق اعظم نے دامن رحمت کو تھاما کہ یا رسول اللہ اتنا کرم اس پر نہ کیجیے نہ اس کا جنازہ پڑھیے نہ اس کی قبر پر جایئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین تھے۔ لیکن فیصلہ تو اللہ نے کرنا ہے۔ اللہ کریم نے فرمایا نہ صرف یہ کہ ان کی توبہ قبول نہیں ہوگی ۔ لَا تُصَلِّ عَلٰٓی اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم آج کے بعد ان میں سے کوئی بھی مر جائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر جنازے کی نماز نہیں پڑھیں گے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے لیئے دعا نہیں فرمائیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر کرم نہیں فرمائیں گے وَّلَا تَقُمْ عَلٰی قَبْرِهٖ ان کی قبر پر بھی آپؐ تشریف نہیں لے جائیں گے۔

اب ہمارا ایک مسئلہ تو یہ بھی بن گیا ہے کہ ہمارے اہل علم کا ایک طبقہ اس قبر کا جو ہم زمین میں کھود کر بناتے ہیں اس کا انکار ہی کر دیتا ہے کہ اس میں سوال جواب نہیں ہوتے عذاب ثواب نہیں ہوتا بلکہ وہ قبر جس میں عذاب ثواب ہوتا ہے وہ ثواب والی قبر علیین میں ہے اور عذاب والی سجین میں ہے علیین یا سجین میں عذاب ثواب ہوتا ہے۔ اس قبر کی کوئی اہمیت نہیں۔ یہ آیت اس مسئلے کو بھی واضح کر رہی ہے کہ کیا حضور علیین یا سجین میں تشریف لے جا کر ان کی قبروں پر جاتے تھے یا یہی قبر تھی جو مٹی میں کھودی جاتی ہے اور جس میں میت رکھ کر کے ڈھیری بنائی جاتی ہے۔ کتنی صاف اور واضح بات ہے تو فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی قبر پر بھی تشریف نہ لے جایئے۔ ورنہ تو جو مسلمان فوت ہوتا حضور ﷺ اپنی حیات مبارکہ میں اس کا جنازہ پڑھاتے، اس کی قبر پر تشریف لے جاتے، دعا فرماتے اپنے سامنے دفن کرواتے۔

فرمایا منافقین کو یہ حق حاصل نہیں ہے جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع ذاتی آرام یا دنیاوی فائدے کے لیئے چھوڑ دیا ہے ان کو یہ سعادت نصیب نہیں سو یہ مسئلہ بھی یہاں صاف ہو جاتا ہے کہ قبر سے مراد یہی گڑھا ہے جو زمین میں کھودا جاتا ہے منکر نکیر کا سوال و جواب اسی میں ہوتا ہے اور ثواب و عذاب بھی اسی میں ہوتا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جو ارشاد ہے **انما القبر روضة من رياض الجنة او حفرة من حفر النار** (مشکوٰۃ) کہ قبر یا جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے وہ یہی

قبر مراد ہے۔ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ﴿۸۴﴾ انہوں نے کفر کیا، انکار کیا عظمت الٰہی کا، انہوں نے انکار کیا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اور اسی پر مر گئے اسی حال میں کہ وہ نافرمان تھے۔ نافرمانی کی حالت میں ان کی موت واقع ہوگئی۔ اب ہم اندازہ کر سکتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کتنا بڑا جرم ہے۔ عظمت الٰہی کا اندازہ کیجئے جو ساری کائنات کا خالق اور واحد مالک اور واحد حکمران ہے ہر ذرے کو زندگی، وجود وہی ایک ذات فراہم کر رہی ہے۔ پھر اس کے انبیاءؑ کی عظمت کا اندازہ کیجئے پھر اس رسول ﷺ کی عظمت کا اندازہ فرمایئے جو تمام انبیاؑ کا بھی امام اور تمام مخلوق اور اللہ کے درمیان واحد واسطہ ذریعہ ہے۔ ذرا سوچیے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ کا پیغام لے کر تشریف لائیں اور میں اور آپ کہیں جی ہمیں تو فرصت نہیں ہے تو پھر نتیجہ کیا ہوگا۔

اب رہی ایک اور بات کہ یہ اتنے نافرمان ہیں، انہوں نے جرم کیا اللہ کی نافرمانی کی، اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی لیکن دنیا میں تو یہ مزے کر رہے ہیں کہ ان کے پاس حکومتیں بھی ہیں، اولاد بھی ہے عیش کر رہے ہیں فرمایا: وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَاَوْلَادُهُمْ اے مخاطب! ان کی مال و دولت اور ان کی اولادیں تجھے حیران نہ کریں کوئی عجیب بات نہیں ہے اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا ان کا مال اور ان کی اولاد بھی ان کے لیئے اللہ نے عذاب بنا دی ہے انہیں وہی دولت بصورت عذاب چمٹ جاتی ہے اور وہی ان کی رسوائی کا سبب بن جاتی ہے۔ ان کی ذلت کا سبب بن جاتی ہے، اسی کو روتے ان کی عمر بسر ہو جاتی ہے اور ان کی اولاد جو میں انہیں دیتا ہوں وہ اس سے بڑھ کر ان کے لیئے عذاب الٰہی کا سبب بن جاتی ہے اور انہیں رسوا کرنے کا سبب بن جاتی ہے یہ مال اور اولاد سے خوشحال نہیں ہیں بلکہ ان کے مال بھی ان کے لیئے مصیبت ہیں اور ان کی اولاد بھی ان کے لیئے باعث ذلت ہے اور رسوائی ہے۔ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا لیکن اللہ یہ چاہتے ہیں کہ جن چیزوں سے لوگوں کو سکھ ملتا ہے یعنی اولاد اور مال ان کو اسی مال اور اولاد سے عذاب دیا جائے۔ جو چیزیں دنیا میں عزت اور آرام کا سبب ہیں ان کے لیئے ذلت اور رسوائی اور دکھ کا سبب بن جاتی ہیں۔ اللہ انہیں مال اور اولاد دے کر ان کے لیئے پریشانی کا سبب بنا دیتا ہے اور یہ ان کے لیے کڑھتے کڑھتے مر جاتے ہیں۔ یہ عذاب دنیا میں بھگتتے رہتے ہیں وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ﴿۸۵﴾ سب سے بڑی سزا تو انہیں یہ ہے کہ انہیں توبہ کی توفیق نہیں ہوتی۔ توبہ کی توفیق سلب ہو چکی ہوتی ہے۔ یہ اسی طرح زندگی پوری کر جاتے

ہیں اور کفر ہی میں مر جاتے ہیں۔ انہیں پھر توفیق اطاعت ہوتی ہی نہیں۔ تو میرے بھائی اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے احکام کی اطاعت کے سوا زندگی کا کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔ ہر راستہ عذاب الٰہی کی طرف جاتا ہے بندے کو اپنے آپ کے ساتھ تو کوئی نیکی کرنی چاہیے اپنے آپ پر تو رحم کرنا چاہیے اور اپنے آپ کو تو اللہ کے غضب سے اور نافرمانی سے بچانا چاہیے۔

اللہ پاک سمجھ بھی دے شعور بھی دے اور توفیق بھی دے اور ہمیں اپنے اطاعت شعار بندوں کے ساتھ رکھے اور نافرمانی سے اپنی پناہ میں رکھے۔ اس سے پہلی آیہ کریمہ میں گزر چکا ہے کہ جو لوگ دعوی اسلام بھی رکھتے ہیں لیکن جانی اور مالی جہاد سے جی چراتے ہیں ان کے بارے ارشاد ہوا کہ ان کے پاس اگر مال اور اولاد ہے عہدے اور رتبے ہیں دنیاوی مقام و مرتبے بھی ہیں تو یہ چیزیں بھی ان کے لیئے باعث عذاب ہیں حالانکہ وہ منافقین دکھاوے کے لیے سہی لیکن نمازیں پڑھتے تھے مسلمانوں کے ساتھ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں بھی پڑھتے تھے۔ روزے بھی رکھتے تھے بظاہر ارکان اسلام پر عمل بھی کرتے تھے لیکن اندر سے انہیں اسلام کی حقانیت پر یقین نہیں تھا۔ اس نفاق کا پول اس وقت کھلا جب دنیاوی مفاد زد میں آیا۔ غزوہ تبوک کا تذکرہ جاری ہے۔ تبوک میں بہت سی مشکلات تھیں ایک تو یہ عالم تھا کہ گرمی زوروں پر تھی دوسرا عارضہ یہ تھا کہ سفر بڑا لمبا تھا۔ سینکڑوں میلوں پر محیط تھا۔ تیسری بڑی یہ بات تھی کہ مقابلہ قیصر سے تھا۔ قیصر اس وقت کی سپر پاور کہلاتا تھا۔ جسے دنیاوی زبان میں سپر پاور کہتے ہیں اس وقت دنیا میں دو ہی تھیں۔ قیصر اور کسریٰ جب قیصر نے ریاست اسلامی پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا کہ مقابلہ سرحد پر ہوگا ہم قیصر کی فوجوں کو مدینہ منورہ تک آنے کی اجازت نہیں دیں گے چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تبوک تشریف لے گئے۔ ایک بڑا عارضہ یہ بھی تھا کہ پچھلے سال کھجوروں کی فصل اچھی نہیں ہوئی تھی اور اس سال بہت اچھی فصل ہوئی تھی۔ لوگ قحط سالی کے مارے ہوئے تھے اور اس وقت فصل بھی تیار تھی تو وہ لوگ جو نماز روزے میں تو ساتھ دیتے رہے جب جان اور مال کی قربانی کا وقت آیا تو بہانے کرنے لگے۔ اس گرمی میں تو اتنا سفر نہیں ہوسکتا پھر دوسروں کو بھی روکنے لگے لَا تَنْفِرُوْا فِی الْحَرِّ ؕ اتنی گرمی میں کیوں سفر اختیار کرتے ہو مت جاؤ۔ دعویٰ ان کا ایمان کا تھا ظاہری اعمال بھی مسلمانوں جیسے کرتے تھے لیکن جب مالی اور جانی مفادات پر زد پڑی تو پیچھے ہٹ گئے دنیاوی سہولتوں پر نہ جایئے اللہ قادر ہے جو چیز دنیا میں آرام کے لیے ہوتی ہے وہ ایسا قادر ہے کہ وہ چاہے تو اسی کو عذاب کا سبب بنادے۔ ایک بندہ دوا کھاتا ہے شفا کے لیئے لیکن اس سے اس کی موت واقع ہوجاتی ہے تو چیزوں میں تاثیر تو اس کے دست

قدرت میں ہے وہ خود بدل دیتا ہے اگر زہر میں اس نے موت کی تاثیر رکھی ہے تو اس نے رکھی ہے۔ اگر کسی کے لیے زہر کو شفا کا سبب بنا دے تو بنا سکتا ہے۔ کتنے واقعات ملتے ہیں حضرت خالدؓ کی کرامت مشہور ہے کہ انہوں نے زہر کا پیالہ پی لیا تھا اور انہیں کچھ نہیں ہوا تھا بلکہ اور صحت اچھی ہو گئی تھی کتنے اولیاء اللہ کے ذکر میں ملتا ہے کہ انہوں نے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر زہر کا پیالہ پی لیا کوئی اثر نہیں ہوا بلکہ صحت اور ٹھیک ہو گئی کہ تاثیر تو اللہ کی طرف سے ہے بندہ مال واولاد کے لیئے ساری زندگی لالچ کرتا رہتا ہے لیکن فرمایا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع چھوڑ دیں گے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت چھوڑیں گے ان کے پاس مال اور اولاد بھی ہو گی تو اللہ انہیں اس اسی سے عذاب دے گا۔ وہی ان کے لیے عذاب کا سبب بن جائیں گے۔ ان کا مال اور ان کی اولاد ہی ان کے لیئے ذلت ورسوائی کا سبب بن جائے گی آج بھی کتنے ایسے لوگ ہیں جو اپنے مال ودولت کی وجہ سے رسوا ہو رہے ہیں دنیا میں بھی جگ ہنسائی ہو رہی ہے۔ کتنے لوگ ہیں جو اولاد کے ہاتھوں تنگ ہیں۔ ان کی نہ عزت محفوظ ہے نہ آبرو اور نہ ہی آرام میسر ہے تو فرمایا اللہ کریم چاہتے ہیں کہ انہیں اسی کے ذریعے عذاب دیں **وَتَزۡهَقَ اَنۡفُسُهُمۡ وَهُمۡ كٰفِرُوۡنَ** ۔

وہ ایک عمل......:

وہ کون سا عمل ہے جو سب کچھ غارت کرنے کے لیے کافی ہے؟ یہ آیت بتاتی ہے کہ وہ کہتے ہیں ہم مسلمان ہیں۔ مسلمانوں کے ساتھ اعمال بھی کرتے ہیں، نمازیں بھی پڑھتے ہیں، روزے رکھتے ہیں۔ اللہ کریم فرماتے ہیں جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے جی چراؤ گے تو اسلام کہاں کا ہے؟ پھر جس دنیاوی مفاد کے لیے تم کوشش کرو گے وہی تمہاری رسوائی کا سبب بن جائے گا اور اسی حال میں تمہاری جان چلی جائے گی کہ تم حالت کفر میں ہو گے۔ اگر ہم یہ جاننا چاہیں کہ اسلام کیا ہے تو سادہ سے الفاظ ہیں جواب یہ ہے کہ دل وجان اور مال سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنے کا نام اسلام ہے۔ جہاں اطاعت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم میں فرق آ گیا باقی سارے ارکان پورے بھی رہیں یہ ایک چیز منفی ہو گئی تو سب کو منفی کر دے گی۔ الجبرے کا اصول بھی ہے اگر بریکٹ کے باہر منفی ہے تو اندر کتنی جمع کو جمع کر لیں جب بھی بریکٹ کھولیں گے تو سب منفی ہو جائیں گی۔ جہاں اطاعت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم میں عمداً کوتاہی آئے گی۔ جان بوجھ کر بندہ جان یا مال بچانا چاہے گا یہ ایک عمل باقی ساری عبادات اور نظریات کو غارت کرنے کے لیے کافی ہے۔

فرمایا پھران کا حال تو یہ ہے وَاِذَآ اُنۡزِلَتۡ سُوۡرَةٌ اَنۡ اٰمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوۡا مَعَ رَسُوۡلِهِ جب یہ حکم نازل ہوتا ہے کہ اللہ پر ایمان لاؤ تو اس سے مراد ہے کہ بندہ مانے کہ اللہ لاشریک ہے، اللہ پر ایمان رکھے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مانے، تمام انبیاءؑ پر ایمان رکھے۔ تمام آسمانی کتابوں پر ایمان رکھے۔ آخرت پر یقین رکھے آخرت کی جوابدہی پر یقین رکھے لیکن اسی پر بس نہیں فرمایا: ارشاد ہوا وَجَاهِدُوۡا مَعَ رَسُوۡلِهِ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل کر جہاد کرو۔ جہاد جہد سے مشتق ہے۔ جہد کا معنی ہے اپنی سی کوشش کرنا جو اپنے بس میں ہے وہ کوشش کرنا یعنی جو مشن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ ایمان واحوال کی اصلاح، عقائد و اعمال کی اصلاح اس مشن میں ہاتھ بٹاؤ۔ اس میں جان لگے لگا دو مال لگے لگا دو وَجَاهِدُوۡا مَعَ رَسُوۡلِهِ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل کر جہاد کرو اور یہ عجیب بات ہے کہ جس کے جو بس میں ہے وہی اس کا جہاد ہے۔ ضروری نہیں کہ سارے بندے محاذ پر ہی پہنچ جائیں جو نہیں جا سکتا اس میں اتنی سکت نہیں ہے لیکن وہ بات تو حق کی کر سکتا ہے اپنے اعمال اپنے کردار میں تو اتباع رسالت پناہی کو لا سکتا ہے جتنا جس کے بس میں ہے اتنا وہ اللہ کے رسول ﷺ کے اتباع کی کوشش کرے۔ اللہ کے رسول ﷺ کے کام میں تعاون کی بھرپور کوشش کرے جتنا وہ کر سکے جیسے حضور ﷺ کا ارشاد ہے: **بلغوا عنی ولو اية** او کما قال رسول اللہ ﷺ کہ میرا ایک جملہ بھی کسی تک پہنچے تو میری طرف سے آگے پہنچاؤ۔ یعنی جس کے پاس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمایا ہوا ایک جملہ پہنچا اس کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امانت ہے نہ صرف یہ کہ اسے دل و جان سے مانے بلکہ اسے آگے بھی پہنچائے دوسروں تک بھی پہنچائے۔ ان کا حال یہ ہے کہ جب اس طرح کا حکم نازل ہوتا ہے کہ اللہ کو مانو اللہ پر ایمان لاؤ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو کام ہے اس میں دل و جان سے شامل ہو جاؤ، مال سے جہاد کرنا پڑے کرو، جان دینی پڑے دو اسۡتَاۡذَنَكَ اُولُوا الطَّوۡلِ مِنۡهُمۡ تو ان کے صاحب استطاعت لوگ آپ ﷺ سے اجازتیں لینے لگ جاتے ہیں۔ طرح طرح کے جھوٹے اور فضول عذر پیش کر کے چاہتے ہیں کہ کسی طرح جہاد سے جان بچا لیں حالانکہ یہ صاحب حیثیت ہیں اور یہ اس کام کو کر سکتے ہیں وَقَالُوۡا ذَرۡنَا نَكُنۡ مَّعَ الۡقٰعِدِيۡنَ۝۸۶ یہ اجازت چاہتے ہیں کہ جو پیچھے رہ جائیں گے ہمیں ان کے ساتھ بیٹھے رہنے دیجیے۔ رَضُوۡا بِاَنۡ يَّكُوۡنُوۡا مَعَ الۡخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ فَهُمۡ لَا يَفۡقَهُوۡنَ۝۸۷ دنیا دار کی نگاہ میں بظاہر تو یہ بڑی ہوشیاری کا کام ہے کہ دین کا دین بھی رہا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اجازت

بھی لے لی کہ جی میں مجبور ہوں نہیں جا سکتا فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تو دھوکا دے سکتے ہو، اللہ کو دھوکا کون دے گا؟ وہ تو جانتا ہے کہ تم جا سکتے ہو۔ تمہارے پاس وسائل ہیں تم یہ کام کر سکتے ہو۔ لیکن یہ پیچھے رہ جانے والوں کے ساتھ رہ جانے پر راضی ہیں رَضُوْا یہ بڑے خوش ہیں سفر سے بھی بچ گئے گرمی سے بھی بچ گئے اپنی فصل بھی سنبھالیں گے اور ایک بہت بڑے دشمن سے اور مصیبت سے بھی بچ گئے فرمایا اس عمل کے نتیجے میں وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ ان کے دلوں پر مہر کر دی گئی فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ۝ اب ان میں کوئی سوجھ بوجھ ہی نہیں رہی۔ یہ بات سمجھ ہی نہیں سکتے۔ یہ اپنا نفع نقصان بھی نہیں سمجھ سکتے۔ یہ دنیا کو نفع کا سودا سمجھ رہے ہیں جو یہیں رہ جائے گی اور جو اپنے ساتھ بے شمار مصیبتیں لاتی ہے اور آخرت جو نفع ہی نفع ہے اس کو چھوڑ رہے ہیں یہ کون سی دانشمندی ہے کون سی عقلمندی ہے۔

ہمارا مزاج یہ ہو گیا ہے کہ کوئی آیت اس طرح کی آتی ہے تو منافقین پر یا کفار پر چسپاں کر کے ہم بے فکر ہو جاتے ہیں اور کوئی آیت انعام و اکرام کی آتی ہے تو خود کو اس میں شامل کرنا چاہتے ہیں اصول یہ ہے کہ قرآنی آیات کا نزول بے شک خاص ہے لیکن حکم عام ہے اور قیامت تک کے لیے یہی قرآن کتاب ہدایت ہے اور سب کے لیے تمام بنی آدم کے لیے ہے۔ اب جو بھی، جتنا بھی، دین پر عمل سے جی چرائے گا اس کا ایمان اتنا ہی کمزور ہوتا جائے گا۔ کرنا تو اس نے وہی ہے جو اس کے بس میں ہے لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ؕ (البقرہ: 286) جو کام کسی کے بس میں نہیں اللہ اس کو اس کا مکلف ہی نہیں بناتے اس کی تکلیف ہی نہیں دیتے۔ اب جو اس کے بس میں ہے اگر وہ ظاہری دنیاداری کے لیے یہ سب کرتا ہے لیکن جب جان دینے یا مال دینے یا تکلیف اٹھانے کی باری آتی ہے تو معذور بن جاتا ہے اجازتیں لینے اور بہانے بنانے لگ جاتا ہے تو فرمایا یہ ایک عمل اس کے دل پر مہر کر دینے کے لیے کافی ہے۔

دل پر مہر لگنے کا نتیجہ:

دل پر مہر سے کیا ہوتا ہے فرمایا سمجھ الٹ جاتی ہے۔ دنیا جب آتی ہے تو اپنے ساتھ بے پناہ پریشانیاں لاتی ہے اور جسے جمع کرتے رہیں تو آپ کو چھوڑ کر چلے جانا ہے۔ اس کے لیے تو محنت اور مجاہدہ کرتا ہے، رسوائیاں برداشت کرتا ہے ذلتیں اٹھاتا ہے اور آخرت جس میں نفع ہی نفع ہے اسے چھوڑ دیتا ہے تو سمجھ الٹ گئی کہ منافع کی

چیز کو چھوڑ دیتا ہے اور نقصان کی چیز کو گلے لگا کر ساری عمر اس میں صرف کر دیتا ہے تو ہمیں ان آیات مبارکہ کو اپنی حالات زندگی پر نافذ ہوتا ہوا دیکھنا چاہیے۔ کیا میں نماز روزے میں تو بڑی پھرتی دکھاتا ہوں، کہیں حلال حرام کی پابندی بھی کرتا ہوں، کیا میں عبادات تو بڑی کرتا ہوں اللہ کی راہ میں ایثار کا وقت آئے تو میں کر سکتا ہوں، کیا اللہ کی راہ میں جان دینی پڑ جائے تو میں دے سکتا ہوں۔ ہمارا عالم تو یہ ہے کہ ہم تو یہ دعا مانگتے ہوئے بھی ڈرتے ہیں کہ یا اللہ مجھے بھی شہادت دے دے۔ اندر سے دل سے ٹٹول کے دیکھا جائے تو شہید ہونا تو دور کی بات میرے خیال میں ہم میں سے اکثریت تو ان لوگوں کی ہے جو شاید اپنے لیے، شہادت کی تمنا بھی نہیں کر سکتے اور راہ حق میں مال خرچ کرنے کا حوصلہ نہیں پاتے۔ آدمی کو دو ہی لالچ ہوتے ہیں زندگی کا یا مال کا۔ فرمایا جب انہیں اپنا مال اپنا آرام اتباع رسالت سے عزیز ہوا تو ہم نے ان کے دلوں پر مہر کر دی۔ اب یہ بات سمجھ ہی نہیں سکتے۔

ان کے مقابلے میں وہ لوگ ہیں لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۔ لیکن میرا رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور وہ مومن جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہیں۔ حضور ﷺ کے ساتھ کیا وہی لوگ ہیں جو عہد نبوی میں تھے؟ نہیں قیامت تک آنے والے لوگوں میں جو لوگ حضور صلی اللہ علیہ وعلیٰ الہ وسلم کے ساتھ ہیں یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں جان و مال ہارنے کو بھی تیار ہیں جو ہر حال میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن ہاتھ سے چھوڑنا نہیں چاہتے۔ اپنی جان سے بھی مال سے بھی جہاد کرتے ہیں وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ سب بھلائیاں ان کے لئیے ہیں سارے مناصب ان کے لیے ہیں۔ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۸۸﴾ یہ وہ لوگ ہیں جو کامیابی کو پانے والے ہیں جو کامیاب لوگ ہیں جو فلاح پا جائیں گے۔ فلاح بہت وسیع لفظ ہے۔ فلاح سے مراد ہے کہ بندہ جانی طور پر بھی بھلائی پائے، مالی طور پر بھلائی پائے، معاشرے سے بھی بھلائی پائے زندگی سے بھی بھلائی پائے اگر موت آ جائے تو موت سے بھی بھلائی حاصل کر جائے برزخ میں جائے تو بھلائی ملے عرصہ محشر قائم ہو تو بھلائی نصیب ہو اور لوگ حساب کتاب کر کے فارغ ہو کے جائیں تو بھلائی نصیب ہو اور اللہ کی جنت میں پہنچ جائیں۔ فلاح سے مراد ہے کہ آج کی سانس سے لے کر قیامت کو جنت کے داخلے تک ہر جگہ کامیابی نصیب ہوتی جائے موذن، اذان میں، یہی اعلان کرتا ہے حیی علی الصلوٰۃ آؤ صلوٰۃ کی طرف حیی علی الفلاح آؤ بھلائی سمیٹ لو۔ تو فلاح اور بھلائی سے یہ مراد نہیں ہے کہ

ایک جگہ تو نفع ہو گیا دوسری جگہ نقصان ہو گیا پھر بھلائی کیسی رہی؟ فلاح سے مراد یہ ہے کہ دم حاضر سے لے کر دخول جنت تک ہر ہر مرحلے پر کامیاب ہوتا چلا جائے فرمایا یہ کون لوگ ہیں؟ یہ وہ لوگ ہیں وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جو میرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر فدا ہو گئے جنہوں نے دامانِ رسالت کو اس طرح تھاما کہ فرمایا اب کچھ بھی ہو جائے اسی دامن کے ساتھ وابستہ رہیں گے۔ مال آئے اللہ کی مہربانی، مال جائے اللہ قبول فرمالے۔ جان بچے الحمد للہ جان جائے اللہ قبول فرمالے۔ یہ دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑیں گے جو معیت رسول کو اختیار کرتے ہیں اور یہ معیت اختیاری ہے کہ وہ دامان رسالت کو تھامتا ہے یا دنیا کی لذات کے لالچ میں کھو جاتا ہے جس نے لذات فانیہ کو ٹھکرا کر دامان رسالت کو تھام لیا وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ؛ سب بھلائیاں ان کے لیئے ہیں وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴿۸۸﴾ اور یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے فلاح پالی اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ یہ وہ لوگ ہیں جن کی خاطر اللہ نے جنت بنائی ہے فرمایا جو لوگ میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن رسالت کو تھامتے ہیں اور پھر ان کی زندگی کا نصب العین دامان رسالت سے وابستہ رہنا ہوتا ہے اس میں دکھ آئے تو جھیلتے ہیں سکھ آئے تو اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں۔ لیکن ان کے پاس دامان رسالت کو چھوڑنے کا کوئی تصور نہیں ہوتا کوئی حیلہ بہانہ نہیں۔ کسی حیلے اور بہانے سے شرعی حرام کو حلال نہیں کرتے۔ شرعی حلال کو حرام نہیں کہتے۔ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بعینہ انہیں الفاظ کی روشنی میں اس پر عمل کرنا اپنی زندگی کا نصب العین بنا لیتے ہیں۔ فرمایا انہیں لوگوں کے لیئے تو میں نے جنت بنائی ہے۔ دیکھیں یہاں اللہ کریم کا ارشاد فرمانے کا انداز نرالا ہے۔ یہاں یہ نہیں فرمایا میں ان لوگوں کو جنت میں لے جاؤں گا۔ فرمایا جنت بنائی ہی ان کے لیئے ہے اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ ان کی خاطر تو اللہ نے جنت تعمیر کی ہے جس کے تابع نہریں چلتی ہیں اور جس میں یہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ فرمایا: ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴿۸۹﴾ یہ بہت بڑی بات ہے۔ یہ بہت بڑی جیت ہے کہ کوئی اس دار دنیا سے جس میں عجیب وغریب طرح کی مصیبتیں ہیں جس میں عجیب وغریب طرح کی لذتیں ہیں جس میں عجیب وغریب طرح کے دکھاوے اور چھلاوے ہیں جو بظاہر بڑے خوبصورت نظر آتے ہیں۔ دیکھو کیسی عجیب بات ہے آم بہت مزیدار بہت لذیذ پھل ہے اگر کوئی شوگر کا مریض اس کی لذت میں دس بارہ آم کھا جائے تو لذت تو حلق سے اوپر رہ جائے گی نیچے تو ساری مٹھاس اور شوگر جائے گی تو وہ تو اپنی موت کے لیے کھا رہا ہے وہ کوئی زندگی کی شے تو نہیں کھا رہا اگرچہ بڑا خوش ذائقہ پھل ہے بڑا لذیذ ہے بڑا خوشبودار ہے لیکن اس کا اثر کیا ہے؟ اس کی صحت تباہ ہو رہی

ہے وہ اپنی موت کا سامان کیے جا رہا ہے۔ دنیا کی چیزوں کی مثال ایسی ہے ہم سب مریض ہیں اور ممنوعہ چیزوں کو پُرلذت ہی سمجھ کر کھاتے ہیں اور وہ لذت حلق سے اوپر اوپر ہی ہوتی ہے حلق سے نیچے کوئی کڑوی چیز چلی جائے یا کوئی میٹھی چیز چلی جائے اس کا ایک اپنا اثر ہے۔ صرف زبان تک ہے تو دنیاوی لذتیں لمحاتی اور وقتی ہیں۔ اول تو ان کی معیاد بہت تھوڑی ہوتی ہے جیسے کوئی شخص دس لاکھ لوٹ کر بینک سے فرار ہو گیا تو لوٹ کر فرار ہونے تک تو بڑا خوش ہے کہ میرے پاس دس لاکھ ہیں لیکن جب تعاقب میں پولیس نکلتی ہے، گولیاں برستی ہیں، آگے جیل نظر آتی ہے تو ساری لذتیں فنا ہو جاتی ہیں۔ یعنی دنیا کے غلط ہر کام میں ذلت و رسوائی ہے۔ کوئی رشوت دے کر اقتدار میں آ جائے تو کیا پاتا ہے؟ ہر طرف سے لعنت برستی ہے۔ آرام سے گھر بیٹھا تھا اس اقتدار کو اس نے کیا کرنا تھا جس نے ہر شخص کی زبان پر اس کے لئیے بددعائیں جاری کر دیں لیکن وہ جو وقتی لذتیں ہیں اس پر لوگ فدا ہو جاتے ہیں۔ ہاں اقتدار و مناصب ان کے لئیے خوش آئند ہے جو اس کی اہلیت رکھتے ہوں۔ لوگوں کو آرام پہنچے اور لوگ ان کے لیے دعا کریں پھر تو بات ہوئی لیکن یہ تو بہت کم ہوتا ہے تو فرمایا جن لوگوں نے خلوص دل سے دامان رسالت کو تھاما اور اتباع نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے دنیاوی عیش و آرام سے بالاتر ہو گئے یہی وہ لوگ ہیں جن کی خاطر میں نے جنت بنائی ہے ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿٧٢﴾ اور یہ سب سے بڑی کامیابی ہے۔

سورۃ التوبہ رکوع 12 آیات 90 تا 93

أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ
وَرَسُوْلَهٗ ۭ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۞٩٠ لَيْسَ عَلَى
الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ
اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۭ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ
رَّحِيْمٌ ۞٩١ وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ
اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ۠ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا
يُنْفِقُوْنَ ۞٩٢ (11) اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ وَهُمْ اَغْنِيَآءُ ۚ
رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ ۙ وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا
يَعْلَمُوْنَ ۞٩٣

اور صحرانشینوں سے کچھ لوگ عذر کرتے ہوئے (آپ کے پاس) آئے کہ ان کو بھی اجازت دی جائے اور جنہوں نے اللہ اور اس کے پیغمبر کے ساتھ جھوٹ بولا وہ (گھروں میں) بیٹھ رہے ان میں سے جو (آخر تک) کافر رہیں گے جلد ہی ان کو دردناک عذاب ہوگا ﴿۹۰﴾ کمزور لوگوں پر کوئی گناہ نہیں اور نہ بیماروں پر اور نہ ان لوگوں پر جن کو خرچ کرنے کو میسر نہیں جب اللہ اور اس کے پیغمبر کے ساتھ خلوص رکھیں۔ نیکوکاروں پر کسی طرح کا الزام نہیں اور اللہ بخشنے والے مہربان ہیں ﴿۹۱﴾ اور نہ ان لوگوں پر (کوئی گناہ) ہے جب وہ آپ کے پاس آئے کہ آپ ان کو کوئی

سواری دے دیں آپ نے فرمایا کہ میرے پاس تو کوئی چیز نہیں جس پر میں تم کو سوار کر دوں تو وہ اس حال میں واپس گئے کہ ان کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے اس دکھ میں کہ ان کو خرچ کرنے کے لیے کچھ میسر نہیں ﴿۹۲﴾ بے شک ان لوگوں پر مواخذہ ہے جو سامان (فراخی) ہونے کے باوجود آپ سے اجازت مانگتے ہیں وہ خانہ نشین عورتوں کے ساتھ بیٹھ رہنے پہ خوش ہیں اور اللہ نے ان کے دلوں پر مہر کر دی سو وہ جانتے ہی نہیں ﴿۹۳﴾

تفسیر ومعارف

وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ فرمایا یہ صرف مدینہ منورہ کی آبادی سے نہیں بلکہ اردگرد کے دیہات سے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایسے لوگ آئے صحرانشینوں سے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایسے لوگ آئے جو اجازت طلب کر رہے ہیں کہ ہمیں معاف رکھا جائے ہماری یہ گھریلو مجبوری ہے میرے پاس فرصت نہیں ہے میں سفر نہیں کر سکتا مجھے اجازت دی جائے فرمایا الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ سے جھوٹ بولتے ہیں۔ اب یہ لوگ اللہ کو تو مخاطب نہیں کر رہے۔ نبی کریم ﷺ کے ساتھ بہانے کر رہے تھے لیکن اللہ کریم نے فرمایا میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو جھوٹ بول رہا ہے وہ دیکھ لے کہ وہ میرے ساتھ جھوٹ بول رہا ہے۔ میرا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کا حکم کرتا ہے جو میں کہتا ہوں میرے نبی ﷺ کی اطاعت میری اطاعت ہے میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جھوٹ بولنا میرے ساتھ جھوٹ بولنا ہے اور یہ کیسے عجیب انسان ہیں کیا یہ نہیں جانتے کہ اللہ ہر چیز سے واقف ہے اور ہر چیز کو جانتا ہے اور ہر طاقت ہر قوت ہر استعداد اس کی اپنی دی ہوئی ہے وہ اپنی دی ہوئی چیزوں سے بے خبر کیسے رہ سکتا ہے۔ ان میں سے جو اسی بات پر رہیں گے اور مر جائیں گے اور آخر تک جمے رہیں گے تو یہ کافر ہیں۔ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ یہ بھی اس کا کرم ہے کہ یہاں بھی توبہ کا دروازہ کھلا چھوڑ دیا یہ سب کرنے کے بعد بھی خلوص دل سے توبہ کریں اور اطاعت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا لیں تو میں انہیں بھی معاف کر دوں گا لیکن آخر تک اسی پر جمے رہے تو پھر دیکھ لو یہ کفر ہے ان میں سے جو کافر ہے ان کو بہت ہی دردناک عذاب پہنچے گا یعنی

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بہانہ بازی کرنا اور جس کام کی استعداد ہو، کر سکتا ہو لیکن اس میں شریعت پر عمل نہ کرے۔ یہاں تو بڑی محنت کا مطالبہ ہے کہ جان بھی دے، زخم بھی سہے، مال بھی خرچ کرے۔ ہمارا عالم تو یہ ہے کہ ہم پانچ وقت کی فرض نماز سے بھی جی چراتے ہیں کہ ہمیں دفتر میں فرصت نہیں ملتی دکان سے فرصت نہیں ملتی۔ کپڑے ہی پاک نہیں رہتے۔ دل ناپاک ہو تو کپڑے پاک کیسے رہیں گے۔ دل پاک ہو تو کپڑے بھی پاک رکھے جا سکتے ہیں۔ بیماروں اور مریضوں کو بھی ہم نے دیکھا ہے کہ ایک دھوتی ساتھ رکھتے ہیں کپڑے پاک نہیں رہتے تو نماز کے وقت شلوار بدل کر دھوتی باندھ کے نماز پڑھ لیتے ہیں پھر وہی پہن لیتے ہیں۔ مریض ہیں ان کے بس کی بات نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ ہم دل سے کرنا کیا چاہتے ہیں اور اگر ہم اطاعت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نہیں کرنا چاہتے تو اسے صرف معمولی گناہ نہ سمجھیں اگر یہ مستقل عادت بن جائے تو ہر گناہ مفضی الی الکفر ہوتا ہے یعنی ہر گناہ کفر کی طرف کھینچنے والا ہوتا ہے وہ ایک ایک قدم کفر کی طرف لے جاتا ہے۔ اگر اسی پر موت آ جائے تو فرمایا یہ تو کفر پر مر جاتے ہیں سَيُصِيبُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ جن کو اسی پر موت آ گئی زندگی بھر اسی پر حیلے بہانے کرتے رہے فرمایا یہ تو کفر پر مر گئے ان کو بہت دردناک عذاب ہوگا۔ یعنی عذاب تو کافر کو بھی ہوگا لیکن یہ جو دعویٰ اسلام کا کرتے تھے اور کردار کافر کا رکھتے تھے ان کو بڑا سخت عذاب، بہت دردناک عذاب ہوگا۔

ہاں کچھ لوگ ایسے ہیں جو واقعی معذور ہیں جسمانی صحت کے حساب سے معذور ہیں، مالی وسائل کے حساب سے معذور ہیں اور ایسی کوئی مجبوریاں ہیں کہ وہ حاضر نہیں ہو سکتے فرمایا: لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۱﴾ فرمایا اللہ کریم کسی پر جبر نہیں کرتے ہر ایک کو طاقت، صحت، اولاد، مال و دولت خود اللہ نے دی ہے اگر واقعی کوئی معذور ہے ساتھ نہیں چل سکتا اس پر مواخذہ نہیں ہے۔ واقعی کوئی مریض ہے یا کوئی بے سروسامان ہے اس کے پاس نہ سواری ہے نہ اسلحہ ہے نہ راشن ہے وہ نہیں جا سکتا ان پر کوئی حرج نہیں ہے لیکن تب تک حرج نہیں ہے اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ جب تک وہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خلوص قائم رکھیں۔ معذور بھی ہے تو اس کے دل میں اس بات کا غم ہو کہ کاش یہ عذر نہ ہوتا اور میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب جانے کا شرف حاصل کرتا۔ بیمار بھی ہے تو اس کی آنکھوں سے آنسو تو ٹپکیں کاش میری صحت ٹھیک ہوتی میں بھی اس سعادت سے بہرہ ور ہوتا۔ میں بستر پر ایڑھیاں رگڑنے کی بجائے میدان جنگ میں شہید ہوتا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرا جنازہ پڑھاتے اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ ہاں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کم از کم خلوص تو رکھتے ہوں۔ ؕ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ

سَبِيْلٍ ط اور جو لوگ دل کی گہرائی سے اطاعت رسالت پر جان نچھاور کرنا چاہتے ہیں فرمایا ان پر کسی کو کوئی اعتراض نہیں۔ اللہ ان کی کمزوریوں سے واقف ہے۔ وہ جانتا ہے کہ ان کے بس میں نہیں۔ میں نے اسے وسائل نہیں دیئے ورنہ اس کے پاس جو کچھ ہے یہ بارگاہ رسالت پر نچھاور کرنے کو تیار ہے وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۱﴾ اس لیے کہ اللہ سب سے بڑا بخشنے والا ہے۔

ایک ساتھی تشریف لائے اور کہنے لگے کہ میں قرآن کریم پڑھتا ہوں تو اللہ کریم گناہوں پر کفر پر خطاؤں پر بڑے خفا ہوتے ہیں بڑی سخت آیات آتی ہیں عذاب کی وعیدیں ایسے آتی ہیں جیسے بجلیاں کڑکتی ہیں۔ غضب الٰہی اس طرح برستا ہے لیکن آخر میں جب پہنچتے ہیں تو اللہ پھر صلح کر لیتا ہے کہ جو کچھ بھی کیا ہے توبہ کرلو میں معاف کرتا ہوں اور واقعی میں نے ان کی بات پر غور کیا اب یہاں ایمان کا دعویٰ رکھنے والے بظاہر مسلمانوں جیسے اعمال کرنے والوں نے بھی جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں جانے سے جی چرایا تو اللہ نے فرما دیا کہ انہیں دردناک عذاب ہوگا اور ان کا مال بھی ان کے لیئے عذاب کا سبب بنے گا اور ان کی اولادیں بھی ان کے لیے عذاب کا سبب بنیں گی۔ یہ سارا کچھ کہنے کے بعد پھر گنجائش رکھ دی کہ اگر توبہ کرلیں تو میں انہیں بھی معاف کردوں گا۔ اسی پر مر نہ جائیں اگر اسی پر مر گئے تو پھر کفر پر مر گئے۔ یہ جان مال دینا تو بڑی دور کی بات ہے میرے جو بھائی نماز پنجگانہ کے لیئے وقت نہیں دے سکتے وہ جان مال پر کیا دیں گے۔ سوچنے کی بات ہے کہ ہم آخر کیسے مسلمان ہیں ہم کیا کر رہے ہیں۔ اگر ہمارے پاس دکان ہے تو ہم دوسروں کو لوٹنا چاہتے ہیں اگر ہم گاہک ہیں تو دو چیزیں قیمتاً خریدتے ہیں تیسری چوری سے اٹھا لیتے ہیں یہ ہمارے کردار کی کون سی خوبی ہے، جس پر ہمیں فخر ہو کہ ہم مسلمان ہیں۔ اسی طرح منافقت میں زندگی گزار کر کوئی مر جائے تو ایصال ثواب کے لیئے چند مولویوں کو بلوا کر اجرت پر قرآن کی تلاوت کرواتے ہیں کہ مردے کو ثواب ملے اس کی بخشش ہو جائے حالانکہ ایصال ثواب تو ایمان والے کے لیئے ہے۔ اس کے لیئے جس نے دنیا میں ایمان قبول کیا، اللہ کے احکام مانے رسول اللہ ﷺ کے اتباع میں کوشاں رہا۔ بخشش کے لیے ایمان ضروری ہے۔ اصل تو دل میں موجود ہو اصل تو اس کے اپنے پاس موجود ہو وہ ایمان تو لے کر جائے اور ایمان اس جذبے کا نام ہے جو خلوص دل سے اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے آتا ہے۔ اللہ کریم کو مانے گا، آخرت کو مانے گا، فرشتوں کو مانے گا، حساب کتاب کو مانے گا۔ انبیاء کو مانے گا، اللہ کی کتابوں کو مانے گا تب ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان کامل ہوگا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وہ تعلق ہو کہ دنیا کا سب کچھ لٹ جائے دامان رسالت نہ چھوٹے یہ فیصلہ اس کے دل کا ہو تو اللہ فرماتا ہے اس سے کچھ بھی نہ ہو سکے تو میں اسے سرفراز کروں گا۔ معذور ہے تو اس لیئے کہ میں نے اسے طاقت نہیں دی۔ پیسہ خرچ

نہیں کر سکتا تو اس لیے کہ میں نے اسے نہیں دیا۔ اس کے پاس ہوتا تو لٹا دیتا اگر اس کے پاس وسائل ہوتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں نچھاور کر دیتا یہ نہیں جا سکتا تو واقعی معذور ہے اور اگر معذور ہے اور اس کے دل کا یہ فیصلہ ہے تو اس فیصلے پر میں اسے آخرت میں سرفراز کر دوں گا لیکن اگر دلی فیصلہ ہی اس کے خلاف ہو اتباع رسالت کی کوئی اہمیت ہی نہ ہو۔ نہیں ہو سکی اس کی نماز قضاء ہو گئی کوئی اس کا دکھ تو ہو احساس تو ہو ندامت تو ہو تکلیف تو ہو یہ میرا نقصان ہو گیا پھر تو مداوا ہو سکتا اور جو اسے ضروری ہی نہ سمجھے پھر یہ کیسی مسلمانی ہے، کیسا ایمان ہے اس پر کیا؟

دو باتیں ان آیات کا ماحصل ہیں اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھرے رہو۔ ہیرا پھیری کے بغیر کھرے کھرے۔ خلوصِ دل سے اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا جذبہ ہو اور مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ؕ احسان یہ ہے کہ جو کام کیا جائے اس میں خلوص ہو۔ نصح ہوتا ہے نیت اور ارادہ میں خلوص کا ہونا، دلی ارادوں میں بھی مخلص ہو اور جو کام بھی کرے اس میں بھی اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا جذبہ پورے خلوص سے کارفرما ہو۔ فرمایا ایسے لوگوں پر کوئی گرفت نہیں ہے۔ اللہ بہت بڑا بخشنے والا، بہت بڑا رحم کرنا والا ہے۔ اس کے ساتھ کا کوئی دوسرا ایسا نہیں ہے جو اتنی بخشش کر سکے اس طرح رحم کر سکے۔ وہ واحد لاشریک ہے اور اس کی بخشش بہت وسیع ہے۔ کسی کے گناہ اس کی بخشش کو عاجز نہیں کر سکتے لیکن شرط یہ ہے کہ مرنے سے پہلے میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عہد وفا باندھ لے اور خلوص دل سے باندھ لے۔

دین نام ہے اطاعت محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اور یہ اطاعت دنیاوی نفع ونقصان سے بڑھ کر ہے اس اطاعت میں یہ سوچنے کی گنجائش نہیں ہے کہ میرا یہ دنیاوی نقصان ہو جائے گا یا مجھے لوگ کیا کہیں گے یا میرے نام یا میری عظمت میں فرق آ جائے گا کچھ بھی نہیں بلکہ پورے خلوص اور صمیم قلب سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا نام دین ہے ایک جگہ قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! اگر ہم انہیں یہ حکم دے دیتے کہ اپنے آپ کو قتل کر دو یا اپنے بستے ہوئے گھر چھوڑ دو اور ان سے نکل جاؤ اگر یہ حکم دے دیتے تو فائدے میں وہی رہتا اور وہی مومن ہوتا جو اس پر عمل کرتا یعنی ہر طرح کی دنیاوی نعمتوں کی دین کے مقابلے میں کوئی قیمت نہیں ہے۔ یہ بات ہم نہیں سمجھتے اور آخر دم تک اس پر جمے رہتے ہیں کہ یہ زمین میری ہے، یہ مکان میرا ہے، یہ گاڑی میری ہے، یہ گھر میرا ہے، یہ دولت میری ہے حالانکہ قانون فطرت یہ ہے کہ تخلیق انسانی سے پہلے ہر فرد کا رزق تقسیم کر دیا گیا۔ کوئی ایسا وجود نہیں جو اپنی تقسیم سے ایک ذرہ زیادہ لے سکے یا اس میں سے ایک ذرہ کم

چھوڑ کر مر جائے یہ ممکن نہیں ہے۔ ہر وجود پر وہی رزق اس کا حصہ بنتا ہے۔ وہی گوشت بن کر، خون بن کر، اس کی رگوں میں دوڑتا ہے جو انسانوں کی تخلیق سے پہلے تقسیم کر دیا گیا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر معاملہ ایسا ہے تو پھر ہم محنت مزدوری، تجارت یا کاروبار کیوں کریں؟ محنت مزدوری، تجارت، کاروبار اس لیئے نہیں کیا جاتا کہ اس سے رزق ملتا ہے۔ اس لیے کیا جاتا ہے کہ اس کے کرنے کا اللہ نے حکم دیا ہے۔ دنیا عالم اسباب ہے اور اللہ کریم نے اسباب کو اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس معاملے میں بھی جو کوتاہی کرتے ہیں اور اسباب چھوڑ دیتے ہیں وہ خطا کرتے ہیں۔ لیکن خطاؤں کا حساب جب ہوگا تب ہوگا دنیا میں کسی بیکار کو بھوکے مرتے دیکھا؟ کسی نہ کسی حوالے سے ان کے حصے کا رزق بھی ان تک پہنچ جاتا ہے اور جو زیادہ سمیٹتے ہیں کبھی ان کو دیکھا ہے کہ سارا کھا کر مریں؟ وہی کھاتے ہیں جو ان کے وجود کا حصہ لکھ دیا گیا ہے۔ اس سے زیادہ نہ کوئی قطرہ پانی کا پی سکتا ہے نہ کوئی ہوا میں سے ایک سانس زائد لے سکتا ہے نہ ایک ذرہ خوراک کا لے سکتا ہے لیکن دنیا ہے اور دنیا کا معنیٰ ہوتا ہے قریب تر چیز، جو سب سے قریب ہو۔ تو چونکہ عقل انسانی بھی مادی ہے، نفس بھی مادیات سے پیدا ہوتا ہے تو دنیا ان کے قریب تر ہے۔ وہ شعور جو آخرت کو پہچانے وہ اتباع محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیدا ہوتا ہے۔ جتنا کسی کا یقین کامل ہوگا، جتنا کسی کا عقیدہ صحیح ہوگا، جتنا کسی کو اتباع رسالت نصیب ہوگی، اتنا اس کو آخرت پر یقین نصیب ہوگا۔ اور دنیا پر آخرت کو ترجیح تب ہی دی جاسکتی ہے جب آخرت پر دنیا سے زیادہ یقین و اعتبار نصیب ہو۔ کیسی عجیب بات ہے کہ تیرہ سال مکہ مکرمہ میں ہر ایمان لانے والے صحابیؓ نے بے پناہ دکھ سہے بے پناہ تکلیفیں سہیں۔ سب کا یہ ایمان تھا کہ حضور اکرم ﷺ دستِ دعا اٹھا دیں تو وہ دعا ہمیشہ مستجاب ہوتی ہے۔ تیرہ برسوں میں کوئی ایک واقعہ تاریخ نہیں بتاتی کہ کسی صحابیؓ نے آکر عرض کی ہو کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا کر دیجیے کہ کافروں، مشرکوں کا جور و ستم ہم پر ختم ہو جائے۔ کیا عجیب بات نہیں ہے؟ سب کو یقین تھا کہ حضور ﷺ کے دست ہائے مبارک اٹھیں گے تو دعا قبول ہوگی ان شاء اللہ۔ لیکن تکلیفیں سہتے رہے، مار کھاتے رہے، طرح طرح کی ایذائیں برداشت کرتے رہے۔ اور یہ کیوں نہیں کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھ مبارک اٹھایئے، کافر تباہ ہو جائیں یا کافر شہر چھوڑ جائیں، ہم یہاں رہیں حتیٰ کہ انہیں حکم ہو جاتا ہے کہ نہیں یہ تمہیں نہیں رہنے دیتے تو تم ہجرت کر جاؤ۔ کیا اللہ مجبور تھا، ان کی مدد نہیں کر سکتا تھا، کیا اللہ کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم دست دعا نہیں اٹھا سکتا تھا، کیا کوئی صحابی یہ عرض نہیں کر سکتا تھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زمینیں، باغات، گھر، جائیدادیں بھرا پرا گھر چھوڑ کر ہم کیوں نکل جائیں کافر کیوں نہ نکلیں؟ کسی نے نہیں کہا اس لیے کہ انہیں نظر آرہا تھا کہ یہ جو کچھ ہمارے پاس دنیا میں ہے یہ عارضی ہے، وقتی ہے، دیکھنے کی چیز ہے حقیقت میں اس کا کوئی وجود نہیں یہ

فانی ہے۔ جو کچھ اس کے مقابلے میں ہمیں مل رہا ہے وہ دائمی ہے، ابدی ہے، حقیقی ہے۔ مجھے اور آپ کو گھر عزیز ہیں تو کیا انہیں نہیں تھے، ہمیں اپنی جائیداد، زمینیں گاڑیاں، عزیز ہیں تو کیا انہیں اپنا گھر اپنا مال عزیز نہیں تھا؟ عزیز تھا لیکن ان کی نگاہوں میں یہ بات تھی کہ جو کچھ مل رہا ہے وہ حقیقی ہے دائمی ہے ابدی ہے اور جو کچھ یہ سامنے نظر آرہا ہے یہ فانی ہے۔ آج چھوڑ دیں یا فرداء موت آکر اسے چھڑا دے گی۔ اس نے آج بھی جانا ہے دس سال بعد بھی جانا ہے تو کیوں نہ یہ سودا آج ہی کرلیں اسے چھوڑ دیں اسے اپنالیں۔ اور ایسا سودا کیا کہ قرآن کریم میں اللہ ان کی برات اور ان کی نجات کی خبر دیتے ہیں اور فرماتے ہیں رَّضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُمۡ (التوبہ:100) اللہ ان سے راضی ہے۔ دنیا میں بڑے عظیم اہل اللہ، اولیاء کرام آئے، علماء آئے، بڑے عاقل دانشور آئے، بڑے مخلص مسلمان اور عظیم مجاہد آئے۔ کسی کے بارے کیا ہم یہ طے کر سکتے ہیں کہ یہ یقینا جنتی ہے ہم امید رکھتے ہیں۔ ہم امید رکھ سکتے ہیں کہ اللہ اسے جنت دے گا۔ ہمارے پاس کوئی فیصلہ نہیں ہے۔ جب قیامت قائم ہوگی میرا آپ کا اور تمام مخلوق کا فیصلہ ہوگا لیکن صحابہ کرامؓ وہ ہستیاں ہیں جنہیں اللہ نے دنیا میں سند دے دی رَّضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُمۡ اللہ ان سے راضی ہے اس لیئے کہ انہوں نے ساری دنیا حتیٰ کہ اپنی جانوں پر محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کو ترجیح دی۔

حضرت خبیبؓ دھوکے سے قید کر کے مشرکین مکہ کو بیچ دیئے گئے کہ ان کے ہاتھوں ان کے بڑے بڑے نامور لوگ مارے گئے تھے آپؓ کو بدلے کے لیے لے گئے۔ حرمت کے مہینے تھے عجیب بات ہے مشرکین مکہ بھی اور جہلاء عرب بھی حرمت کے مہینوں کا احترام کرتے تھے۔ آج ہم پر یہ وقت ہے کہ مسلمان کہلانے والے کلمہ پڑھنے والے اپنے کو دین دار سمجھنے والے کے نزدیک کسی مہینے کی کوئی حرمت نہیں۔ وہی لوٹ مار جاری ہے، وہی قتل و غارت گری جاری ہے مشرک بھی جسے مجرم سمجھ کر قتل کرنا چاہتے تھے اسے بھی حرمت کے مہینوں میں قتل نہیں کرتے تھے۔ آپؓ کو وہ حرمت کے مہینے ان کی قید میں گزارنا پڑے۔ ذرا سوچیں کہ آپ دشمن کے ہتھے چڑھ جائیں اور یہ بھی یقین ہو کہ اس نے قتل کر دینا ہے اور موت کے انتظار میں دو مہینے یا تین مہینے اس کی قید میں رہنا پڑے تو یہ کتنا اذیت ناک عمل ہے۔ بہر طور جب حرمت کے مہینے گزر گئے اور انہیں باہر میدان میں لایا گیا تمام مخلوق جمع ہوگئی کہ بڑے اذیت ناک طریق سے انہیں شہید کیا جائے گا تو اس وقت سرداران مکہ نے ان پر سوال کیا کہ اتنا عرصہ موت کے انتظار میں رہ کر اور اب یہ سامنے لٹکی کھڑی ہوئی سولی اور تیر انداز دیکھ کر اور یہ جان کر کہ تمہیں سولی پر لٹکا کر تیروں سے چھلنی کیا جائے گا اب تو تمہیں خیال آتا ہوگا کہ کاش میں محمد رسول اللہ ﷺ کا دامن چھوڑ دیتا اور میری جان بچ جاتی۔ انہوں نے فرمایا تم بیوقوف ہو تم حقیقت سے آشنا نہیں ہو یہ ایک

زندگی نہیں ایسی کتنی زندگیاں بھی مل جائیں اور بار بار نچھاور ہوں تو نئی لذت آئے گی اور فرمایا اگر تم میری آرزو جاننا چاہتے ہو کہ میرے دل میں کیا ہے تو مجھے دو رکعت نفل پڑھنے کی اجازت دے دو پھر قتل کر دینا۔ یہ موت سے پہلے دوگانہ ادا کرنے کی سنت ان سے جاری ہوئی۔ انہوں نے نہایت ہلکی سی نماز پڑھی تو مشرکین نے کہا ہم تمہیں قید میں دیکھتے تھے تم بڑی تسلی سے اور بڑی اطمینان سے نمازیں پڑھتے تھے آج تو تم نے جلدی جلدی ختم کر لی فرمایا میں نے اس لیے مختصر کی ہے کہ تمہیں یہ خیال نہ آئے کہ میں موت کے ڈر سے لمبی کر رہا ہوں جب وہ سولی دینے لگے تو انہوں نے ادھر اُدھر دیکھا تو فرمایا اے اللہ یہاں تو کوئی بھی نہیں جو میرا اسلام میرے محبوب ﷺ تک پہنچا دے۔ تو قادر ہے اس ہوا کو ہی حکم دے میرا اسلام میرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پہنچا دے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں بیٹھے وضو فرما رہے تھے ایک خادم پانی ڈال رہا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دفعتاً فرمایا وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ خادم نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی نے سلام تو نہیں کیا فرمایا خبیبؓ نے بھیجا ہے۔

یہ ہے حقیقت اگر اس حقیقت سے ہم آشنا ہو جائیں تو پھر دنیا کا کوئی مفاد ہمیں اتباع رسالت پناہی سے نہیں روک سکتا۔

کچھ بدنصیب اس وقت بھی ایسے تھے جو بہانے کر کے جان اور مال بچانا بھی چاہتے تھے اور نمازیں بھی پڑھتے تھے سجدے بھی کرتے تھے قرآن نے ان کا نام منافق رکھا ہے اور ان کی سزا قرآن نے یہ ارشاد فرمائی ہے اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ (النساء:145) دوزخ کے سب سے نچلے خانے میں منافقین ہوں گے۔ حدیث شریف میں اس کی تشریح ملتی ہے کہ کفار کے زخموں سے جو خون اور پیپ بہہ کر نیچے جمع ہوگا وہ منافقین کی غذا ہوگی تو منافقین نے اس وقت بھی بہانے کیئے جب غزوۂ تبوک کا موقع آیا۔ اپنی مصروفیات بتائیں، اپنی ضروریات بتائیں، اجازت چاہی۔ کچھ تو بغیر بتائے گھر بیٹھ رہے کچھ بارگاہ نبوی میں اجازت لینے آئے ان کا ذکر گزر چکا۔ اللہ کریم نے فرمایا کہ اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں کوئی دنیاوی مفاد حائل نہیں ہو سکتا اور جسے دنیا عزیز ہے اسے آخرت کی خبر ہی نہیں۔ اسی سے پتہ چلتا ہے کہ اس کا عقیدہ ہی درست نہیں اسے پتہ ہی نہیں کہ آخرت کیا ہے یہاں ان لوگوں کا ذکر ہو رہا ہے جو واقعی مجبور اور بے بس تھے فرمایا ان پر کوئی گرفت نہیں ہوگی۔ ایک شخص کوئی کام کر ہی نہیں سکتا اس کے بارے اللہ اس سے نہیں پوچھے گا۔ جو کر سکتا ہے اور عذر بہانے کر کے نہیں کرتا اس پر گرفت ہوگی۔ کن لوگوں سے نہیں پوچھا جائے گا؟ فرمایا اس سے پہلے گزر چکا کہ کچھ ضعیف ہیں کچھ بیمار ہیں یا کچھ ایسے لوگ ہیں جن کے پاس مال واسباب میں سے کچھ نہیں ہے نہ راشن، نہ اسلحہ نہ سواری کہ

وہ اللہ کی راہ میں نکلیں ان پر گرفت تب نہیں ہے اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۔ جب ان کے دل میں اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیئے خلوص ہو تمنا ہو کہ میرے پاس بھی کاش آج کچھ ہوتا میں بھی نچھاور کرتا مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ۔ یعنی جو خلوص دل سے، صدق دل سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام پر عمل کے لیے کوشاں رہتے ہیں پھر جو کام ان کے بس میں نہیں ہوتا تو اس کی ان سے باز پرس نہیں ہوگی۔ اس لیئے کہ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٩١﴾ اللہ معاف کرنے والا رحم فرمانے والے ہیں۔ وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ ان لوگوں پر بھی کچھ گرفت نہیں ہے جو گھروں سے تو نکل آئے۔ اگر چہ تہی دست تھے نہ اسلحہ تھا نہ راشن، نہ سواری لیکن وہ بارگاہ رسالت پناہی میں حاضر ہو گئے اور عرض کی یارسول اللہ ہمارے پاس تو کچھ نہیں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں کچھ سواری دے دیں، اسلحہ دے دیں، ہم ہم رکاب ہیں، ہم جان دینے کو حاضر ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا قلت لا اجد ما احملکم علیه میرے پاس بھی اس وقت کوئی اسباب نہیں ہیں کہ تمہاری سواری کا اہتمام کریں۔ کچھ لوگ ایسے بھی تھے جن کے پاس تبوک کے وقت کچھ نہیں تھا وہ بارگاہ رسالت پناہی میں حاضر ہوئے یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جان حاضر ہے لیکن ہمارے پاس نہ سواری ہے نہ راشن ہے نہ اسلحہ ہے اگر اس کا انتظام فرمادیا جائے تو ہمیں بھی ہم رکاب چلنے کی سعادت نصیب ہو جائے۔ اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا کہ اس وقت تک سب کچھ تقسیم ہو چکا ہے۔ اسباب دنیا سے اس وقت ہمارے پاس یہاں کچھ نہیں ہے لیکن اللہ کی شان چھ اونٹ کہیں سے آگئے تین حضرت عثمانؓ نے اور پیش کر دیے حالانکہ تبوک میں مال، اسلحہ، سواریاں وغیرہ بہت سامان آپؓ پیش کر چکے تھے تین اونٹ اس وقت بھی پیش کر دیئے تو نو آدمی پھر ان میں سے بھی پھر جہاد پر روانہ ہو گئے لیکن اللہ کریم فرماتے ہیں اللہ دلوں کے حال دیکھتا ہے وہ بندوں کا محتاج نہیں ہے کہ زیادہ بندے جائیں گے تو کام ہوگا۔ وہ قادر ہے جو چاہے وہ کرے ہاں! دل کا خلوص ضرور دیکھتا ہے تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ﴿٩٢﴾ فرمایا: وہ آپ کی بارگاہ سے پلٹ تو گئے کہ ان کا بس نہیں چل رہا تھا۔ ان کے پاس اسباب نہیں تھے کیسے جاتے۔ پلٹ تو گئے لیکن ان کا خون جگر ان کی آنکھوں سے ٹپک رہا تھا ان کے دل سے اٹھنے والا درد آنسو بن بن کر ان کی آنکھوں سے چھلک رہا تھا کہ ہم کیوں پیچھے رہ گئے تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اتنا دکھی تھا ان کا دل کہ گویا آنکھوں سے آنسوؤں کی بجائے خون جگر برس رہا ہے اور انہیں یہ دکھ تھا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ﴿٩٢﴾ کہ کاش ہمارے پاس بھی کچھ اسباب ہوتے جو آج ہم بارگاہ رسالت میں نچھاور کرتے۔ اتنا تو ہوتا کہ ہم اپنی جانیں وہاں لے جاتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں لٹا دیتے۔ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ وَهُمْ

اَغۡنِيَآءُ ۚ ہاں گرفت ان لوگوں پر ہوگی جو پیچھے رہ جانے کے لیئے بہانے بہانے سے اجازت لیتے تھے۔ آپ ﷺ کے ساتھ جہاد میں شرکت نہیں کرنا چاہتے اپنی جان بھی بچانا چاہتے ہیں مال بھی بچانا چاہتے ہیں وَهُمۡ اَغۡنِيَآءُ ۚ حالانکہ اللہ نے انہیں غنی کر رکھا ہے۔ ان کے پاس وسائل بھی ہیں اسباب بھی ہیں۔ اللہ نے انہیں بہت کچھ دے رکھا ہے لیکن وہ اس کو بچانا چاہتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع نہیں کرنا چاہتے اور بہانے بہانے سے اجازت طلب کر رہے ہیں جھوٹ بول رہے ہیں رَضُوۡا بِاَنۡ يَّكُوۡنُوۡا مَعَ الۡخَوَالِفِ ۙ اب وہ اس بات پر خوش ہیں کہ ہم پیچھے رہنے والوں کے ساتھ رہ جائیں۔

یہ جتنے لوگ جن کا ذکر ہو رہا ہے جنہیں قرآن نے منافق کہا ہے اور جن کی سخت ترین سزا تجویز کی ہے یہ وہ لوگ تھے جو دکھاوے کے لیئے سہی لیکن نمازیں بھی پڑھتے تھے۔ مسجد نبوی میں بھی پڑھتے تھے، دیگر مساجد میں بھی پڑھتے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں بھی پڑھتے تھے۔ مسلمانوں کے ساتھ روزے بھی رکھتے تھے، ارکان دین بھی ادا کرتے تھے ظاہری طور پر خود کو مسلمان ثابت کرتے تھے۔ میں یہ سوچتا ہوں کہ آج کے اس دور میں ہم نے صحت مند بھلے چنگے ہوتے ہوئے نمازیں بھی چھوڑ دی ہیں، ہم کس درجے میں ہیں؟ یعنی اس عہد کے لوگ ہماری اکثریت اتنے گئے گزرے ہیں کہ بغیر کسی عذر بغیر کسی وجہ کے نمازیں بھی چھوڑ دی ہیں تو ہم کون سی قربانی دیں گے ہم کیا ایثار کریں گے یہ لوگ خوش ہیں کہ مصیبت سے بچ گئے۔ ہم سے یہ مصیبت نہیں کاٹی جاتی ہم سے نمازوں کا اہتمام نہیں ہوتا ہم سے یہ روزے کی تکلیف برداشت نہیں ہوتی۔ بس ٹھیک ہے دوسروں کی گزر گئی ہماری بھی گزر گئی ہے خوش ہیں لیکن اس کا اثر کیا ہے اس کا نتیجہ انسانی زندگی پر کیا ہے فرمایا: وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ فَهُمۡ لَا يَعۡلَمُوۡنَ۝ اللہ نے ان کے دلوں پر مہر کر دی۔ یہ ایسے بدنصیب ہیں کہ جن کے دل پر مہر ہو جائے اس سے توفیق توبہ بھی سلب ہو جاتی ہے اسے توبہ بھی نصیب نہیں ہوتی اور اطاعت نبوت میں بہانے کر کے مال یا جان بچانے کی کوشش کرنا مہر لگ جانے کا سبب ہے۔

ہمارے ہاں دین کے نام پر بھی رسومات کی جاتی ہیں اور اسے بھی دین کہا جاتا ہے یہ ہماری بڑی بدنصیبی ہے۔ دین پر عمل نہ کرنا ایک اور بات ہے اور دین کی صورتیں بگاڑ دینا یہ ایک بہت بڑا ظلم ہے جیسے ہماری حکومت لوگوں کے اکاؤنٹ سے زبردستی زکوۃ کاٹ لیتی ہے اس کا نتیجہ اب ہم دیکھ رہے ہیں جتنی زکوۃ کٹتی ہے وہ سوائے سیاسی رشوت کے طور پر دیئے جانے کے میرے علم میں تو نہیں ہے شاید کہ یہ اچھی جگہ بھی دیتے ہوں لیکن جہاں تک میری معلومات ہیں وہ سیاسی رشوت کے طور پر خرچ کی جاتی ہے یا لوگ کھا پی جاتے ہیں جو اس کے اہل کار یا ذمہ دار یا اس کی وزارت یا ادارے استعمال کرتے ہیں۔ حالانکہ زکوۃ کی تمام تفصیلات شریعت میں متعین ہیں

جب ان شرعی شرائط کو چھوڑا تو جو اللہ کا مقرر کردہ معیار تھا وہ بدل دیا گیا پھر کچھ فرقوں کو استثناء دے دیا گیا کہ ان پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے بالخصوص شیعہ حضرات کو۔ اب بہت سے مالدار اہل سنت ایسے دیکھے کہ جب زکوٰۃ کٹنے کی باری آئی تو انہوں نے فارم پر لکھ کر بینک کو دے دیا کہ وہ شیعہ ہیں تاکہ ان کی رقم محفوظ رہے۔ وہ پیسے اس کے ساتھ کیا لوگ قبر میں رکھ آئیں گے اور اگر رکھ آئیں گے تو وہاں کیا اس کے کسی کام آئیں گے تو یہ ایک عام بات ہے کسی تحقیق کی ضرورت نہیں ہر کوئی جانتا ہے۔

تو فرمایا یہ لوگ جن کے پاس وسائل ہیں لیکن بہانے کرتے ہیں اور دین پر عمل نہیں کرنا چاہتے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع نہیں کرنا چاہتے تو اس کی سزا انہیں یہ دی جاتی ہے کہ ان کے دلوں پر مہر ہو جاتی ہے۔

اللہ کریم نے انسان کو بے پناہ نعمتیں دی ہیں۔ انسانی دماغ کو اتنی صلاحیتیں دی ہیں کہ آج آپ دیکھتے ہیں کہ مادی اور سائنسی ترقی کس انتہا کو پہنچ گئی ہے۔ چھوٹے چھوٹے موبائل فون ہیں ان میں پورا کمپیوٹر آ گیا ہے۔ وہ ڈاک بھی وصول کر لیتے ہیں۔ ڈاک بھیج بھی دیتے ہیں فیس بک (Face book) بھی کھول لیتے ہیں انٹرنیٹ کے ذریعے دور بیٹھے لوگوں سے بات بھی کروا دیتے ہیں ان کی تصویر بھی دکھا دیتے ہیں وہ تصویریں بھی بنا لیتے ہیں فلمیں بھی بنا لیتے ہیں اور سارا حساب کتاب بھی کلکیولیٹر پر کر لیتے ہیں۔ جتنا کام ہم کمپیوٹر پر کرتے تھے وہ ایک چھوٹے سے فون میں بھی آ گیا ہے۔ انسانی عقل کیا کیا ایجاد کر رہی ہے لیکن ایک سائنسدان بہت بڑا سائنسدان یہ کہتا ہے کہ انسانی دماغ کا ابھی دس فی صد سے بھی کم حصہ زیر استعمال آیا ہے۔ یعنی یہ دس فیصد سے بھی کم دماغی صلاحیتوں کا استعمال ہے۔ انہوں نے راکٹ بھی اڑا دیے اور چاند پر بھی پہنچ گئے مریخ پر بھی اتر گئے یہ سارا انسانی دماغ اس میں نہیں لگا دس فیصد سے بھی کم لگا ہے۔ اب باقی نوے فیصد آدمی کب استعمال کرے گا اور کرے گا تو دنیا میں کیا کیا کچھ نظر آئے گا یہ تو ہم سوچ بھی نہیں سکتے اتنی بڑی صلاحیت دی دماغ کو کہ ہر رگ پر پٹھا ہر ریشہ اس کے زیر اختیار ہے اور وہ حکم دیتا ہے تو حرکت میں آ جاتے ہیں ہاتھ، پیر، کان، آنکھ، جلد کو دیں گوشت پوست کو پٹھوں کو رگوں کو بے شمار صلاحیتیں دیں ان کی تفصیلات دیکھیں تو انسان حیران رہ جاتا ہے کہ ایک چھوٹے چھوٹے ریشے میں کتنی صلاحیتیں ہیں لیکن سب سے قیمتی خزانہ جو دیا وہ دل ہے۔ دماغ مادی ہے اور انسان کی مادی ضروریات پوری کرنے کے وسائل تلاش کر لیتا ہے۔

دل:

دل وہ شئے ہے جو خود اللہ کریم کا گھر ہے جس میں اللہ کریم کے انوارات وتجلیات ہوتے ہیں جو محبت

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا مرکز ہے۔ دل وہ ہے جو اللہ نے محض اپنے لیے عطا فرمایا ہے ایک دل ہی وہ ہے جس نے انسان کو اشرف المخلوقات بنا دیا۔ وگرنہ اپنی ضروریات زندگی پوری کرنے کے لیے ہر جانور کو ہر چڑیا کو اور ہر درندے کو بھی اللہ نے دماغ دیا ہے اور وہ اپنی ضرورتیں پوری کرتے ہیں۔ اپنے لیے اچھا برا سوچ لیتے ہیں۔ اپنے گھر بناتے ہیں۔ اپنے بچے پالتے ہیں، اپنی خوراک تلاش کرتے ہیں۔ مادی وسائل کے لیئے دماغ اللہ نے درندوں کو بھی دیئے ہیں، جانوروں کو بھی دیے ہیں۔ دل جو ہے وہ صرف انسان کو دیا ہے۔ وہ دل جس میں اللہ کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بسایا جاسکتا ہے۔ دماغ کھلتا ہے تو مادی اسباب کے حیرت انگیز کرشمے سامنے آتے ہیں چاند تک کمندیں ڈالتا ہے، مریخ پر جا اترتا ہے، سیاروں ستاروں کی تحقیق کرتا ہے، بادل بارش کو دیکھتا بھالتا ہے۔ یہ ساری کاوشیں دماغ کی ہیں جب دماغ بیدار ہوتا ہے جب دماغ کو جلا ملتی ہے جب اسے علم سے آراستہ کیا جاتا وہ تحقیقات کرتا ہے اور انسانی استعمال کے لیئے عجیب وغریب ایجادات سامنے لے آتا ہے انسانی بیماریوں کے علاج کی، انسانی اغذیاء کی، لباس کی ترقی یافتہ شکل لے آتا ہے لیکن جب دل بیدار ہوتا ہے تو دل کمند ڈالتا ہے اللہ کریم کی جنت اور بارگاہ رسالت پر۔ جب دل بیدار ہوتا ہے تو یہ ستارے سیارے پیچھے رہ جاتے ہیں وہ عالم امر کی دنیا میں جا کر نظر ڈالتا ہے۔ جب دل بیدار ہوتا ہے تو حقیقی چیزیں جو ہیں جو دائمی چیزیں ہیں جنہیں ہمیشہ رہنا ہے ان کی جستجو میں نکل پڑتا ہے اور اسے وہ نعمتیں نصیب ہوتی ہیں، وہ لذتیں نصیب ہوتی ہیں، وہ چیزیں دکھائی دیتی ہیں اور ان باتوں کی نشاندہی کرتا ہے جو حقیقی ہیں، ابدی ہیں، دائمی ہیں جنہیں ہمیشہ رہنا ہے۔ دل زندہ ہوتا ہے تو سب سے پہلے اسے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پہچان نصیب ہوتی ہے۔ رسول ماننا یہ دل کا اختیار ہے۔ قرآن کریم نے ایک عجیب منطق بتائی حدیث شریف میں بھی اس کی تائید ہے۔ قرآن حکیم فرماتا ہے

يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ○ (الاعراف:198)

اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی طرف نظریں گھما گھما کر دیکھتے ہیں لیکن آپ ﷺ کو دیکھ نہیں سکتے اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نظر نہیں آتے تھے تو کفار پتھر کس کو مارتے تھے۔ اگر حضور ﷺ نظر نہیں آتے تھے تو ایذا کس کو دیتے تھے، پھر طعنے کس کو دیتے تھے؟ نظر تو آتے تھے لیکن انہیں محمد رسول اللہ ﷺ نظر نہیں آتے تھے۔ انہیں جو کچھ نظر آتا تھا وہ ایک وجود دیکھتے تھے کہ یہ ہمارا مکہ کا رہنے والا قریشی بھائی ہے۔ اس کے پیچھے رسالت کا اتھاہ سمندر تھا انوارات کی اتھاہ گہرائیاں تھیں، تجلیات باری کا اتھاہ سمندر تھا۔ اس تک ان کی نگاہ نہیں جاتی تھی۔ اگر وہاں تک جاتی تو پھر کہہ اٹھتے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ تو قرآن کریم فرماتا ہے نظر تو دوڑاتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لیکن دیکھ نہیں سکتے۔ یعنی اپنے جیسے انسان کو دیکھتے ہیں۔ رسالت کی حقیقت تک

نہیں پہنچتے ۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کو نہیں پا سکتے اور جو کچھ اس انسانی لباس میں رحمۃ اللعالمینی ہے اس کے حجاب ہیں انسانی حجاب کو دیکھتے ہیں اس رحمۃ اللعالمین تک ان کی نگاہ نہیں پہنچتی ۔یہی بات حدیث شریف میں ملتی ہے کہ جب طائف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر پتھر پھینکے گئے ، وجود اطہر کو زخموں سے چور کر دیا گیا، آپ ﷺ تھک کر ایک جگہ آرام فرما ہوئے تو اللہ کریم نے ملک الجبال کو اس فرشتے کو جو پہاڑوں پر مقرر ہے حکم دیا کہ انہوں نے میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر پتھر پھینکے ہیں ۔ہر ایک اپنی ہستی کے مطابق کام کرتا ہے تم جاؤ میرے نبی ﷺ سے اجازت لے لو اگر وہ اجازت دیں تو طائف تو پہاڑی علاقہ ہے بڑے بڑے پہاڑ ہیں ایک ایک پہاڑ اٹھا کر ان کی بستی پر پھینک دو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں، وجود اطہر زخمی ہے، خون نعلین مبارک میں جم گیا ہے اس لیے خادم بڑا زور لگا کر اتار رہا ہے۔ ملک الجبال حاضر ہوتا ہے، سلام عرض کرتا ہے، اجازت چاہتا ہے کہ اللہ نے مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لینے کا پابند فرما کر حکم دیا ہے کہ یہ پہاڑ اٹھا کر اس بستی پر پھینک دو۔ ان پتھروں کے جواب میں جو انہوں نے میرے حبیب ﷺ پر پھینکے ۔تو حضور ﷺ اسے جواب دینے کی بجائے اللہ کریم سے دست بدعا ہیں ۔فرماتے ہیں اللھم اھدك اے اللہ تو انہیں ہلاک نہ فرما ہلاک کرنے کی بجائے ہدایت دے دے ۔اگلا جملہ قابل غور ہے عذر پیش فرماتے ہیں فانھم لایعلمون یہ بیچارے نہیں جانتے کہ یہ کس کو پتھر پھینک رہے ہیں ۔میرے ربّ ان سے خفا نہ ہوں یہ تیرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو جانتے ہی نہیں ۔جانتے ہوتے تو قدموں پر نچھاور ہو جاتے ۔یہ جانتے نہیں اس لیے پتھر پھینک رہے ہیں ان کی یہ غلطی معاف کر دے ۔تو دل وہ آئینہ ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ کی پہچان دیتا ہے اور ہم سے جب اطاعت چھوٹ جاتی ہے، نمازیں چھوٹ جاتی ہیں روزے چھوٹ جاتے ہیں بلا عذر شرعی صدقات نہیں دیتے ، زکوۃ چرا لیتے ہیں، لوگوں کے مال پر نظر رہتی ہے، لوگوں کی جان کی پروا نہیں کرتے ، محض دنیا کے پیچھے لگے ہوتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہمارے دل محمد رسول اللہ کو پہچان نہیں رہے اگر پہچانتے ہوئے تو نچھاور ہو جاتے نافرمانی نہ کرتے ۔ میں آپ کے بارے فتویٰ دے دوں آپ میرے بارے فتویٰ دے دیں یہ درست نہیں ہو گا دلوں کے حال اللہ جانتا ہے لیکن میرے سمیت ہم میں سے ہر ایک کو اپنے دل میں جھانکنا چاہیئے کہ میرا دل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا سا ہے یا نہیں اگر شنا سا ہو گا تو جسم کا رواں رواں تابعدار ہو جائے گا، سوچیں آئیں گی تو بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کی تمنا ہو گی ، جان نکلے گی تو اس بارگاہ میں پہنچے گی ۔ یقیناً نکیرین کے سوال جواب بڑے سخت ہیں وہ قبر میں آئیں گے ، ہیبت ناک شکلیں ہوں گی اور بندہ گھبرایا ہوا دنیا سے تن تنہا وہاں پہنچے گا۔ قبر خود اسے بھینچے گی لیکن مومن کے بارے حدیث

شریف میں آتا ہے کہ جب اس کے جسم میں جان آئے گی تو وہ فرشتوں کو دیکھ کر کہے گا چھوڑ و چھوڑ و ہٹ جاؤ میں نے نماز پڑھنی ہے نماز کا وقت ہو رہا ہے مجھے نماز پڑھنے دو۔ دعونی اُصلی تو نکرین ایک دوسرے کو دیکھ کر کہیں گے اب ہم اس سے کیا پوچھیں؟ جواب تو اس نے سارے دے دیے اس سے اب کیسا سوال۔ ایسے لوگ بھی میں نے دیکھے ہیں کہ جن کی روح قبض تو کہاں ہوئی لیکن اگلے لمحے بارگاہ رسالت میں موجود تھے۔ پتہ نہیں قبر والوں نے کیا پوچھا کیا نہیں پوچھا میں نے تو ایسے لوگوں کو بھی دیکھا ہے جو ابھی قبر کی طرف نہیں گئے جیسے ہی بدن سے روح نکلی بارگاہ رسالت میں موجود ہیں بلکہ ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جن کی ارواح موجود ہی بارگاہ رسالت میں ہوتی ہیں ملک الموت صرف وجود سے ان کا رشتہ منقطع کر دیتا ہے روح قبض نہیں کرنی پڑتی۔ یہ لوگ کون ہیں؟ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانا۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے قلوب نے شان رسالت کو اپنی حیثیت کے مطابق پایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو شان ارفع ہے اس سب کو کما حقہ جاننا اللہ کا کام ہے میرا اور آپ کا نہیں۔ ہم میں سے ہر ایک نے اپنی بصارت، اپنی بصیرت، اپنی استعداد کے مطابق ہے لیکن جو کم سے کم سمجھتا ہے وہ بھی جان بھی دے سکتا ہے اور جو اپنے اوقات اور جان و مال چھپاتا ہے اللہ کریم فرماتے ہیں اس کی بڑی سخت سزا دیتا ہوں۔ سزا یہ دیتا ہوں وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ کہ میں ان کے دلوں پر مہر کر دیتا ہوں پھر وہ کبھی پہچان سکتے ہی نہیں۔ اور افسوس کی بات یہ ہے کہ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۹۳﴾ انہیں خود پتہ ہی نہیں چلتا کہ ان کے دلوں پر مہر ہو گئی۔ وہ خود کو دانشور سمجھے بیٹھے ہوتے ہیں کہ میں نے اتنا مال جمع کر لیا، اتنی دولت لے لی، اتنے عہدے لے لیے، میں اتنا بڑا آدمی ہو گیا۔ انہیں یہ پتہ ہی نہیں چلتا کہ ان کے دل اندھے ہو گئے ہیں۔ انہیں در بار رسالت تو نظر ہی نہیں آ رہا۔ انہیں انوارت رسالت تو دکھائی ہی نہیں دے رہے۔ انہوں نے کبھی آخرت کو سوچا ہی نہیں۔ انہیں کبھی اللہ کی بارگاہ کا خیال ہی نہیں آیا۔ فرمایا: اللہ ان سے یہ سوچ بھی چھین لیتا ہے اور یہ بدنصیب ترین لوگ ہوتے ہیں۔

رمضان المبارک کا آخری جمعہ ہے مبارک ساعتیں ہیں۔ ہمارے دسویں پارے کی تفسیر چل رہی تھی ابھی چند آیات باقی تھیں میں نے سمجھا کہ اس پارے کی جمعۃ المبارک پر ہی تکمیل ہو جائے تو بڑی سعادت کی بات ہے ورنہ شاید فضیلت رمضان المبارک پر باتیں کرتے، روزے کی فضیلت پر، لیلۃ القدر پر بات کرتے، عبادات کی بات ہوتی لیکن الحمد للہ دسویں پارے کی بیانیہ تفسیر آج مکمل ہوئی۔ اللہ کریم کا احسان ہے۔ زندگی مستعار ہے جب تک اللہ توفیق دے گا چلتی رہے گی جتنی اللہ کو منظور ہے بن جائے گی اور جہاں زندگی ساتھ چھوڑ گئی وہاں ذمہ داری بھی ختم ہو جائے گی۔ پیچھے رہ جانے والوں کا اللہ حافظ ہے۔ وہ قادر ہے انہیں بھی ہدایت پر رکھے۔

بے شمار لوگوں کی اصلاح کا سبب بننے والی قرآن تفسیر

حضرت مولانا اکرم اعوان مدظلہ العالی کی

اردو تفسیر آڈیو، وڈیو اور لکھی ہوئی تینوں طرح کی دیکھیں، سنیں یا ڈاؤن لوڈ کریں۔

پنجابی تفسیر وڈیوز دیکھیں ڈاؤن لوڈ کریں۔ قرآن کا اردو ترجمہ اور کتابیں ڈاؤن لوڈ کریں۔

قرآنِ کریم کی تلاوت اور حضرت صاحب کا اردو ترجمہ آڈیو۔ کمپیوٹر اور موبائل پر سننے کے لیے ڈاؤن لوڈ کریں۔ حضرت جی کا کلام حمد اور نعتیں آڈیو وڈیو سنیں اور ڈاؤن لوڈ کریں۔

دلچسپ سوال جواب پر مشتمل ٹی وی پروگرام اَلمرشد کی تمام 125 اقساط کی وڈیوز دیکھیں

www.QuranTafseer.net

حضور نبی پاکؐ کے حضور آج بھی روحانی طور پر حاضری ممکن ہے اور ہزاروں مرد و خواتین یہ سعادت رکھتے ہیں۔ لیکن کیسے؟

تصوف تزکیہ روحانیت ، ذکر، روحانی سلسلہ ،روح، کشف، بیعت ان تمام موضوعات کو سمجھنے کے لیے حضرت مولانا اکرم اعوان مدظلہ العالی کے وڈیو بیانات اور کتابیں موجود۔

طریقۂ ذکر جس سے دل سے لے کر جسم کا ہر باڈی سیل اللہ اللہ ذکر کرنے لگ جائے۔

حضور نبی پاک ﷺ کے حضور روحانی طور پر حاضری کی سعادت۔

یہ سب کچھ سمجھنے کے لیے اور مکمل رہنمائی کے لیے ویب سائیٹ وزٹ کریں۔

اس پوسٹ کو زیادہ سے زیادہ شیئر کر کے آپ بھی اس نیک کام کا حصہ بنیں۔